فتاویٰ دارُالعُلوم زکریّا

کِتابُ الصلاۃ

جلدِ دوم

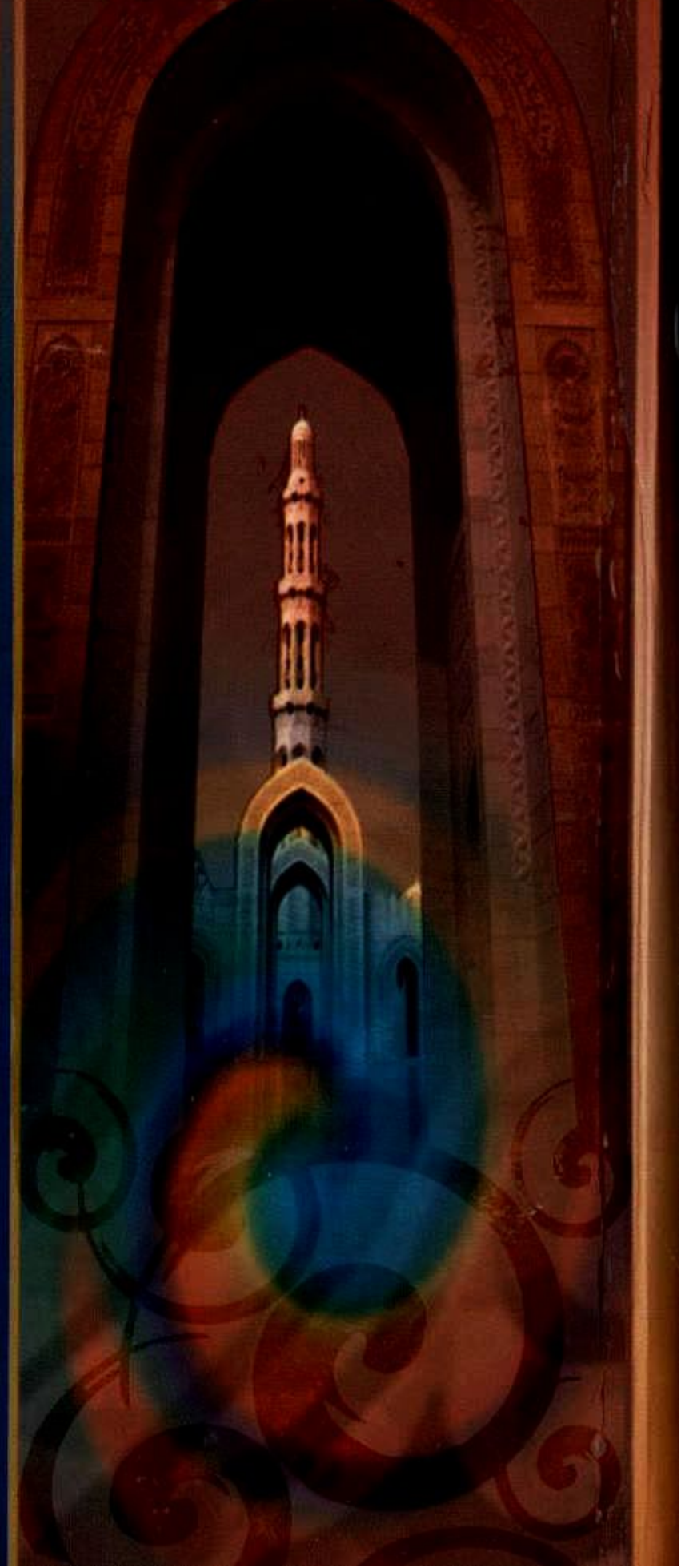
تہذیب وترتیب

حضرت مفتی عبدُالباری و مولانا محمد الیاس شیخ

افادات

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث ومُفتی دارُالعُلوم زکریّا، جنوبی افریقا



زمزم پبلشرز

فتاویٰ دارُالعُلوم زکریا

جِلد دوم

+ کتاب الصلاۃ

افادات

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث ومُفتی دارُالعُلوم زکریا، جنوبی افریقا

تہذیب وترتیب

حضرت مفتی عبدُالباری ومولانا محمّد الیاس شیخ

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مُقدس مسجد اُردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ـــــ فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد دوم

تاریخ اشاعت ـــــ نومبر ۲۰۰۸ء

باہتمام ـــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ـــــ

سرورق ـــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ـــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم نیوناؤن کراچی۔ فون: 2018342
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Darul Uloom Zakaria
P.O. Box 10786, Lenasia
1820 Gauteng
South Africa

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BI1 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

اجمالی فہرست

کتاب الصلاۃ

نمبر شمار		صفحہ نمبر
باب ﴿۱﴾	اوقاتِ نماز کا بیان	۴۰
باب ﴿۲﴾	اذان اور اقامت کا بیان	۶۶
باب ﴿۳﴾	صفۃ الصلاۃ کا بیان	۱۰۰
باب ﴿۴﴾	نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان	۱۵۹
باب ﴿۵﴾	قراءت وتجوید کا بیان	۱۷۸
باب ﴿۶﴾	امامت کا بیان	۲۱۴
باب ﴿۷﴾	فیما یفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا	۳۱۰
باب ﴿۸﴾	نمازِ وتر اور دعاءِ قنوت کا بیان	۳۵۵
باب ﴿۹﴾	سنن اور نوافل کا بیان	۳۷۸
باب ﴿۱۰﴾	تراویح کی نماز کا بیان	۴۱۰
باب ﴿۱۱﴾	قضاء الفوائت	۴۴۶
باب ﴿۱۲﴾	سجدہ سہو کا بیان	۴۵۷
باب ﴿۱۳﴾	سجدہ تلاوت کا بیان	۴۷۴
باب ﴿۱۴﴾	معذور اور مریض کی نماز کا بیان	۴۸۴
باب ﴿۱۵﴾	مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان	۴۹۷
باب ﴿۱۶﴾	نمازِ جمعہ کا بیان	۵۳۳
باب ﴿۱۷﴾	نمازِ عیدین کا بیان	۵۶۹

- باب.....﴿۱۸﴾مسائلِ شتی ۵۹۵
- باب.....﴿۱۹﴾احکام الجنائز ۶۰۶

﴿فہرستِ عنوانات﴾

فتاوی دارالعلوم زکریا جلد دوم

کتاب الصلاۃ

باب.....﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

نمبر شمار		صفحہ نمبر
❁	نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:	۴۱
❁	اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:	۴۳
❁	رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:	۴۳
❁	غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:	۴۴
❁	حکم الصوم:	۴۵
❁	عید منانے کا طریقہ:	۴۵
❁	دوبارہ وقت داخل ہو تو نماز کا حکم:	۴۷

- صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار: ۴۸
- صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل: ۵۱
- اوقات کا نقشہ: ۵۵
- نقشہ برائے جوہانسبرغ: ۵۶
- غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم: ۵۷
- عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے: ۵۸
- زوال اور فیٔ الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال: ۵۹
- نقشہ دائرہ ہندیہ: ۵۹
- زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ ۶۱
- اوقات ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ: ۶۲
- حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنے کا حکم: ۶۴

باب ۲

اَذان اور اِقامت کا بیان ۶۶

- اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو دراز کرنے کی مقدار: ۶۷
- اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب: ۶۹
- کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار: ۷۱
- اذان میں ''اشهد ان محمدًا رسول الله'' پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم: ۷۱
- اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہنے کا حکم: ۷۲
- بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا: ۷۵
- بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا: ۷۶

- اذان کے بعد کی دعا میں ''والدرجة الرفيعة'' پڑھنے کا حکم: ۷۷
- اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم: ۷۹
- جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم: ۷۹
- حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم: ۸۰
- حيي على الصلاة اور حيي على الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم: .. ۸۰
- مساجد میں سیٹلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم: ۸۱
- مسجد میں اذان دینے کا حکم: ۸۲
- اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم ۸۵
- وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم: ۸۶
- نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ: ۸۷
- فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم: ۸۸
- اذان کے وقت سلام کرنا اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینے کا حکم: ۸۹
- اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم: ۹۰
- اذانِ فجر میں ''الصلاة خير من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنے کا حکم: ۹۰
- اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا: ۹۲
- اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟ ۹۳
- اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا: ۹۳
- تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم: ۹۴
- ذکر واذکار کے درمیان اذان ہونے لگے تو جواب دینے کا حکم: ۹۶
- اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب: ۹۷
- ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا: ۹۸
- نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم: ۹۹

باب.....﴿۳﴾

صفة الصلاة کا بیان ۱۰۰

فصلِ اول

- نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کا بیان نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم: ۱۰۱
- اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم: ۱۰۱
- نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم: ۱۰۲
- گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم: ۱۰۳
- ستر کھل جانے سے نماز کا حکم: ۱۰۴
- مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم: ۱۰۵
- ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم: ۱۰۷
- گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم: ۱۰۸
- بس میں نماز پڑھنے کا حکم: ۱۰۹
- ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم: ۱۱۰
- تکبیر تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم: ۱۱۳
- تعدادِ رکعات کی نیت کا حکم: ۱۱۳
- بزبانِ فارسی تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم: ۱۱۳
- تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینا: ۱۱۵
- قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار: ۱۱۵

فصلِ دوم

نماز کی سنن اور آداب کا بیان ۱۱۷

- حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانا: ۱۱۷

- نماز شروع کرنے سے پہلے دعاء التوجہ میں "وأنامن المسلمین" پڑھنا: ۱۲۱
- مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت: ۱۲۱
- ثناء سے متعلق چند مسائل: ۱۲۲
- تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم: ۱۲۴
- ترکِ رفعِ یدین کی صحیح حدیث: ۱۲۵
- مرد اور عورت کے رکوع میں فرق: ۱۲۶
- سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم: ۱۲۷
- سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟ ۱۲۸
- حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت: ۱۲۹
- صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم: ۱۲۹
- عورتوں کے سجدہ کی کیفیت: ۱۳۰
- بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالتِ رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم: ۱۳۱
- قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ: ۱۳۲
- عورت کے بیٹھنے کا طریقہ: ۱۳۳
- سجدے میں ایڑیوں کو ملانے کا حکم: ۱۳۳
- سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق: ۱۳۵
- قومہ اور جلسہ میں اذکار ماٴثورہ پڑھنے کا حکم: ۱۳۶
- مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت: ۱۳۸
- اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ: ۱۳۹
- اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا: ۱۴۰
- عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم: ۱۴۱
- رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟ ۱۴۲
- نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ: ۱۴۲
- مذہبِ احناف: ۱۴۳

- مذہبِ مالکیہ: ۱۴۳
- مذہبِ شوافع: ۱۴۴
- مذہبِ حنابلہ: ۱۴۴
- آثارِ سجود سے کیا مراد ہے: ۱۴۴
- نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم: ۱۴۶
- بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم: ۱۴۶
- ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت: ۱۴۷

فصلِ سوم

مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان ۱۵۰

- مرد اور عورت کی نماز کا فرق اور احادیث و کتبِ فقہ سے اس کا ثبوت: ۱۵۰
- مذہبِ احناف: ۱۵۲
- مذہبِ مالکیہ: ۱۵۳
- مذہبِ شافعیہ: ۱۵۳
- مذہبِ حنابلہ: ۱۵۳
- احادیث سے فرق کا ثبوت: ۱۵۴
- سلفی حضرات کا استدلال اور اس کا جواب: ۱۵۵
- حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم: ۱۵۷
- تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ: ۱۵۸

باب ۴

نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان ۱۵۹

- فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا حکم: ۱۶۰
- فرائض کے بعد دعاء کرنے کا ثبوت احادیث سے: ۱۶۱

- دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت: ۱۶۲
- نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت: ۱۶۴
- دعاء کے اختتام پر "سبحان ربك" کی جگہ "ربنا" کہنے کا حکم: ۱۶۵
- رمضان مبارک میں تراویح کے بعد قبل الوتر دعاء کرنے کا حکم: ۱۶۷
- فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم: ۱۶۷
- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا مطلب: ۱۶۸
- فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟ ۱۷۰
- نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم: ۱۷۱
- فرض نماز کے بعد "اللّٰھمّ أنت السلام....." کے علاوہ دعا کا حکم: ۱۷۳
- فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے: ۱۷۴
- فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کی گنجائش ہے: ۱۷۵
- نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت: ۱۷۷

باب.....﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان ۱۷۸

- قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کرلیا پھر تلاوت جاری رکھنا ہو تو استعاذہ کا حکم: ۱۷۹
- ﴿الرّحمٰن الرّحیم﴾ کو ﴿ربّ العٰلمین﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم: .. ۱۸۰
- آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا: ۱۸۱
- نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ: ۱۸۲
- جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم: ۱۸۳
- بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب: ۱۸۵
- سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف: ۱۸۶
- جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت: ۱۸۶

- نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت: ۱۸۶
- نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت: ۱۸۸
- سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فإذا فرغت فانصب الخ﴾ پڑھنا: ۱۸۸
- فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم: ۱۸۹
- سورۃ العصر میں ﴿إلاالذین آمنوا وعملوا الصّالحات فلهم أجر غير ممنون﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم: ۱۹۰
- نماز میں ﴿انّ الإنسان لربه لكنود﴾ کی جگہ "لكبير" پڑھنے سے نماز کا حکم: ۱۹۱
- فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنا: ۱۹۲
- فرض کی دو اخیری رکعت میں قراءت کا حکم: ۱۹۳
- نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم: ۱۹۳
- نماز میں تکرارِ آیت کا حکم: ۱۹۴
- دو سورتوں کے درمیان فصل کی مقدار: ۱۹۵
- ﴿ووجدك ضالاً فهدى﴾ کی جگہ ﴿فأغنى﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم: ۱۹۶
- ﴿عذابًا مهينًا﴾ کی جگہ ﴿أجرًا عظيمًا﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم: ۱۹۷
- "الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال": ۱۹۷
- قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم: ۱۹۹
- غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم: ۲۰۰
- پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم: ۲۰۰
- ﴿رب ابن لی عندكَ بيتًا فی الجنة﴾ کی جگہ "رب ابن لی عندكِ بيتًا فی الجنة" پڑھنے سے نماز کا حکم: ۲۰۲
- سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿يدخل من يشآء فی رحمته﴾ میں رحمته کی جگہ رحمتی پڑھنے سے نماز کا حکم: ۲۰۲
- ﴿لايسمعون فيها لغوًا ولا كذابا﴾ کی جگہ "لايسمعون فيها لغوًا الا كذابًا" پڑھنے سے نماز کا حکم: ۲۰۳

- "یا أیها الذین آمنوا لا تلهکم أموالکم ولاأولادکم" پڑھنے سے نماز کا حکم: ۲۰۴
- ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تو نماز کا حکم: ۲۰۵
- آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں: ۲۰۶
- صلاۃِ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم: ۲۰۶
- خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم: ۲۰۷
- فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا حکم: ۲۰۸
- مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ: ۲۱۲

باب ﴿۶﴾

اِمامت کا بیان ۲۱۴

فصلِ اول

امام سے متعلق احکام ۲۱۵

- امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا: ۲۱۵
- امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا: ۲۱۶
- داڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم: ۲۱۷
- مذاہبِ اربعہ میں داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم: ۲۱۹
- مذہبِ احناف: ۲۱۹
- مذہبِ مالکیہ: ۲۱۹
- مذہبِ شافعیہ: ۲۱۹
- مذہبِ حنابلہ: ۲۲۰
- امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا: ۲۲۲

- امام کا محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا: ۲۲۲
- امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا: ۲۲۴
- امام کے لئے "ربنا ولك الحمد" کہنے کا حکم: ۲۲۵
- ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم: ۲۲۶
- امام کو "قد قامت الصلاة" کے وقت شروع کرنے کا حکم: ۲۲۷
- امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعاء کا ثبوت: ۲۲۸
- جلسہ میں دعاء پڑھنے کا ثبوت: ۲۲۹
- جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم: ۲۳۰
- بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم: ۲۳۱
- التشبه بالمصلين کے شواہد: ۲۳۲
- فسادِ نماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے: ۲۳۴
- عورت کی امامت کا حکم: ۲۳۵
- عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو: ۲۳۹
- مذہبِ احناف: ۲۳۹
- مذہبِ مالکیہ: ۲۳۹
- مذہبِ شافعیہ: ۲۴۰
- مذہبِ حنابلہ: ۲۴۰

فصلِ دوم

جماعت کے احکام ۲۴۱

- خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنا: ۲۴۱
- مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم: ۲۴۳
- نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم: ۲۴۴

- تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم: ۲۴۵
- بلا کراہت جائز کہنے والوں کے دلائل: ۲۴۶
- عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم: ۲۴۸
- ایک اشکال اور اس کا جواب: ۲۵۱
- فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاوی: ۲۵۳
- اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے: ۲۵۷
- حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا: ۲۵۹

فصل سوم

جماعتِ ثانیہ کے احکام ۲۶۱

- مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم: ۲۶۱
- مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم: ۲۶۲
- جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم: ۲۶۴
- جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم: ۲۶۵

فصلِ چہارم

صفیں درست کرنے کے احکام ۲۶۷

- مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم: ۲۶۷
- کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم: ۲۶۸
- بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم ۲۶۹
- عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا ۲۷۰
- کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم: ۲۷۱
- دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم: ۲۷۲

فصلِ پنجم

محاذات کا بیان ۲۷۴

- مسئلہ محاذات کی وضاحت: ۲۷۴
- محاذات کی تعریف: ۲۷۴
- بالا خانہ پر عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم: ۲۷۷
- حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل: ۲۷۸
- حدیث: ''أخّروهن من حيث أخّرهن الله'' کی تحقیق: ۲۸۱

فصلِ ششم

اقتداء کے احکام ۲۸۳

- آگے والے کمرے میں عورتیں ہوں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہو تو اقتداء کا حکم: ۲۸۳
- امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتداء کا حکم: ۲۸۳
- مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء کا حکم: ۲۸۵
- مکان کی چھت پر اقتداء کرنے کا حکم جب کہ مکان مسجد سے متصل ہے: ۲۸۶
- مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو اقتداء کا حکم: ۲۸۷
- اقتداء المعذور بالمعذور کا حکم: ۲۸۷
- دو عذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتداء کا حکم: ۲۸۸
- جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتداء کا حکم: ۲۸۹
- نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتداء کرنے کا حکم: ۲۹۰
- امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتداء کا حکم: ۲۹۱
- نماز ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتداء کا حکم: ۲۹۲

- مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم: ۲۹۴
- جنات کے پیچھے اقتداء کا حکم: ۲۹۵

فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام ۲۹۷

- امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتداء کا حکم: ۲۹۷
- مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دینا: ۲۹۸
- امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء کا حکم: ۲۹۹
- مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟ ۳۰۰
- مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنا: ۳۰۱
- مسبوق کی اقتداء کا حکم: ۳۰۲
- مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا: ۳۰۲
- مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا: ۳۰۳
- مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دو رکعات کس طرح پوری کرے: ۳۰۴
- مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے: ۳۰۴
- مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟ ۳۰۶
- لاحق کی نماز کا طریقہ: ۳۰۷

فصلِ ہشتم

حدث اور استخلاف کے مسائل ۳۰۸

- سلامِ اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم ۳۰۸
- امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا: ۳۰۹

باب.....۷

فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا

فصلِ اول

مفسداتِ نماز کا بیان ۳۱۱

- قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم: ۳۱۱
- دیگر ائمہ کے مذاہب: ۳۱۲
- سیلولر فون بجنے پر عملِ کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم: ۳۱۳
- چھینکنے والے کو "یرحمك الله" کہنے سے نماز کا حکم: ۳۱۴
- شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم: ۳۱۴
- مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم: ۳۱۵
- سلام کے جواب میں یہ الفاظ "اللّٰھم اجعل السلام علی من سلم علیّ" کہے سے نماز کا حکم: ۳۱۶
- "أستغفر الله العظیم" پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم: ۳۱۸
- منہ میں چوینگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم: ۳۱۸
- پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم: ۳۲۰
- عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم: ۳۲۱
- مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم: ۳۲۲
- نماز میں غیر عربی میں اور کلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم: ۳۲۳
- نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ: ۳۲۴
- لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کی مزید تحقیق: ۳۲۶

فصلِ دوم

مکروہاتِ نماز کا بیان ۳۳۳

- سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم: ۳۳۳
- کوٹ (jacket) کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے کا حکم: ۳۳۴
- نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا: ۳۳۵
- آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم: ۳۳۶
- رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم: ۳۳۷
- مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم: ۳۳۸
- نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم: ۳۴۰
- تصویر والے سکے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم: ۳۴۱
- غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم: ۳۴۲
- منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم: ۳۴۳
- سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم: ۳۴۳
- گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم: ۳۴۵

فصلِ سوم

سترہ کے احکام ۳۴۷

- امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے: ۳۴۷
- ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم: ۳۴۸
- رومال یا لاٹھی رکھ کر گذرنے کا حکم: ۳۴۹
- سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم: ۳۵۰
- مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا: ۳۵۱
- خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا: ۳۵۲

- مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق: ۳۵۲
- مسجدِ کبیر کی تعریف: ۳۵۴

باب ۸

نمازِ وتر اور دعاءِ قنوت کا بیان

فصلِ اول

وتر کی نماز کا بیان ۳۵۶

- غیر رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم: ۳۵۶
- وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم: ۳۵۷
- وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا: ۳۵۸
- حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھنا: ۳۵۹
- شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دو سلام سے وتر پڑھنا: ۳۶۰
- وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم: ۳۶۱
- نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم: ۳۶۱

فصلِ دوم

دعاءِ قنوت کا بیان ۳۶۴

- وتر کی رکعات کی تعداد میں شک ہو تو دعاءِ قنوت پڑھنے کا حکم: ۳۶۴
- دعاءِ قنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم: ۳۶۵
- دعاءِ قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم: ۳۶۵
- وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دارد؟ ... ۳۶۶
- رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات: ۳۶۷

فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان ۳۷۱

- قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے: ۳۷۱
- قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم: ۳۷۲
- قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم: ۳۷۳
- امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا کیا مطلب: ۳۷۴
- نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم: ۳۷۶

باب ۹

سنن اور نوافل کا بیان ۳۷۹

- سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم: ۳۷۹
- نفل نماز کے فاسد ہوجانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم: ۳۷۹
- فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم: ۳۸۰
- سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم: ۳۸۱
- عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم: ۳۸۱
- فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم: ۳۸۲
- مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم: ۳۸۲
- عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم: ۳۸۳
- وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم: ۳۸۳
- عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم: ۳۸۶
- نمازِ تہجد باجماعت ادا کرنے کا حکم: ۳۸۷
- تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم: ۳۸۸
- تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا: ۳۸۹

- تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم: ۳۸۹
- اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ کا ثبوت: ۳۹۰
- تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم: ۳۹۱
- تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم: ۳۹۲
- صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم: ۳۹۲
- صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق: ۳۹۳
- بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم: ۳۹۹
- لفظ "الأوابین" کا استعمال: ۴۰۲
- مذاہبِ اربعہ میں "صلاۃ الأوابین" کا ثبوت: ۴۰۴
- مذہبِ احناف: ۴۰۴
- مذہبِ مالکیہ: ۴۰۴
- مذہبِ شوافع: ۴۰۴
- مذہبِ حنابلہ: ۴۰۴
- قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم: ۴۰۵
- سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم: ۴۰۶
- دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم: ۴۰۶
- استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم: ۴۰۷
- دعاءِ استخارہ میں "خرلی واخترلی" میں فرق: ۴۰۸

باب ۱۰

تراویح کی نماز کا بیان ۴۱۱

- نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم: ۴۱۱

- ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم: ۴۱۲
- ایک حافظ کا تراویح میں دو جگہ قرآن ختم کرنا: ۴۱۳
- امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم: ۴۱۴
- داڑھی منڈوانے والے کی امامتِ تراویح کا حکم: ۴۱۵
- سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح: ۴۱۵
- نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہوکر تراویح پڑھنے کا حکم: ۴۱۵
- نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم: ۴۱۶
- عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم: ۴۱۷
- تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا: ۴۱۷
- تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم: ۴۱۸
- تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم: ۴۱۹
- تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم: ۴۲۰
- تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم: ۴۲۱
- تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم: ۴۲۲
- تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم: ۴۲۳
- قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم: ۴۲۳
- چار رکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم: ۴۲۴
- تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم: ۴۲۵
- تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں: ۴۲۶
- اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ: ۴۲۷
- حضرت شاہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا نظریہ ۴۲۷

- دیگر اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیق: ۴۲۸
- تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم: ۴۳۳
- نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم: ۴۳۵
- ۸ رکعت تراویح کا حکم: ۴۳۶
- آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب: ۴۳۸
- اضطرابِ روایت کا نقشہ: ۴۳۹
- ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں: ۴۴۱
- یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق: ۴۴۳
- یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب: ۴۴۳
- امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم: ۴۴۴

باب ۱۱

قضاء الفوائت

قضا نمازوں کا بیان ۴۴۷

- تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم: ۴۴۷
- نماز فجر باجماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم: ۴۴۷
- مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم: ۴۴۸
- حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم: ۴۴۹
- نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم: ۴۴۹
- قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم: ۴۵۰
- کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم: ۴۵۱
- ۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم: ۴۵۲

- عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم: ۴۵۳
- سنن کی قضاء کا حکم: ۴۵۵

باب ۱۲

سجدۂ سہو کا بیان ۴۵۸

- تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۵۸
- سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۵۸
- دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم: ۴۵۹
- حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۰
- قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۰
- سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟ ۴۶۱
- قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۱
- سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۲
- مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۳
- پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۴
- فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۵
- سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہو تو تکرارِ سہو کا حکم: ۴۶۵
- قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۷
- قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو کر واپس آنے پر و سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۷
- سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۸
- مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم: ۴۶۸
- مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم: ۴۶۹
- سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۷۰

- بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم: ۴۷۱
- ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم: ۴۷۱
- تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار: ۴۷۳

باب ۱۳

سجدۂ تلاوت کا بیان ۴۷۵

- آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم: ۴۷۵
- سورۂ صٓ کے سجدہ کی تحقیق: ۴۷۶
- سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم: ۴۷۷
- ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم: ۴۷۸
- نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم: ۴۷۸
- آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم: ۴۷۹
- نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دو مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم: ۴۷۹
- مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم: ۴۸۰
- تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم: ۴۸۱
- اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم: ۴۸۱
- امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم: ۴۸۲
- سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم: ۴۸۳
- سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم: ۴۸۳

باب ۱۴

معذور اور مریض کی نماز کا بیان ۴۸۵

- کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم: ۴۸۵

- سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم: ۴۸۸
- میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم: ۴۸۹
- کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے: ۴۸۹
- لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم: ۴۹۱
- معذور کا شرعی حکم: ۴۹۲
- معذور شخص کی نماز کا حکم: ۴۹۳
- نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم: ۴۹۶

باب ۱۵

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان ۴۹۸

- ابتداءِ سفر شرعی کی حد: ۴۹۸
- شہر بہت کشادہ ہو تو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم: ۴۹۹
- آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم: ۴۹۹
- ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم: ۵۰۰
- واپسی میں ایرپورٹ پر قصر کا حکم: ۵۰۱
- مسافتِ قصر کی مقدار: ۵۰۲
- بلا نیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم: ۵۰۵
- سفر کا ارادہ ترک کر دیا تو واپسی میں قصر کا حکم: ۵۰۶
- مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم: ۵۰۷
- سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم: ۵۰۷
- مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا: ۵۰۸
- وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم: ۵۰۹

- مغرب کی طرف سفر کرنے سے دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم: ۵۱۰
- حالتِ حیض میں سفر کا حکم: ۵۱۱
- بلانیت سفر کرنے سے قصر کا حکم: ۵۱۱
- شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم: ۵۱۲
- شادی کے بعد لڑکی میکا میں صرف دس دن کے لئے آئے تو قصر کا حکم: ۵۱۴
- شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم: ۵۱۵
- مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کریگا: ۵۱۵
- مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم: ۵۱۶
- مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم: ۵۱۸
- واپسی میں مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم: ۵۱۹
- وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے: ۵۱۹
- مقیم امام نماز توڑ دے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم: ۵۲۰
- وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہو تو قصر کا حکم: ۵۲۰
- مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم: ۵۲۱
- مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟ ۵۲۲
- وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہوجاتا ہے: ۵۲۲
- والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم: ۵۲۳
- کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے: ۵۲۴
- اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم: ۵۲۵
- مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو کا حکم: ۵۲۶
- دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم: ۵۲۷

- سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم: ۵۲۸
- جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟ ۵۲۹

باب.....﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان ۵۳۴

- خطبہ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم: ۵۳۴
- خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب: ۵۳۵
- قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم: ۵۳۷
- قصبہ اور اس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم: ۵۳۸
- بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو تو جمعہ پڑھنے کا حکم: ۵۳۹
- جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم: ۵۴۰
- فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم: ۵۴۱
- پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم: ۵۴۲
- زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم: ۵۴۳
- کسی مسجد میں بدعات ہو رہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم: ۵۴۳
- نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے: ۵۴۴
- جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم: ۵۴۵
- اذانِ ثانی کا جواب دینا سنت ہے: ۵۴۵
- جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا: ۵۴۸
- خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم: ۵۴۸
- درایت روایت کے موافق ہو تو اس کو لینا چاہئے: ۵۴۹
- چند مثالیں ملاحظہ ہو: ۵۵۰
- خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم: ۵۵۲

- خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم: ۵۵۳
- خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم: ۵۵۳
- خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفاء کرنے کا حکم: ۵۵۴
- خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم: ۵۵۵
- خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا: ۵۵۶
- خطیب کو لقمہ دینے کا حکم: ۵۵۷
- غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم: ۵۵۷
- خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام نہ لینا: ۵۵۹
- خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم: ۵۶۰
- ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم: ۵۶۱
- خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھانا: ۵۶۱
- خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم: ۵۶۲
- خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے: ۵۶۲
- احتیاط الظہر کا حکم: ۵۶۴
- جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات: ۵۶۵
- عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم: ۵۶۶
- ایک شکال اور اس کا جواب: ۵۶۷

باب ۱۷

نمازِ عیدین کا بیان ۵۷۰

- عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم: ۵۷۰
- کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات: ۵۷۱

- اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے جوابات: ۵۷۱
- حضرت مفتی عبدالحی بسم اللہ رحمہ اللہ کا جواب: ۵۷۱
- حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب: ۵۷۲
- نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم: ۵۷۴
- عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم: ۵۷۵
- عیدگاہ احادیث کی روشنی میں: ۵۷۶
- مذہبِ احناف: ۵۷۶
- مذہبِ مالکیہ: ۵۷۷
- مذہبِ شافعیہ: ۵۷۷
- مذہبِ حنابلہ: ۵۷۸
- عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم: ۵۷۸
- نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم: ۵۷۹
- مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم: ۵۸۰
- شافعی امام کے پیچھے تکبیرات زوائد میں اتباع کا حکم: ۵۸۰
- امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم: ۵۸۱
- عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا: ۵۸۲
- ایک اشکال اور جواب: ۵۸۳
- عید کے دن دف بجانے کا حکم: ۵۸۵
- عید کے دن قبرستان جانے کا حکم: ۵۸۶
- نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم: ۵۸۶
- خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت: ۵۸۸
- عیدین کا خطبہ سننے کا حکم: ۵۸۹
- عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم: ۵۹۰

❁ ایک اشکال اور جواب: ۵۹۳

باب.....۱۸

مسائلِ شتیٰ

نماز کے متفرق مسائل ۵۹۶

❁ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم: ۵۹۶
❁ طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا: ۵۹۷
❁ فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم: ۵۹۸
❁ نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پاجائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم: ۵۹۸
❁ بچہ رات کے وقت بالغ ہوتو قضاء کا حکم: ۵۹۹
❁ دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم: ۶۰۰
❁ جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم: ۶۰۱
❁ نماز سے قبل شلوار کو موڑنے کا حکم: ۶۰۴

باب.....۱۹

احکام الجنائز

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام ۶۰۷

❁ قریب المرگ شخص کو لٹانے کا طریقہ: ۶۰۷
❁ مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم: ۶۰۸
❁ مرض الموت کی تعریف: ۶۰۸
❁ مریض کی وصیت کا حکم: ۶۰۹

- غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم: ۶۰۹
- میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کا حکم: ۶۱۰
- موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنے کا حکم: ۶۱۱
- موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم: ۶۱۱
- پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم: ۶۱۲
- میت کے سامنے کھڑے ہوکر معاف کرنے کا حکم: ۶۱۳
- میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم: ۶۱۴
- میت دوبارہ زندہ ہوجائے تو جائداد واپس لینے کا حکم: ۶۱۵
- موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم: ۶۱۵
- مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے: ۶۱۶
- میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم: ۶۱۸

فصلِ دوم

میت کو غسل دینے کا بیان ۶۱۹

- میت کا جسم ریزہ ریزہ ہوجائے تو غسل کا حکم: ۶۱۹
- نجاست سے کفن ملوث ہوجائے تو دھونے کا حکم: ۶۱۹
- مسلمان میت کو غیر مسلم کا غسل دینا: ۶۲۰
- میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم: ۶۲۱
- میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ: ۶۲۲
- خنثی مشکل کو غسل دینے کا حکم: ۶۲۲

فصلِ سوم

نمازِ جنازہ کا بیان ۶۲۴

- مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم: ۶۲۴

- نمازِ جنازہ کا حقدار: ۶۲۵
- تکثیرِ جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا حکم: ۶۲۵
- خنثیٰ مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم: ۶۲۶
- نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب: ۶۲۶
- شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم: ۶۲۸
- نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم: ۶۲۹
- نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا: ۶۲۹
- ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم: ۶۳۰
- مذہبِ حنفیہ: ۶۳۱
- مذہبِ مالکیہ ۶۳۱
- مذہبِ شافعیہ: ۶۳۲
- مذہبِ حنابلہ: ۶۳۲
- متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ: ۶۳۲
- ثناء میں "وجلّ ثناؤك" پڑھنے کا حکم: ۶۳۵
- نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم: ۶۳۶
- نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت: ۶۳۷
- نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم: ۶۳۸
- نمازِ جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت: ۶۳۸

فصلِ چہارم

دفن کرنے کا بیان

۶۴۰

- کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم: ۶۴۰

- میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا حکم: ۶۴۱
- کسی میت کو اس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم: ۶۴۲
- شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے: ۶۴۳
- حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو بچہ کا حکم: ۶۴۴
- سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت: ۶۴۴
- سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم: ۶۴۵
- قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم: ۶۴۵
- دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم: ۶۴۶
- ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم: ۶۴۶
- تلقین بعد الدفن کا حکم: ۶۴۷
- دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم: ۶۴۸
- قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم: ۶۴۹
- کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم: ۶۵۰
- مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم: ۶۵۱
- میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم: ۶۵۲
- قبر پر پودے لگانے کا حکم: ۶۵۳
- قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے: ۶۵۴
- قبر پر کتبہ لگانے کا حکم: ۶۵۴

فصلِ پنجم

ایصالِ ثواب کا بیان ۶۵۶

- میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت: ۶۵۶

- زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم: ۶۵۸
- رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم: ۶۵۹
- ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم: ۶۶۲
- ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کر کے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم: ۶۶۴

فصلِ ششم

تعزیت کا بیان ۶۶۵

- تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات: ۶۶۵
- تعزیت کے فضائل: ۶۶۵
- تعزیت کا مسنون طریقہ: ۶۶۶
- تعزیت کی منقول دعائیں: ۶۶۶
- تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے: ۶۶۷
- تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات: ۶۶۸
- تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم: ۶۶۹
- تعزیت اور نمازِ جنازہ دونوں میں فرق: ۶۷۰
- تعزیتی جلسہ کا حکم: ۶۷۱
- مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم: ۶۷۱
- خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم: ۶۷۲
- اشکال اور جواب: ۶۷۵

فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان ۶۷۸

- ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے: ۶۷۸
- سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم: ۶۷۹
- نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم: ۶۸۰
- اقسامِ شہداء: ۶۸۲
- ماخذ ومراجع: ۶۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

فتاوی دارالعلوم زکریا

جلد دوم

کتاب الصلاۃ

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث ومفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اشراف

مفکرِ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس شیخ عفی عنہ

رفیقِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر

۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظم مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے

شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب روبہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۳، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۳۹۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹۷، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

شعبۃ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک

چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۹۶ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

❁ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت حاجی فاروق صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ بھائی پاڈیا صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا یونس صاحب پونا رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔

بندۂ عاجز **محمد الیاس** شیخ عفی عنہ

رفیقِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۰/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق: ۱۴/ جولائی ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت النبیا

﴿"أی العمل أحب إلی اللّٰہ

قال: الصلا ة علی وقتها"﴾

(رواہ البخاری)

کتاب الصلاۃ

باب.....۱

اوقاتِ نماز کا بیان

باب.....﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:

سوال: نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر کیوں تقسیم کیا گیا؟ اس کی مشروعیت کی کیا دلیل ہے؟ نیز اوقات کی حکمت کیا ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی بہت سی آیات سے اوقات کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے، نیز حدیث امامت جبرئیل اور اس کے علاوہ احادیث بھی اوقات کی مشروعیت کی دلیل ہیں۔

ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أقم الصلاة لدلوك الشمس إلى غسق الليل وقرآن الفجر إن قرآن الفجر كان مشهودًا﴾.

(سورة بنی اسرائیل: الآیة:۷۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

جمہور مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے.....﴿دلوك الشمس إلى غسق الليل﴾ میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء.....﴿وقرآن الفجر﴾ اس جگہ لفظ قرآن بولکر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا جزو اہم ہے۔ اکثر ائمہ تفسیر، ابن کثیر، قرطبی، مظہری وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ﴿دلوك الشمس إلى غسق الليل﴾ کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے۔ اس کو الگ کرکے بیان کرنے میں اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن:۵/۵۰۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فسبحٰن اللّٰه حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد في السمٰوٰت والأرض وعشيًا وحين تظهرون﴾. (سورة الروم: الآیة:۱۷،۱۸)

درمنثور میں ہے:

أخرج عبد الرزاق والفريابي وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم والطبراني والحاكم

وصححه عن أبی رزین قال: جاء نافع بن الأزرق إلی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: هل تجد الصلوات الخمس فی القرآن؟ قال: نعم، فقرأ: ﴿فسبحٰن اللّٰه حین تمسون﴾ صلا ة المغرب، ﴿وحین تصبحون﴾ صلاة الصبح، ﴿وعشیًا﴾ صلاة العصر، ﴿وحین تظهرون﴾ صلاة الظهر، وقرأ: ﴿ومن بعد صلاة العشاء﴾ وأخرج ابن أبی شیبة وابن جریر وابن المنذرعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جمعت هذه الآیة مواقیت الصلاة ﴿فسبحٰن اللّٰه حین تمسون﴾ قال: المغرب والعشاء (الدر المنثور:٦/٤٨٨)

معارف القرآن میں ہے:

علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا: ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا..... اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿حیـــــن تمسون﴾ میں مغرب اور عشاء دونوں داخل ہیں۔ (معارف القرآن:٦/٧٢٩)

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب أن عمربن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ أخر الصلاة یومًا فدخل علیه عروة بن الزبیر فأخبره أن المغیرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخر الصلاة یومًا وهو بالعراق فدخل علیه أبومسعود الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: ماهذا یا مغیرة ؟ أالیس قد علمت أن جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نزل فصلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال: بهذا أمرت الخ. (رواه البخاری: ١/٧٥/٥١٥، باب مواقیت الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: أمنی جبرئیل صلی اللہ علیہ وسلم عند البیت مرتین فصلی الظهرفی الأولی منهما حین کان الفیء مثل الشراك ثم صلی العصرحین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجرحین برق الفجروحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیه الظهر ثم التفت إلی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فقال: یامحمد هذا وقت الأنبیاء من قبلك والوقت فیما بین هذین الوقتین.

(رواه الترمذی: ١/٣٨، ابواب الصلاة۔ وأبو داؤد: ١/٥٦)

درس ترمذی میں ہے:

یہ حدیث حدیثِ امامتِ جبرئیل کہلاتی ہے، اور بابِ مواقیت میں اصل ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو یہ بھی ممکن تھا کہ مواقیت کی تعلیم زبانی طور سے دیدی جاتی، لیکن جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اختیار کیا گیا، کیوں کہ وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔ (درس ترمذی: ۱/۳۹۳)

اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:

فجر کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندگی ملنے کے مترادف ہے، لہٰذا شکریہ کے طور پر نماز ادا کریں۔ زوال میں انسان کی زندگی کے زوال کی طرف اشارہ ہے لہٰذا موت کی تیاری میں لگنا چاہئے۔ عصر کا وقت گویا موت کے قریب ہونے کی علامت ہے کہ سورج کی طرح میں بھی جانے والا ہوں۔ مغرب میں سورج ڈوبنے میں زندگی کے سورج کے ڈوبنے کی طرف اشارہ ہے۔ تو عبادت میں مشغول ہونا چاہئے۔ اور عشاء میں سورج کے نشانات بھی مٹ جانے ہیں تو ایک دن آپ کے نشانات اور ذکر بھی ختم ہو جائے گا لہٰذا خود اپنے لئے تیاری کرلو اور عشاء پڑھ لو۔ واللہ اعلم۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:

سوال: رمضان المبارک میں حنفی حضرات فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں حالانکہ فجر کی نماز اسفار میں مستحب ہے تو رمضان میں تعجیل کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: اس کی دلیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قمنا إلی الصلاۃ قال: قلت: کم کان قدر ذلك قال: قدر خمسین آیة.

(رواہ الترمذی: ۱/۱۵۰، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقد تحیر الحافظ فی ھذا الحدیث فإن قدر خمسین آیة یمکن فی أقل من أربع دقائق ثم

قال: إن هذا التبيين من شان النبوة لايمكن لغيره وهوحقيقة الأمرودل الحديث على تغليسه عليه الصلاة والسلام فى رمضان وهوعمل قطان ديوبند.

(عرف الشذى: ۱۵۱/۱، باب ماجاء فى تاخيرالسحور)

نیز علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی معارف السنن میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(معارف السنن: ۳۶۲/۵، سعيد)

ہدایہ کے بعض شارحین نے تحریر فرمایا ہے کہ اصل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے اور فجر میں تاخیر تکثیر جماعت کی وجہ سے ہے اور رمضان المبارک میں تکثیرِ جماعت اول وقت میں ہے ورنہ لوگ سحری کھا کر سو جائیں گے اور نماز قضاء ہو جائے گی اسی وجہ سے رمضان المبارک میں اول وقت نماز فجر ادا کرنا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

نعم ذكرشراح الهداية وغيرهم فى باب التيمم أن أداء الصلاة فى أول الوقت أفضل إلاإذا تضمن التأخير فضيلة لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة،ولهذاكان أولىٰ للنساء أن يصلين فى أول الوقت لأنهن لايخرجن إلى الجماعة. كذا فى مبسوط السرخسي وفخر الإسلام. والله اعلم۔

(شامی: ۳۶۷/۱، سعيد)

غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:

سوال: طویل الایام ممالک میں یا تو شفق غروب نہیں ہوتا ہے یا وقت ہی نہیں ملتا تو نماز، روزہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر معتدل ایام ممالک تین قسم پر ہیں:

(۱) دن رات تو چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن دن کے بعض اجزاء مفقود ہوتے ہیں (مثلاً شفق غروب نہیں ہوتا تو رات نہیں ہوتی یا شفق تو ظاہر ہوتا ہے لیکن سورج طلوع نہیں ہوتا) اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اوقات کا اندازہ لگا کر نماز پڑھیں گے، اور اندازہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) سال بھر میں معتدل ایام کے آخری دن کا حساب غیر معتدل ایام کی پوری مدت پر لگا کر نماز وغیرہ ادا کریں گے۔ (لیکن یہ بہت مشکل ہے، مثلاً آخری دن جب شفق غروب ہوا اور پھر صبح طلوع ہوئی اس میں ۸ منٹ کا فاصلہ تھا تو ۸ منٹ کے انتظار میں بیٹھنا اور نماز ادا کرنا بہت مشکل ہے)۔

(۲) قریب ترین علاقے کا اعتبار کیا جائے جہاں باقاعدہ شفق غروب ہوتا ہے۔

(۳) شفق جب غروب کی طرف مائل ہوتو وہ مغرب وعشاء کا وقت ہوگا، اس طور پر کہ نصفِ اول مغرب کے لئے اور نصفِ ثانی عشاء کے لئے۔ اور جب شفق طلوعِ شمس کی طرف مائل ہوتو وہ فجر کا وقت ہوگا۔

(ان تینوں میں سے جو بھی آسان ہو اس پر عمل کر سکتے ہیں)۔

(۲) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں اور تمام اوقات بھی پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں نماز اپنے معروف اوقات ہی میں ادا کی جائے گی، اگر چہ وقت بہت کم ہو۔ ہاں سنن اور نوافل کا موقع نہ ملے تو صرف فرض پر اکتفاء کر لے پھر دوسرے وقت میں چھوٹی ہوئی سنتوں کے بقدر نوافل پڑھ لے۔

لیکن وقت اتنا مختصر ہے کہ چار رکعات فرض بھی ادا نہیں کر سکتے ہیں تو دو احتمال ہیں:

(۱) اسی وقت میں نماز پڑھے اگر چہ وقت نکل جانے کے بعد پوری ہو۔

(۲) اندازہ لگا کر نماز پڑھے۔

(۳) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے نہیں ہوتے بلکہ کبھی رات چھ مہینے کی ہوتی ہے اور کبھی دن چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

حکم الصوم:

جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن رات بہت ہی مختصر ہوتی ہے تو اگر روزہ قابلِ تحمل ہے تو پورے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اور اگر قابلِ تحمل نہیں ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے لئے وقت کافی نہیں ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانا کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے۔

نیز جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں بھی قریبی ممالک کا اعتبار کرتے ہوئے اندازہ لگا کر روزہ رکھے اور افطار کرے۔

عید منانے کا طریقہ:

رمضان اور عید منانے کا طریقہ چاند ہی سے معلوم ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

صوموا لرويته وأفطروا لرويته. (ترمذی شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء لاتقدموا الشهر بصوم)

اور اگر چاند نظر نہیں آتا تو تیس دن کا مہینہ شمار کریں گے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"فان حالت دونه غيابة فاكملوا ثلثين يومًا".

(ترمذی شریف: ۱/۱۴۸، باب ماجاء ان الصوم لرویة الهلال الافطارله)

یہ حکم پہلی دو قسموں کے لئے ہے جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں۔

رہی آخری قسمیں جہاں مسلسل رات یا مسلسل دن ہوتا ہے وہاں اندازہ لگائیں گے۔ اور اندازہ لگانے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چوبیس گھنٹوں کو ایک دن شمار کریں اور مہینہ تیس دن کا شمار کریں۔

(۲) قریب ملک کی پیروی کریں جہاں دن رات معتدل ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل حدیثِ دجال ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذكر رسول الله ﷺ الدجال فقال: إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم إلى قوله قلنا يارسول الله ومالبثه فى الأرض قال: أربعون يومًا يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم، قلنا يارسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أيكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، أقدروا له قدره.

(مشکوٰۃ شریف: ۲/۴۷۳، باب العلامات بين يدى الساعة وذكر الدجال)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما) اعلم أن التقدير له معنيان أحدهما: ماسيأتى تقريره فى مسئلة الدجال والثانى: فيه طريقتان: الأولىٰ: أن يعتبر بأقرب البلاد إليهم كما ذكره الشافعية والثانية: أن ينظر إلى وقت العشاء فى القريبة منها ماذا يكون من ليلهم فبقدر هذه النسبة يفعل فى هؤلاء فإن كان السدس جعلنا لهؤلاء سُدسه وقت المغرب وبقية وقت العشاء وإن قصر جدًا، وكذا يقدرون فى الصوم ليلهم بأقرب بلد يليهم (قوله واختاره الكمال) حيث قال: ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء أفتى البقال بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ولايرتاب متأمل فى ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس

الأمر لجواز تعدد المعرفات للشيء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدليل على الشيء لايستلزم انتفائه لجواز دليل آخر وقد وجد وهوما توالت عليه أخبار الإسراء من فرض الله تعالىٰ الصلوات خمسًا بعد أمر الله تعالىٰ أولاً بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعاً عاماً لأهل الآفاق لاتفصيل فيه بين قطر وقطر وما روى أنه ﷺ ذكر الدجال قلنا مالبثه في الأرض قال: أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر فقد أوجب أكثر من ثلثمأة عصر قبل صيرورة الظل مثلاً أومثلين وقس عليه فاستفدنا أن الواجب في نفس الأمر خمس على العموم غير أن توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها ولايسقط بعدمها الوجوب ولذا قال ﷺ خمس صلوات كتبهن الله على العباد (طحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۱۷۵-۱۷۶)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (تكملة فتح الملهم: ٦/٣٧٣. ٣٨٢) واللہ اعلم۔

دوبارہ وقت داخل ہوتو نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھی پھر تیز رفتار فلائٹ میں گیا جہاں پہنچا وہاں پھر جمعہ کا وقت داخل ہوا تو دوبارہ نماز فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے فریضہ ادا ہو چکا، البتہ احتراماً للوقت اور مسلمانوں کی موافقت میں پڑھ لینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احترامًا للوقت وموافقة للمسلمين وہ نماز پڑھے اگر چہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔

(فتاوی محمودیہ: ۱۰/۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب: باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔ قال في شرح التنوير فلو

غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود قلت: على ان الشيخ إسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعاً للشافعية بان صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها أداءً وما في الحديث خصوصية على رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما يعطيه قوله عليه الصلاة والسلام: إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك. قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاة المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل. والله اعلم.

(ردالمحتار ۱/۳۳٤۔ احسن الفتاوی: ٤/٦٩)

صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار:

سوال: صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے یا زیادہ بعض لوگ ۱۸ درجہ کے قائل ہیں اور بعض ۱۵ کے کونسا قول درست ہے؟

الجواب: ان دونوں اوقات کے مابین فاصلہ کی مقدار اکثر حضرات نے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے اڑتیس منٹ کے درمیان تک بتلائی ہے، البتہ حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ احسن الفتاوی نے ۵۷ منٹ بتلائی ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور ۱۸ درجے والے قول کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایۃ المفتی میں ہے:

یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا ہوتا ہے اور ستمبر میں وہ سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۳/۷۲)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

غروب کے بعد عشاء کا وقت عند الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہوجاوے اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے بلکہ

احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروب آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہوسکتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۲، ۴۶، از مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

سوسال پہلے صبح صادق کی تحقیق

آج سے تقریباً سوسال پہلے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء صبح صادق کے بارے میں ایک رسالہ بنام "حل الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق" عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست رام پور نے تالیف فرمایا تھا، جس میں وہ صبح صادق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

الغرض زمانہ مابین طلوعِ صبح صادق وطلوعِ آفتاب کا برابر ومساوی ہے زمانہ مابین غروبِ آفتاب وغروبِ شفق کے ان دونوں وقتوں کے برابر ہونے کی وجہ ظاہر، علاوہ وجوباتِ نقلیہ کے یہ ہے کہ جب آفتاب زمین کے نیچے سے طلوع ہونے کے واسطے چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو افق سے ۱۸ درجہ طے کرنے باقی رہ جاتا ہیں تو اس وقت سے ایک روشنی افق میں عرضاً ظاہر ہوتی ہے جس کا نام صبحِ صادق ہے اور یہ روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک آفتاب نکل آتا ہے۔

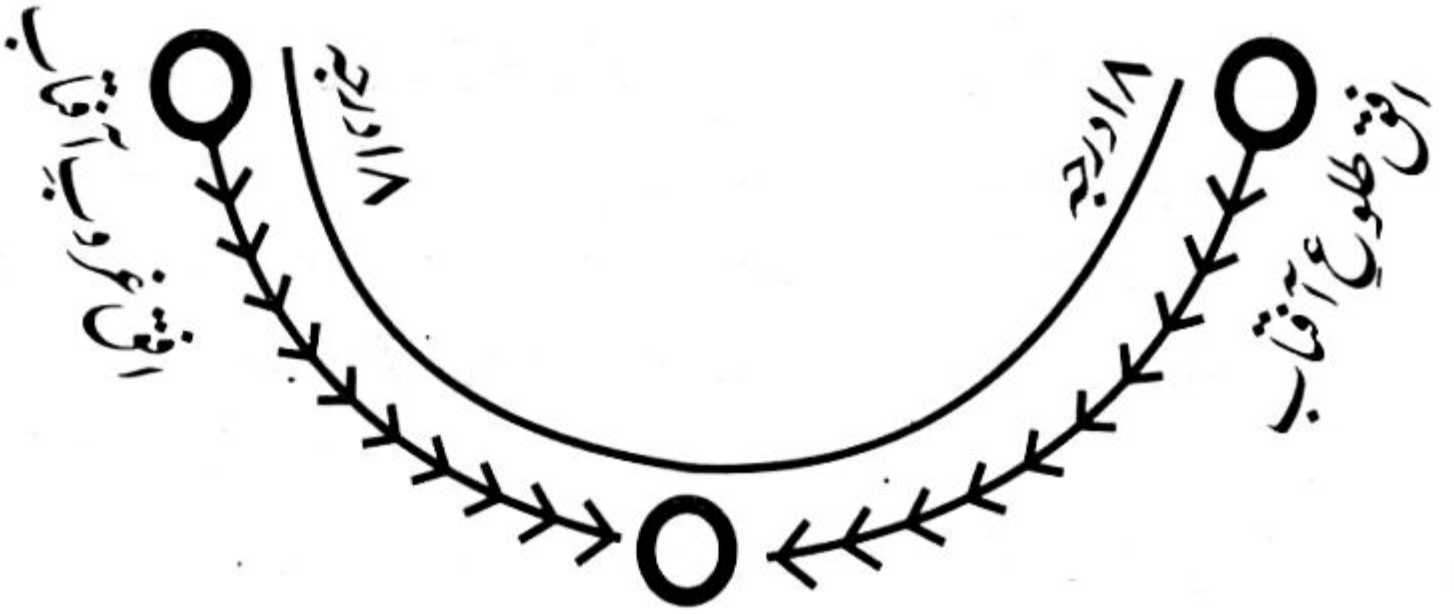
اسی طرح جب زمین کی طرف بعد غروب کے جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۸ درجہ تک زمین کی طرف پہونچ جاتا ہے تو وہ سفیدی کہ جو بعد غروبِ آفات کے ہوا کرتی ہے اور اس کا نام شفق ہوتا ہے غائب ہوجاتی ہے۔

یہ ظاہر بات ہے کہ جب طلوع کے وقت ۱۸ درجہ پر اس نے روشنی دیدی تھی تو اسی طرح غروب کے وقت ۱۸ درجہ کے بعد اس کی روشنی زائل بھی ہونی چاہئے، اور اس شفق کے غائب ہونے کے بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اسی پر آج کل عام طور سے تعامل ہے۔ (حل الدقائق: ص: ۳۲)

اسی زمانہ میں منشی محمد اعلی رئیس میرٹھ نے بھی ایک رسالہ بنام "صبح صادق" تالیف فرمایا تھا اس میں بھی صبح صادق کو ۱۸ درجہ آفتاب کے زیر افق ہونے پر لکھا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں کی اکابرِ علماء دیوبند میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحبِ "بذل المجهود" اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، نیز حضرت مولانا حافظ احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند قدس اللہ اسرارھم نے تصدیق فرمائی اور ان پر تقاریظ لکھیں۔

نقشہ



(برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق و شفق کی تحقیق، از مولانا یعقوب قاسمی ص: ۸۰، ۸۱، جامعہ علوم القرآن جمبوسر)

صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل:

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی سورۂ تکویر کی آیتِ کریمہ: ﴿والصبح اذا تنفس﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان تنفس الصبح وضیاء ہ بواسطة قرب الشمس إلی الأفق الشرقی بمقدار معین وھوفی المشھور ثمانیة عشر جزءً. (روح المعانی: ۵۹/۳۰)

ترجمہ: صبح آفتاب کے مشرقی افق پر مقدار معین سے قریب ہونے پر ظاہر ہونے والی روشنی ہے اور مشہور قول کے مطابق وہ ۱۸ درجہ (ڈگری) ہے۔

یہاں صبح سے مراد صبح صادق ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فی الآیة إشارة إلی الفجر الثانی الصادق وھو المنتشر ضوء ہ معترضا بالأفق.

ربع المجیب میں مرقوم ہے:

وعلی قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ المعتبر فی الحصتین أن یکون الشمس منحطة (۱۸ درجة) والدائرة لإرتفاع ۱۸ بدرجة النظیر ھو الحصة لکل منھما فھما مستویان.

(ربع المجیب: ۲۳)

دورِ حاضر کے علمِ فلکیات کے ماہر استاد علامہ محمد بن عبدالوہاب مراکشی زید عمرہ کی کتاب "ایضاح القول الحق فی مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجر وغروب الشفق" میں مرقوم ہے:

(۱) وقد عرف بالتجربة أن انحطاط الشمس عند أول طلوع الفجر ۱۸ جزء ا. (ص ۱۰)

(۲) وممن قال بالثمانیة عشر أبو الحسن عبد الرحمن الصوفی البزاز المتوفی ۶۷۳.

(۳) وممن قال بالثمانیة عشر فی الفجر وفی الشفق الأستاذ الرئیس أبو علی الحسن بن عیسی المجاصی فقد قال فی رسالته تذکرة أولی الألباب فی عمل صفة الإصطرلاب، فصل فی تخطیط أوقات الصلاة أما الفجر والشفق فان خطیھما ھو مقنطرة ثمانیة عشر فی کل عرض وفی کل زمان. (ص ۱۴)

(۴) عمل طائفة من المتقدمین من فلکی الإسلام علی أن حصتی الفجر والشفق متساویان وان ابتداء طلوع الفجر وانتھاء غروب الشفق یکونان عند انحطاط الشمس عن الافق ۱۸ عشر درجة. (ص ۱۶)

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے مولانا محمد عبدالواسع پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) نے اپنی کتاب میں صبح وشفق کی تفصیلی وضاحت کے بعد تحریر فرمایا ہے: صبح کی ابتداء اور شفق (ابیض) کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے عموداً ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے۔ (معیار الاوقات للصیام و الصلوات: ۱۵)

پروفیسر عبداللطیف صاحب کراچی اپنی کتاب میں مفصل بحث کے بعد برصغیر ہندو پاک کے اوقات نماز کے نقشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سالہا سال سے برصغیر پاکستان وہندوستان میں اوقات کے قدیم نقشوں اور جنتریوں کے مطابق جس وقت فجر کی اذان دی جاتی ہے یا جس وقت کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے یا وہ وقت جس کو منتہائے وقت سحری بھی کہتے ہیں، وہ اس مخصوص لمحہ کے اوقات ہیں جب کہ سورج طلوع ہونے سے قبل ۱۸ درجات زیر افق کی حد کو پہونچتا ہے اور اس وقت ماہرین فلکیات کے اعتبار سے صبح صادق کا وقت شروع ہوجاتا ہے.....۔

(ملخص از کتاب "برطانیہ واعلیٰ عروض البلاء پر صبح صادق و شفق کی تحقیق": ص ۷۳۔۷۸، مؤلف: حضرت مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوریٰ ناشر: جمبو سرو برطانیہ، ڈیوزبری)

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: آج کل گھنٹے گھڑیاں عام ہیں اوقات بتانے والی جنتریاں اور نقشے اکثر مسجدوں میں موجود ہیں ان کے مطابق نمازوں کے وقت کی پابندی کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے گھڑیاں صحیح رکھنا چاہئیں، ہمارے ملک میں طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ کا وقفہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ کا ہے۔

(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۲۶ المجددیۃ)

اس مسئلہ میں ۱۸ درجہ کا قول ہی راجح اور معتمد ہے اور یہی زیادہ مشہور اور تجربہ سے بھی ثابت ہے:

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نیز واضح ہو کہ صبح صادق کا وقت طلوعِ شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شروع نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ سوا ایک گھنٹہ قبل شروع ہوتا ہے۔ **کما ھو یعلم من المشاھدۃ و الریاضی.** (فتاوی فریدیہ: ۲/۱۴۵، باب المواقیت)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے بعض ایام کے بارے میں فرمایا ہوگا ورنہ بعض ایام میں سوا گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوتا ہے۔

ہمارے مشاہدہ کی بناء پر غالباً سوا گھنٹہ وقت فجر کا ہوتا ہے اور اسی طرح مغرب کا۔

(فتاوی فریدیہ: ۲/۱۵۱، باب المواقیت)

جب سورج یقیناً ڈوب جائے اور اس کے بعد سوا گھنٹہ گذر جائے تو عشاء کا وقت داخل ہوجاتا ہے ہمارے

مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہے۔ (فتاوی فریدیہ ۲/۱۵۶، باب المواقیت)

منہاج السنن میں ہے:

قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق و طلوع الشمس و كذا بين غرُوب الشمس و غيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد والمشاهد فى ديارنا قدرساعة وربع ساعة. (منهاج السنن: ۲/۱۰، باب مواقيت الصلاة)

جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے تو اس کی ایک بہت بڑی دلیل کتاب ''تسہیل الفلکیات'' (مصنفہ پروفیسر عبد اللطیف صاحب) پر جامعہ دار العلوم وزیرستان (وانا) کے مہتمم صاحب مولانا نور محمد کی تقریظ بھی ہے جس کی فوٹو کاپی بھی موجود ہے اور وہ تقریظ حسب ذیل ہے:

مکرمی جناب عبد اللطیف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مطلوبہ اوقات کے متعلق پہلے بھی تحقیق ارسال کر چکا ہوں اب پھر گذارش ہے کہ میں نے دار العلوم وزیرستان وانا کے جید علماء کی حسب ذیل کمیٹی مقرر کی انہوں نے مؤرخہ ۱۳ جون ۸۸ء سے ۲۱ جون تک صبح صادق اور غروب کے اوقات چیک کئے اور پھر مجھے دیدئے جب میں نے آپ کے ارسال کردہ اوقات کے ساتھ چیک کیا تو بالکل آپ کے نقشہ کے سو فیصد مطابق تھے حالانکہ میں نے مذکورہ علماء کو آپ صاحب کے نقشے کے اوقات نہیں بتائے تھے، اس لئے آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ وانا کے اوقات کے متعلق آپ کا نقشہ بالکل درست ہے۔

کمیٹی کے علماء کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا عبد الوارث صاحب (۲) مولانا عبد المجید صاحب

(۳) مولانا اصلاح الدین صاحب (۴) مولانا فرید احمد صاحب

والسلام

نور محمد مہتمم دار العلوم وزیرستان وانا وخطیب مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

اس تقریظ میں یہ بات واضح ہے کہ جناب عبد اللطیف صاحب کا نقشہ بالکل صحیح ہے اور یاد رہے کہ ان کا نقشہ ۱۸ درجہ کے مطابق ہے۔

اس موضوع سے متعلق برطانیہ میں منعقد اجلاس، اور اس سے متعلق حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ برطانیہ میں صبح صادق، رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہتا ہے ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں اور ایک اپنی رائے پر مصر ہے، ۱۴۰۳ھ میں جب حضرت مفتی محمود صاحب وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا، آپ نے علماءِ کرام کے دلائل وشواہد کا مطالعہ فرما کر تحریر فرمایا، خلاصہ اس کا یہ ہے:

علاقہ برطانیہ میں صبح صادق، شفقِ بیاض منتشر کا مسئلہ دیر سے چھڑا ہوا ہے، وقت مغرب وعشاء، وقتِ فجر منتہائے سحر، ابتداءِ صوم کا اس سے خاص تعلق ہے، بندہ ناکارہ علماء کی تحریرات سے مشرف ہوا مگر بصد ندامت اعتراف کرتا ہے کہ مطالعہ کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ احقر محمود غفرلہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ۔

مگر اس کے بعد تمام علمائے کرام نے غور وفکر کے بعد اقرب الایام والی تجویز پر متفق ہو گئے اور سب نے اس تجویز کو قبول کرلیا، حضرت مفتی صاحب نے اس پر دستخط فرمادئے اور اپنی سابقہ تحریر واپس لے لی۔

متفقہ فیصلہ:

آج ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ جمعیۃ العلماء برطانیہ کے زیر اہتمام بریڈفورڈ میں علماء کا ایک اجلاس زیر پرستی حضرت مفتی محمود صاحب منعقد ہوا جس میں برطانیہ میں صبح صادق کے بارے میں طویل غور وفکر کے بعد شریکِ اجلاس علماء نے حسبِ ذیل متفقہ فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے برطانیہ میں جو نوٹیکل ٹورولایٹ ۱۲ درجہ (ڈگری) صبح صادق قرار دیا تھا وہ قطعاً غلط تھا۔

اور برطانیہ میں جن دنوں صبح صادق کا تحقق ہوتا ہے یعنی آفتابِ افق سے ۱۸ درجے نیچے جاتا ہے اس کو اصطلاح میں سٹرونومیکل ٹولائٹ کہا جاتا ہے، ان دنوں میں اسی وقت صبح صادق قرار دی جائے گی کیونکہ یہی وقت دراصل صبح صادق کا صحیح وقت ہے، البتہ جن دنوں برطانیہ کے مختلف عرض البلد پر مختلف ایام میں آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے نہیں جاتا، ان دنوں میں صبح صادق کے بارے میں یہی طے کرالیا گیا کہ اپنی جگہ کے عرض البلد پر آخری تاریخ میں جو صبح صادق کا وقت تھا، اسی کے مطابق اتنے ہی بجے بقیہ دنوں میں بھی صبح صادق کی ابتداء واختتام سحر مقرر کی جائے۔ العبد شبیر احمد عفی عنہ۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کی تحسین فرمائی اور علماءِ کرام کو مبارک باد دی اور اپنی سابقہ تحریر واپس منگوائی۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تحریر:

۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ کو صبح صادق، بیاض منتشر منتہائے سحر سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جمعیۃ علماء برطانیہ کی مجلس ہوئی، اس میں احقر بھی شامل تھا، اس سے قبل علمائے کرام کی متعدد تحریرات کا اس مسئلہ پر احقر مطالعہ کر چکا

تھا مگر کسی رائے کو ترجیح دینا دشوار ہے..... مگر پھر علماء کرام نے گفتگو کر کے ایک رائے پر اتفاق کر لیا اور کسی نے اس کو باطل نہیں کیا تو پھر احقر نے بھی اس پر دستخط کر لئے اور اپنی تحریر واپس منگالی جو احقر کو موصول ہوگئی۔

(ملخص از حیات محمود:ص ۲۰۱۔ ۲۰۵)۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

دائمی اوقاتِ نماز برائے ضلع اعظم گڑھ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۵:۱۷	۶:۴۳	۱:۲۶	۵:۱۹	۷:۴۱	۱:۲۲
۱،فروری	۵:۱۹	۶:۴۱	۱:۲۲	۵:۴۲	۷:۰۱	۱:۱۹
۱،مارچ	۵:۰۱	۶:۲۱	۱:۲۰	۶:۰۰	۷:۱۷	۱:۱۷
۱،اپریل	۴:۳۰	۵:۵۰	۱:۲۰	۶:۱۴	۷:۳۱	۱:۱۷
۱،مئی	۳:۵۶	۵:۲۳	۱:۲۷	۶:۲۸	۷:۵۰	۱:۲۲
۱،جون	۳:۳۶	۵:۰۸	۱:۳۲	۶:۴۳	۸:۱۳	۱:۳۰
۱،جولائی	۳:۳۶	۵:۱۱	۱:۳۵	۶:۵۲	۸:۲۲	۱:۳۰
۱،اگست	۳:۵۶	۵:۲۵	۱:۲۹	۶:۴۳	۸:۰۹	۱:۲۶
۱،ستمبر	۴:۱۶	۵:۳۹	۱:۲۳۰	۶:۱۷	۸:۳۸	۱:۲۱
۱،اکتوبر	۴:۲۹	۵:۵۰	۱:۲۱	۵:۴۶	۷:۰۱	۱:۱۵
۱،نومبر	۴:۴۲	۶:۰۵	۱:۲۳	۵:۱۸	۶:۳۶	۱:۱۸
۱،دسمبر	۵:۰۰	۶:۲۶	۱:۲۶	۵:۰۷	۶:۲۸	۱:۲۱

(ایک عالمی تاریخ از حضرت مولانا عثمان معروفی ص ۱۶۱۔۱۷۲)۔

نقشہ برائے جوہانسبرغ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروب آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۳:۵۰	۵:۲۰	۱:۳۰	۷:۰۶	۸:۳۳	۱:۲۷
۱،فروری	۴:۱۹	۵:۴۳	۱:۲۴	۷:۰۳	۸:۲۴	۱:۲۱
۱،مارچ	۴:۴۳	۶:۰۲	۱:۱۹	۶:۴۲	۷:۵۷	۱:۱۵
۱،اپریل	۵:۰۰	۶:۱۷	۱:۱۷	۶:۱۰	۷:۲۳	۱:۱۳
۱،مئی	۵:۱۳	۶:۳۱	۱:۱۸	۵:۴۲	۶:۵۷	۱:۱۵
۱،جون	۵:۲۶	۶:۴۷	۱:۲۱	۵:۲۷	۶:۴۶	۱:۱۹
۱،جولائی	۵:۳۳	۶:۵۶	۱:۲۳	۵:۳۱	۶:۵۰	۱:۱۹
۱،اگست	۵:۲۷	۶:۴۷	۱:۲۰	۵:۴۵	۷:۰۱	۱:۱۶
۱،ستمبر	۵:۰۴	۶:۲۱	۱:۱۷	۵:۵۹	۷:۱۳	۱:۱۴
۱،اکتوبر	۴:۳۱	۵:۴۸	۱:۱۷	۶:۱۱	۷:۲۵	۱:۱۴
۱،نومبر	۳:۵۷	۵:۱۹	۱:۲۲	۶:۲۸	۷:۴۷	۱:۱۹
۱،دسمبر	۳:۳۹	۵:۰۸	۱:۲۹	۶:۴۹	۸:۱۵	۱:۲۶

نوٹ: جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے۔ تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۳٤)

امدادالاحکام میں ہے:

صبح صادق طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/۱۰٤، دار العلوم کراچی)

غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم:

سوال: کیا فجر صادق کے طلوع یا شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ مسلمان بھی نہیں۔

الجواب: غیر مسلموں کی تحقیق خالص دین کی باتوں میں قبول نہیں جیسے پانی پاک ہے یا ناپاک ہے، یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات بتلادیں جس پر دینی بات مرتب ہوتو ان کی وہ بات معتبر ہے بشرطیکہ دل اسکی صداقت کی گواہی دے، مثلاً یہ کہہ دیں کہ میں نے یہ کھانا فلاں مسلمان سے خریدا ہے تو ظاہر بات ہے کہ مسلمان سے خریدنے کے بعد اس پر حلال ہونے کا حکم مرتب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ویقبل قول کافرولومجوسیاً قال:اشتریت اللحم من کتابی فیحل أوقال:اشتریته من مجوسی فیحرم ولایرده بقول الواحد وأصله أن خبر الکافرمقبول بالإجماع فی المعاملات لافی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنزویقبل قول الکافرفی الحل والحرمة یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لامطلق الحل والحرمة. (الدرالمختارمع الشامی:٦/٣٤٤،٣٤٥، کتاب الحظر والإباحة،سعید)

طحطاوی میں ہے:

وإذا صح قول الواحد فی أخبارالمعاملات عدلاً کان أوغیرعدل فلابد فی ذلك من تغلیب رأیه فیه أن خبره صادق فإن غلب علی رأیه ذلك عمل علیه وإلا لا.

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:٤/١٧٤، کتاب الحظر والإباحة، کوئٹة)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ اگر ان کی تحقیق پر ظنِ غالب ہو کہ صحیح ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایقبل قول الکافرفی الدیانات إلا إذاکان قبول قول الکافرفی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذٍ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة هکذا فی التبیین،من أرسل أجیرًا له مجوسیًا أوخادمًا فاشتری لحمًا فقال:اشتریته من یهودی أونصرانی أومسلم وسعه أکله وإن کان غیر ذلك لم یسعه أن یأکل منه معناه إذا کان ذبیحة غیر الکتابی والمسلم لأنه لما قبل قوله فی الحل أولیٰ أن یقبل فی الحرمة کذا فی الهدایة.

(الفتاوی الهندیة:٥/٣٠٨، کتاب الکراهیة:الباب الأول فی العمل بخبرالواحد)

صورتِ مسئولہ میں بھی غیر مسلم نے صبح صادق اور شفق کے غروب کی بات بتلادی جو براہِ راست دین کی بات نہیں بلکہ آسمان کے افق کی تحقیق ہے پھر اس پر نماز کا وقت ہونا یا نہ ہونا روزہ کی ابتداء کا ہونا نہ ہونا مرتّب ہوگا، لہٰذا صبح صادق اور شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق معتبر ہے، نیز یہ تحقیق صرف غیر مسلموں کی نہیں بلکہ مسلمان ماہرِ فلکیات کی تحقیق بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے:

سوال: ہمارے یہاں عصر کی نماز پانچ بجے ہوتی ہے اور آج کل غروب تقریباً ۵:۲۵ پر ہے اور کافی مسبوق ہوتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ وقت صحیح ہے یا مکروہ یا اس سے جلدی نماز پڑھنا چاہئے تاکہ مکروہ سے بچے؟

الجواب: تاخیر عصر مستحب ہے لیکن اتنی تأخیر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے درست نہیں ہے اور عام طور پر غروب سے ایک گھنٹہ قبل پڑھنا وقت مکروہ سے بہت پہلے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ وقت مکروہ اس کے بہت بعد شروع ہوتا ہے البتہ صورت مسئولہ میں ۵ بجے شروع کرنا اور تقریباً ۵:۱۰ منٹ پر ختم کرنا کراہت کے قریب ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتأخير عصر صيفًا وشتاءً توسعةً للنوافل مالم يتغير ذكاء بأن لاتحار العين فيها فى الأصح. قوله فى الأصح صححه فى الهدايه وغيرها وفى الظهيريه: إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوى وفيها: وينبغى أن لايؤخر تأخيرًا لايمكن المسبوق قضاء مافاته. وقيل حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح وقيل أن يتغير الشعاع على الحيطان كما فى الجوهرة، ابن عبد الرزاق. (الدرالمختارمع الشامى: ۱/۳۶۷،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويستحب تأخير العصر فى كل زمان مالم تتغير الشمس والعبرة لتغير القرص لا لتغير الضوء فمتى صار القرص بحيث لاتحار فيه العين فقد تغير وإلا لا كذا فى الكافى. وهو الصحيح كذا فى الهداية. واللہ اعلم۔

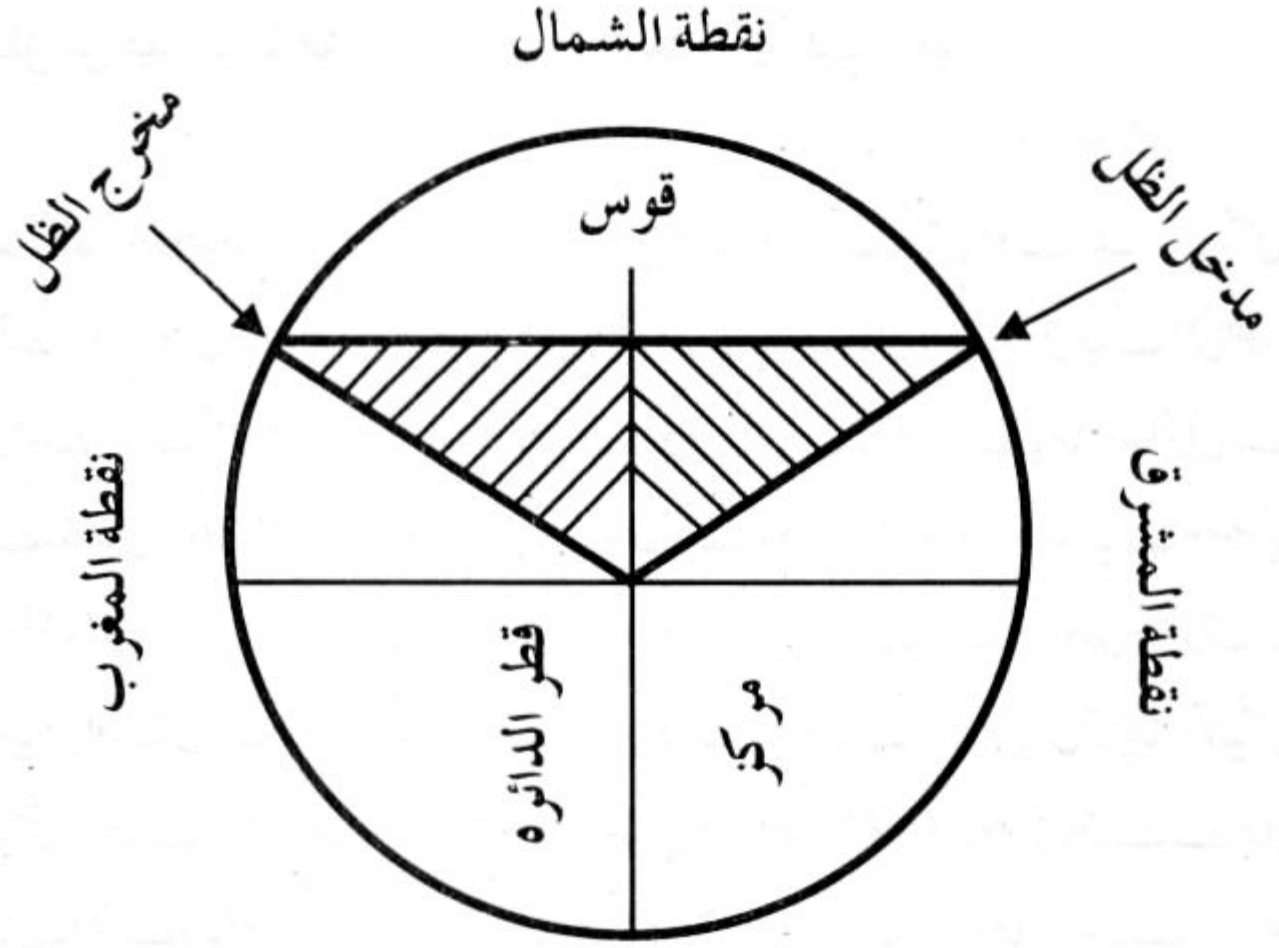
(الفتاوى الهندية: ۱/۵۲۔ وكذا فى شرح المنية: ص ۲۳۳،سهيل)

زوال اور فئ الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:

سوال: دائرہ ہندیہ کیا چیز ہے اور کیا کام آتا ہے؟

الجواب: دائرہ ہندیہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو:

نقشۂ دائرئه هنديه



یہ دائرہ ہندیہ کا نقشہ ہے جو زوال اور فئ الزوال معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

وللظهر من زوالها إلى بلوغ ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال. لابد ههنا من معرفة وقت الزوال. وطريقه ان تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعًا وبعضها منخفضًا اما بصب الماء أوببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية، وينصب فى مركزها مقياس قائم بان يكون بعد رأسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساويًا ولتكن قائمته بمقداربع قطر الدائرة فرأس ظله فى أوائل النهار خارج

الدائرة لكن الظل ينقص إلى أن يدخل فى الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة، ولاشك أن الظل ينقص إلى حد ما ثم يزيد إلى أن ينتهى إلى محيط الدائرة ثم يخرج منها، وذلك بعد نصف النهارفتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التى هى مابين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطًا مستقيمًا من منتصف القوس إلى مركز الدائرة مخرجًا إلى الطرف الآخر من المحيط، فهذاالخط هوخط نصف النهار، فإذاكان ظل المقياس على هذا الخط فهونصف النهار، والظل الذى فى هذا الوقت هوفىء الزوال، فإذا زال الظل من هذا الخط فهووقت الزوال، فذلك أول وقت الظهر.

(شرح الوقاية مع الحاشية: ۱/۱۲۸۔وحاشية المختصر القدورى: ۲۶؛ ط سعيد)

ترجمہ: اوروقتِ ظہر کی ابتداء زوال سے ہر چیز کا سایہ اس کے دومثل ہونے تک سایۂ اصلی کو چھوڑ کر، یہاں وقتِ زوال کو بھی جاننا ضروری ہے، اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین ہموار کردی جائے اس طور پر کہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے اونچا نیچا نہ رہے یا پانی بہا کر ٹھیک کردی جائے یا سائنسدانوں کے اوزار کے ذریعہ سے، پھراس ہموار زمین پر ایک دائرہ یعنی گول حلقہ بنالے، اوراس دائرہ کو دائرۂ ہندیہ سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر مرکزِ دائرہ میں مقیاس (لکڑی یا تار) عموداً اس طور پر گاڑ دیں کہ اس کے سرے کی دوری ہر طرف سے برابر ہو (یعنی مقیاس اورزمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہوجائے۔ اگر مقیاس ترچھا ہوتو یہ عمل صحیح نہیں، پیمانۂ پیمائش یا دھاگے کے ذریعہ یہ معلوم کرلیں کہ مقیاس کا سر اشمالاً وجنوباً، شرقاً وغرباً دائرے سے برابر فاصلہ پر ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے ورنہ ترچھا ہے) نیز مقیاس دائرے کے چوتھائی حصہ کے برابر ہو (یعنی اگر پورا دائرہ چار ہاتھ ہوتو مقیاس ایک ہاتھ کے بقدر ہو) پس اس مقیاس کے سایہ کا سرہ دن کے ابتدائی حصہ میں دائرۂ ہندیہ سے خارج ہوگا لیکن سایہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مقیاس کا سایہ مغرب کی جانب سے دائرہ میں داخل ہوجائے گا پس اس جگہ ایک علامت لگادی جائے۔ (یہ نصف النہار سے پہلے ہوگا) اوراس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ برابر کم ہوگا ایک حد تک، پھر جانبِ مشرق میں بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ محیط دائرہ تک پہنچ کر دائرہ سے باہر نکل جائے گا، اور یہ نصف النہار کے بعد ہوگا، پس نکلنے کی جگہ پر بھی علامت لگادی جائے، پھر مدخل الظل اور مخرج الظل کے درمیان قوس کے دو حصے کردئے جائیں اورنصفِ قوس سے ایک سیدھا خط کھینچا جائے، یہ خط مرکز سے گذرتا ہوا محیط دائرہ پر منتہی ہوگا پس یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے اور جب مقیاس کا سایہ خط نصف النہار پر ہوگا وہ نصف النہار ہے، (یعنی استواءِ شمس) اور جو سایہ اس وقت ہوگا وہ سایۂ اصلی ہے، اور جیسے ہی سایہ اس خط

نصف النہار سے جانبِ مشرق میں رخ کرے گا وہ زوال کہلائے گا پس اسی سے وقتِ ظہر کی ابتداء ہوگی۔
(عملی طریقہ نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں)

قواعدالفقہ میں ہے:

الدائرة الهندية لمعرفة فيء الزوال فى كل بلد ة صفتها فى شرح الوقاية فليراجع. والله اعلم. (قواعد الفقه:ص ۲۸۷)

زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله واستواء) وفى القنية:واختلف فى وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبى سعيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم "أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس" قال ركن الدين الصباغى:وما أحسن هذا الأن النهى عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه وعزا فى القهستانى القول بأن المراد انتصاف النهار العرفى إلى أئمة ما وراء النهر وبأن المراد انتصاف النهار الشرعى وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم وفى شرح النقاية للبرجندى: وقد وقع فى عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس ولايخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلافصل،وفى هذا القدر من الزمان لايمكن أداء الصلاة فيه، فلعل المراد أنه لاتجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها فى هذا الزمان..... (شامی:۱/۳۷۱،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔ علامہ برجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں اس لئے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہوسکتی تو اس سے نہی صحیح نہیں، اس بناپر بعض حضرات نے نصف النہار شرعی سے لیکر نصف النہار حقیقی تک پورے وقت کو نماز کے لئے مکروہ

قرار دیا ہے، جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں اشکال مذکور کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر چہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہو سکتی مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جزء بھی اس وقت میں واقع نہ ہو یہ جواب خود علامہ برجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے۔ (رد المحتار ۱/ ۳٤٤)

(۲) مرکزِ شمس کے بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے۔ **کما فی حدیث عبد اللّٰہ الصنابحی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **ثم إذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها.** (مؤطا مالک رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۲۰۱) دائرہ نصف النہار سے محیط شمس کا ایک کنارہ گذرنے سے لیکر دوسرا کنارہ گذرنے تک بروئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صرف ہوتے ہیں، اتنے وقت میں نماز متصور ہو سکتی ہے۔

(۳) احکام شرعیہ کا مدار حسابات ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ پر ہے اور مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ **ویؤید ما نقله ابن عابدین** رحمہ اللہ تعالیٰ **عن الطحطاوی** رحمہ اللہ تعالیٰ **فی تفسیر قول شارح التنویر (ووقت الظهر من زواله أی میل ذکاء عن کبد السماء) أی وسطها بحسب مایظهر لنا** (رد المحتار: ۱/ ۳۳۲) تعلیل کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، نماز کی طرح عبادت شمس بھی آنِ واحد میں تو متصور نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ عبدۃ الشمس استواء بحسب مشاہدہ ہی کو وقت عبادت قرار دیتے ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۱۳۷)

مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور انکا حل: ۲/ ۱۰۵، اوقاتِ نماز۔ فتاوی محمودیہ: ۵/ ۳۸۳، باب المواقیت)۔ واللہ اعلم۔

اوقاتِ ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ:

سوال: ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء میں فقہائے احناف کا کیا اختلاف ہے؟ اور ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی کیا واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وقتِ ظہر کی انتہاء کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات مروی ہیں، مشہور روایت کے مطابق مثلین تک ظہر کا وقت ہے اور مثلین کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک مثل اول ظہر کا وقت ہے اور مثل ثانی عصر کا وقت ہے، لیکن مسلک احناف میں

احوط طریقہ یہ ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھ لے، اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی تو نماز صحیح ہے واجب الاعادہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهم وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وبه نأخذ وفى غرر الأذكار وهو المأخوذ به وفى البرهان وهو الأظهر لبيان جبرئيل عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وهو نص فى الباب وفى الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. وفى الشامى: (قوله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابع وهو المختار غياثية واختاره الإمام المحبوبى وعول عليه النسفى وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وبقولهما نأخذ لايدل على أنه المذهب، وما فى الفيض من أنه يفتى بقولهما فى العصر والعشاء مسلم فى العشاء فقط على مافيه وتمامه فى البحر. (وقوله وعنه) أى عن الإمام أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وفى رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين ذكرهما الزيلعى وغيره وعليها فما بين المثل والمثلين وقت مهمل. (قوله وهو نص فى الباب) فيه أن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضًا كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية وقد قال فى البحر لايعدل عن القول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشايخ بأن الفتوىٰ على قولهما كما هنا. (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أى فى كثير من البلاد والأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديًا للصلاتين فى وقتهما بالاجماع.

(الدر المختار مع الشامى: ۱/۳۵۹، سعيد۔ وكذا فى الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۱۷۳۔ وهكذا فى المبسوط للامام السرخسى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: ۱/۱۴۲۔ وفى شرح منية المصلى: ص۲۲۷، سهيل۔ والبحر الرائق: ۱/۲۴۵۔ وفتح القدير: ۱/۲۱۹، دار الفكر۔ وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۱۷۶، قديمى۔ ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر: ۱/۶۹۔۷۰۔ والفتاوى الهندية: ۱/۵۱)

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلى الظهر تارة فى المثل وهو وقتها المختص وتارة فى المثل الثانى

وهو الوقت الصالح لها و كذلك صلى العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أيضًا وصلاها تارة بعد المثل الثانى قبل نهاية المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بين الصلا تين فى اليومين، وهذا عين مذهبنا،فللّٰه الحمد أولاً و آخرًا.

(فیض الباری:۲/۹۹، کتاب مواقیت الصلاۃ)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قولِ مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۵/۳۳۸،باب المواقیت،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۳۶،باب المواقیت)۔

حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنے کا حکم:

سوال: مسلکِ احناف کے مطابق عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ مسئلہ حرمین شریفین میں بکثرت پیش آتا ہے۔

الجواب: مسلکِ احناف میں قولِ مختار یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے۔ پس عام حالات میں مفتی بہ قول پر عمل کرنا چاہئے احتیاط اسی میں ہے۔ البتہ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وقت عصر مثل اول کے بعد شروع ہو جاتا ہے لہٰذا کوئی معذور ہو یا مسافر ہو یا کسی شافعی المسلک امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ خصوصاً حرمین شریفین میں تو جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھنا چاہئے مسجد اور جماعت کی فضیلت ترک نہیں کرنا چاہئے یہی افضل ہے۔

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلى الظهر تارة فى المثل وهو وقتها المختص وتارة فى المثل الثانى وهو الوقت الصالح لها و كذلك صلى العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أيضًا وصلاها تارة بعد المثل الثانى قبل نهاية المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء.

الفاصلة بين الصلا تين فى اليومين، وهذا عين مذهبنا،فللّٰه الحمد أولاً و آخرًا.

(فیض الباری:۲/۹۹، کتاب مواقیت الصلاۃ)

فتح القدیر میں ہے:

اعلم أن الروايات عن أبی حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ اختلفت فی آخروقت الظهر، روی محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ عنه إذا صارظل كل شیء مثليه سوی فیء الزوال خرج وقت الظهرودخل وقت العصروهو الذی عليه أبوحنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ، وروی حسن بن زياد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ عنه إذا صارظل كل شیء مثله سوی فیء الزوال خرج وقت الظهرودخل وقت العصروبه أخذ أبويوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وزفر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ والشافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

(فتح القدير:۱/۲۱۹،دارالفكر۔وكذا فی فتاوی اللكنوی:ص۱۹٤۔۱۹۸،بيروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قالوا الاحتياط أن يصلی الظهر قبل صيرورة الظل مثله ويصلی العصر حين يصير مثليه ليكون الصلاتان فی وقتهما بيقين. (الفتاوی الهندية:۱/۵۱)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگر چہ اس میں جماعت فوت ہوجانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں با جماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

(فتاوی حقانيه:۳/٤۲،باب المواقيت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۴۱،باب المواقیت۔جامعہ فاروقیہ) واللہ اعلم۔

بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"المؤذنون أطول الناس أعناقًا يوم القيامة"﴾

(رواه مسلم)

باب.....﴿٢﴾

اذان اور اقامت کا بیان

باب.....﴿۲﴾

اذان اور اقامت کا بیان

اذان میں۔ لفظ ''اللہ'' کے مد کو دراز کرنے کی مقدار:

سوال: اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو کتنا دراز کرنا چاہئے؟

الجواب: فنِ تجوید کے اعتبار سے اذان کے ان کلمات کو جن پر مدِ اصلی ہے تعظیم واہتمام کی غرض سے ایک الف سے زائد کھینچنا درست ہے۔ حضراتِ قراء نے اسبابِ مد میں مدِ تعظیمی کو بھی شمار کیا ہے۔ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مفتاح الکمال'' میں تحریر فرمایا ہے: سببِ مد کی دو قسمیں ہیں: ایک لفظی، دوسری معنوی، معنوی بھی دو ہیں: (۱) نفی میں مبالغہ (۲) تعظیم یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا، اور یہ لفظِ ''اللہ'' میں ہوتا ہے اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر مد کرنا بھی درست بتایا ہے۔ (مفتاح الکمال: ٦٥،٦٦)

اور ایک قول کے مطابق اس سے زائد بھی کھینچ سکتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: **وإن كان المد فى لام اللّٰه فحسن مالم يخرج عن حدها.**

(تبيين الحقائق: ١/١١٤)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ومد لام اللّٰه صواب.** (الفتاوى الهندية: ١/٧٣)

الاذکار میں ہے: **واعلم أن محل المد بعد اللام من اللّٰه ولايمد فى غيره.** (الاذكار: ص ٤٢)

کشف القناع میں ہے:

ولاتضر زيادة المد على الألف بين اللام والهاء لأنها أى زيادة المد إشباع لأن اللام ممدودة فغايته أنه زاد فى مد اللام ولم يأت بحرف زائد وحذفها أى حذف زيادة المد أولىٰ لأنه يكره تمطيطه أى التكبير. (كشف القناع: ١/٣٣٠)

کتاب الفروع میں ہے:

ولايضر لو خلل بين اللام والهاء لأنه إشباع وحذفها أولىٰ لأنه يكره تمطيطه والزيادة على التكبير قيل يجوز وقيل يكره. (كتاب الفروع: ١/٤٠٩)

فتاوی الرملی میں ہے:

وفی التهذیب ولومد التکبیربین اللام والهاء فی کلمة اللّٰه یجوز.

(فتاوی الرملی بهامش الفتاوی الکبری: ص ۱۳۱)

وقد جاء فی کتاب: تمکین المد للعلامة مکی بن أبی طالب ما هوأوسع من ذلك:

فصل:فی أن مده لایضروأن تقدیره بالألفات للتقریب علی المبتدئین والتقدیرعندنا للمد بالألفات إنما هوتقدیرعلی المبتدئین ولیس علی الحقیقة لأن المد إنما هوفتح الفمربخروج النفس مع امتداد الصوت وذلك قدرلایعلمه إلا اللّٰه ولایدری قدرالزمان الذی کان فیها المد للحرف ولاقدرالنفس الذی یخرج مع امتداد الصوت فی حیزالمد إلا اللّٰه تعالیٰ فمن ادعیٰ قدرالمد حقیقة فهومدعی علی الغیب ولایدعی ذلك من له عقل وتمییز وقد وقع فی کتب القراء التقدیربالألف والألفین والثلاثة علی التقریب للمتعلمین ألا تری أنهم حین أرادوا التحقیق للمد ذکروا أنه لایحکیه إلا المشافهة وقسمه بعضهم علی رتب وعلی أربع رتب وبعضهم علی ثلاث رتب ولم یقل أحد من القراء والنحویین أن المد یحصر فی قدرالألف وقدرالألفین وأنه لایکون أکثرولاأقل هذا لم یقله أحد ألا تری أن أباإسحاق الزجاج قال:لومددت صوتك یوماً ولیلة لم یکن الألف واحد ألا تری إلی قول سیبویه فی حروف اللین هی حروف المد التی تمد بها الصوت وتلك الحروف الألف والیاء والواووقد ذکرأن الصوت یمد بها ولم یجد مقدارالمد. (البلاغ کے ایک فتویٰ کا خلاصہ جودارالعلوم کراچی سے نکلتا ہے)

ماہنامہ المحمود میں مفتی عبدالقیوم راجکوٹی صاحب معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ایک فتویٰ چھپا ہے اس میں مذکور ہے:

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ ہووہ یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت مطلوب ومستحسن ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویستحب ترتیل الأذان ورفع الصوت.ویستحب أن یجعل إصبعیه فی أذنیه لقوله ﷺ لبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعل إصبعیك فی أذنیك فإنه أرفع لصوتك.

(مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی:ص ۱۹۷،قدیمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السنة أن یأتی بالأذان والأقامة جهرًا رافعًا بهما صوته.(الفتاوی الهندیه:۱/۵۵)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس استحباب پر عمل کرنے کے لئے قصر (جس کی مقدار ایک الف ہے) مفید ومؤثر ہے یا طول (یعنی ایک الف سے زائد کھینچنا جس کی مقدار مذکور ہوئی) ظاہر بات ہے کہ قصر کرتے ہوئے رفعِ صوت والے استحباب پر عمل مشکل نہ سہی مگر تکلف سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں مؤذن کی آواز کامل طور پر ابھی بلند نہ ہونے پائے گی کہ قصر کی مقدار (ایک الف) پوری ہوجائے گی، جب کہ طول کی صورت میں علی وجہ الاتم رفعِ صوت والے استحباب پر عمل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ طولِ مذکور استحباب کے لئے مقدمہ ہے جس طرح واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے۔ ایسے ہی مستحب کا مقدمہ مستحب نہ سہی کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلماتِ اذان کو کھینچا جاوے۔

بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے حلت وحرمت کا مسئلہ نہیں اس لئے اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ جو حضرات نہیں کھینچتے ان کی تغلیط نہ کی جاوے، اور جو حضرات حد میں رہ کر امتداد کرتے ہیں ان کی تردید کر کے روکا نہ جاوے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میرا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہیں کھینچتا تو اسے نہیں کہتا کہ کھینچو۔ (ملفوظات فقیہ الامت: قسط:۶/۲۳)

حالانکہ حضرت فقیہ الامت کا رجحان امتداد کی طرف ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں حدودِ شریعت کا پاس رکھتے ہوئے امرِ تسہیل ملحوظ رکھنا ہی احوط ہے۔

شرحِ عقود رسم المفتی میں ہے:

التاسع: ما إذا كان أحدهما أوفق لأهل الزمان فإن كان أوفق لعرفهم أو أسهل عليهم أولىٰ بالاعتماد عليه. (شرح عقود رسم المفتی: ص۸۹)

نوٹ: ایک الف کی مقدار ہے، بند انگلی کو کھولنے کے بقدر یا کھلی انگلی کو بند کرنے کے بقدر۔ واللہ اعلم۔

(ماهنامه المحمود: ص ۴۰-۴۱)

اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر فتحہ پڑھنا چاہئے یا ضمہ یا کسرہ یا ساکن ہونا چاہئے؟

الجواب: اذان میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے لہٰذا ثانی تکبیر کو ساکن پڑھیں گے اور اول کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے اور اگر ملائے تو فتحہ پڑھنا چاہئے۔ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، اگر کوئی اشکال کرے کہ ساکن کو کسرہ دینا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے: الساكن إذا حرك حرك بالكسر. تو جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر کی راء کو کسرہ دینا سنت اور طریقہ معروفہ کے خلاف ہے۔ نیز کسرہ دینا اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت وکبریائی کے ساتھ مناسب بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويفتح راء أكبر والعوام يضمونها. وفى الشامية:فائدة:فى روضة العلماء قال ابن الأنبارى: عوام الناس يضمون الراء فى أكبر،وكان المبرد يقول:الأذان سمع موقوفًا فى مقاطيعه والأصل فى أكبرتسكين الراء فحولت حركة ألف اسم اللّٰه إلى الراء كما فى "الٓمٓ اللّٰه" وفى المغنى: حركة الراء فتحة وإن وصل بنية الوقف، ثم قيل هى حركة الساكنين ولم يكسر حفظًا لتفخيم اللّٰه.

قلت: والحاصل أن التكبيرة الثانية فى الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الأقامة، فقيل محركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضمة إعرابًا، وقيل ساكنة بلاحركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعى والبدائع وجماعة من الشافعية ثم رأيت لسيدى عبد الغنى رسالة فى هذه المسئلة سماها " تصديق من أخبر بفتح راء اللّٰه أكبر "أكثرفيها النقل وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من اللّٰه أكبر الأول أويصلها باللّٰه أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح.

(الدرالمختارمع الشامى:۱/۳۸٦،مطلب فى الكلام على حديث "الاذان جزم"،سعيد)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کرکے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹٦)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے "اللّٰہ اکبرْ اللّٰہ اکبرْ" یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے "اکبر" کی راء کو بہرحال ساکن پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:۵/٤۰۹،کلمات اذان کابیان،جامعہ فاروقیہ)

کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار:

سوال: بعض جگہ اذان کے کلمات میں بہت وقفہ کرتے ہیں جس سے اذان ختم ہونے کا گمان ہوتا ہے حالانکہ ختم نہیں ہوتی شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کلماتِ اذان کے مابین وقفہ قلیلہ جس میں اچھی طرح اذان کا جواب دیا جاسکے سنت ہے اور اس سے زیادہ وقفہ کرنا کہ فاصلہ شمار کیا جائے اور اذان ختم ہونے کا گمان ہوجائے درست نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے اور اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويترسل) أى يتمهل(قوله بسكتة) أى تسع الأجابة. (شامی:۱/۳۸۷،سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

سئل عمن يقف فى خلال الأذان؟ قال:يعيد الأذان قال:هذا إذاكانت الوقفة كثيرة بحيث تعد فاصلة فأما إذاكانت يسيرة مثل التنحنح والسعال فانه لايعيد. (الفتاوى التاتارخانية:۱/۵۲۳)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

وفى القنية "مت" أى مجد الائمة الترجمانى وقف فى الأذان لتنحنح أوسعال لايعيد وإن كانت الوقفة كثيرة يعيد.(نفع المفتى والسائل: ص ۷۰،ادارة القرآن)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جاسکے مسنون ہے۔ اس سنت کا ترک مکروہ ہے اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی:۲/۲۸۶۔وفتاوی حقانیہ:۳/۶۴،باب الاذان والاقامة)

اذان میں "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اذان میں "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بوقتِ اذان "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنا ثابت نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان

کے بعد مجھ پر درود بھیجو اور پھر دعاء پڑھو۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ درود شریف اذان کے بعد پڑھنا ثابت ہے نہ کہ اذان کے درمیان۔ ہاں سامع جواب میں جب یہ کلمہ "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" دوہرائے تو ساتھ میں "صلى اللّٰه عليه وسلم" پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص ﷺ أنه سمع النبي ﷺ يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فإنه من صلى علي واحدة صلى اللّٰه عليه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة لاتنبغي إلا لعبد من عباد اللّٰه وأرجو أن أكون أنا هو فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (رواه مسلم: ١/١٦٦)

شامی میں ہے:

ويستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى اللّٰه عليك يارسول اللّٰه وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (شامي: ١/٣٩٨)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان میں حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے نہ معمول بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو پھر دعا۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ٢/٢٧٨)۔

اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کا حکم:

سوال: اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتب حدیث میں اذان میں اس کا ذکر نہیں البتہ ابن عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں مگر یہ روایت موقوف ہے نیز وہ تثویب یعنی اعلان پر محمول ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر عمل نہیں اور یہ روافض کا شعار اور علامت ہے اس لئے ان الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حاتم بن إسماعيل عن جعفر عن أبيه ومسلم بن أبي مريم أن علي بن حسين كان يؤذن فإذا بلغ حي على الفلاح قال: حي على خير العمل ويقول هو الأذان الأول.

(رقم الحديث: ٢٢٥٣)

حدثنا أبو خالد عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقول فى أذانه: الصلاة خير من النوم وربما قال: حى على خير العمل. (رقم الحديث: ٢٢٥٤)۔

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبيد الله عن نافع قال: كان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربما زاد فى أذانه: حى على خير العمل. (رقم الحديث: ٢٢٥٥)

اس کے تحت شیخ محمد عوامہ نے یہ لکھا ہے:

قول على زين العابدين هو الأذان الأول يشعر بأن هذه الجملة "حى على خير العمل" كانت على عهد النبى صلی اللہ علیہ وسلم فهى فى حكم المرفوع المرسل وأنها نسخت.

والذى فى كتب السنة مما يشهد لرفع هذه الجملة حديث واحد مرفوع: رواه الطبرانى فى الكبير: (١٠٧١) والبيهقى: (١/٤٢٥) ويستفاد من إسناد البيهقى أن أبا الشيخ رواه أيضا، كلهم من طريق يعقوب بن حميد بن كاسب عن عبد الرحمن بن سعد بن عمار عن عبد الله بن محمد بن عمّار، وعمّار وعمر ابنى حفص بن عمر بن سعد القرظ، عن آبائهم، عن أجدادهم، عن بلال أنه كان ينادى بالصبح فيقول: حى على خير العمل، فأمره صلی اللہ علیہ وسلم أن يجعل مكانها، الصلاة خير من النوم وترك حى على خير العمل.

وابن كاسب فيه كلام كثير وشيخه عبد الرحمن، وشيخه عبد الله: ضعيفان، وعمّار بن حفص، وأخوه عمر ليسا بشىء عند ابن معين، فالإسناد مسلسل بالضعفاء لهذا قال البيهقى: هذه اللفظة لم تثبت عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم فيما علّم بلالا وأبا محذورة، ونحن نكره الزيادة فيه، وهذا فيه إشارة إلى إعلال آخر للحديث السابق، وهو أنه مخالف للثابت المستفيض من أحاديث بلال وأبى محذورة رضی اللہ تعالیٰ عنہم، إذ لم يرد فى واحد منها ذكر لهذه الجملة، وأريد أنه لم يرد فى أحاديث ابن أم مكتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ أيضًا ذكر هذه الزيادة، وأما الأثران التاليان عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فواضح منهما أنه كان يقول هذه الجملة على سبيل التثويب والحض على القيام لصلاة الفجر بدلا من قوله: الصلاة خير من النوم على أن فى رواية ابن عجلان عن نافع، اضطرابا عند يحيى القطان.

وفى الأثر الأخير عليه زيادة ملاحظة، فلفظه: ربما زاد فى أذانه ولو كان عند ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عهد من النبى صلی اللہ علیہ وسلم فى ذلك لما تركه، لما عهد عنه من التمسك بسنة النبى صلی اللہ علیہ وسلم

فهو واضح أنها زيادة من عنده للتثويب،لاعلى أنها من ألفاظ الأذان الملتقى عن النبى ﷺ.

(المصنف لإبن أبى شيبة:كتاب الأذان،من كان يقول فى أذانه حى على خيرالعمل: ٢/٣٤٥،المجلس العلمى۔ و كذا فى البيهقى:١/٤٢٥، باب ما روى فى حى على خيرالعمل۔ ومجمع الزوائد:١/٣٣٠، باب كيف الأذان)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله(من علم) كمنكر الرؤية (أوعمل) كمن يؤذن بحى على خير العمل الخ.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص٣٠٣،كتاب الصلاة،باب فى بيان الأحق بالإمامة)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

پنجگانہ نماز کی اذان میں بجائے "حی علی الفلاح" کے "حی علی خیر العمل" کہنا جائز نہیں ہے، تمام احادیثِ صحیحہ میں "حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح" وارد ہے، ملک نازل من السماء کی اذان میں یہ ہی کلمات ہیں "حی علی خیر العمل" نہیں اور فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارہ میں اصل ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت وقائم رکھا اس پر صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے، خلافِ سنت متوارثہ اور خلاف اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے "من شذ شذ فی النار" حدیث شریف میں وارد ہے، تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے، کسی کا اس میں خلاف نہیں، بجز روافض کے خذلهم الله تعالى فقط.

(فتاوى دار العلوم ديوبند: ٢/١١٨،الباب الثانى فى الأذان)

علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدماتِ کوثری میں ذکر کیا ہے:

ولفظ خير العمل فى الأذان يوازن الجهر بالبسملة،فيجريان فى مجرى واحد حيث صح فيهما الموقوف دون المرفوع الصريح فى التحقيق،وقد روى محمد بن الحسن فى المؤطا عن مالك،عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللفظ المذكور، كما يروى مثله الليث عن نافع، وأخرج ابن أبى شيبة والحاكم والبيهقى نحوذلك عن عدة من الصحابة والتابعين، ولاسيما عن علىّ زين العابدين بن الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فالجمهور أخذوا بالمرفوع فيهما، ومن تمسك بالموقوف يعتبره فى حكم المرفوع فى المسألتين، وأما قول ابن تيمية رحمہ اللہ تعالیٰ فى منهاجه بأن اللفظ المذكور بدعة الروافض وشعارهم،فمن مجازفاته، ويأبى الله أن يكون ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلى بن الحسين رحمہ اللہ تعالیٰ يبتدعانه، أوأن يوصما برفض،على أن الرفض كالنصب من أبغض الخلال إلى بيت النبوة. (مقدمات الامام الكوثرى:٤١٢،ثالثا فى الفقه العام والأحكام

والاصول) (قلنا كون حي على خير العمل شعارًا للروافض لايخفى على الأمة فقول الشيخ الكوثري رحمہ اللہ تعالیٰ مما لاتفهم). واللہ اعلم۔

بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا:

سوال: بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: اذان کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا اور آنکھوں پر رکھنا اور اس فعل کو سنت سمجھنا اور حدیثِ نبوی سے ثابت تصور کرنا اور نہ چومنے والے کو لعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا یہ سب غلط ہے اور دین میں تحریف ہے۔ اتنی بات درست ہے کہ بعض علماء نے اس عمل کو جائز قرار دیا ہے مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر عبادت اور سنتِ مقصودہ اور آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفي كتاب الفردوس "من قبل ظفري أبهامه عند سماع "أشهد أن محمدًا رسول الله" وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح من المرفوع من كل هذا شيء.

(شامی: ۱/۳۹۸، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے موضوعاتِ کبیر اور تذکرۃ الموضوعات اور الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ "لایصح" (موضوعاتِ کبیر: ص ۷۵) یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ محمد طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں کہ "ولایصح" (تذکرۃ الموضوعات ص ۳٤) یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: الأحاديث التي رويت في تقبيل الأنامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه ﷺ عن المؤذن في كلمة الشهادة كلها موضوعات. یعنی مؤذن سے کلمہ شہادت میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔ (تیسیر المقال وغیرہ) موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۶۰)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چومنا سنت سمجھ کر صحیح نہیں ہے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام اور مطعون کرتے ہیں اس لئے اب اس کو علماء محققین نے متروک کر دیا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۹۰، از مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

کفایت المفتی میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی: ۳/ ۵۱)

بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا:

سوال: اگر کوئی شخص اذان کے وقت انگلیوں کو آنکھوں پر علاج اور تکلیف دور کرنے کے لئے رکھے اس کو سنت نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: کفایت المفتی میں ہے:

تقبیلِ ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں اس لئے اس کو موجبِ ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے۔ البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے جو اس عمل کو کرے، کرے جو نہ کرے نہ کرے۔

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوئی اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۵۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوبِ چشم کا مجرب علاج ہے اس کو سنتِ ہدی سمجھ کر بطورِ عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے اس لئے ترک لازم ہے۔ ہاں اگر کوئی آشوبِ چشم کے علاج کی غرض سے اس طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت وثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ۳/ ۱۶۰، باب البدعات والرسوم، جامعہ فاروقیہ)

تقبیلِ ابہامین سے متعلق روایات کی تفصیل المقاصد الحسنہ میں ص: ۳۸۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" پڑھنے کا حکم:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی کے ہندستانی نسخہ میں موجود ہے اور غیر ہندستانی نسخوں میں نہیں ہے تو کیا ان لفظوں کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بعض نسخوں میں یہ اضافہ مرقوم ہے مثلاً ہندستانی نسخہ اور دیگر بعض میں نہیں ہے مثلاً آرام باغ کراچی سے ایک مصری عالم کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، اسی طرح دکتور عبدالرحمٰن کوثر بن محمد عاشق الٰہی کی تحقیق کے ساتھ چھپا ہے اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ (ص:۷۷، دارالأرقم)

نیز شیخ عبدالرحمٰن اس کی ابتداء میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت عندى نسخة مخطوطة حصلت بمساعى سيدى الوالد من مكتبة المولوى خدا الواقعة فى بيته (بهار) الهند، ونسختان طبعتا بدائرة المعارف العثمانيه فى حيدر آباد الدكن (الهند)، ونسخة طبعت بدار المعرفة بيروت، ونسخة نشرت من مكتبة التراث الإسلامى بجوار إدارة الأزهر. (ص:۱۰)

حضرت نے کافی سارے نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فرمائی اس کے باوجود یہ زیادتی دستیاب نہیں ہوئی، لہٰذا جو ثابت ہے اس کو پڑھنا چاہئے اور جو ثابت نہیں ہے اس کو نہیں پڑھنا چاہئے، ہاں آخر میں "**إنك لاتخلف الميعاد**" بعض روایات میں ہے لہٰذا اس کا پڑھنا درست ہے۔

مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل میں ہے:

زاد بعضهم فى الحديث المذكور بعد قوله والفضيلة والدرجة الرفيعة، قال الحافظ السخاوى فى المقاصد الحسنة فى الأحاديث المشتهرة على الألسنة: لم أره فى شىء من الروايات، قال: وكان من زادها اغتر بما وقع فى بعض نسخ الشفاء فى الحديث المشار إليه لكن مع زيادتها فى هذه النسخة علم عليها كاتبها بما يشير إلى الشك فيها، ولم أرها فى سائر نسخ الشفاء بل عقد لها فى الشفاء فصلا فى معان آخر ولم يذكر فيه حديثًا صريحًا وهو دليل لغلطها انتهى. قلت: يشير إلى قوله: فصل فى تفضيله فى الجنة بالوسيلة والدرجة الرفيعة والكوثر والفضيلة انتهى. وقال الدميرى من الشافعية فى شرح المنهاج: وقع فى الشرح والروضة والمحرر بعد "الفضيلة" زيادة والدرجة الرفيعة ولا وجود لها فى كتب الحديث. (مواهب الجليل: ۲/۱۰٤)

ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

وأما زيادة والدرجةالرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى لم أره فى شىء من الروايات. (مرقاة المفاتيح: ۱۶۳/۲)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال ابن حجرفى شرح المنهاج: وزيادة "والدرجة الرفيعة" وختمه بـ"يا أرحم الراحمين" لاأصل لهما. (الشامى: ۳۹۸/۱، سعيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأما زياده يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث، قلت: وكذلك زيادة وارزقنا شفاعته لم أرها فى حديث، وحكم مثل هذه الزيادة الغير الثابتة قد مرقريبا، وفى المقاصد الحسنة: (ص ۱۰): **حديث الدرجة الرفيعة المدرج فيها يقال بعد الأذان لم أره فى شىء من الروايات.** (اعلاء السنن: ۱۲۸/۲، ادارة القرآن كراچى)

بذل المجہود میں ہے:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى: لم أره فى شىء من الروايت وزاد البيهقى فى روايته "إنك لاتخلف الميعاد" وأما زيادة يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود: ۹۴/۴)

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

تنبيه: وقع عند البعض زيادات فى متن هذا الحديث فوجب التنبيه عليها الرابعة عند ابن السنى والدرجة الرفيعه وهى مدرجة أيضا من بعض النساخ فقد علمت مما سبق أن الحديث عنده من طريق النسائى وليست عنده ولا عند غيره، وقد صرح الحافظ فى التلخيص: (ص ۷۸) **ثم السخاوى فى المقاصد:** (ص ۲۱۲) **انها ليست فى شىء من طرق الحديث.** (ارواء الغليل: ۲۶۱/۱، المكتب الاسلامى بيروت)

کفایت المفتی میں ہے:

والدرجة الرفيعه اور **وارزقنا شفاعته يوم القيامة** کا ثبوت نہیں، ہاں آخر میں **انك لاتخلف الميعاد** بیہقی کی روایت میں آیا ہے کذا فی الشامی، پس غیر ثابت الفاظ کو نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (کفایت المفتی: ۶۰/۳)

اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان ختم ہوئی اور سامع نے ساتھ ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان ختم ہونے کے بعد اگر زیادہ وقت نہیں گذرا تب بھی جواب دینا مستحب ہے۔ اگر زیادہ وقفہ ہوگیا تو جواب نہ دے۔

ملاحظہ ہو بحرمیں ہے:

ولم أر حكم ما إذا فرغ المؤذن ولم يتابعه السامع هل يجيب بعد فراغه، وينبغي أنه إن طال الفصل لايجيب وإلايجيب. (البحر الرائق: ۱/ ۲۶۰، باب الاذان)

درمختار میں ہے:

ولو لم يجبه حتى فرغ لم أره، وينبغي تداركه إن قصر الفصل وفي الشامية: (قوله لم أره) البحث لصاحب البحر، وصرح به ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح المنهاج حيث قال: فلو سكت حتى فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفىٰ في أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر. والله اعلم۔

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۳۹۸، سعید کمپنی۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۱۰۹ قديمي)

جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جنبی اور حائضہ اذان کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جنبی بالاتفاق اذان کا جواب دے سکتا ہے البتہ حائضہ کے بارے میں دو قول ہیں، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک حائضہ اذان کا جواب نہیں دے گی۔

درمختار میں ہے:

ويجيب وجوبًا، وقال الحلواني ندبًا، ولو جنبًا لاحائضًا ونفساء وفي الشامية: (قوله ولو جنبًا) لأن إجابة المؤذن ليست بأذان بحر عن الخلاصة. (قوله لاحائضًا ونفساء) لأنهما ليسا من أهل الإجابة بالفعل فكذا بالقول إمداد: أي بخلاف الجنب فإنه مخاطب بالصلاة ولأن حدثه أخف من الحيض والنفاس لإمكان إزالته سريعًا.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۳۹۶)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔ (فتاوی حقانیہ:۳/۶۸)

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ۱/۳۸، والفقه الاسلامی وأدلته: ۱/۵۵٤، ومراقی الفلاح: ص ۱۱۰) **واللہ اعلم۔**

حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم:

سوال: حالتِ جنابت میں اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حالتِ جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے اور اگر ایسی حالت میں اذان دی گئی تو قابلِ اعادہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويكره أذان جنب) لأنه يصير داعيًا إلى ما يجيب إليه، وإقامته أولىٰ بالكراهة، وصرح في الخانية بأنه تجب الطهارة فيه عن أغلظ الحدثين، وظاهر أن الكراهة تحريمية بحر. (قوله ويعاد أذان جنب) ندبًا وقيل وجوبًا وعلل الوجوب بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال: وهو الأصح كما في التمرتاشي. (شامی: ۱/۳۹۳، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وكره أذان جنب وإقامته باتفاق الروايات والأشبه أن يعاد الأذان ولا تعاد الإقامة. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/٥٤)

حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم:

سوال: اذان میں حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمائے یا صرف سر گھمانا کافی ہے؟

الجواب: صرف سر ہی کو گھمائے سینہ اور قدم کو نہ گھمائے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويلتفت) أي يحول وجهه لا صدره قهستاني ولا قدميه نهر. (شامی: ۱/۳۸۷، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا انتهى إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يمينًا وشمالًا وقدماه مكانهما. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/٥٦)

مساجد میں سیٹیلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم:

سوال: آج کل بعض ممالک میں صرف ایک ہی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور بقیہ مساجد میں اسی اذان کو سیٹیلائٹ (satellite) کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ (telecast) کیا جاتا ہے۔ کیا یہ اذان دیگر مسجد کے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اذان صرف اعلان کا نام نہیں بلکہ اذان کے لئے شرائط وآداب ہیں استقبالِ قبلہ، کانوں میں انگلیاں ڈالنا وغیرہ یہ چیزیں سیٹیلائٹ والی اذان میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اذان کا مقصد صرف اعلان واطلاع ہوتی تو پھر منفرد اور سفر میں جب ساتھی جمع ہوں اذان نہیں کہنی چاہئے تھی۔ لیکن اذان تو مخصوص کلمات کے کہنے اور کسی مسلمان مؤذن کی زبان سے ادا ہونے کا نام ہے۔ جیسے پلاسٹک لڑکی بیوی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اسی طرح اسٹیل کے آلہ کی اذان اصل مؤذن کی اذان کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

البحر الرائق میں ہے:

سن الأذان لصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب ولهذا قال محمد ﷺ: واجتمع أهل بلد على تركه قاتلناهم عليه وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يحبسون ويضربون وهو يدل على تأكده لاعلى وجوبه واختار في فتح القدير وجوبه لأن عدم الترك مرة دليل الوجوب ولايظهر كونه على الكفاية وإلا لم يأثم أهل بلدة بالإجماع على تركه إذا قام به غيرهم ولم يضربوا ولم يحبسوا والظاهر كونه على الكفاية بمعنى أنه إذا فعل في بلد سقطت المقاتلة عن أهلها لابمعنى أنه إذا أذن واحد في بلد سقط عن سائر الناس من غير أهل تلك البلدة إذالم يحصل اظهار اعلام الدين.

(البحر الرائق: ۱/۲۵۵)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة كذا في فتاوى قاضيخان ولايكره تركهما لمن يصلي في المصر إذا وجد في المحلة..... وإذا لم يؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما. (الفتاوى الهندية: ۱/۵٤)

اللجنة الدائمة میں ہے:

سوال: هل من الواجب الأذان في جميع المساجد بمكبرات الصوت في حيّ واحد مع

العلم أن أذان مسجد واحد يسمعه جميع المسلمين؟ وهل يكفى الأذان فى مسجد واحد من مساجد الحىّ؟

الجواب:الأذان فرض كفاية فإذا أذن مؤذن فى الحىّ وأسمع سكانه أجزأهم، ويشرع لأهل كل مسجد أن يؤذنوا لعموم الأدلة. (اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء:٦/٧٣)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: دومسجدیں قریب قریب ہیں ایک کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یانہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گنہگار ہوں گے یانہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے، جولوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:۵/۳۹۹،باب الاذان،جامعہ فاروقیہ)

مسجد میں اذان دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اس لئے کہ فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہوفتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغى أن يؤذن على المأذنة أوخارج المسجد ولايؤذن فى المسجد كذا فى فتاوى قاضى خان. (الفتاوى الهندية:١/٥٥-وفى فتاوى قاضى خان على هامش الهندية:١/٧٨)

آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر (loud speaker) میں اذان دی جاتی ہے تو کیا مسجد میں محراب کے پاس یا کسی اور جگہ اذان دینا مکروہ ہے یانہیں؟

الجواب: مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (loud speaker) پر اذان دینا درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں اور جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی علت فقط باہر آواز کا نہ پہونچنا ہے اور جب آواز ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے پہنچ جاتی ہے تو یہ علت نہ پائی گئی، نفسِ مسجد سے کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کی بہت اچھی تحقیق کی ہے، مفتی صاحب کے کلام کی روشنی میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

اذان کے معنی لغت میں اعلام کے ہے اور اصطلاحِ شرع میں اعلامِ مخصوص کو اذان کہتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

هو لغةً الإعلام، وشرعًا: الإعلام المخصوص. (الدر المختار: ۱/۳۸۳، سعید)

اذان کی مشروعیت کتب احادیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقاتِ اذان کی اطلاع ہو جاوے اور مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کریں، وهذا ما أخرجه مسلم عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة فيتحيّنون الصلوات وليس ينادى بها أحد فتكلّموا يوماً في ذلك: فقال بعضهم إلى آخر الحديث. (مسلم شريف: ۱/۱٦٤)

وفي السنن الكبرى للبيهقي عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذكروا أن يعلموا وقت الصلاة بشيء فيعرفونه فذكروا أن يضربوا ناقوسًا الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰، بيروت)

وفيه أيضًا عن بعض الأنصار اهتمّ النبي صلی اللہ علیہ وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له أنصب رأيةً الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰ـ وسنن أبي داؤد: ۱/۷۱)

اذان کے کلمات پر غور کرو تو صرف ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔

ان کلمات کو مسجد سے کسی قسم کی منافات نہیں، اور خارجِ مسجد سے کوئی خاص مناسبت نہیں بلکہ بظاہر تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مساجد کی بناء نماز و ذکر اللہ کے لئے ہے۔

وذلك ما أخرجه مسلم عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ في قصة الأعرابي ثم أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال له: إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن. (مسلم شريف: ۱/۱۳۸)

لیکن چونکہ اذان سے مقصود اعلام اور اطلاع عام ہے، اس لئے بلند جگہ اذان دینا اولیٰ ہوگا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد اور خارجِ مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۵ـ وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۵۵ـ ورد المحتار: ۱/۳۸٤)

شامی میں ہے:

قلت: والظاهر أن هذا في مؤذن الحي، أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين فالظاهر أنه

لایسن له المکان العالی لعدم الحاجة تأمل. (شامی:۱/۳۸٤،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویکره الأذان قاعدًا وإن أذن لنفسه قاعدًا فلا بأس به. (الفتاوی الهندیة:۱/٥٤)

(ان عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ جہاں اعلام اور اطلاعِ عام مقصود نہ ہو وہاں بلند جگہ اذان دینا ضروری نہیں)۔

شامی میں ہے:

وقال ابن سعد بالسند إلی أم زید بن ثابت: کان بیتی أطول بیت حول المسجد،فکان بلال یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول اللّٰه ﷺ مسجده، فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد، وقد رفع له شیء فوق ظهره. (شامی:۱/۳۸۷،سعید)

والحدیث أخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری حیث قال: انا محمد بن عمر، ثنی محمد عن یحیی بن عبد اللّٰه بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرنی من سمع النوار أم زید بن ثابت تقول: کان بیتی أطول بیت حول المسجد،فکان بلال یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول اللّٰه ﷺ مسجده، فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیء فوق ظهره.

(الطبقات الکبری لابن سعد:۸/٤۲۰-ومن نساء بنی عدی بن النجار،النوار دارصادر،بیروت)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے امِ زید کے مکان پر جو مسجد سے متصل تھا اذان ہوتی رہی، اور تعمیر مسجد کے بعد مسجد کی چھت پر ہونے لگی اور چھت پر اذان دینے کے لئے اسے کچھ بلند کردیا گیا۔

اذان کی ابتداء عبداللہ بن زید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب سے ہوئی، چنانچہ اکثر کتب صحاح میں احادیث طویلہ اس مضمون کی موجود ہیں، مثلاً ابوداؤد میں ہے:

فجاء رجل من الأنصار فقال: یا رسول اللّٰه، إنی لمارجعت لما رأیت من اهتمامك، رأیت رجلًا کأن علیه ثوبین أخضرین فقام علی المسجد فأذن. (أبو داؤد:۱/۷٤)

اس حدیث میں انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبز پوش آدمی کو مسجد پر اذان دیتے ہوئے دیکھا۔

وفی سنن ابن ماجة بروایة عبد اللّٰه بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ قال له: فاخرج مع بلال إلی المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه أندی صوتًا منك قال: فخرجت مع بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلی المسجد فجعلت ألقیها علیه وهو ینادی بها. (ابن ماجة:٥۱)

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں لے جاکر ان کو الفاظِ اذان بتلاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

احادیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اذان مسجد اور مسجد کی چھت پر ہوئی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت جملہ احکام میں مسجد ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ سب سے پہلی اذان حضور ﷺ ہی کے حکم سے مسجد میں ہوئی، الغرض چونکہ اطلاع عام کے لئے اس لئے بلند جگہ ہونا انسب ہے خواہ مسجد ہو یا خارجِ مسجد۔

میرے نزدیک تو حضرات فقہاء جو اذان کو مسجد میں مکروہ یا نامناسب فرماتے ہیں، اسکا یہی مطلب ہے کہ اذان میں اعلام تام ہونا چاہئے، مسجد میں اذان دینے سے اعلام کافی نہ ہوگا، لہٰذا مسجد میں کسی اونچی جگہ یا خارج مسجد ہونی چاہئے، چنانچہ ارشادِ فقہاء "یؤذن علی المسجد أو خارج المسجد" علی سبیل التردید ہے "أو" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ "میذنة" پر ہونے کی صورت میں خارج المسجد ہونے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ "میذنة" جزو مسجد ہے، اس لئے اگر معتکف "میذنة" یا مسجد کی چھت پر چڑھ جاوے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی :جلد اول: ۲۷۹ جلددوم ۱۸۰)

قولہ: "اعتکاف باطل نہ ہوگا" ذکرہ فی المبسوط: وصعود المعتکف علی المئذنة لایفسد اعتکافه. (المبسوط:٤/٢٠٤)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو صعد المئذنة لم یفسد اعتکافه بلاخلاف. (بدائع:٢/١١٥،سعید)

قولہ: "مئذنة مسجد کے حکم میں ہے" اس پر بہت سے جزئیات شاہد ہیں، مثلاً محیط میں مذکور ہے:

وإذا صلی فی المئذنة مقتدیًا بإمام فی المسجد تجوز صلاته، وکذا لو صلی علی سطح المسجد مقتدیًا بإمام فی المسجد تجوز صلاته. (المحیط:٢ ١٢٠،داراحیاء التراث)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:٢/٢٩٤، ٢٩٥۔ واعلاء السنن:٨/٨٦۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند:مکمل و مدلل:٢/١٠٠۔ وبذل المجهود:٦/٨٥) واللہ اعلم۔

اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم:

سوال: اذان یا اقامت میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فوراً یاد آ گیا تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا وہیں سے اعادہ کر لے، البتہ استیناف افضل ہے۔ اور اگر کچھ دیر بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

درمختار میں ہے:

ولو قدم فيهما مؤخرًا أعاد ماقدم فقط. وفى الشامية: (قوله أعاد ما قدم فقط) كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أى ولايستأنف الأذان من أوله.

(الدرالمختار مع الشامى: ۱/۳۸۹،سعيد)

وفى تقريرات الرافعى:

(قول الشارح أعاد ما قدم فقط) أى أجزأه ذلك لكن الاستئناف أفضل، حموى.

(تقريرات الرافعى على هامش الشامى:۱/٤٦،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويرتب بين كلمات الأذان الإقامة كما شرع، وإذا قدم فى أذانه وإقامته بعض الكلمات على بعض نحوأن يقول: "أشهد أن محمدًا رسول الله" قبل قوله: "أشهد أن لا إله إلا الله" فالأفضل فى هنا أن ما سبق على أوانه لايعتد به حتى يعيده فى أوانه وموضعه.

(الفتاوى الهندية:۱/٥٦،الفصل الثانى فى كلمات الاذان والاقامة_وكذا فى بدائع الصنائع:۱/۱٤۹،سعيد)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم وتاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کر کے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیه:۳/٤۹)

وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم:

سوال: اگر وقت کا داخل ہونا معلوم ہے تو فاسق کی اذان مکروہ ہوگی یا بلا کراہت جائز ہوگی؟

الجواب: فاسق کو مستقل مؤذن بنانا مکروہ تحریمی ہے، یہ اذان کی اہمیت کم کرانے کے مترادف ہے، ہاں کبھی کبھی اذان دے اور وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نورالایضاح میں ہے:

ويكره اقامة الفاسق واذانه. (نورالايضاح ص ٦٠)

درمختار میں ہے:

ويكره أذان جنب وفاسق. وفى الشامى: (قوله ويعاد أذان جنب) زاد القهستانى:

والفاجر وعلل الوجوب بأنه غير معتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهو الأصح كما في التمرتاشي وينبغي أن لايصح أذان الفاسق بالنسبة إلى قبول خبره والاعتماد عليه أي لأنه لايقبل قوله في الأمور الدينية فلم يوجد الإعلام كماذكره الزيلعي وحاصله أنه يصح أذان الفاسق وإن لم يحصل به الإعلام:أي الاعتماد على قبول قوله على دخول الوقت ثم الظاهر أن الإعادة إنما هي في المؤذن الراتب، أما لو حضر جماعة عالمون بدخول الوقت وأذن لهم فاسق أوصبي يعقل لايكره ولايعاد أصلاً لحصول المقصود تأمل. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۳۹۲،۳۹۳،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره أذان الفاسق ولايعاد هكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية:۱/٥٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت دیندار آدمی کی موجودگی میں مکروہ ہے،اوراس کواذان واقامت کا عہدہ دینا جائزنہیں ہے مکروہ تحریمی ہے۔جوہرہ نیرہ میں ہے:ویکرہ ان یکون المؤذن فاسقاً. یعنی فاسق کومؤذن بنانا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۳/۱۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ڈاڑھی منڈانے والے کااذان دینا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/٤۳۸،باب الاذان،جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

فاسق کی أذان واقامت مکروہ تحریمی ہے،اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت نہ لوٹائی جائے۔بحوالہ شامی۔ واللہ اعلم۔ (احسنالفتاوی:۲/۲۸۷)

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ:

سوال: اگرکوئی شخص نومولود بچہ کے کان میں اذان دے تواس کے لئے دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے یانہیں؟

الجواب: نومولود بچہ کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه يمينًا ويسارًا فقط بصلاة وفلاح ولووحده أولمولود لأنه سنة الأذان

مطلقًا. وفی الشامیة: وفی البحر عن السراج أنه من سنن الأذان حتی قالوا: فی الذی یؤذن للمولود ینبغی أن یحول.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱ / ۳۸۳، سعید۔ وهکذا فی مجمع الانهر: ۱/۷۷۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدر: ۱/۱۸۵۔ ودرر الاحکام: ۱/۵۵۔ والبحر الرائق: ۱/۲۵۸۔ والبنایة فی شرح الهدایة: ۱/۵٤۱)

امداد الفتاوی میں ہے:

التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاوی: ۱/۱۰۸۔ واحسن الفتاوی: ۲/۲۷۸)

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:

سوال: فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ اور بقیہ نمازوں کے لئے صرف اقامت کافی ہے یا نہیں؟ نیز یہ حکم جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے یا منفرد کے لئے بھی؟

الجواب: پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں سنت ہیں، البتہ بقیہ نمازوں کے لئے اختیار ہے، اور یہ حکم جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے حق میں اور منفرد کے حق میں یکساں ہے، لیکن اگر قضاء نماز مسجد میں ادا کرنا چاہے تو بغیر اذان واقامت کے ادا کرے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی عبیدة بن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال عبدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن المشرکین شغلوا رسول الله ﷺ عن أربع صلوات یوم الخندق، حتی ذهب من اللیل ماشاء فأمر بلالاً فأذن ثم أقام، ثم صلی الظهر، ثم أقام فصلی العصر، ثم أقام فصلی المغرب، ثم أقام فصلی العشاء. (رواه الترمذی: ۱/٤۳، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بایتهن یبدأ)

البحر الرائق میں ہے:

ویؤذن للفائتة ویقیم لأن الأذان سنة للصلاة لاللوقت فإذا فاتته صلاة تقضی بأذان وإقامة لحدیث أبی داؤد وغیره أنه ﷺ أمر بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالأذان والإقامة حین ناموا عن الصبح وصلوها بعد ارتفاع الشمس. (البحر الرائق: ۱ / ۳٦۱، کوئته)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن فاتته صلوات أذن للأولی وأقام وکان مخیرفی الباقی إن شاء أذن وأقام وإن شاء

اقتصر على الإقامة كذا فى الهداية وإن أذن وأقام لكل صلاة فحسن ليكون القضاء على سنن الأداء كذا فى الكافى وهكذا فى شرح المبسوط للسرخسى.

(الفتاوى الهندية ۱/۵۵۔ وكذا فى الشامى:۱/۳۹۰،سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

وذكر الشارح الضابط عندنا أن كل فرض أداء كان أوقضاء يؤذن له ويقام سواء أدى منفردًا أوبجماعة. (البحرالرائق:۱/۲۶۲،كوئته)

درمختار میں ہے:

ولافيما يقضى من الفوائت فى مسجد فيما لأن فيه تشويشًا وتغليطًا. وفى الشامى: أى يظهرأن لوكان الأذان لجماعة،أماإذاكان منفردًا ويؤذن بقدرما يسمع نفسه فلا.

(الدرالمختار مع الشامى: ۱/۳۹۱،سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

وإذاكانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضى فى المسجد لما فيه من إظهارالتكاسل فى إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة فى المسجد أولى بالمنع. والله اعلم.

(البحرالرائق:۱/۲۶۲،كوئته)

اذان کے وقت سلام کرنا اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ اذان سامعین اذان کا جواب دیں گے،لہٰذا آپس میں کلام کرنا درست نہیں اور کوئی سلام کرے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

شامی میں ہے:

قال فى المعراج :وفى التحفة وينبغى للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشىء فى حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضًا لأن الكل يخل بالنظم، أقول: يظهرمن هذا أن قوله لايرد السلام ليس بواجب. (شامى:۱/۳۷۱،سعيد۔وكذا فى البحرالرائق:۱/۲۵۹،كوئته)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: سامعینِ اذان کو خواہ وہ اذان کا جواب دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی کو ایسے موقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر سلام کہا ہو تو جو اذان کا جواب دے رہا ہے اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ لأن سماع الذکر کالذکر، کما فی الدر المختار. واللّٰہ اعلم. (امداد الفتاوی: ۱/۱۱۰)

اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جاسکتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن النبی ﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن. (رواہ البخاری: ۱/۸۶)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور یعنی سلام و جوابِ سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۴۲)

اذانِ فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنے کا حکم:

سوال: اذانِ فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اذانِ فجر میں "الصلاة خير من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہاء نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ البتہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہٰذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہو:

قال ابن الملقن رحمہ اللہ تعالیٰ فی تخریج أحادیث الرافعی: لم أقف علی أصله فی کتب الحدیث، وقال ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: لاأصل له. (الجدالحثیث فی بیان مالیس بحدیث:۱/۱۲۳)

وقال القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: لاأصل له.

(کذافی کشف الخفاء ومزیل الالباس عمااشتهرمن الأحادیث علی ألسنة الناس:۲/۲۱)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۱/۲۵۹: لاأصل لها.

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو:

شامی میں ہے:

وفی: الصلاة خیرمن النوم فیقول: صدقت وبررت، لورودخبرفیه، ورد بأنه غیرمعروف وأجیب بأن من حفظ حجة علی من لم یحفظ. (الشامی:۱/۳۹۷، سعید)

وفی تقریرات الرافعی: قال الرحمتی: ویأتی فی هذاماتقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ لأن حدیث قولوا مثل مایقول یشمله ولم یرد حدیث آخرفی "صدقت وبررت" بل نقلوه عن بعض السلف رحمہ اللہ تعالیٰ، سندی. (تقریرات الرافعی:۱/۴۷، سعید)

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ امداد الفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال: صدقت وبررت) مروی ذلك عن بعض السلف کذافی التجنیس والمزید.

(امدادالفتاح:ص ۲۲۱، بیروت)

مذہب شافعیہ:

قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح مسلم فی باب الأذان: إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال: الصلاة خیرمن النوم قال سامعه: صدقت وبررت، هذا تفصیل مذهبنا.

مذہب حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

ویقول المجیب عندالتثویب: أی قول المؤذن فی أذان الفجر: "الصلاة خیرمن النوم" صدقت وبررت. (کشاف القناع:۲/۱۷۹۔وکذافی فقه العبادات الحنبلی:۱/۱٤٦)

مذہبِ مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

ولایحکی الصلاة خیرمن النوم ولایبدلها بقوله:صدقت وبررت. واللّٰه اعلم.

(الشرح الکبیر: ۱/۱۹۷۔ کذافی حاشیة الدسوقی:۲/۲۲٦۔وحاشیة الصاوی:۱/٤۳۱)۔

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب: جن دعاؤں کے لئے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں اور ان میں خصوصیت سے رفع یدین ثابت نہیں وہ دعائیں اذکار کے حکم میں ہیں ان کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے جیسے اذان کے بعد کی دعا اور کھانے پینے اور بیت الخلاء کی دعائیں۔

ملاحظہ ہو فیض الباری میں ہے:

(باب الدعاء عند النداء) والمسنون فی هذا الدعاء ألا ترفع الأیدی،لأنه لم یثبت عن النبی ﷺ رفعها والتشبث فیه بالعمومات بعد ما ورد فیه خصوص فعله ﷺ لغو، فإنه لم یرد فیه خصوص عادته ﷺ لنفعنا التمسك بها، وما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو اللّٰه والدار الآخرة. (فیض الباری:۲/۱٦۷،باب الدعاء عند النداء)

احسن الفتاوی میں ہے:

دعا کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدونِ توظیف الفاظ مخصوصہ مطلق کوئی حاجت طلب کرنا (۲) الفاظِ موظفہ خواہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں یا مطلق ہوں، رفعِ یدین کی احادیث قسمِ اول سے متعلق ہیں قسمِ دوم سے متعلق نہیں، الا ماورد فیه النص، چنانچہ بعد وضو، مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلاء میں دخول وخروج وغیرہ ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفعِ یدین کا قائل نہیں۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۸)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند :۲/۱۱۰،ازمفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

سوال: اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اور "قدقامت الصلاۃ" کے جواب میں "أقامها الله وأدامها" کہنا چاہئے اور اس سے زائد الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبی أمامة أو بعض أصحاب النبی ﷺ أن بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخذ فی الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبی ﷺ أقامها الله وأدامها، وقال فی سائر الإقامة كنحو حديث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الأذان. (رواه ابو داؤد: ۱/۷۸، باب مايقول اذا سمع الاقامة)

البحر الرائق میں ہے:

وفی فتح القدير أن إجابة الإقامة مستحبة وفی غيره أنه يقول إذا سمع قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. (البحر الرائق: ۱/۲۵۹، الماجدية كوئته)

درمختار میں ہے:

ويجيب الإقامة ندبًا إجماعًا كالأذان ويقول عند قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. والله اعلم. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۴۰۰، سعيد۔ وكذا فی الفتاوى الهندية: ۱/۵۷)

اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا:

سوال: اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: اقامت کے وقت حی علی الصلوٰۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف منہ پھیرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقًا يمينًا ويسارًا فقط وفی الشامی: (قوله وكذا فيها مطلقًا) أی فی الأقامة سواء كان المحل متسعًا أولا. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۳۸۷، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

رواه الدارقطنی عن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا رسول الله ﷺ إذا أذنا أو أقمنا أن لانزيل

أقدامنا عن مواضعنا وأطلق في الالتفات ولم يقيده بالأذان وقدمنا عن القنية أنه يحول في الإقامة. (البحر الرائق: ۱/۲۵۸، الماجدية كوئتة)

امداد الفتاوی میں ہے:

التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔

(امداد الفتاوی: ۱/۱۰۸)

نیز ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی: ۳/۴۶۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۸۹، مدلل ومکمل) واللہ اعلم۔

تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم:

سوال: حرمین شریفین میں تہجد کے لئے اذان دی جاتی ہے دیگر ممالک میں کیوں نہیں دی جاتی؟

الجواب: اذان صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، تہجد وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ ہاں زمانہ نبوی میں کچھ مصالح کے پیشِ نظر تہجد کے لئے اذان دی جاتی تھی احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً تہجد میں مشغول حضرات کچھ آرام کرلیں، اور آرام کرنے والے کچھ نوافل پڑھلیں، نیز روزہ رکھنے والے سحری کھالیں وغیرہ، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا، لہٰذا اب یہ اذان منسوخ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن سالم عن أبيه أن النبي ﷺ قال: إن بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمع تأذين ابن أم مكتوم. (رواه الترمذي: ۱/۵۰، باب ماجاء في الاذان بالليل)

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي ﷺ قال: لايمنعن أحدكم أو أحدًا منكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أوينادى بليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم.

(رواه البخاري: ۱/۸۷/۶۱۳، باب الاذان قبل الفجر)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ قال: شيعنا علقمة رحمہ اللہ تعالیٰ إلى مكة فخرج بليل فسمع مؤذنًا يؤذن بليل فقال: أما هذا فقد خالف سنة أصحاب رسول الله ﷺ لو كان نائمًا لكان خيرًا فإذاطلع الفجر أذن فأخبر علقمة رحمہ اللہ تعالیٰ أن التأذين قبل الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول الله ﷺ. (شرح معاني الآثار: ۱/۱۰۶، باب التأذين للفجر)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله ولايؤذن قبل وقت ويعاد فيه) أى فى الوقت إذا أذن قبله لأنه يراد للإعلام بالوقت فلايجوز قبله بلاخلاف فى غير الفجر وعبر بالكراهة فى فتح القدير والظاهر أنها تحريمية وأما فيه فجوزه أبو يوسف رحمه الله تعالى ومالك رحمه الله تعالى والشافعى رحمه الله تعالى لحديث الصحيحين أن بلالاً ص يؤذن وعند أبى حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لايؤذن فى الفجر قبله لما رواه البيهقى أنه عليه الصلاة والسلام قال: يابلال لاتؤذن حتى يطلع الفجر قال فى الامام رجال إسناده ثقات. (البحر الرائق: ۱/۲۶۲، الماجدية كوئتة)

درمختار میں ہے:

وهو سنة مؤكدة كالواجب فى لحوق الإثم للفرائض الخمس فى وقتها ولوقضاء لايسن لغيرها كعيد وفى الشامية: (قوله كعيد) أى وتروجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لأنها اتباع الفرائض. (الدرالمختار مع الشامى: ۱/۳۸۵، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

لو أذن قبل دخول الوقت لايجزئه ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى وقد قال أبو يوسف رحمه الله تعالى أخيرًا لاباس بأن يؤذن للفجر فى النصف الأخير من الليل وهو قول الشافعى رحمه الله تعالى واحتجّا بما روى سالم بن عبدالله بن عمر رضى الله تعالى عنه عن أبيه رضى الله تعالى عنه أن بلالاً رضى الله تعالى عنه كان يؤذن بليل ولأبى حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبى ﷺ قال لبلال: لاتؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا ومد يده عرضًا ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب وكذا هو من باب الخيانة فى الأمانة والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله ﷺ ولهذا لم يجز فى سائر الصلوات ولأن الأذان قبل الفجر يؤدى إلى الضرر بالناس لأن ذلك وقت نومهم خصوصًا من تهجد فى النصف الأول من الليل فربما يلتبس الأمر عليهم وذلك مكروه وروى أن الحسن البصرى رحمه الله تعالى كان إذا سمع يؤذن قبل طلوع الفجر قال: علوج فراغ لايصلون إلا فى الوقت لو أدركهم عمر رضى الله تعالى عنه لأدبهم وبلال رضى الله تعالى عنه ماكان يؤذن بليل لصلاة الفجر بل لمعان آخر لما روى عن

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: لايمنعنكم من السحور أذان بلال فإنه يؤذن بليل ليوقظ نائمكم ويرد قائمكم ويتسحر صائمكم فعليكم بأذان ابن أم مكتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد كانت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرقتين فرقة يتهجدون فى النصف الأول من الليل وفرقة فى النصف الأخير وكان الفاصل أذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والدليل على أن أذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان لهذه المعانى لا لصلاة الفجر أن ابن أم مكتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يعيده ثانيًا بعد طلوع الفجر.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۵٤، سعید کمپنی)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے اذان مسنون ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں، اور سوئے ہوئے لوگ اُٹھ کر فجر کی تیاری کرلیں، مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی، اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ۲/۲۹۱۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۵۳)

ذکر واذکار کے درمیان اذان ہونے لگے تو جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص ذکر کر رہا ہے اور اذان شروع ہوئی تو مخصوص تعداد پوری کرنے کے بعد اذان کا جواب دے یا ذکر چھوڑ کر جواب دینا بہتر ہے؟

الجواب: ذکر واذکار ہر وقت کرسکتا ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں، اور اذان کا جواب زیادہ وقفہ کے بعد نہیں دے سکتا ہے لہٰذا فوت ہونے والی چیز کو مقدم کرے، نیز فقہاء نے تلاوتِ قرآن کو بھی قطع کر کے جواب دینا تحریر فرمایا ہے، اس وجہ سے پہلے جواب دینا افضل ہے بعد میں مخصوص تعداد پوری کرلے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويجيب وجوبًا وقال الحلوانى ندبًا والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو جنبًا وفى الشامى: (فيقطع قراءة القرآن) الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لاخلال القعود بسعى الواجب وإلا فلامانع من القراءة ماشيًا، إلا أن يراد يقطعها ندبًا للإجابة باللسان أيضًا. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۳۹۶، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولاينبغى أن يتكلم السامع فى خلال الأذان والإقامة ولايشتغل بقراءة القرآن ولا بشىء من الأعمال سوى الإجابة ولو كان فى القراءة ينبغى أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة كذا فى البدائع. (الفتاوى الهندية: ١/٥٧، اجابة المؤذن)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإذا سمع المسنون منه أمسك حتى عن التلاوة ليجيب المؤذن ولوفى المسجد وهو الأفضل هذا مبنى على ندب الإجابة باللسان، وقال فى الدرفلايرد سلامًا، ولايشتغل بشىء سوى الإجابة، والتفريع يندب الإمساك عن التلاوة. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٢٠٢، قديمى كتب خانه)

اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر کیا اعراب ہونا چاہے؟

الجواب: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء ساکن ہوگی یا دوسرے کلمہ کے ساتھ ملا کر فتحہ دیں گے۔ البتہ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قلت: والحاصل أن التكبيرة الثانية فى الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة، فقيل محركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضمة إعرابًا، وقيل ساكنة بلاحركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعى والبدائع وجماعة من الشافعية ثم رأيت لسيدى عبد الغنى رسالة فى هذه المسئلة سماها " تصديق من أخبر بفتح راء الله أكبر "أكثر فيها النقل وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أويصلها بالله أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرك بالفتح. (الشامى: ١/٣٨٦، مطلب فى الكلام على حديث "الاذان جزم")

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے

دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ''اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ ''یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح ''اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ ''پیش لگا کر پڑھنے کو رد المحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے ''اکبر'' کی راء کو بہرحال ساکن پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹، کلمات اذان کا بیان، جامعہ فاروقیہ)

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا:

سوال: ایک شخص دو مسجدوں میں اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے سلف سے مروی نہیں ہے، ہاں اگر پہلی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تو کراہت کم ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ویکرہ له أن یؤذن فی مسجدین لأنه إذا صلی فی المسجد الأول یکون متنفلاً بالأذان فی المسجد الثانی والتنفل بالأذان غیر مشروع، ولأن الأذان للمکتوبة وهو فی المسجد الثانی یصلی النافلة، فلاینبغی أن یدعو الناس إلی المکتوبة وهو لایساعدهم فیها.

(شامی:۱/۴۰۰۔ وکذا فی بدائع الصنائع:۱/۱۵۱، سعید کمپنی)

طحطاوی میں ہے:

(قوله أن یؤذن فی مسجدین) "کراهة مقیدة بما إذا صلی فی الأول کما فی البحر.

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۱۸۹۔ وکذا فی تقریرات الرافعی:۱/۴۷، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مؤذن دو مسجدوں میں اذان پڑھے یہ مکروہ ہے، لہٰذا دوسرے آدمی کا انتظام کیا جائے۔ **ویکرہ أن یؤذن فی مسجدین لأنه یکون داعیًا إلی مالایفعل.** (شرح منیة المصلی:۱/۳۶۱۔ فتاوی رحیمیہ:۳/۱۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا اچھا نہیں ہے مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۹۹)

نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: کیا اذان کا تعلق اول وقت سے ہے کہ جیسے ہی وقت ہو جائے اذان دینی چاہئے یا نماز سے ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہو تو اذان بھی تاخیر سے دے؟

الجواب: اذان کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ وقت سے لہٰذا اگر نماز تاخیر سے پڑھی جارہی ہو تو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی اور اگر نماز عجلت سے ادا کی جارہی ہے تو اذان بھی عجلت سے دی جائیگی مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دے وقت سے پہلے اذان ادا نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فأراد المؤذن أن یؤذن فقال: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد، وفی روایة للبخاری أیضا: أو قال: انتظر انتظر حتی ساوی الظل التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن شدة الحر من فیح جهنم.

(بخاری شریف: ۱/۸۶، فیصل)

شامی میں ہے:

وحکم الأذان کالصلاة تعجیلاً وتأخیرًا. (شامی: ۱/۳۸۴، سعید)

درمختار میں ہے:

وهو سنة للرجال فی مکان عال مؤکدة هی کالواجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس فی وقتها ولو قضاء لأنه سنة للصلاة حتی یبرد به لا للوقت. واللّٰه اعلم.

(الدرالمختار: ۱/۳۸۴۔ و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۹۴، قدیمی)

بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"صلوا كما رأيتمونى أصلى"﴾

(رواه البخارى)

باب.....﴿۳﴾

صفة الصلاة کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کے بیان میں نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دو تہہ بنا سکتے ہیں نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله فألقى عليها لبدً) المراد أنه ألقى عليها ذا جرم غليظ يصلح للشق نصفين كحجر ولبن وخشب كما في البدائع، والخانيه، ومنية المصلي، وقيد النجاسة بالرطبة لأنها إن كانت يابسة جازت على كل حال لأنها لاتلزق بالثوب الملقىٰ عليها بعد كونه يصلح ساترًا. كذا في الخانية، وفي القهستاني: ينبغي أن تكون الصلاة أي على الملقىٰ على النجاسة الرطبة تكره ككراهتها على نحو الاصطبل كما في الخانية.

(حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۲۰۸، قديمي)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وإن كان لايمكن لايجوز وإن كانت يابسة جازت إذا كان يصلح ساترًا كذا في الخلاصة. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۲ ـ وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۲۶۸، الماجدية كوئٹة)

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

فلو جلس الصبی المتنجس الثوب والبدن فی حجر المصلی وهو یستمسك أو الحمام المتنجس علی رأسه جازت صلاته لأنه الذی یستعمله فلم یکن حامل النجاسة.

(البحر الرائق: ۱/۲۲۸، باب الانجاس، کوئٹه)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی الظهیریة: الصبی إذا کان ثوبه نجساً أو هو نجس فجلس علی حجر المصلی وهو یستمسك أو الحمام النجس إذا وقع علی رأس المصلی وهو یصلی کذلك جازت الصلاة لأن الذی علی المصلی مستعمل له فلم یصر المصلی حاملاً للنجاسة.

(البحر الرائق: ۱/۲۶۷، باب شروط الصلوٰة، کوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع فی حجر المصلی الصبی الغیر المستمسك وعلیه نجاسة مانعة إن لم یمکث قدر ما أمکنه أداء رکن لا تفسد صلاته وإن مکث تفسد بخلاف ما لو استمسك وإن طال مکثه وکذا الحمامة المتنجسة إذا جلست علیه هکذا فی الخلاصة وفتح القدیر. واللّٰه اعلم.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۶۳)

نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز ہوگی یا نہیں اور اگر اس پر کوئی باریک یا موٹا کپڑا بچھا دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر قدمین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے تو بھی نماز درست نہ ہوگی۔ پھر اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دو تہہ بنا سکتے ہیں، نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنه یشترط طهارة موضع القدمین فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أو بجمعه فیهما تقدیراً فی الأصح ومنها طهارة موضع الیدین والرکبتین علی الصحیح لافتراض

السجود على سبعة أعظم واختاره الفقيه أبو الليث وأنكر ما قيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جواز الصلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة، ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصح من الروايتين عن أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وهو قولهما رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَىٰ ليتحقق السجود عليها. (مراقي الفلاح: ص ۸۰، باب شروط الصلاة وأركانها، مكة المكرمة، وهكذا في الشامي: ۱/ ٤٠٤، سعيد، والفتاوى الهندية: ۱/ ٦١)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وإن كان لا يمكن لا يجوز وإن كانت يابسة جازت إذا كان يصلح ساترًا كذا في الخلاصة. واللّٰه أعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ٦٢، كذا في البحر الرائق: ۱/ ۲٦۸، كوئته، وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۲۰۸، قديمي)

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں بعض فقہاء کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذا كان محلول الجيب والزرهل تجوز الصلاة فيه ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه أزار أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ في غير رواية الأصول إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان

كث اللحية جاز لأنه لايقع بصره على عورته إلابتكلف فلايكون مكشوف العورة.

(بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۹، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولايضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها والنظر إليها ولكنه خلاف الأدب كمافي النهر واختار البرهان الحلبي أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشايخ من اشتراط سترعورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة وستربها زيقه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۱٤۱ ـ وكذا في الشامي: ۱/ ٤۱۰، سعيد ـ وكذافي الجوهرة النيرة: ۱/ ٥٤ ـ وكذا في دررالحكام في شرح غررالاحكام: ۱/ ٥۹ ـ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/ ۹٥)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفي الخلاصة: لوصلى في قميص واحد محلول الجيب: إن كان بحال يقع بصره على عورته لاتجوز صلاته وكذا لو كان بحال يقع بصرغيره عليه من غيرتكلف، كذا ذكره هشام عن محمد رحمه الله تعالى، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأبي يوسف رحمه الله تعالى: ان عورة الشخص ليست بعورة في حقه. قلت: وهذا ضعيف جدًا للإجماع على بطلان من صلى صلاة في بيت وحده أوفي ظلمة من غيرستر عورة إذا لم يكن من عذر. والله اعلم.

(فتح باب العناية: ۱/ ۲۰٥)

ستر کھل جانے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ستر کا کتنا حصہ کھلنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوگی خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر کھل گیا تو اگر ایک رکن کی ادائیگی یعنی تین مرتبہ "سبحان ربي الأعلى" کے بقدر ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار یا کم وقت کھلا رہا تو نماز ہو جائے گی، تو عضو کا ربع حصہ معتبر ہے۔ اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہے تو مفسد ہے اور اگر متعدد اعضاء کھل جائے تو سب کا مجموعہ ان اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے بقدر ربع ہو تو مفسد ہے۔

درمختار میں ہے:

(ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدر أداء ركن بلا صنعه (من عورة غليظة

أوخفيفة) على المعتمد وتجمع بالأجزاء لوفى عضوواحد وإلافبالقدرفإن بلغ ربع أدناها كأذن منع.وفى الشامى: (قوله ويمنع) أى صحة الصلاة حتى انعقادها والحاصل أنه يمنع الصلاة فى الابتداء ويرفعها فى البقاء. (قوله قدرأداء ركن) أى بسنته منية،قال شارحها: وذلك قدرثلاث تسبيحات واعتبر محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ أداء ركن حقيقة والأول المختار للاحتياط كما فى شرح المنية واحترزعما إذا انكشف ربع عضوأقل من قدرأداء ركن فلايفسد اتفاقاً لأن الانكشاف الكثير من الزمان القليل عفوكالانكشاف القليل فى الزمن الكثيروعما إذا أدى مع الانكشاف ركناً فإنها تفسد اتفاقًا.....

(الدرالمختار مع الشامى: ۱/۴۰۸،سعيد-وكذا فى بدائع الصنائع: ۱/۱۱۷،سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

وإن انكشفت العورة من مواضع متفرقة تجمع لأن محمدًا رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ذكرفى الزيادات: امرأة صلت وانكشف شيء من شعرها وشيء من ظهرها وشيء من فرجها وشيء من فخذها ولوجمع بلغ ربع أدنى عضومنها منع جوازالصلاة قال الراجى عفوربه ينبغى أن يعتبر بالأجزاء لأن الاعتباربالأدنى يؤدى إلى أن القليل يمنع وإن لم يبلغ ربع المنكشف والله اعلم. (تبيين الحقائق: ۱/۹۷-وكذا فى البحرالرائق: ۱/۲۷۱،كوئتة)

مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد مکہ مکرمہ سے باہر ہو تو اس میں نماز درست ہے، کیونکہ پینتالیس درجہ تک گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولوأنه انتقل إلى جهة يمينه أوشماله بفراسخ كثيرة وفرضنا خطاً ماراً على الكعبة من المشرق إلى المغرب وكان الخط الخارج من جبين المصلى يصل على استقامة إلى هذا الخط المارعلى الكعبة فإنه بهذ الانتقال لاتزول المقابلة بالكلية،لأن وجه الإنسان مقوس، فمهما تأخريمينًا أويسارًا عن عين الكعبة يبقى شيء من جوانب وجهه مقابلاً لها، ولاشك أن هذا عند زيادة البعد؛ أما عند القرب فلايعتبر كما مر؛..... والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسرالانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين أواليسارلا الانحراف، لكن وقع فى كلامهم

ما يدل على أن الانحراف لايضر؛ ففى القهستانى: ولا بأس بالانحراف انحرافًا لاتزول به المقابله بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة..... وفى منية المصلى عن أمالى الفتاوى: حدالقبلة فى بلادنا يعنى سمرقند:ما بين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف، فإن صلى إلى جهة خرجت من المغربين فسدت صلاته..... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائهامستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جهة المصلى بل منها أومن جوانبهاكما دل عليه قول الدررمن جبين المصلى، فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان، وعلى ما قررناه يحمل ما فى الفتح والبحرعن الفتاوى من أن الانحراف المفسد أن يجاوزالمشارق إلى المغارب، فهذا غاية ماظهرلى فى هذا المحل، والله تعالىٰ أعلم.

(شامى:۱/۴۲۹،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة، سعيد كمپنى)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

اس مسئلہ کے متعلق مذہبِ مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے اس کے ذمہ جہتِ کعبہ کا استقبال فرض ہے عین کعبہ کا نہیں..... پھر جہتِ قبلہ کے معنی یہ ہے کہ ایک خط جو کعبہ پر گذرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہوجاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہوجاویں۔ وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔ لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کردے تو یہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکورہ پر زاویہ قائمہ پیدا کردے تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز نہ ہوگی۔ اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر اور کثیر مفسد صلاۃ ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند،امدادالمفتین، حصۂ اول ودوم:ص ۷۷،مکمل مبوب،امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی:۲/۳۱۳، باب استقبال القبلة۔ وكفايت المفتى:۳/۱۷۵)

ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ٹرین میں نماز پڑھتے وقت قیام اور استقبالِ قبلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر ٹرین میں نماز پڑھتے وقت کھڑا ہونا مشقت سے خالی نہ ہو اور ٹرین سے باہر پڑھنے کا بھی امکان نہ تو پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، اور اگر نہ زیادہ ازدحام ہے اور نہ ہی زیادہ مشقت ہے تو قیام ضروری ہے، اور استقبالِ قبلہ تو ہر حال میں ضروری ہے۔ ابتداء میں بھی اور درمیان میں بھی جس طرح ٹرین گھومے اس طرح مصلی بھی گھوم جاوے۔

البتہ اگر اتنا زیادہ ہجوم ہے کہ رکوع وسجود کی حرکت بھی ممکن نہ ہو اور باہر ادا کرنے پر بھی قادر نہیں تو استقبالِ قبلہ اور قیام کے بغیر بھی نماز درست ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيهاوهى جارية قاعدًا بلاعذربه وهويقدرعلى الخروج منها - ة عند الإمام الأعظم أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لكن بالركوع والسجود لابالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس، والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أى أبويوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لاتصح جالسًا إلا من عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سئل عن الصلاة فى السفينة فقال:صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق.وقال:مثله لجعفر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الإمام أقوى فيتبع (والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولا تجوز فيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود) ويتوجه المصلى فيها للقبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنهاأى القبلة يتوجه المصلى إليها فى خلال الصلاة.

وفى حاشيةالطحطاوى:

فصل فى الصلاة فى السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحروالدابة مركب البروله ذا سقط القيام كما هوفى صلاة الدابة،ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال (قوله: ولوترك الاستقبال لاتجزيه.....) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغى أن يتوجه إلى القبله كيفما دارت

السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أوفي خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق: المتبادرأن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشيرإليه كلام المضمرات، والاسبيجابي إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر، ولوعند الإمكان كما في الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لمريطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه، وإلى ماذكرنا يشيركلام الدررحيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غيرمشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما لايخفى

(حاشية الطحطاوی مع المراقی: ص ۴۰۸۔ ۴۱۰، فصل فی الصلاۃ فی السفینۃ، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱۰۱/۲، مطلب فی الصلاۃ فی السفینۃ، سعید۔ وکذا فی المبسوط للامام السرخسی: ۲/۲، ادارۃ القرآن)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

البتہ اگر ہجوم اتنا ہو کہ رکوع وسجود کی حرکت ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو پھر بلا استقبالِ قبلہ وقیام نماز ادا کرے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۴۶/۲۔ وفتاوی حقانیہ: ۷۸/۳، باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا)

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أی أبويوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لاتصح جالسًا إلامن عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الصلاة فی السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولأن القيام ركن فلا يترك إلابعذرمحقق لاموهوم وإذاكانت سائرة يتوجه المصلی فيهما إلى القبلة لقدرته على

فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة و كلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلى باستدارتها إليها أى القبلة فى خلال الصلاة.

(مراقى الفلاح على نور الإيضاح: ١٥٨، فصل فى الصلاة فى السفينة،مكة المكرمة)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جاسکتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا ہوجائے تو قبلہ درست بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دورانِ نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے اگر نماز قبلہ رخ ہوکر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا تو اپنا رخ بھی بدل دینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے جس میں لنگر انداز کشتی کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے:

والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح و كلما دارت. (جديد فقهى مسائل: ١/١٢٧،نعيميه ديوبند)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھیرے گی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا تو اس وقت تک مؤخر کردے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔

(نظام الفتاوى: ١/٦٧)

احسن الفتاوی میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے مگر استقبالِ قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوى: ٤/٨٨ باب صلاة المسافر)

بس میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر بس والے راستہ میں نماز کے لئے بس نہیں روکتے تو بس میں بیٹھ کر نماز پڑھے گا یا نماز قضا کرے گا؟

الجواب: بس میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے اگر ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع سجدہ کے ساتھ ورنہ اشارہ سے پڑھے اور بعد میں اعادہ کرلے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أى أبو يوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لا تصح جالسًا إلا من

عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الصلاة فی السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولأن القيام ركن فلا يترك لابعذرمحقق لاموهوم وإذا كانت سائرة يتوجه المصلى فيهما إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة و كلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلى باستدارتها إليها أى القبلة فى خلال الصلاة. (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح: ۱۵۸، فصل فی الصلاة فی السفینة،مکة المکرمة-وفتح القدیر ۱/ ۲۷۰، دارالفکر- وشامی:۲/ ۴۰،سعید کمپنی-والبحر الرائق:۲/ ۶۴)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

بسوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اگر بس سمتِ قبلہ میں نہ جارہی ہوتو قبلہ کا استقبال نہیں کیا جاسکتا ایسی صورت میں اگر بس ٹھہری ہوئی ہوتو نیچے اتر کر نماز ادا کرے اور سوار رکوانے پر قادر نہ ہوتو استقبال کے بغیر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ (جدیدفقہی مسائل: ۱/ ۱۲۸، نعیمیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

ریل گاری اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں.....اگر استقبالِ قبلہ اور قیام نہیں ہوسکتے تو اشارہ سے نماز ادا کرے اور بعد میں اعادہ کرلے۔

(احسن الفتاوی: ۴/ ۸۸- و فتاوی محمودیہ: ۵/ ۵۲۴،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)

البحرالرائق میں ہے:

ان العذرإن كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة.

(البحرالرائق:۱/ ۱۴۲، کوئٹة)

شرح منیۃ میں ہے:

والمقيد إذا صلى قاعدًا لعدم قدرته على القيام بسبب القيد يعيد إذا زال ذلك السبب. والله اعلم. (شرح منیة المصلی: ۷۶،سہیل)

ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ہوائی جہاز میں نماز ادا کرتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے۔ ہاں اگر جگہ نہیں ہے یا کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا دشوار ہوتو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھے۔ البتہ سیٹ پر بیٹھ کر نماز

پڑھنا درست نہیں ہے۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اعادہ احوط ہے۔

نظام الفتاوی میں ہے:

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے، حاصل یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں: **ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها.** (الفقه على المذاهب الاربعة: ۱/۲۰۶۔ نظام الفتاوی: ۱/۶۹، کتاب الصلاۃ)

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيها وهي جارية قاعدًا بلاعذر به وهو يقدر على الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ لكن بالركوع والسجود لا بالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس، والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أي أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ لاتصح جالسًا إلا من عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق. وقال مثله لجعفر رضي الله تعالىٰ عنه ولأن القيام ركن فلايترك إلا بعذر محقق لاموهوم ودليل الأمام أقوى فيتبع (والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولاتجوز فيها بالإيماء لمن يقدر على الركوع والسجود) ويتوجه المصلي فيها إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أي القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة.

وفی حاشیة الطحطاوی:

فصل في الصلاة في السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحر والدابة مركب البر ولذا سقط القيام كما هو في صلاة الدابة، ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال (قوله: ولو ترك الاستقبال لاتجزيه) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغي أن يتوجه إلى القبله كيفما دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أو في خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا

قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق:المتبادرأن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشيرإليه كلام المضمرات، والاسبيجابى إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر، ولوعند الإمكان كما في الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لمريطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه،وإلى ماذكرنا يشير كلام الدررحيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غيرمشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما لايخفى.....

(حاشية الطحطاوى مع المراقى: ص ٤٠٨ ـ ٤١٠ ،فصل فى الصلاة فى السفينة، قديمى ـ وكذا فى الشامى: ٢/ ١٠١، مطلب فى الصلاة فى السفينة ـ وكذا فى المبسوط للامام السرخسى: ٢/ ٢)

احسن الفتاوی میں ہے:

بوقتِ پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔

(احسن الفتاوی ٤/ ٩٠)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی، سفر میں ہو یا حضر میں، ریل میں ہو یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے۔

(فتاوی محمودیہ ٧/ ٥٣٢ ،باب صلاۃ المسافر ،جامعہ فاروقیہ)

نیز مذکور ہے:

مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے پھر منزل پر پہونچ کر اعادہ کرلے کیونکہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے۔ (فتاوی محمودیہ:٧/ ٥٣٢ باب صلاۃ المسافر ،جامعہ فاروقیہ ـ واحسن الفتاوی: ٤/ ٨٨)

نظام الفتاوی میں ہے:

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔ اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے۔ اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کیوجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے۔ اگر کمپاس نہ ہو تو تحری کرکے جس رخ پر قبلہ قرار پائے اس پر نماز پڑھیں گے غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (نظام الفتاوی: ص ٤٨٠)

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کے لئے ''اللہ اکبر'' کہہ دیا اس کے بعد سنت کی نیت کرلی تو دوبارہ تکبیر کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلی تکبیر کافی ہے دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ فرض سے نکلنے کا جو مشروع طریقہ ہے اس کا ترک لازم آتا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

(الفصل الأول فی فرائض الصلاة) وهی ست (منها التحريمة) وهی شرط عندنا حتی أن من يحرم للفرائض كان له أن يؤدی بها التطوع هكذا فی الهدايه، ولكن يكره لترك التحلل عن الفرض بالوجه المشروع، وأما بناء الفرض على تحريمة فرض آخر فلايجوز إجماعًا، وكذا بناء الفرض على تحريمة النفل كذا فی السراج الوهاج. والله اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/۶۸، الباب الرابع فی صفة الصلاة)

تعدادِ رکعات کی نیت کا حکم:

سوال: دو رکعت نماز کی جگہ چار رکعت کی نیت باندھ لی اور صرف دو رکعت کو ادا کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: دو رکعت کو اگر چار رکعت کی نیت سے ادا کیا تو بھی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ تعدادِ رکعات کی نیت شرط نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذا فی شرح الوقاية. والله اعلم.

(الفتاوی الهنديه: ۱/۶۶۔ وكذا فی الشامی: ۱/۳۹۰، سعيد)

بزبانِ فارسی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: تکبیرِ تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کر نماز شروع کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے پھر بھی خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو اس

کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال ''خداى بزرگ تر'' أو ''خداى بزرگ'' يصير شارعًا عند أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وعندهما لايصير شارعًا إلا إذا كان لايحسن العربية.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۳۱، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

(كما صح لو شرع بغير عربية قلت: وجعل العينى الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أى لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلى قولهما فى اشترط القراءة بالعربية إلاعند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكور فى عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكر رجوع أصلًا (قوله ولاسند له يقوى) أى ليس له دليل يقوى مدعاه، لأن الإمام رجع إلى قولهما فى اشترط القراءة بالعربية، لأن المأمور به قراءة القرآن أماالشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوى، وهو كون المطلوب فى الشروع الذكر والتعظيم، وذلك حاصل بأى لفظ كان، وأى لسان كان، نعم لفظ "الله أكبر" واجب للمواظبة عليه لافرض.

(الدرالمختار مع الشامى: ۱/۴۸۴، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كبر بالفارسية جاز هكذا فى المتون سواء كان يحسن العربية أو لا إلا أنه إذا كان يحسنها يكره وعلى قول ابى يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لايجوز إلا إذا كان يحسن العربية هكذا فى المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع فى صفة الصلاة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحيح أنه يصح الشروع عنده بغير العربية ولو كان قادرًا عليها مع الكراهة التحريمية للقادر لأن الشروع يتعلق بالذكر الخاص وهو يحصل بكل لسان.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۲۸۰، قديمى)

اوجز المسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتى يكره لمن يحسنه تركه. والله اعلم. (أوجزالمسالك: ۲/۷۶، باب افتتاح الصلاة، دارالعلم دمشق)

تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے ہاتھوں کو کانوں کے قریب لے جا کر پیچھے کی طرف جھٹکا دینا چاہئے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے یہ ایک حکایت اور لطیفہ ہے اس کی وجہ سے ہاتھوں کو جھٹکا دینا درست نہیں ہے بلکہ خلافِ سنت ہے۔ سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھنی چاہئے۔

اوجز المسالک میں ہے:

ثم اختلف العلماء فی حکمة الرفع، فقیل: إشارة إلی طرح الدنیا و الإقبال بکلیته إلی اللّٰه تعالیٰ.

(أوجز المسالك:۲/ ۸۰،باب افتتاح الصلاة،دار العلم دمشق۔هکذا فی امانی الاحبار: ۳/۳۔ و کذا فی تقریر أبی داؤد: ۲/ ۲۱٤)

طحطاوی میں ہے:

(فیحسن رفع الیدین للتحریمة حذاء أذنین للرجل)لأن رسول اللّٰه ﷺ کان إذا افتتح الصلاة کبر، ثم رفع یدیه حتی یحاذی بإبهامیه أذنیه.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۲۵٦، قدیمی کتب خانه)

شامی میں ہے:

واعتمد ابن الهمام التوفیق بأنه عند محاذاة الیدین للمنکبین من الرسغ تحصل المحاذاة للاذنین بالإبهامین. وهو صریح روایة أبی داؤد. (شامی:۱/٤۸۲،سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذا أراد الدخول فی الصلاة کبر ورفع یدیه حذاء أذنیه حتی یحاذی بإبهامیه شحمتی أذنیه وبرؤس الأصابع فروع أذنیه کذا فی التبین، قال الفقیه أبو جعفر: یستقبل ببطون کفیه القبلة وینتشر أصابعه ویرفعهما فإذا استقرتا فی موضع محاذاة الإبهامین شحمتی الأذنین یکبر قال شمس الأئمة السرخسی: علیه عامة المشایخ کذا فی المحیط. واللّٰه اعلم.

(الفتاوی الهندیه:۱/۷۳)

قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار:

سوال: بعض حضرات قومہ میں طویل قیام کو اطمینان اور اعتدال کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو واجب کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: قومہ میں طویل قیام کو اعتدال کے مترادف سمجھنا اور اس کو واجب کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اعتدال کی واجب مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے جس سے اعضاء ساکن ہوجائے اس سے زیادہ واجب مقدار میں داخل نہیں ہے، ہاں بالکلیہ اعتدال ترک کرنا موجبِ سجدۂ سہو ہے لہٰذا واجب مقدار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویجب اطمئنان وهو التعديل فی الأركان بتسكين الجوارح فی الركوع والسجود حتی تطمئن مفاصله وهو الصحيح لأنه شرع لتكميل الركن فكان واجبًا كقراءة الفاتحة لا ركناً ولا سنة كما قال الجرجانی: ليس سنة مؤكدة وأدناه مقدار تسبيحة واحدة وقال أبو يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: هو فرض لقوله ﷺ لمن خفف الصلاة ويقال له المسیء صلاته: صل فإنك لم تصل، وسئل محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عن ترك الطمانينة فقال: إنی أخاف أن لا تجوز، وعن أبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ فيمن لم يتمر ركوعه وسجوده ولم يقم صلبه قال: أخشی أن لا تجوز صلاته. ومقتضی الدليل وجوب الطمانينة فی الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة علی ذلك كله ولأمر فی حديث المسیء صلاته وإليه ذهب المحقق الكمال ابن الهمام رحمہ اللہ تعالیٰ وتبعه تلميذه ابن أمير الحاج وقال: إنه الصواب فليتنبه له.

(امداد الفتاح: ص ۲۷۶، فصل فی واجبات الصلاۃ، بیروت۔ وهكذا فی مراقی الفلاح: ص ۹۲، مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

وهو التعديل أی التتميم والتكميل وهو فی اللغة التسوية قوله: حتی تطمئن مفاصله ويستقر كل عضو فی محله بقدر تسبيحة كما فی القهستانی هذا قول أبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ علی تخريج الكرخی رحمہ اللہ تعالیٰ.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۵۰، فصل فی واجبات الصلاۃ، قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۱/۴۶۴، سعيد۔ والفتاوی الهندية: ۱/۸۱) واللہ اعلم۔

فصلِ دوم

نماز کی سنن اور آداب کا بیان

حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانا:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم سے قدم ملانے کا حکم ہے کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر ہمارا عمل درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب: غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں دو لفظ آتے ہیں (۱) الصاق (۲) الزاق، ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں۔

(۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا جیسے: "به داء، به وسخ، به مرض".

(۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ جیسے: "مررت بزید" یعنی میں زید کے قریب سے گذرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔

ملاحظہ ہو مشکوۃ میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا صلی أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا أن لا يكون على يساره أحد وليضعهما بين رجليه. وفی رواية أو ليصل فيهما. (رواه ابو داؤد وروی ابن ماجة معناه۔ مشكوٰة شريف: ۱/۷۳)

وقال الشيخ ناصر الدين الألبانی عن هذا الحديث "بإسنادين أحدهما حسن بالرواية الأولى والآخر صحيح بالرواية الأخرى كما حققته فی صحيح السنن. ۶۶۱ و ۲۶۶۔

(تعليق الالبانی على مشكوٰة: ۱/۷۶۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ

دائیں بائیں جوتا مت رکھو کیونکہ جگہ نہیں۔

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبكم. (الحديث۔ رواه مسلم۔ مشكوٰة شريف: ۱/۹۸)

(۳) ان رسول اللّٰه ﷺ قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل.

(رواه أبو داؤد: ۱/۹۷)

(٤) عن أبي القاسم الجدني قال سمعت النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: أقبل رسول اللّٰه ﷺ على الناس بوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثًا واللّٰه لتقيمنّ صفوفكم أوليخالفنّ اللّٰه بين قلوبكم قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعب صاحبه. (رواه أبو داؤد: ۱/۹۷)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامتِ صفوف اور اعتدالِ صفوف کا ذکر ہے اسی طرح استقامتِ بدن کا بھی حکم ہے۔ اور استقامتِ بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالتِ قیام کے لئے ہے یا رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے۔ اور رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تب بھی وہ پاؤں کو کشادہ رکھتے ہیں حالانکہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے۔

اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وينبغي أن يكون بينهما (أي القدمين) مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.

(شامي: ۱/٤٤٤، بحث القيام، سعيد)

اور شوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدر شبر فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم إحداهما على الأخرى. (الفقه على مذاهب الأربعة: ۱/۲۵۹)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اور ان کے نزدیک پاؤں کو ملانا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالكية قالوا: تفريج القدمين مندوب لاسنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسطة، بحيث لايضمهما ولايوسعهما كثيرًا، حتى يتفاحش عرفًا ووافقهما الحنابلة على هذا التقدير إلاأنه لافرق عند الحنابلة بين تسميته مندوبًا أو سنة.

(الفقه على مذاهب الأربعة: ۱/۲۶۰)

یعنی مالکی حضرات کہتے ہیں کہ پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے نہ کہ سنت، اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو نہ مکمل ملادے اور نہ بہت زیادہ کشادہ اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو۔ اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

"وقال المؤفق يكره أن يلصق إحدى قدميه بالأخرى في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمٰن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلاً يصلي قد صف بين قدميه والزق أحدهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلاً من أصحاب النبي ﷺ ما رأيت أحداً منهم فعل هذا قط وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنه لايفرج بين قدميه ولايمس أحدهما الأخرىٰ ولكن بين ذلك لايقارب ولايباعد".

(حاشية لامع الدراري: ۱/۲۸۰، سعيد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ولايخفى أن في إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لاسيما مع إبقاء ها كذلك إلى آخر الصلاة كما هو مشاهد، والحرج مدفوع

بالنص، فالمراد منه جعل بعضها فی مجازاة بعض قال الحافظ في الفتح تحت قول البخاری: باب إلزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم فی الصف: "المراد بذلك المبالغة فی تعديل الصف وسدخلل". (۲/۱۷٦) وفی عون المعبود في شرح حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مانصه: قوله: "وحاذوا بالمناكب" أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازياً لمنكب الآخر ومسامتًا له فتكون المناكب والأعناق والأقدام على سمت واحد. (۱/۲۵۱) قال الشيخ: ولو حمل الإلزاق على الحقيقة، فالمراد منه إحداثه وقت الإقامة تسوية الصف، فإن إحداث الإلزاق بين تلك الأعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولادلالة فی الحديث على إبقاء ه فی الصلاة بعد الشروع فيها ومن ادعى ذلك فليأت بحجة عليه. (اعلاء السنن: ٤/٣٦٠، باب سنية تسوية الصف ورصها، إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: أقيموا صفوفكم، فإني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. (رواه البخاری: ۱/۱۰۰)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "كان أحدنا" وقوله: "وقد رأيت أحدنا" يفيد أن الفعل المذكور كان في زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولم يبق بعده كما صرح به قوله في رواية معمر: "ولو فعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفر كأنه بغل شموس" فلو كان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلاة لم يتركه الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ولم يتنفر منه أحد فالصحيح ماقلنا: إن ذلك كان للمبالغة فی تسوية الصف حين الإقامة لابعدها فی داخل الصلاة.

(إعلاء السنن: ٤/٣٦٠/١٣٢٥، باب سنية تسوية الصف ورصها، ادارة القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنتِ مقصودہ نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

نماز شروع کرنے سے پہلے دعاء التوجہ میں "وأنامن المسلمين" پڑھنا:

سوال: نماز شروع کرنے سے پہلے "إنی وجهت" پڑھتے ہیں اس میں "وأنا أوّل المسلمين" پڑھنا چاہئے جو کہ وارد ہے یا "وأنا من المسلمين" پڑھنا چاہئے؟

الجواب: "وأنا من المسلمين" ہی پڑھنا چاہئے، ہاں اگر تلاوت کی نیت سے "وأنا أوّل المسلمين" پڑھے تو اصح قول کے مطابق درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ثم اعلم أنه يقول فی دعاء التوجه "وأنا من المسلمين" ولوقال: "وأنا أوّل المسلمين" اختلف المشايخ فی فساد صلاته والأصح عدم الفساد، وينبغی أن لايكون فيه خلاف لما ثبت فی صحيح مسلم من الروايتين بكل منهما وتعليل الفساد بأنه كذب مردود بأنه إنما يكون كذبًا إذا كان مخبرًا عن نفسه لا تاليًا وإذا كان مخبرًا فالفساد عند الكل.

(البحر الرائق: ۱/ ۳۱۰، كوئته)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ثم إذا قرأ وجهت وجهی يقول فيه "وأنا من المسلمين" ولايقول "وأناأوّل المسلمين" تحرزًا عن الكذب ولوقاله قيل تفسد صلاته وقيل لا، وهو الأصح لأنه تالٍ وحاكٍ لامخبرهكذا قالوا، فعلى هذا لوقصد به الإخبار تفسد صلاته قطعًا. والله اعلم۔

(شرح منية المصلی: ص ۳۰۳، سهيل۔ وكذا فی رد المحتار: ۱/ ٤٨٨، سعيد۔ وكذا فی بدائع الصنائع: ۱/ ۲۰۲، سعيد۔ و شرح العناية: ۱/ ۲۸۸)

مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب: عورتوں کے لئے استر ہونے کی وجہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا متفق علیہ ہے، اور مردوں کے لئے مختلف روایات کی وجہ سے تحت السرۃ افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ يضع يمينه على شماله

فی الصلاة تحت السرة. وفی روایة عن أبی معشر، عن إبراهیم قال: یضع یمینه علی شماله فی الصلاة تحت السرة. وفی روایة عن الحجاج بن حسان قال: سمعت أبامجلز ـ أوسألته ـ قال: قلت: کیف أصنع؟ قال: یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله، و یجعلها أسفل من السرة. وفی روایة عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من سنة الصلاة وضع الأیدی علی الأیدی تحت السرر. (مصنف ابن أبی شیبة: ۱/۳۹۱، کتاب الصلاة، وضع الیمین علی الشمال، ادارة القرآن کراتشی)

درمختار میں ہے:

وضع الرجل یمینه علی یساره تحت سرته هو المختار، وتضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیها. وفی الشامی: (قوله تحت ثدیها) کذا فی بعض نسخ المنیة وفی بعضها علی ثدیها قال فی الحلیة وکان الأولی أن یقول علی صدرها.

(الدرالمختارمع رد المحتار: ۱/۴۸۷، فصل فی بیان تألیف الصلاة، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن وضع المرأة یدیهاعلی صدرهامن غیرتحلیق لأنه أسترلها. واللّٰه اعلم.

(مراقی الفلاح: ص ۹۵، فصل فی بیان سننها، مکة المکرمة ـ وکذا فی السعایة: ۲/۱۵۶ ـ وامداد الفتاح ص ۲۸۳، بیروت ـ والبحرالرائق ۱/۳۰۳)

ثناء سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثناء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہواً ثناء چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ثناء پڑھنا سنت ہے۔ منفرد اور امام ہر حال میں ثناء پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قراءت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثناء نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثناء پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثناء پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور اگر سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان النبی ﷺ إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.

(رواه الترمذی: ۱/۵۷، باب مايقول عندافتتاح الصلاة، فيصل)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن الثناء لما روينا لقوله ﷺ: إذا قمتم إلى الصلاة فارفعوا أيديكم ولاتخالف آذانكم ثم قولوا: سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.

(مراقی الفلاح: ص ۹۵، مكة المكرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحًا وهو أن يقول سبحانك اللّٰهمّ ويستفتح كل مصل سواء المقتدى وغيره مالم يبدأ الإمام بالقراءة، ولو سرية على المعتمد وإن أدركه راكعاً تحرى إن أكثر رأيه أنه إن أتى به أدركه فی شیء منه أتى به وإلا لا، نهر.

(حاشية الطحطاوی على المراقی: ص ۲۸۱، قديمی كتب خانه)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام) أفاد بالاستثناء أنه يأتى به الإمام والمنفرد والمقتدى قبل شروع الإمام فی القراءة (قوله سواء كان إمامه يجهر) لما كان قضية المتن جواز الثناء فی المخافتة وإن بدأ الإمام بالقراءة وكان ذلك ضعيف حول الشارح عبارة المصنف إلى القول الصحيح حلبی (قوله وقيل فی المخافتة يثنی) وجه ضعف هذا القيل أنه إذا امتنع على المأموم قراءة القرآن التی هی فرض فی الصلاة عند قراءة الإمام القرآن سرًا أو جهراً فلان يمتنع عليه الثناء وهو نفل أولىٰ بجامع التخليط والتغليط فی كل حلبی. (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۱/۲۱۸)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

المسبوق إذا أدرك الإمام فی القراءة فی الركعة التی يجهر فيها لايأتى بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق به يأتى بالثناء. (خلاصة الفتاوی: ۱/۱۶۵، مسائل المسبوق، رشيديه)

درمختار میں ہے:

ترك السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لو عامدًا غير مستخف وفی الشامی: (قوله لايوجب فسادًا ولاسهوًا) أی بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب

فإنه يوجب سجود السهو (قوله لو عامدًا غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضًا بل تندب إعادة الصلاة ولو مستخفًا كفر، لما في النهر عن البزازية: لو لم ير السنة حقًا كفر لأنه استخفاف. والله اعلم. (الدر المختار مع الشامي: ١/٤٧٤)

تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب: تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلافِ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله: ثم يكبر حين يركع دليل على مقارنة التكبير لهذه الحركات وبسط عليها فيبدأ بالتكبير حين يشرع في الانتقال إلى الركوع ويمده حتى يصل إلى حد الراكعين ثم يشرع في تسبيح الركوع ويبدأ بالتكبير حين يشرع في الهوى إلى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض ثم يشرع في تسبيح السجود وفيه يبدأ في قوله سمع الله لمن حمده حتى يشرع في الرفع من الركوع ويمده حتى ينصب قائما، وفيه أنه يشرع في التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينصب قائما. (عمدة القاري: ٤/٥٤٢، دار الحديث ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراءة ينحط للركوع ويكبر مع الانحطاط لما روى عن علي رضي الله تعالى عنه وابن مسعود رضي الله تعالى عنه وأبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه وغيرهم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يكبر عند خفض ورفع وروى أنه كان يكبر وهو يهوي والواو للحال ولأن الذكر سنة في كل ركن ليكون معظمًا لله تعالى فيما هو من أركان الصلاة بالذكر كما هو معظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكر فيه مسنونا. (بدائع الصنائع: ١/٢٠٧ سعيد)

مرقات میں ہے:

قوله ثم يكبر حين يرفع رأسه أى من السجود قال ابن الهمام وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبير كما هوفى الجامع الصغير. والله اعلم.

(مرقات المفاتيح:٢/ ٢٦٠ـ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١/ ٧٤)

ترک رفعِ یدین کی صحیح حدیث:

السؤال: ما هوتحقيق الحديث الذى ورد فيه"أن النبى ﷺ كان لايرفع يديه إذا أراد أن يركع أويرفع رأسه من الركوع"؟

الجواب: أما الحديث: قال أبوعوانة يعقوب بن إسحاق: حدثنا عبد الله بن أيوب المحرمى وسعدان بن نصرو شعيب بن عمروفى آخرين قالوا:حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهرى عن سالمعن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذى بهما وقال بعضهم: حذومنكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد مايرفع رأسه من الركوع لايرفعهما وقال بعضهم: ولايرفع بين السجدتين والمعنى واحد، حدثنا الربيع بن سليمان عن الشافعى عن ابن عيينة بنحوه: ولايفعل ذلك بين السجدتين حدثنى أبوداؤد قال:حدثنا على قال حدثنا سفيان حدثنا الزهرى أخبرنى سالمعن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ بمثله، حدثنا الصائغ بمكة قال حدثنا الحميدى قال حدثنا سفيان عن الزهرى قال أخبرنى سالمعن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ مثله.

(مسند أبى عوانة:٢/ ٩٩،باب رفع اليدين، المعارف العثمانية ـ ومستخرجه:٣/ ٤٤٦/ ١٢٥١)

الكلام على الحديث من حيث السند:

عبد الله بن أيوب: صدوق، مات سنة خمس وستين ومئتين. (سيرأعلام النبلاء:١٢/ ٣٥٩)

وله متابعان هنا أحدهما سعدان بن نصروهوصدوق كما فى الجرح والتعديل: ١٢٥٧، والثانى شعيب بن عمرو وهوكذاب كما فى لسان الميزان: ١/ ٤٨٠، وصرح عبد الله بن أيوب بالتحديث هنا. والباقى من رواة البخارى ومسلم فالحديث صحيح الإسناد.

وفى نسخة قديمة للحميدى: ٢/ ٢٧٧/ ٦١٤، (دارالكتب العلمية): حدثنا الحميدى قال ثنا الزهرى قال أخبرنى سالمبن عبد الله عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذومنكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع فلايرفع ولا بين

السجدتين، وهذا فيه سقط سفيان بين الحميدى والزهرى، وهو مذكور فى مسندأبى عوانة: حيث قال: حدثنا الصائغ بمكة قال حدثنا الحميدى قال حدثنا سفيان عن الزهرى قال أخبرنى سالمعن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ مثله.

(مسند أبى عوانة:٢/٩٩،باب رفع اليدين، المعارف العثمانية۔ومستخرجه:٣/٤٤٦/ ١٢٥١)

والتطبيق بين الرفع وتركه هوأن النبى كان يرفع أولا ثمتركه كماكان أولا بين السجدتين ثمترك وكما كان فى كل خفض ورفع ثمترك وبهذا أخذ مالك رحمه الله تعالى وأبو حنيفة رحمه الله تعالى وغيرهم كما هومفصل فى موضعه. والله أعلم.

مرداورعورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرداورعورت میں فرق ہے یانہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مرد انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پرزور دیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کو پکڑے۔اورعورت انگلیاں ملاکر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پرزور نہ دے۔

ملاحظہ ہومراقی الفلاح میں ہے:

ويسنّ أخذ ركبتيه بيديه حال الركوع ويسنّ تفريج أصابعه لقوله رضى الله تعالى عنه لأنس رضى الله تعالى عنه إذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك وفرج بين أصابعك وارفع يديك عن جنبيك والمرأة لاتفرجها لأن مبنٰى حالها على الستر. وفى الطحطاوى: ولاتفرج أصابعها فى الركوع، وتنحنى فى الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلاتزيد على ذلك لأنه أسترلها وتلزم مرفقيها بجنبيها فيه. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى:ص٢٦٦،٢٥٩،قديمى)

شامی میں ہے:

قال فى المعراج وفى المجتبٰى: هذا كله فى حق الرجل، أما المرأة فتنحنى فى الركوع يسيرًا ولاتفرج ولكن تضموتضع يديها على ركبتيها وضعًا وتحنى ركبتيها ولا تجافى عضديها لأن ذلك أسترلها. (شامى: ١/٤٩٤، فصل اذا اراد الشروع فى الصلاة كبر، سعيد كمپنى)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مرداورعورت کے رکوع میں چند باتوں میں فرق ہے (۱) مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اور سرین برابر ہوجائے، اورعورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے

(۲) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے، اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛ مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے (۳) مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیہ:٦/ ٤١٠،مسائل شتی، مکتبہ رحیمیہ)۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: صراحۃً کوئی جزئیہ اس بارے میں نہیں ملا، البتہ امت کا برابر تعامل پایا جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اس وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کتب فقہ میں یہ مذکور ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ رکھے اور بطور استدلال "**حديث النهى عن البروك كبروك الإبل**" پیش کرتے ہیں، یہ حدیث شریف ترمذی میں موجود ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت آسانی سے ہوسکتی ہے جب کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد السجود وضع أولاً ماكان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولاً ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته. (الفتاوى الهندية:١/ ٧٥)

نیز مذکور ہے:

ويكره وضع اليد قبل الركبتين إذاسجد.

(الفتاوی الهندية:١/ ١٠٧،الفصل الثانی فيمايكره فی الصلاة،بلوچستان)

بہشتی زیور میں ہے:

پھر تکبیر کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔

(بهشتی زیور، گیارواں حصه ص ٨٨٤،فرض نماز کے بعض مسائل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صراحۃً یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ کر یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

ویمکن أن یشم رائحة الاستدلال من حدیث "استعینوا بالرکب" الجامع الصغیر.

(فتاوی محمودیہ: ۶۱۸/۵، نماز کی سنتوں کا بیان، جامعہ فاروقیہ)

"اللہ اکبر" کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔ واللہ اعلم۔

(رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز: ص ۲۲۳، از قلم مفتی جمیل احمد ندیری)

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟

سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک زمین پر ٹیکے یا پیشانی؟

الجواب: علماء نے سجدہ کی کیفیت میں ذکر فرمایا ہے کہ جو اعضاء زمین سے زیادہ قریب ہیں ان کو پہلے رکھے اس اعتبار سے ناک پہلے رکھے پھر پیشانی اور اٹھاتے وقت پیشانی پہلے اٹھائے پھر ناک، نیز حدیث شریف میں بھی ناک کو پہلے ذکر کرنے میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے، واو اگرچہ ترتیب کے لئے نہیں آتا لیکن کبھی تقدیم کے لئے آتا ہے یعنی جو چیز پہلے مذکور ہے وہ استحباباً مقدم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إن الصفا والمروة من شعائر اللّٰه﴾ میں "تقدیم فی الذکر تقدیم فی العمل والبداءة" پر دال ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ کان إذا سجد أمکن أنفه وجبهته الأرض (رواه الترمذی: ۶۱/۱، باب ماجاء فی السجود علی الجبهة والأنف۔ وابن حبان: ۱۸۷۱/۱۸۹/۵۔ والطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۲۵۷/۱، باب وضع الیدین فی السجود)

ہدایہ میں ہے:

وسجد علی أنفه وجبهته لأن النبی ﷺ واظب علیه. (هدایه: ۱۰۸/۱، باب صفة الصلاة)

فتح القدیر میں ہے:

(قوله لأن النبی ﷺ واظب علیه) یفیده ماروا ه أبو داؤد، والنسائی واللفظ لهما والترمذی کما تقدم، وما رواه أبویعلی والطبرانی "کان النبی ﷺ یضع أنفه علی الأرض مع جبهته" ومافی البخاری من حدیث أبی حمید السابق فإن فیه "ثم سجد فأمکن أنفه وجبهته من الأرض. (فتح القدیر: ۳۰۳/۱، دار الفکر)

قال الشیخ محمد عوامة: لم أقف بروایة البخاری لکنه فی روایة أبی داؤد باب افتتاح الصلاة. (تعلیق الشیخ محمد عوامة علی نصب الرایة: ۳۸۲/۱، المکتبة المکیة)

شرح عنایہ میں ہے:

(وسجد على أنفه وجبهته) تقديم الأنف على الجبهة باعتبار أن الأنف أقرب إلى الأرض فيضعه أولاً. والله اعلم. (شرح العناية: ۱/۳۰۳ على هامش فتح القدير، دارالفكر)

حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت:

سوال: حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو کیسے رکھنا چاہئے؟

الجواب: بحالتِ سجدہ انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا سجد ضم أصابعه.

(رواه ابن خزيمة في صحيحه: ۱/۳۴۷/۶۴۲، باب ضم أصابع اليدين في السجود، المكتب الإسلامي)

مراقی الفلاح میں ہے:

(موجهًا أصابع يديه) ويضمها كل الضم لايندب إلاهنا لأن الرحمة تنزل عليه في السجود وبالضم ينال الأكثر. والله اعلم.

(مراقي الفلاح: ص ۱۰۵، مكة المكرمة ـ وكذا في الشامي: ۱/۴۹۸ ـ والبحر الرائق: ۱/۳۱۵)۔

صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم:

سوال: سجدہ کی حالت میں بازوؤں کو کھولنا مسنون ہے تو کیا صف کے درمیان بھی کھولنا چاہئے؟

الجواب: صف کے درمیان اگر جگہ تنگ ہے اور ایذاء کا اندیشہ ہے تو بازوؤں کو کھول کر نہیں رکھنا چاہئے اور اگر تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اور صف کے درمیان وسعت ہے تو کھول کر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ويظهر عضديه) في غير زحمة (ويباعد بطنه عن فخذيه) ليظهر كل عضو بنفسه، بخلاف الصفوف فإن المقصود اتحادهم حتى كأنهم جسد واحد. وفي الشامي: (قوله في غير زحمة) جعله قيدًا لإظهار العضدين فقط تبعًا للمجتبىٰ، قال: في البحر أخذًا من الحلية وهذا أولىٰ مما في الهداية والكافي والزيلعي من أنه إذا كان في الصف لايجافي بطنه عن

فخذيه لأن الإيذاء لايحصل من مجرد المحاذاة، وإنما يحصل من إظهار العضدين.

(الدرالمختارمع الشامی:۱/۵۰۳،سعید)

آپ کے مسائل میں ہے:

جماعت میں زیادہ کہنیاں نہیں پھیلانی چاہئیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲/۱۹۶)

عورتوں کے سجدہ کی کیفیت:

سوال: عورتوں کو حالتِ سجدہ میں پاؤں ملانا چاہئے یا کھولنا چاہئے اور کتنا کھولے؟

الجواب: فقہاء نے عورتوں کے سجدہ کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں، دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال لے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے۔

درمختار میں ہے:

والمرأة تنخفض فلا تبدی عضديها وتلصق بطنها بفخذيهالأنه أستر.وفی الشامی: وذكرفی البحرأنها لاتنصب أصابع القدمين كماذكره فی المجتبیٰ.

(الدرالمختارمع الشامی:۱/۵۰۴،سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها، لأنها عورة مستورة كما قدمناه وهذا أسترلها،وفی مراسيل أبی داؤد: أنه ﷺ مرعلی امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست فی ذلك كالرجل ولاتفتح إبطيها فی السجود ولا تنصب أصابع القدمين. (امدادالفتاح:ص۲۹۷۔وكذا فی تبيين الحقائق: ۱/۱۱۸)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

الصاق بطن کا مسئلہ جلسہ کے متعلق نہیں بلکہ سجدہ کے متعلق ہے یعنی سجدہ میں پیر کھڑے کرنے سے الصاقِ بطن نہیں ہوتا، بلکہ داہنی طرف نکالنے سے ہوتا ہے، پس سجدہ میں عورت کو چاہئے کہ پیر کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی طرف نکال لے تاکہ الصاقِ بطن ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۵/۶۲۴،باب صفة الصلاة۔وفتاوی حقانیہ:۳/۹۲)

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالتِ رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے (حتی یحاذی جبهته رکبتیه) اور اس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا۔ اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے اسی طرح کرے اور اس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ویعتمد بیدیه علی الأرض لأن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصف صلاة رسول الله ﷺ فسجد وأدعم علی راحتیه ورفع عجیزته..... (الهداية: ۱/۱۰۸، باب صفة الصلاة، شركة علمية)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله: وجافی بطنه عن فخذیه) أی باعده لحدیث مسلم: كان إذا سجد جافی بین یدیه حتی لو أن بهمة أرادت أن تمر بین یدیه مرت ولحدیث أبی داؤد فی صفة صلاته علیه الصلاة والسلام: وإذا سجد فرج بین فخذیه غیر حامل بطنه علی شیء من فخذیه والمجافاة أن یظهر كل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها علی بعض..... (البحر الرائق: ۱/۳۲۰، كوئٹة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالسًا ينبغی أن يحاذی بجبهته ركبتيه، أبو السعود.

(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۰۳، سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع) وفی حاشية الفتال عن البرجندی: ولو كان يصلی قاعدًا ينبغی أن يحاذی جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع. قلت: ولعله محمول علی تمام الركوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر تأمل. (شامی: ۱/۴۴۷، باب صفة الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالسًا ينبغی أن تحاذی جبهته ركبتيه ليحصل الركوع. ولعل مراده انحناء الظهر عملاً بالحقيقة لأنه يبالغ فيه حتی يكون قريبًا من السجود.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۲۹، قديمی)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۹۵)

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: مرد اور عورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: مرد کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اپنے کھڑے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے نیز بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو جس قدر ہو سکے قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ کر انگلیاں اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير وكان يقول فى كل ركعتى التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان. (رواه مسلم: ۱/۱۹٤، باب مايجمع صفة الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قدمت المدينة قلت لأنظرن إلى صلاه رسول الله ﷺ فلما جلس يعنى للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعنى على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى.

(رواه الترمذى وقال هذا حديث حسن صحيح: ۱/٦٥، باب كيف الجلوس فى التشهد، فيصل)

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى.

(رواه البخارى: ۱/۱۱٤/۸۱۹، باب سنة الجلوس فى التشهد)

امداد الفتاح میں ہے:

ويسن افتراش رجله أى: رجل الرجل اليسرى، ونصب اليمنى وتوجيه أصابعها نحو القبلة حالة التشهد فى كل قعود فى فرض ونفل لقول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "من سنة الصلاة وفى حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كان النبى ﷺ يفترش

(امداد الفتاح: ص ۲۹۹ ـ وكذا فى مراقى الفلاح: ص ۲٦۹ ـ و الهداية ۱/۱۱۱، باب صفة الصلاة، مكتبة شركة علمية)

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ:

عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہئے اور دونوں پیر داہنی طرف نکال دینا چاہئے اس طرح کہ داہنی ران بائیں ران پر آجائے اور داہنی پنڈلی بائیں پنڈلی پر۔

ہدایہ میں ہے:

وإن كانت امرأة جلست على إليتها اليسرى وأخرجت رجليها من الجانب الأيمن لأنه أسترلها. (هدايه:١/١١١)

مراقی الفلاح میں ہے:

(و) يسن (تورك المرأة) بأن تجلس على إليتهاوتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلهامن تحت وركها اليمنى لأنه أسترلها. والله اعلم.

(مراقی الفلاح:ص۹۹۔و كذا فی امداد الفتاح: ص۲۹۹،بیروت)

سجدے میں ایڑیوں کو ملانے کا حکم:

سوال: فقہ کی روشنی میں یہ بتائیے کہ سجدے میں ایڑیوں کو ملانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: فقہائے احناف میں سے متقدمین کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض متأخرین فقہاء نے ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب ایڑیوں کو ملانا نہیں ہے بلکہ محاذات اور برابر رکھنا ہے، نیز رکوع میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

علامہ رافعی التحریر المختار میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے اپنی تعلیق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ سنت بعض متأخرین نے ذکر فرمائی ہے صاحبِ مجتبیٰ کی پیروی کرتے ہوئے ورنہ متقدمین کی کتب مثلاً ہدایہ اور اس کی شروحات وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا بعض مشائخ کا گمان یہ ہے کہ یہ صاحبِ مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو التحریر المختار میں ہے:

(قول الشارح ويسن أن يلصق كعبيه) قال الشيخ أبو الحسن السندى الصغيرفى تعليقته على الدرهذه السنة إنماذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعًا للمجتبىٰ وليس لها ذكرفى كتب المتقدمة كالهداية وشروحها وكان بعض مشايخنا يرى أنها من أوهام صاحب المجتبىٰ ولم ترد فى السنة على ماوقفناعليه وكأنهم توهموا ذلك مما ورد أن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم كانوا يهتمون بسد الخلل فى الصفوف قلت: ولعل الشيخ أبو الحسن لحظ إلى

الآثار الواردة فی أن التراوح بین القدمین فی الصلاة مطلقًا أفضل من إلصاقهما.

(التحریر المختار علی ردالمحتار: ۱/ ۶۱، سعید کمپنی)

نیز مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

ومنها إلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين، وجمهور الفقهاء لم يذكروه ولا أثر له فی الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القدير وغيرها والكنز وشرحه للعينی وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندی والشمنی وفتاوی قاضيخان والبزازية وقال خير المتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندی المدنی فی طوالع الأنوار شرح الدر المختار قوله: وإلصاق كعبيه أی حالة الركوع قال الشيخ الرحمتی: مع بقاء تفريج ما بين القدمين، قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذی كل من كعبيه لآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر قلت: لقد دارت هذه المسئلة فی سنة أربع وثمانين بعد الألف والمئتين بين علماء عصرنا فأجاب أكثرهم بأن إلصاق الكعبين فی الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثر له فی الكتب المعتبرة والقول الفصيل أن يقال إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزق المصلی أحد كعبيه بالآخر ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما وسبق إليه فهم المفتی أبی السعود أيضًا فليس هو من السنن على الأصح، كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلی أن يجعل بين قدميه نحو أربعة أصابع لم يذكروا أنه يلزقهما فی حالة الركوع والسجود، وقال العينی فی البناية نقلاً عن الواقعات ينبغی أن يكون بين قدمی المصلی قدر أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع وإن كان المراد به محاذاة إحدی الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندی فهو أمر حق ولا بعد فی حمل الإلصاق على المحاذاة فإنه جاء استعماله فی القرب، ويؤيد عدم سنية إلزاق الكعبين بالمعنى الأول أی ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدی الكعبين إلى الأخرى وتحريك عضو من غير ضرورة ليس بجائز عندهم.

(السعایة: ۲/ ۱۸۰ سہیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۱/ ۴۷۷، مکتبہ دارالعلوم۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۳۷۔۴۹۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۰۳)۔ واللہ اعلم۔

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی، وغیرہ میں حدیث موجود ہے "فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه" اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے لیکن یہ الفاظ "فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه" صرف یحیی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجۂ ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) الإسناد الأول: ابن خزيمة: (٦٥٤) ابن حبان: (١٩٣٣) شرح معانى الآثار: (٢٣٤/١) الحاكم: (٢٢٨/١) البيهقى فى الكبير: (١١٦/٢) ابن عبد البر فى التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبى مريم عن يحيى بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبى النضر عن عروة عن عائشة رضي الله تعالى عنها.

سعيد بن أبى مريم	متفرد	
يحيى بن أيوب	علل الذهبى أحاديثه.	المستدرك:٢/٢٠١١۔
	رد أحمد روايته فى الوتر ليس بذلك القوى.	المستدرك: ٣/٩٧۔ الضعفاء للعقيلى:٢١١۔
	قال أبو حاتم: لايحتج به وقال النسائى: ليس بالقوى وقال الدارقطنى: فى حديثه اضطراب.	تنقيح التحقيق:٢/١٩٣۔ ميزان الاعتدال:٤/٣٦٣۔

ولفظه راصًا عقبيه عند الكل، ويحيىٰ بن أيوب ليس بذلك القوى وخالف الأقوى هنا فشذت روايته.

(۲) الإسناد الثانى: رواه مسلم: (٣٥٢/١) وأحمد: (٨٥/٦، ٢٠١) وأبوداؤد: (٥٤٧/١) والنسائى: (١٠٢/١) وابن عبد البر: (٣٤٩/٢٣) عن:

أبوبكربن أبى شيبة	ثقة	ميزان الإعتدال:٤٥٤٩۔

أبو اسامة	ثقة	لسان الميزان۔
عبيد الله بن عمر	حجة من العدول	بيان مشكل الآثار تحتفة الأحوذى:۳/۲٤۰۔
محمد بن يحيىٰ بن حبان	ثقة	التاريخ الكبير۔
الأعرج	ثقة	الإكمال۔
أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ	الصحابى	

ولفظه عند الكل "فوقعت يدى على بطن قدميه".

(۳) الإسناد الثالث: رواه مالك: (۱/۲۱٤) والترمذى: (٥/٤۸۹) والطحاوى: (۳٤۱) والبغوى: (٥/۱٦٦) عن:

يحيىٰ بن سعيد الأنصارى	ثقة	ولفظه عند الكل "فوقعت يدى على قدميه"
محمد بن إبراهيم التميمى	ثقة	
عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ام المؤمنين	

الخلاصة: الحديث أصله صحيح فى صحيح مسلم: (**۱/۳٥۲**) وأحمد: (٦/۲۰۱،۸٥) وأبوداؤد: (۱/٥٤۷) والنسائى: (۱/۱۰۲) وابن عبد البر: (۲۳/۳٤۹) ومالك: (۱/۲۱٤) والترمذى: (٥/٤۸۹) والطحاوى: (۳٤۱) والبغوى: (٥/۱٦٦) وليس عندهم رص العقبين، فهذا شاذ كما ذكر الحاكم. والله اعلم.

(ملخص من رسالة "لاجديد فى أحكام الصلاة")

قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا حکم:

سوال: قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قومہ اور جلسہ میں اذکار پڑھنے کو فقہاء نے جائز یا مستحب لکھا ہے لہٰذا پڑھنا چاہئے اور جب مستحب ہے تو سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السموٰت والأرض وملأ مابينهما وملأ ماشئت من شيء بعد". (رواه الترمذی:١/٦١)

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول بين السجدتين: "اللّٰهمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واهدنی وارزقنی". (رواه الترمذی:١/٦٣،باب مايقول بين السجدتين)

وقال العلامة الكشميری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح هذا الحديث:وقال القاضی ثناء الله البانی بتی رحمہ اللہ تعالیٰ باستحباب الدعاء خروجًا عن الخلاف ونعم ما قال القاضی المرحوم لاسيما فی هذا العصر فإن تحفظ الجلسة متعذر بدون تعيين الدعاء فيها.

(العرف الشذی علی السنن الترمذی:١/٧٠)

شامی میں ہے:

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه، إذ لو كان مكروهًا لنهى عنه كما ينهى عن القراءة فی الركوع والسجود وعدم كونه مسنونًا لاينافی الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة، بل ينبغی أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجًا من خلاف الإمام أحمد لإبطاله الصلاة بتركه عامدًا ولم أر من صرح بذلك عندنا،لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، والله أعلم. (شامی:١/٥٠٥،سعيد)

نیز شامی میں ہے:

(قوله وما ورد محمول علی النفل) وصرح به فی الحلية فی الوارد فی القومة والجلسة وقال: على أنه إن ثبت فی المكتوبة فليكن فی حالة الإنفراد، أوالجماعة والمامومون محصورون لايتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولاضرر فی التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشرعية لاتنبو عنه، كيف والصلاة هی التسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت فی السنة. (شامی:١/٥٠٦،سعيد)

احسن الفتاوی میں ہے:

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثورہ پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ٣/٢٨)

مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت مذہبِ احناف میں ہے یا نہیں؟

الجواب: محققینِ احناف کے نزدیک تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مستحب ہے۔امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا میں اشارہ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مؤطا امام محمد میں ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاجلس فى الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشاربأصبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهوقول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ.

(مؤطاامام محمد: ۱/۱۰۸/۱۴۴،باب العبث بالحصى فى الصلاة،قديمى كتب خانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

وتسن الإشارة فى الصحيح لأنه صلى الله عليه وسلم رفع أصبعه السبابة وقد أحناها شيئًا (رواه النسائى) ومن قال: إنه لايشيرأصلاً فهوخلاف الرواية والدراية وتكون بالمسبحة أى السبابة من اليمنى فقط يشيربها عند انتهائه إلى الشهادة فى التشهد يرفعها عندالنفى أى نفى الألوهية عما سوى الله تعالىٰ.بقوله لاإله ويضعها عندالإثبات أى إثبات الألوهية لله وحده بقوله إلا الله ليكون الرفع إشارة إلى النفى والوضع إلى الإثبات.

(مراقى الفلاح: ص ۹۹،فصل فى سننها،مكة المكرمة)

بدائع الصنائع میں ہے:

وهل يشير بالمسبحة إذا انتهىٰ إلى قوله: "أشهد أن لاإله إلا الله" قال بعض مشايخنا: لايشيرلأن فيه ترك سنة اليد وهى الوضع وقال بعضهم: يشيرفإن محمدًا رحمه الله تعالىٰ قال فى كتابه: "حدثنا عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه كان يشيربأصبعه فيفعل مثل مافعل النبى صلى الله عليه وسلم ويصنع ماصنعه وهوقول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقولنا. (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۴،سعيد)

درمختار میں ہے:

المعتمد ماصححه الشراح ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبى والبهنسى والباقانى

وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله ﷺ، ونسبوه لمحمد رحمه الله تعالى والإمام رحمه الله تعالى، بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار: المفتى به عندنا أنه يشير. وفي الشامي: (قوله ونسبوه لمحمد رحمه الله تعالى والإمام رحمه الله تعالى) وكذا نقلوه عن أبي يوسف رحمه الله تعالى في الأمالي، فهو منقول عن أئمة الثلاثة وفي المحيط أنها سنة، يمكن التوفيق بأنها غير مؤكدة وفي القهستاني: وعن أصحابنا جميعًا أنه سنة.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۰۸، سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ذكره في النهاية وغيرها قال نجم الدين الزاهدي: لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعًا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والآثار وكان العمل بها أولىٰ. (شرح منية المصلي: ص۳۲۸، سهيل اكيڈيمي)

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدير: ۱/۳۱۳، باب صفة الصلاة دار الفكر۔ وشرح العناية: ۱/۳۱۲۔ والفتاوى التاتارخانية: ۱/۵۵۲، كيفية الصلاة، ادارة المعارف۔ وتبيين الحقائق: ۱/۱۲۱، امدادية۔ وفتاوى محموديه: ۵/۶۳۵۔ وفتاوى دارالعلوم ديوبند مكمل ومدلل: ۲/۱۸۸۔ واحسن الفتاوى: ۳/۳۰)۔ واللہ اعلم۔

اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ:

سوال: تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اور انگلی کس وقت اٹھانا چاہئے؟

الجواب: اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیاں اور اس کے پاس کی انگلی کو مٹھی کی طرح بند کرلے اور کلمہ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے یعنی لا الٰہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکا دے، بالکل گرا نہ دے، پھر اخیر قعدہ تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن مالك وهو ابن نمير الخزاعي رضي الله تعالى عنه عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ واضعًا يده اليمنى على فخذه اليمنى في الصلاة ويشير بأصبعه. وفي رواية له: قال: حدثني مالك بن نمير الخزاعي رضي الله تعالى عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعدًا في الصلاة واضعًا ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعًا أصبعه السبابة قد أحناها شيئًا وهو يدعو. وفي رواية له: كان إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه وقبض يعني أصابعه

كلها وأشار بأصبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى.

(روى الثلاثة النسائي: ١/١٨٧، باب اخناء الاشارة بالسبابة، قديمي كتب خانه)

بدائع الصنائع میں ہے:

وذكر الفقيه أبو جعفر الهندوانى: أنه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى مع الإبهام ويشير بالسبابة وقال: إن النبى ﷺ هكذا كان يفعل. (بدائع الصنائع: ١/٢١٤، سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

المروى عن محمد رحمه الله تعالى فى كيفية الإشارة قال: يقبض خنصره والتى تليها ويحلق الوسطى والإبهام ويقيم المسبحة وكذا عن أبى يوسف رحمه الله تعالى فى الأمالى وهذا فرع تصحيح الإشارة. (شرح منية المصلى: ص٣٢٨، سهيل)

امداد الفتاح میں ہے:

يرفعها عند النفى ويضعها عند الإثبات. (امداد الفتاح: ص٢٣٢، بيروت)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عند النفى أى نفى الألوهية عما سوى الله تعالى بقوله: "لا إله" ويضعها عند الإثبات أى إثبات الألوهية لله وحده بقوله: "إلا الله" ليكون الرفع إشارة إلى النفى والوضع إلى الإثبات. (مراقى الفلاح: ص٩٩، فصل فى سننها، مكة المكرمة)

مزید ملاحظہ ہو: (شامی: ١/٥٠٨، سعید۔ وفتاوی محمودیہ: ٥/٦٣٥، مبوب ومرتب)۔ واللہ اعلم۔

اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت کے بعد انگلی مکمل رکھ دینا چاہئے یا اخیر تک اٹھائے رکھے؟

الجواب: محققین کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ انگلی اخیر تک اٹھائے رکھے یعنی مکمل نہ رکھدے بلکہ ہلکی سی جھکادے جس کو اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے نیز نسائی شریف کی روایت کے موافق بھی ہے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

قال حدثنى مالك بن نمير الخزاعى رضى الله تعالى عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعدًا فى الصلاة واضعًا ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعًا أصبعه السبابة قد

أحناها شيئًا وهو يدعو. (رواه النسائي: ۱//۱۸۷، باب احناء الاشارة بالسبابة،قديمي كتبخانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عند النفي أى نفى الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله: "لا إله" ويضعها عند الإثبات أى إثبات الألوهية لله وحده بقوله: "إلا الله" ليكون الرفع إشارة إلى النفى والوضع إلى الإثبات. (مراقی الفلاح:ص ۹۹،فصل فی سننها،مكة المكرمة)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

تشہد پر انگشتِ شہادت کو اٹھادے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ (فتاوی رشیدیہ:ص ۳۳۱،مکتبہ رحمانیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

اشارہ کے بعد کی کیفیت کے متعلق عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "يضعها" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو بالکلیہ گرادینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکادینا مراد ہے، صرح به الملاعلى القارى رحمه الله تعالىٰ لرواية أبى داؤد والنسائى رافعًا أصبعه السبابة وقد أحناها شيئًا أى أمالها. (تزيين العبارة بتحسين الإشارة لعلى القارى رحمه الله تعالىٰ ص ۸) امداد الفتاوی میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔ (احسن الفتاوی:۳/۳۱)۔ واللہ اعلم۔

عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرے گا یا اشارہ ساقط ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اشارہ ساقط ہے اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

فرع: لا يشير بغير المسبحة حتى لو كانت مقطوعة أو عليلة لم يشر بغيرها من أصابع اليمنى ولا اليسرى كما فى النووى على مسلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:۲۶۹، مبحث الإشارة بالسبابة۔وشرح النووى على صحيح مسلم:۱/۲۱۹،باب صفة الجلوس فى الصلاة۔والدرالمختار: ۱/۵۰۹،سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا ہے تو انگشت نہ اٹھائیں، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۲،دارالاشاعت)

خیر الفتاوی میں ہے:

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کردیں کسی اور انگلی سے نہ کریں کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی: ۲/۲۶۰)

رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب: حالتِ سجدہ میں ناک کی طرف حالتِ رکوع میں ظاہر قدم پر اور دا ہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیلِ فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔

درمختار میں ہے:

ولها آداب (نظره إلى موضع سجوده حال قيامه وإلى ظهر قدميه حال ركوعه وإلى أرنبة أنفه حال سجوده وإلى حجره حال قعوده وإلى منكبه الأيمن والأيسر عندالتسليمة الأولىٰ والثانية لتحصيل الخشوع. (الدرالمختار: ۱/۴۷۷، سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

ونظر المصلى إلى موضع سجوده قائمًا وإلى ظاهر القدم راكعًا لأنه أدعى إلى الخشوع ونظره إلى أرنبة أنفه ساجدًا لأن تصويب النظر إليها أقرب إلى الخشوع ولئلا ينظر إلى مايشغله عماهو فيه من الخشوع استحضارًا لعظمة مولاه ويكون ملاحظًا قوله ﷺ "اعبد اللّٰه كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" وإلى المنكبين مسلمًا فينظر إلى أيمنه فى الأول، وإلى أيسره فى الثانى، لأن المقصود الخشوع، وترك التكلف فإذا تركه صار ناظرًا إلى هذه المواضع قصد أو لم يقصد. واللّٰه اعلم.

(امداد الفتاح: ص ۳۰۶، بیروت۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۳۰۴، کوئٹہ۔ ومراقی الفلاح: ص ۱۰۲، مکۃ المکرمۃ۔ والطحطاوی: ص ۲۷۷۔ وبدائع الصنائع: ۱/۲۱۵، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۷۲)

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف السلام علیکم کہے؟ مذاہب اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب: ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے پھر بائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس میں اضافہ کرے یہی متوارث عمل ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ''السلام علیکم'' سنت ہے ''ورحمۃ اللہ'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

ثم يسلم تسليمتين أحداهما عن يمينه "السلام عليكم ورحمة الله" والأخرى عن يساره مثل ذلك لقول النبي ﷺ "وتحليلها التسليم".

(المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/ ۳۰، مطلب فی حکم التسلیم، ادارۃ القرآن)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ويسلم عن يمينه وينقول "السلام عليكم ورحمة الله" ولايقول في هذا السلام "وبركاته" كذا ذكر في المحيط فإن المروى فيه عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه "السلام عليكم ورحمة الله" حتى يرى بياض خده الأيمن وعن يساره "السلام عليكم ورحمة الله" حتى يرى بياض خده اليسرى رواه أصحاب السنن، وقال الترمذي رحمہ اللہ تعالیٰ حديث حسن صحيح، ولايتوهم أن مراده هذا السلام الأول وأنه يقول في السلام الثاني "وبركاته" كمايفعله بعض الجهال لأن ذلك خلاف السنة كما في هذا الحديث الصحيح وخلاف عمل الأمة. (شرح منیۃ المصلی: ۳۳۶، سہیل۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۷٤، قدیمی۔ وفی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۷٦)

(۲) مذہبِ مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقي: وظاهر كلام المذهب أنها (ورحمة الله وبركاته) غير سنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكر خاتمة المحققين محمد أمين: أن الأولى الاقتصار على "السلام عليكم" وإن زيادة ورحمة الله وبركاته خلاف الأولىٰ. (حاشية الدسوقي: ۱/ ۳۷۹، وكذافي مواهب الجليل: ۲/ ۲۱۹۔ وفی شرح مختصر خلیل: ۳/ ۳٤٤۔ وفی المدونة الكبرى: ۱/ ۲۲٦)

وقال الإمام مالك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: في "السلام": يقول "السلام عليكم" بلا "ورحمة الله".

(الاستذكار لابن عبدالبر: ٤/ ٢٨٩)

(۳) مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى) وبهذه الأحاديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إمامًا كان أومأمومًا أو منفردًا ونأمر المصلي خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول في كل واحدة منهما "السلام عليكم ورحمة الله".

(كتاب الام: ١/ ١٤٦، باب السلام في الصلاة، دارالفكر۔ وكذا في شرح المهذب: ٣/ ٤٧٣، فرضية السلام في الصلاة، دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (ثم يسلم عن يمينه فيقول: "السلام عليكم ورحمة الله" وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قال: رأيت النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..... قال الترمذي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: حديث ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ حديث حسن صحيح. والله اعلم.

(المغني لابن قدامه الحنبلي: ١/ ٥٨٨، وكذا في الشرح الكبير: ١/ ٥٨٨، دارالكتب العلمية، لبنان)

آثارِ سجود سے کیا مراد ہے:

سوال: آثارِ سجود سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں کی پیشانی پر نشان لگا رہتا ہے کیا یہ مراد ہے یا کچھ اور؟

الجواب: آثارِ سجود کے چند معانی ہیں:

(۱) نماز کی وجہ سے انسان کے اندر تقوی اور اچھائی کا پیدا ہونا اس کی وجہ سے دنیا ہی میں چہرہ کا منور ہونا۔

(۲) شب بیداری کی وجہ سے دن میں چہروں پر پیلا پن اور بیداری کے اثرات مراد ہے۔

(۳) نمازی کے چہرے قیامت کے دن منور ہوں گے۔

(۴) وضو کے اثرات اعضاء وضو پر۔

پیشانی پر نشانات نظر آتے ہیں یہ اگر عمداً کسی نے کیا ہے تو برا ہے، اور اس کو تقویٰ کی علامت قرار دینا مفسرین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله جل جلاله: ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ﴿سيماهم في وجوههم﴾ يعني السمت الحسن. وقال مجاهد وغير واحد: يعني الخشوع والتواضع. وقال ابن أبي حاتم: حدثنا أبي، حدثنا علي بن محمد الطنافسي، حدثنا حسين بن جعفي عن زائدة عن منصور عن مجاهد ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال: الخشوع. قلت: ما كنت أراه إلا هذا الأثر في الوجه، فقال: ربما كان بين عيني من هو أقسى قلبًا من فرعون. وقال السدي: الصلاة تحسن وجوههم، وقال بعض السلف: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" وقد أسنده ابن ماجة في سننه عن إسماعيل بن محمد الصالحي عن ثابت بن موسى عن شريك، عن الأعمش، عن أبي سفيان عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" والصحيح أنه موقوف. وقال بعضهم: إن للحسنة نورًا في القلب وضياءً في الوجه وسعةً في الرزق ومحبةً في قلوب الناس. وقال أمير المؤمنين عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ما أسرّ أحد سريرة إلا أبداه الله تعالى على صفحات وجهه وفلتات لسانه، والغرض أن الشيء الكائن في النفس يظهر على صفحات الوجه، فالمؤمن إذا كانت سريرته صحيحة مع الله تعالى أصلح الله عزّوجلّ ظاهره للناس. (تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٢١٥، سورة الفتح، مكتبة دار السلام)

معارف القرآن میں ہے:

﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں، مراد آثار سے وہ انوار ہے جو عبدیت وخشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرے پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا اثر پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں، خصوصاً نمازِ تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پُرنور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف القرآن: ٨/ ٩٣)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر مظهری: ٩/ ٣٦۔ تفسیر طبری: ١١/ ٣٧٠۔ تفسیر قرطبی ١٦/ ٢٩٣۔ روح المعانی: ٢٦/ ١٢٥۔ تفسیر عثمانی: ص ٦٨٤)۔ واللہ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور کونسا ہاتھ رکھنا چاہئے؟

الجواب: نماز میں حتی الامکان جمائی کو دفع کرنا چاہئے اگر ممکن نہ ہو تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے اور قیام کے علاوہ کوئی اور رکن میں ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے۔

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وكظم فمه عندالتثاؤب) أى أمسك فمه والمراد به سده لقوله ﷺ التثاؤب فى الصلاة من الشيطان فإذا تثاء ب أحدكم فليكظم مااستطاع وفى الظهيرية: فإن لم يقدر غطاه بيده أو كمه للحديث. (البحر الرائق: ۱/ ۳۰٤، كوئتة)

درمختار میں ہے:

فإن لم يقدر غطاه بظهريده اليسرى، وقيل باليمنى لو قائمًا..... (الدر المختار: ۱/ ۵۱۵، سعيد)

وفى الطحطاوى على الدر:

(قوله بظهر يده اليمنى) هذا حكمه فى الصلاة لقلة العمل أما خارجها فبظهر كفه اليسرى كما وردت به الآثار (قوله وقيل باليمنى لو قائمًا) لأن التغطية ينبغى أن تكون باليسرى كالامتخاط فإذا كان قاعدًا يسهل عليه ذلك ولم يلزم منه حركة اليدين بخلاف ما إذا كان قائمًا فإنه يلزم من التغطية باليسرى حركة اليمنى أيضًا لأنها تحتها حلبى. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/ ۲۱٤ ـ و كذا فى الشامى: ۱/ ۵۱۵، سعيد ـ وفى شرح منية المصلى: ص ۳۲۵، سهيل)

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے ٹوپی کو سترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف امت رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة): (وصلاته حاسرًا) أی کاشفًا (رأسه للتکاسل) وفی الشامی: (للتکاسل) أی لأجل الکسل بأن استثقل تغطیته ولم یرها أمرًا مهمًا فی الصلاة فترکها لذلك.....

(الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۴۱،مکروهات الصلاة،سعید۔وکذا فی شرح منیة المصلی: ص۳۴۸،سهیل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہوگیا ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے، علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ولایخفی علی عاقل أن کشف الرأس مستقبح وفیه إسقاط مروة وترك أدب“ عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا ہے اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ (تلبیس ابلیس: ص۳۷۳)

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ویکره کشف الرأس بین الناس“. لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (غنیة الطالبین: ۱/۱۳۔ فتاوی رحیمیه:۶/۳۵۱)

سترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو مقالات الکوثری میں ہے:

وأما ما یروی من أنه ﷺ کان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه وهو یصلی فضعیف کما فی شرح الشمائل وغیره فلایعرج علیه ولیس له ذکر فی دواوین الحدیث المعتبرة فلا یمکن أن یناهض العمل المتوارث والسنة المتوارثة فی تغطیة الرأس.

(مقالات الکوثری:ص۱۷۲،کشف الرؤوس،دارشمسی للنشر)

ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کان أقوام یسجدون علی العمامة والقلنسوة.

(بخاری شریف:۱/۵۶،باب السجود علی الثوب فی شدة الحر)

عن إبراهیم النخعی رحمہ اللہ تعالیٰ قال: کانوا (الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یصلون فی مساتقهم وبرانسهم. (مصنف عبدالرزاق:باب الرجل یسجد لایخرج یدیه)

زادالمعاد میں ہے:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساهاعليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة. (زادالمعاد:۱/۱۳۵،فصل فی ملابسه،مؤسسة الرسالة)

ترمذی شریف میں ہے.

عن عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جيدالإيمان هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته قال: ماأدرى أقلنسوة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أراد أم قلنسوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (رواه الترمذی:۱/۲۹٤،مطبعه دیوبند)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يلبس قلنسوة بيضاء. رواه الطبرانی وعنه كان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يلبس كمة بيضاء. رواه الطبرانی فی الأوسط.

(مجمع الزوائد:۵/۱۲۱، دارالریان_وشعب الایمان:۵/۱۷۵)

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأيت على رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قلنسوة خماسية طويلة.

(مسندأبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۱۳۷،باب العين،الكوثر)

عن أبی سليط رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه رأى على رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قلنسوة اسماط لها آذان.

(الآحاد والمثانی:۳/۳۰۳، دارالراية)

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأيت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم وعليه قلنسوة بيضاء شامية.

(اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۱۹)

فقد ثبت من هذه الأحاديث أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم لبس قلنسوة فی عامة الأحوال والأوقات وكذلك عدة أحاديث تدل على أن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم كانوا يلبسون القلنسوة فی الصلاة كمامر.

مقالاتِ کوثری میں ہے:

والحاصل: أنه لم يثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی كشف الرأس من غير عذر حتى نقتدی به صلی اللہ علیہ وسلم فی كشف الرأس فی الصلاة وقد سبق بيان عادة النصارى من كشف الرؤوس فی صلاتهم بل هم يفعلون كذلك فی كل موقف احترام يقفونه. (مقالات الکوثری:ص۱۷۳)

قال الشيخ رشيد رضاء فی مقالة طبعت فی مجلة "المنار": وتكره فی أحوال ثلاثة:

الأول: لو يتعود على كشف الرأس.

والثانی: يحسرعن رأسه حال كونه يصلى بالجماعة مع أناس يغطون رؤوسهم.

الثالث: يصرعلى كشف رأسه فى المسجد بمحضرمن يكره كشف الرأس ثمرينقده على ذلك فحينئذ تكره الصلاة.

والوجه فى حالة الأولى للكراهة أنه يتعود على شيء لاثبوت له من النص بل فعله ذلك يخالف السنة المتوارثة المقبولة من القرون.

العلة فى حالة الثانية أنه يخالف الإجماع وهومحظورفى الإسلام.

وسبب الكراهة فى الحالة الثالثة أن هذا الرجل يكون مسببًا للغيبة والجدال.

(السنن والبدعات:ص ۵۰)

الخلاصة: تكره الصلاة مكشوف الرأس. لأننا أثبتنا أن لبس القلنسوة كانت سنة مستمرة ولمريثبت أن النبى ﷺ صلى حاسر الرأس بلاضرورة وكذلك هومعمول به من بداية الإسلام إلى هذا العصر وكشف الرأس فى جميع الأحوال مكروه. والله اعلم.

فصلِ سوم

مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان

مرد اور عورت کی نماز کا فرق اور احادیث و کتبِ فقہ سے اس کا ثبوت:

سوال: مرد اور عورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟ نیز اس پر دلالت کرنے والی احادیث کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: مرد اور عورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، شرعی احکام اور مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا روزہ و حج کے، عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی جگہ اظہار ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی مرد اور عورت کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے۔

وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے، اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان واظہار نہ ہو۔

ملاحظہ ہو نماز سے متعلق چند مخصوص مسائل:

عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف چند مقامات میں ان کو مردوں کے خلاف کرنا چاہئے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) عورتوں کو خواہ سردی وغیرہ کا عذر ہو یا نہ ہو ہر حال میں چادر یا دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے ہاتھ اٹھانے چاہئیں باہر نہیں نکالنے چاہئیں۔

(۲) صرف کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستانوں کے نیچے ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

(۴) عورتوں کو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ دینا چاہئے حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہئے۔

(۵) رکوع میں زیادہ جھکنا نہیں چاہئے بلکہ صرف اس قدر جھکیں جس میں ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

(۶) رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بغیر کشادہ کئے ہوئے یعنی ملا کر رکھنی چاہئیں۔

(۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔

(۸) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ان کو پکڑے نہیں۔

(۹) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکائے رکھے۔

(۱۰) رکوع میں اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنی چاہئیں یعنی سمٹی ہوئی رہیں۔

(۱۱) سجدہ میں کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں۔

(۱۲) سجدہ میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے، اور سرین نہ اٹھائے۔

(۱۳) سجدہ میں پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہونا چاہئے۔

(۱۴) بازو پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔

(۱۵) التحیات میں بیٹھتے وقت مردوں کے برخلاف دونوں پیر داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا چاہئے۔

(۱۶) التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے۔

(۱۷) جب کوئی امر نماز میں پیش آوے مثلاً کوئی آگے سے گذرنا چاہے تو تالی بجائے، مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے۔

(۱۸) مردوں کی امامت نہ کرے۔

(۱۹) نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲۰) عورتیں اگر جماعت کریں تو جو عورت امام ہو وہ بیچ میں کھڑی ہو آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو۔

(۲۱) عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۲۲) مردوں کی جماعت میں عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔

(۲۳) عورتوں پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لیں تو ظہر ساقط ہو جائے گی۔

(۲۴) عورت پر عیدین کی نماز واجب نہیں۔

(۲۵) عورت پر ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر جہراً واجب نہیں۔

(۲۶) عورتوں کے لئے نمازِ فجر میں اسفار مستحب نہیں۔

(۲۷) عورت کو کسی بھی نماز میں جہراً قراءت کرنے کی اجازت نہیں۔

(۲۸) عورت اذان نہ دے۔

(۲۹) عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔

(ماخوذ از عمدۃ الفقہ ص ۱۱٤، حصہ دوم، کتاب الصلوٰۃ، ادارہ مجددیہ، از مولانا سید زوار حسین صاحب)

کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

(۱) مذہب احناف۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ورفع اليدين حذاء المنكبين للحرة على الصحيح لأن ذراعيها عورة ومبناه على الستر وتسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق لأنه أستر لها والمرأة لا تفرّجها (في الركوع) لأن مبنىٰ حالها على الستر ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها لأنه ﷺ مر على امرأتين تصليان فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل" لأنها عورة مستورة ويسن تورك المرأة بأن تجلس على اليتها وتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلها من تحت وركها اليمنى لأنه أستر لها.

(مراقی الفلاح: ص ۹٤-۹۹، فصل فی سننها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(ويسن وضع المرأة يديها) المرأة تخالف الرجل في مسائل منها هذه ومنها أنها لاتخرج كفيها من كميها عندالتكبير وترفع يديها حذاء منكبيها، ولاتفرج أصابعها في الركوع، وتنحني في الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلا تزيدعلى ذلك وتجلس متوركة في كل قعود بأن تجلس على اليتها اليسرى وتخرج كلتارجليها من الجانب الأيمن وتضع فخذيها على بعضهما، وتجعل الساق الأيمن على الساق الأيسر كما في مجمع الأنهر ولاتؤم الرجال، وتكره جماعتهن ويقف الإمام وسطهن ولا تجهر في موضع الجهر، ولايستحب في حقها الإسفاربالفجر، والتتبع ينفي الحصر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۲۵۹، فصل في بيان سننها، قديمي- والبحرالرائق: ۱/۳۲۱- والشامي: ۱/٤۰۵، سعيد- وفتاوى بينات ۲/۳۱٦، كتاب الصلاة، مكتبة بينات)

(۲) مذہبِ مالکیہ۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ومفهوم رجل أن المرأة يندب كونها منضمة فى ركوعها وسجودها. (قوله يندب كونها منضمة) أى بحيث تلصق بطنها بفخذيها ومرفقيها بركبتيها.

(حاشية الدسوقى: ۱/۳۹۳، دارالفكر)

(۳) مذہبِ شافعیہ۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وإن كانت امرأة ضمت بعضها إلى بعض لأن ذلك أستر لها.

(شرح المهذب:۳/۴۲۹، دارالفكر)

کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعى رحمه الله تعالىٰ) وقد أدب الله تعالىٰ النساء بالاستتار وأدبهنّ بذلك رسوله صلى الله عليه وسلم وأحب للمرأة فى السجود أن تضم بعضها إلى بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجد كأسترما يكون لها وهكذا أحب لها فى الركوع والجلوس وجميع الصلاة أن تكون فيها كأسترما يكون لها وأحب أن تكفت جلبابها وتجافيه راكعة وساجدة عليها لئلا تصفها ثيابها.

(كتاب الام: ۱/۱۳۸، باب التجافى فى السجود، دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ۔

ملاحظہ ہو المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (والرجل والمرأة فى ذلك سواء إلا ان المرأة تجمع نفسها فى الركوع والسجود وتجلس متربعة أوتسدل رجليها فتجعلهما فىٰ جانب يمينها. الأصل أنْ يثبت فى حق المرأة من أحكام الصلاة ماثبت للرجال لأن الخطاب يشملها غير أنها خالفته فى ترك التجافى لأنها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون أسترلها فإنه لايؤمن أن يبدؤ منها شىء حال التجافى وذلك فى الافترش، قال أحمد رحمه الله تعالىٰ: والسدل أعجب إلى واختاره الخلال. قال على رضى الله تعالىٰ عنه: إذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. وعن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أنه كان يأمر النساء أن يتربعن فى الصلاة. (المغنى لابن قدامة الحنبلى: ۱/۵۹۹، دارالكتب العلمية)

احادیث سے فرق کا ثبوت:

چند احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں مرد اور عورت کے فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد عورت کی نسوانیت اور اس کے پردہ کو قرار دیا گیا ہے۔

مراسیل ابی داؤد میں ہے:

حدثنا سليمان بن داؤد، حدثنا ابن وهب، أخبرنا حيوة بن شريح، عن سالم بن غيلان عن يزيد بن أبى حبيب، أن رسول الله ﷺ مر على امرأتين تصليان، فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست فى ذلك كالرجل"

(رواه أبو دؤد فى مراسيله:ص ۸۷/۱۱۷،مؤسسة الرسالة)

وقال شعيب الأرناؤوط فى تعليقه على المراسيل: رجاله ثقات.

(تعليق شعيب الأرناؤوط: ص ۱۱۸،مؤسسة الرسالة)

بیہقی سننِ کبری میں چند روایتیں مذکور ہیں بعض ان میں سے ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن الحارث قال قال على رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها.

وعن أبى سعيد الخدرى رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب رسول الله ﷺ عن رسول الله ﷺ أنه قال: "خير صفوف الرجال الأول وخير صفوف النساء الآخر وكان يأمر الرجال أن تجافوا فى سجودهم ويأمر النساء أن ينخفضن فى سجودهن وكان يأمر الرجال أن يفرشوا اليسرى وينصبوا اليمنى فى التشهد ويأمر النساء أن يتربعن. (یہ حدیث ضعیف ہے)

وعن مجاهد رحمہ اللہ تعالیٰ عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إذا جلست المرأة فى الصلاة وضعت فخذها على فخذ ها الأخرى وإذا سجدت ألصقت بطنها فخذيها كأسترما يكون لها. (یہ حدیث بھی ضعیف ہے)

(بيهقى سنن كبرى:۲/۲۲۲، باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافى فى الركوع والسجود، دارالمعرفة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه سئل عن صلاة المرأة ؟ فقال: تجتمع وتحتفز.

وعن إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ قال: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها ولتضع بطنها عليها.

وعن مجاهد رحمہ اللہ تعالیٰ: أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تصنع المرأة.

وعن إبراهيم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافى كما يجافى الرجل. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۲/ ٤ ٠ ٥،المرأة كيف تكون فى سجودها)

نیز مذکور ہے:

عن خالد بن اللجلاج رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قال: كن النساء يؤمرن أن يتربعن إذا جلسن فى الصلاة ولايجلس جلوس الرجال على أوراكهن، يتقى ذلك على المرأة مخافة أن منها شيء.

عن نافع: أن صفية رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا كانت تصلى وهى متربعة.

(مصنفِ ابن ابی شیبة:۲/ ٥ ٠ ٥،فى المرأة كيف تجلس فى الصلاة)

نیز مذکور ہے:

عن عبد ربه بن زيتون رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قال: رأيت أم الدرداء رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا ترفع يديها حذومنكبيها حين تفتتح الصلاة.

وعن عطاء رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ سئل عن المرأة: كيف ترفع يديها فى الصلاة ؟ قال: حذوثديها.

وعن حمار رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: أنه كان يقول فى المرأة إذا استفتحت الصلاة:ترفع يديها إلى ثديها. والله اعلم. (مصنفِ ابن أبى شيبة:۲/ ٤ ٢ ،فى المرأة اذا افتتحت الصلاة إلى اين ترفع يديها، المجلس العلمى)

سلفی حضرات کا استدلال اور اس کا جواب:

سوال: سلفی حضرات مرد اور عورت کی نماز کے فرق کے قائل نہیں ہے اور استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں "صلوا كما رأيتمونى أصلى" اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث بالا کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں (۱) یا تو اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کی نماز کا بیان ہے۔ (۲) یا صرف مرد کی نماز کا بیان ہے۔ اور یہ دوسرا معنی متعین ہے ان احادیث و آثار کی وجہ سے جو مرد اور عورت کی نماز کے فرق پر دلالت کرتی ہیں جو پہلے ذکر کی جا چکی۔

نیز مرد اور عورت کی نماز کا فرق بہت ساری چیزوں میں پایا جاتا ہے حتی کہ شرائط میں بھی جس کا انکار سلفی حضرات بھی نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ ہو:

(۱) مرد عورت کے ستر میں فرق ہے۔ اور ستر کا چھپانا شرائط نماز میں سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ: "لایقبل اللّٰه صلاة حائض إلابخمار" رواه الترمذی وقال: حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث حسن، والعمل علیه عندأهل العلم أن المرأة إذا أدرکت فصلت وشیء من شعرها مکشوف لاتجوزصلاتها.

(ترمذی شریف: ۱/۸۶،باب ماجاء لاتقبل صلاة حائض إلابخمار۔ ورواه ابو داؤد: ۱/۹۴،باب المرأة تصلی بغیرخمار)

نیز مردوں کے لئے اسبالِ ازار مکروہ تحریمی ہے اور عورتوں کے لئے ضروری ہے تاکہ قدمین کے اوپر کا حصہ چھپا رہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها سألت النبی ﷺ أتصلی المرأة فی درع وخمارلیس علیها إزارقال: إذاکان الدرع سابغًا یغطی ظهورقدمیها. (رواه ابو داؤد: ۱/۹۴،باب فی کم تصلی المرأة)

(۲) مردوں کے لئے نماز باجماعت مسجد میں سنتِ مؤکدہ ہے واجب کے قریب، اور عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے، بلکہ اس زمانہ میں تو گھر ہی میں پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیرمن صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتهاخیرمن صلاتها فی دارهاوصلاتها فی دارها خیرمن صلاتها خارج. رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلازید بن مهاجر.

(مجمع الزوائد: ۲/۳۴،باب خروج النساء الی المساجد)

وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلاة المرأة فی بیتهاأفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذاخرجت استشرفها الشیطان. رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح. (مجمع الزوائد: ۲/۳۴،باب خروج النساء الی المساجد،دارالفکر)

(۳) نماز جمعہ مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلاأربعة عبد مملوك أوامرأة قال أبوداؤد: طارق بن شهاب قد رأی النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئًا. (رواه ابو دواؤد: ۱/۱۵۳،باب الجمعة للمملوك والمرأ،سعید)

وفی التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد: وقال البیهقی رحمہ اللہ تعالیٰ: فی المعرفة هذا هو المحفوظ مرسل وهو مرسل جید وقد أسنده عبیداللّٰه بن محمد العجلی فقال: عن طارق عن موسیٰ. (التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد:۱/۱۵۳)

(۴) عورت نہ اذان دے سکتی ہے نہ اقامت۔

قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیس علی النساء أذان. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۱۲۷)

(۵) تنبیہ کے لئے مرد تسبیح پڑھے اور عورت تسبیح نہ پڑھے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال.

(رواه البخاری:۱/۱۶۰/۱۱۸۹،باب التصفیق للنساء،فیصل)

(۶) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مغرب عشاء اور فجر میں جہراً قراءت فرماتے تھے۔تو کیا ان اعتراض کرنے والوں کی عورتیں بھی جہر کرتی ہیں؟ اگر کرتی ہیں تو کیا یہ صحابیات سے ثابت ہے؟ واللہ اعلم۔

حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم:

سوال: حالتِ قیام فی الصلاہ میں عورتیں دونوں قدموں کو ملا کر رکھیں یا بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں؟

الجواب: عورتوں کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اور اس مقام پر مرد و عورت میں فرق نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن تفریج القدمین فی القیام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلی الخشوع. وفی الطحطاوی: نص علیه فی کتاب الأثر عن الإمام ولم یحك فیه خلافًا.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۲۶۲، فصل فی بیان سننها، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۴۴۴، بحث القیام، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۷۳، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاة)

امداد الاحکام میں ہے:

قال فی الدر المختار: وینبغی أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع هکذا روی عن أبی النصر الدبوسی أنه کان یفعله کذافی الکبری.....اس سے معلوم ہوا کہ بحالتِ قیام دونوں پیروں میں چار انگل کا فصل مناسب ہے، اور اسی حکم سے کسی جگہ عورتوں کو مستثنیٰ نہیں

کیا گیا پس ان کے لئے بھی یہی مناسب ہے ہاں رکوع وسجود کی کیفیت مرد وعورت کی مختلف ہے، واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/٤٦٦،دارالعلوم کراچی)

تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ:

سوال: عورت نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی؟

الجواب: عورت کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن وائل بنحجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن حجر إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها. رواه الطبرانی فی حدیث طویل فی مناقب وائل من طریق میمونة بنت حجر عن عمتها أم یحیی بنت عبد الجبار ولم أعرفها وبقیة رجاله ثقات.

(مجمع الزوائد:۲/۱۰۳،دارالفکر۔ وکذا فی اعلاء السنن:۲/۱۸۳،ادارۃ القرآن)

مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

عن عبد ربه بن زيتون قال: رأيت أم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترفع كفيها حذو منكبيها حين تفتتح الصلاة. (مصنف ابن أبی شيبة: ۲/٤۲۱،المجلس العلمی)

جزء رفع الیدین للبخاری میں ہے:

عن عبد ربه بن سليمان بن عمير قال: رأيت أم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترفع يديها فی الصلاة حذو منكبيها. (جزء رفع اليدين للبخاری:ص)

بدائع الصنائع میں ہے:

وروى محمد بن مقاتل الرازی عن أصحابنا أنها ترفع يديها حذو منكبيها.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۹۹، سعید۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۳۰۵،کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے:

(والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها) هو الصحيح لأنه أستر لها. واللّٰه اعلم.

(هداية:۱/۱۰۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾

وعن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:

﴿قیل یارسول اللّٰہ أیّ الدعاءِ أسمع قال: "جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات"﴾

باب.....﴿۴﴾

نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان

باب.....﴿۴﴾

نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا حکم:

سوال: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی جہری دعاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرائض کے بعد اجتماعی انفرادی دعاء کرنے کا ثبوت احادیث اور کتب فقہ میں ملتا ہے، لہذا فرض نمازوں کے بعد دعاء کرنا اولیٰ اور افضل ہے، البتہ اجتماعی جہری دعاء سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ مسبوقین کو خلل نہ ہو، اور دعاء کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء مانگیں اور دعاء سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔ (اعدل قول یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان نمازوں کے بعد امام مختصر سی دعاء کر کے سنتوں میں مشغول ہو جائے زیادہ دیر نہ کرے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أدعوا ربكم تضرعًا و خفية﴾. (سورة الأعراف:الآية:٥٥)

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعاء کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔

(معارف القرآن:٣ /٥٧٦، ادارة المعارف)

قال الله تعالىٰ: ﴿أدعونى استجب لكم﴾. (سورة المؤمن: الآية: ٦٠)

ترجمہ: تم مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ (معارف القرآن: ٦٠٩/٧)

وقال تعالىٰ: ﴿أجيب دعوة الدا ع إذا دعان﴾. (سورة البقرة:الآية:١٨٦)

ترجمہ: قبول کرتا ہوں دعاء مانگنے والے کی دعاء کو جب مجھ سے دعاء مانگے۔ (معارف القرآن:١/ ٤٥٠)

اجتماعی دعا کی طرف سننِ ابن ماجہ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: لايؤم عبد فيخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (ابن ماجه شريف:ص٦٦،باب لايخص الإمام نفسه بالدعاء،قديمى)

یعنی کوئی آدمی امامت کرنے بعد اپنے آپ کو دعا کے ساتھ خاص نہ کرے اگر ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کے ساتھ خیانت کی اس سے نماز کے اندر کی دعا مراد نہیں کیوں کہ اس میں مفرد کے الفاظ ہیں بلکہ اس کے بعد اجتماعی دعا کی طرف اشارہ ہے۔

فرائض کے بعد دعاء کرنے کا ثبوت احادیث سے:

بخاری شریف میں ہے:

كتب المغيرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلى معاوية بن أبى سفيان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ كان يقول فى دبر صلاته إذا سلم: "لاإله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت ولامعطى لما منعت ولاينفع ذا الجد منك الجد".

(رواه البخارى:۲/۹۳۷/۶۰۸۵،باب الدعاء بعدالصلاة،فيصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبى أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:قيل يارسول الله أىّ الدعاء أسمع قال: "جوف الليل الآخر ، ودبر الصلوات المكتوبات".

(رواه الترمذى:وقال: هذا حديث حسن:۲/۱۸۷،باب ماجاء فى جامع الدعوات،فيصل)

بخاری شریف میں ہے:

كان سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كمايعلم المعلم الغلمان الكتابة يقول: إن رسول الله ﷺ كان يتعوذ منهن دبر الصلاة "اللّٰهمّ إنى أعوذبك من الجبن وأعوذ بك أن أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وأعوذبك من عذاب القبر "فحدثت به مصعبًا فصدقه. (رواه البخارى:۱/۳۹۶/۲۷۳۸، كتاب الجهاد،فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثًا وقال: "اللّٰهمّ أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام" قال الوليد فقلت للأوزاعى: كيف الاستغفار قال: يقول: استغفر الله، استغفر الله، استغفر الله.

(رواه مسلم:۱/۲۱۸،باب استحباب الذكر بعدالصلاة،فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبى الزبير قال:سمعت عبدالله بن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ على المنبر يقول: كان النبى ﷺ إذا انصرف من الصلاة يقول: "لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا إله إلا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون أهل النعمة والفضل والثناء الحسن لاإله إلا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون".

وفی روایة له: عن زیدبن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت نبی اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم یقول دبر صلاته: "اللّٰهمّ ربنا ورب کل شیء أنا شهید أنك أنت الرب وحدك لاشریك لك

وفی روایة له: عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا سلم من الصلاة قال: "اللّٰهمّ اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت أعلم به منی أنت المقدم وأنت المؤخر لاإله إلا أنت".

(روی الثلاثة أبو داؤد: ۱/۲۱۱، باب مایقول الرجل اذاسلم، سعید)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: کان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی الصبح قال: "اللّٰهمّ إنی أسألك علمًا نافعًا وعملًا متقبلًا ورزقًا طیبًا".

وعن مسلم بن أبی بکرة قال: کان أبی یقول فی دبر الصلاة: "اللّٰهمّ إنی أعوذ بك من الکفر والفقر وعذاب القبر" وکنت أقولهن فقال لی أبی: أی بنی عمن أخذت هذا؟ قلت: عنك، قال: إن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقولهن فی دبر الصلاة.

وعن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مادنوت من رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فی دبر صلاة مکتوبة ولاتطوع إلاسمعته یقول: "اللّٰهمّ اغفرلی ذنوبی وخطایای کلها اللّٰهمّ انعشنی واجبرنی واهدنی لصالح الأعمال والأخلاق إنه لایهدی لصالحها ولایصرف سیئها إلاأنت".

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان مقامی بین کتفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی قبض فکان یقول إذا انصرف من الصلاة "اللّٰهم اجعل خیرعمری آخره وخیرعملی خواتمه واجعل خیر أیامی یوم ألقاك".

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم یدعو بهذه الدعوات کلما سلم "اللّٰهمّ لا تخزنی یوم القیٰمة ولا تخزنی یوم البأس فإن من تخزه یوم البأس فقدأخزیته".

(عمل الیوم واللیلة لابن السنی رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۳۱-۳۶، باب مایقول فی دبرصلاة الصبح)

دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن یحییٰ بن سعید وشریك سمعا أنسًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه حتی رأیت بیاض إبطیه. (رواه البخاری: ۲/۸۳۹/۶۰۹۶، باب رفع الأیدی فی الدعاء، فیصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا رفع يديه فى الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (رواه الترمذى: ۲/۱۷۶، باب ماجاء فى رفع الأيدى عند الدعاء، فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إن ربكم حي كريم يستحي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا.

وفى رواية له: عن السائب بن يزيد عن أبيه أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان إذا دعا فرفع يديه مسح وجهه بيديه.

وفى رواية له: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سلوا الله ببطون أكفكم ولاتسئلوه بظهورها فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم.

وفى رواية له: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: المسئلة أن ترفع يديك حذو منكبيك أو نحوهما. (روای الأحاديث الأربعة أبوداؤد: ۱/۲۰۹، باب الدعاء، سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: مامن عبد بسط كفيه فى دبر كل صلاة ثم يقول: "اللّٰهمّ إلٰهى وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب إلا كان حقًا على الله عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة: ص۱۳۸/۳۸، باب مايقول فى دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: مارفع قوم أكفهم إلى الله عزّوجلّ يسألونه شيئًا إلاحقًا على الله أن يضع فى أيديهم الذى سألوا.

(رواه الطبرانى ورجاله رجال الصحيح۔ مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹، باب ماجاء فى الإشارة فى الدعاء ورفع اليدين، دارالفكر)

قال الشيخ أحمد الصديق الغمارى فى رسالته "المنح المطلوبة": نص الحافظ السيوطى رحمہ اللہ تعالیٰ فى شرحه على "تقريب النواوى" المسمى "بتدريب الراوى" على أن أحاديث رفع اليدين فى الدعاء تواترت عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تواترًا معنويًا، فقال فى مبحث المتواتر ما نصه: "ومنه ما تواتر معناه، كأحاديث رفع اليدين فى الدعاء، فقدروي عنه صلی اللہ علیہ وسلم نحو مئة حديث فيه رفع يديه فى الدعاء. وقد جمعتها فى جزء لكنها فى قضايا

مختلفة، فكل قضية منها لم تتواتر، والقدر المشترك فيها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع". (المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة:وهی مندرجة فی ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء: ص ۵۳،حلب)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الصلاة مثنٰى مثنٰى تشهد فی كل ركعتين وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديك يقول ترفعهما إلى ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول يارب يارب ومن لم يفعل ذلك فهو كذا وكذا. قال أبو عيسىٰ: وقال: غير ابن المبارك فی هذا الحديث من لم يفعل ذلك فهو خداج.

(رواه الترمذی: ۱/۸۷، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاة،فیصل)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي ﷺ أنه قال: ما من عبد بسط كفيه فی دبر كل صلاة ثم يقول: "اللّٰهمّ إلٰهی وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب إلا كان حقًا على اللّٰه عزّوجلّ أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل الیوم واللیلة:ص ۱۳۸/۳۸،باب مایقول فی دبر صلاة الصبح،دائرة المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن يحيىٰ قال: رأيت عبداللّٰه بن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورأى رجلاً رافعًا يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال: إن رسول اللّٰه ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. (رواه الطبرانی وترجم له فقال محمد بن أبی يحيىٰ الأسلمي عن عبداللّٰه بن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورجاله ثقات۔ مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹،باب ماجاء فی الإشارة فی الدعاء ورفع الیدین،دارالفکر)

معجم صغیر میں ہے:

قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فلقد رأيت رسول اللّٰه ﷺ كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم..... (المعجم الصغیر للطبرانی: ۲/۱۹۵،دارالفکر)

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ رفع يده بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة، فقال: "اللّٰهمّ خلص الوليد بن الوليد..... واللّٰه اعلم.

(اخرجه ابن ابی حاتم فی تفسیره: ۲۰/۳۶۸/۵۹۰۷،تحت قوله تعالیٰ: ﴿لایستطیعون حیلة﴾ (سورة:النساء: الآیة:۹۸)

دعاء کے اختتام پر "سبحان ربك" کی جگہ "ربنا" کہنے کا حکم:

سوال: بہت سے حضرات نماز کے بعد دعاء کے اختتام پر "سبحان ربك رب العزة....." کی جگہ "سبحان ربنا رب العزة....." پڑھتے ہیں کیا ان الفاظ سے دعاء ختم کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو "ربنا" میں تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ اور نصوص میں کلماتِ مذکورہ بالا "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين" کے پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نیز احادیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام مثلاً نماز، دعاء اور مجلس وغیرہ کا اختتام ان کلمات سے ہو تو اس کی بہت فضیلت ہے۔ البتہ لفظ ربک کو ربنا میں تبدیل کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن منصوص کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع بھی ہے کہ آپ ﷺ ربک پڑھتے تھے جیسا کہ روایات میں مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن زيد بن أرقم عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: من قال فی دبر صلاة "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين" ثلاث مرات فقد اكتال بالجريب الأوفىٰ من الأجر.

(رواه الطبرانی فی معجمه الكبير: ۵/۲۱۱، مكتبة العلوم والحكم)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أبی سعيد الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ كان إذا فرغ من صلاته قال: لاأدری قبل أن يسلم أوبعد أن يسلم يقول: "سبحان ربك رب العزة عمايصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(رواه ابن السنی فی عمل اليوم والليلة: ص ۳۳، باب مايقول فی دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف العثمانية)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی سعيدالخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ غيرمرة ولامرتين يقول فی آخر صلاته أوحين ينصرف "سبحان ربك رب العزة عمايصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". (مصنف ابن أبی شيبة: ۱/۲۶۹)

تفسیر ماوردی میں ہے:

روى الشعبي قال: قال رسول الله ﷺ "من سره أن يكتال بالمكيال الأوفىٰ من الأجر يوم القيامة فليقل في آخر مجلسه حين يريد أن يقوم "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(تفسیرماوردی: ۵/۷۴۔ وتفسیرابن ابی حاتم: ۱۰/۳۲۳۴/۱۸۳۲۲)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى فليقل عند فراغه من صلاته "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(مصنفِ عبدالرزاق: ۲/۲۳۶/۳۱۹۶)

طبرانی میں ہے:

كنا نعرف انصراف رسول الله ﷺ بقوله: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". (المعجم الكبير: ۱۱/۱۱۵)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من أحب أن يكتال بالمكيال الأوفى فليقرأ آخر مجلسه أو حين يقوم "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(حلیۃ الاولیاء: ۷/۱۲۳، دارالکتاب العربی)

مزید تفصیل ملاحظہ ہو: (احكام القرآن للقرطبي: ۱۵/۱۴۱، سورة الصافات۔ والدرالمنثور: ۷/۱۴۱، دارالفكر۔ وروح المعاني: ۲۳/۱۵۹، دارالتراث)

ان الفاظ کا پڑھنا بطورِ حکایت ہوگا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی بات نقل کرتے ہیں انہوں نے سبحان ربک فرمایا ہے اوران کے فرمان کے مطابق ہم ان کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، جیسے حدیث میں "وأنا أول المسلمين" اور "وأنا من المسلمين" دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ سے اقتباس جائز ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر المعانی میں ہے:

وأما الاقتباس فهو أن يضمن الكلام نظمًا كان أو نثرًا شيئًا من القرآن أو الحديث لا على أنه منه ولا بأس بتغيير يسير في اللفظ المقتبس للوزن وغيره. (مختصر المعانی: ۱/۴۵۶)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین آیتِ ذیل کے بارے میں۔ ﴿فاطر السمٰوٰت

والأرض أنت ولیی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلمًا وألحقنی بالصٰلحین﴾. اگراس آیت کوکوئی دعا کی جگہ میں جمع کے صیغوں سے پڑھے۔یعنی "توفنا مسلمًا وألحقنا بالصالحین". تو کیااس سے کوئی گناہ ہوتا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا صیغہ استعمال کرنا کفریہ کلمات بن جاتے ہیں،توحکمِ شرع کوتحریرفرما کر مشکورومنون فرمادیں۔

الجواب: یہ اقتباس کی ایک قسم جوکہ اجماعاً جائز ہے۔قال فی خزانة الأدب ثم اعلم أنه یجوز أن یغیر لفظ المقتبس منه بزیادة ونقصان أوتقدیم أو تأخیر أو إبدال الظاهر من المضمر أو غیر ذلك. والله اعلم.

(هٰكذافی هوامش عقود الدرر:ص ٤٥٠)۔ فقط (فتاوی فریدیه:١/ ٢٤٠،مایتعلق بالقرآن والتفسیر)

رمضان مبارک میں تراویح کے بعد قبل الوتر دعاء کرنے کا حکم:

سوال: رمضان مبارک مین ہماری مسجد میں وتر کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی ہے اور بعض احباب نوافل میں مشغول ہوتے ہیں تو کیاان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمارے اکابر کا طریقہ تراویح کے بعد وتر سے پہلے دعاء کرنے کا ہے نہ کہ وتر کے بعد نیز ختم قرآن کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے لہٰذا اگرآپ حضرات وتر کے بعد دعاء کرنے کے بجائے تراویح کے بعد کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اس میں تمام احباب کی دلجوئی بھی ہوگی اور انتظار کی ضرورت اور مشقت بھی پیش نہیں آئے گی۔تاہم اگرکوئی شخص دعاء میں شریک نہ ہوتو لعن طعن اور اختلاف نہیں کرنا چاہئے اس سے بچنا چاہئے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بعد ختم تراویح دعاء مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے۔پھر وتر کے بعد دعاء ضروری نہیں ایک بار کافی ہے۔یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:٤/٢٥٣)

نیز مذکور ہے:

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعاء مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعاء کا ہے اس لئے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعاء بعد التراویح وبعد الختم ہے۔ واللہ اعلم۔ (دارالعلوم دیوبند:٤/٢٧١)

فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ یا حدیث سنائی جاتی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سنتوں میں تاخیر کا باعث ہے اور بدعت ہے لہٰذا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے قبل مختصر مسئلہ بیان کرنے یا حدیث سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو بدعت کہنا درست نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ فرض نمازوں کے بعد اذکار وادعیہ وغیرہ پڑھتے تھے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ نیز فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا بھی ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذاسلم: عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبى ﷺ إذاصلى صلاةً أقبل علينا بوجهه.

وعن زيدبن خالد الجهنى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: صلى رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على أثرسماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم عزوجل قالوا: الله ورسوله أعلم قال: أصبح من عبادى مؤمن بى وكافربالكوكب فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بى كافربالكوكب وأما من قال: مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافربى مؤمن بالكوكب. (رواهما البخارى: ۱/۱۱۷/۸۳۷،۸۳۸، فيصل)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والحكمة فى استقبال المأمومين أن يعلمهم ماكانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذاكان ينبغى أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبى ﷺ من قصد التعليم والموعظة. والله اعلم. (عمدة القارى: ٤/٦١٨، دارالحديث، ملتان۔ وهكذافى فتح البارى: ٢/٣٣٤، دارنشرالكتب الإسلامية)

حضرت عائشہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی روایت کا مطلب:

سوال: حدیث شریف میں ہے "كان النبي ﷺ لايقعد بعد السلام إلامقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" اس روایت کا کیا جواب ہے؟ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

الجواب: علماء نے اس کے چند جوابات دئے ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) یہ روایت ان روایاتِ صحیحہ کثیرہ کے مخالف ہے جو بکثرت آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف منقول ہیں۔

(۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہے، (۱) ابوخالد الاحمر، (۲) ابومعاویہ الضریر، (۳) عاصم بن سلیمان الاحول۔

(۳) اس حدیث شریف میں لفظ "لا یقعد" ہے "لم یقرأ" نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ اتنی مقدار بیٹھ کر پڑھتے ہو اور بقیہ اذکار کھڑے ہونے کی حالت میں پورے کرتے ہو۔

(۴) اس حدیث میں حقیقی مساوات مراد نہیں ہے، بلکہ ایک اندازہ ہے لہٰذا اس کے بقدر دوسرے اذکار کا پڑھنا جائز ہوگا۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ جانبِ قبلہ میں اتنی مقدار بیٹھتے تھے پھر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر باقی اذکار پورے فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو التحفۃ المرغوبۃ میں ہے:

إن قيل: ورد في حديث مسلم عن عائشة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا فما الجواب عنه؟

قلت: لنا أجوبة أربعة:

الجواب الأول: إن هذا الحديث سنده ضعيف، لأن مداره على ثلاثة رجال:

الأول: أبو خالد الأحمر: اتفق أهل العلم بالنقل أن أباخالد لم يكن حافظًا وأنه روى أحاديث عن الأعمش وغيره لم يتابع عليها، وقال ابن معين: أبو خالد صدوق لكنه ليس بحجة، وقال أبو هشام الرفاعي: هو في الأصل صدوق لكنه إنما أتى من سوء حفظه فيغلط ويخطىء.

والثاني: أبو معاوية الضرير، قال: عبدالله بن أحمد سمعت أبي يقول: أبو معاوية الضرير في غير حديثه عن الأعمش مضطرب، لا يحفظها حفظًا جيدًا، وقال ابن معين: كان يروى عن عبدالله بن عمر مناكير، وقال أبو داؤد: كان أبو معاوية مرجئًا وقال مرة: كان رئيس المرجئة بالكوفة،

قلت: ومعلوم أن هذا الحديث لم يروه أبو معاوية عن الأعمش، بل عن عاصم الأحول فيكون مضطربًا.

الثالث: عاصم بن سليمان الأحول عن يحيى بن سعيد القطان: لم يكن بالحافظ وقال إدريس: أنالا أروى عنه شيئًا، وتركه وهيب لأنه أنكر بعض سيرته.

الجواب الثانی: إن لفظه أنه لم يقعد، وليس أنه لم يقرأ، فجاز أن يكون يقعد هذا القدر ثم يأتى بالأذكار قائمًا.

الجواب الثالث: إن هذا الحديث معارض لجميع الأحاديث الواردة فى الذكر والدعاء بعد المكتوبة، المتقدم ذكرها فترجح تلك الأحاديث لكون كثير منها مخرجة فى "الصحيحين" ومافى "الصحيحين" أصح مما فى "صحيح مسلم".

الجواب الرابع: إن قولها: "إلامقدارما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" ليس المراد به المساواة التحقيقية بل التقريبية

(مختصر التحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعد المكتوبة للشيخ محمد هاشم السندی:ص ٤٤،المطبوعات الاسلامية بحلب)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وقول عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقدارما يقول يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلك بعينه بل كان يقعد زمانًا يسع ذلك المقدار ونحوه من القول تقريبًا فلاينافى ما فى الصحيحين عن المغيرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول فى دبر صلاة مكتوبة: "لاإله إلااللّٰه وحده لاشريك له....." لأن المقدار المذكور من حيث التقريب دون التحديد قد يسع كل واحد من نحو هذه الأذكار لعدم التفاوت الكثير بينهما وكون التقدير بالتقريب فى التخمين دون التحديد والتحقيق. واللّٰه أعلم. (شرح منية المصلی:ص ٣٤٢،سهيل اكيڈيمی)

مزید ملاحظہ ہو: ("النفائس المرغوبة فی حكم الدعاء بعد المكتوبة" ص ۱۲ ،فصل سوم،از مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، کراچی)۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

سوال: فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

الجواب: امام کو اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کرے مگر داہنی طرف سے افضل ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کارِ خیر میں داہنی جانب پسند فرماتے تھے۔ مگر گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے تا کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ينصرف عن يمينه. (رواه مسلم)

وعن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئًا من صلاته يرى أن حقًا عليه أن لاينصرف إلاعن يمينه لقد رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره.

(متفق عليه)

وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال:فسمعته يقول: "رب قنی عذابك يوم تبعث أوتجمع عبادك.

(رواه مسلم۔ مشكوٰة شريف:۱/۸۷،باب الدعاء فی التشهد،قديمی)

ترمذی شریف میں ہے:

عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعًا على يمينه وعلى شماله قال أبوعيسىٰ: حديث هلب حديث حسن والعمل عليه عند أهل العلم أنه ينصرف على أي جانبيه شاء إن شاء عن يمينه وإن شاء عن يساره وقد صح الأمران عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.

(ترمذی شریف:۱/۶۶،باب ماجاء فی الانصراف عن يمينه وعن يساره،فيصل)

درمختار میں ہے:

وخيره فی المنية: بين تحويله يمينًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبيته، واستقباله الناس بوجهه ولودون عشرة. وفی الشامی:لكن التخييرفی المنية هوأنه إن كان فی صلاة لاتطوع بعدها، فإن شاء انحرف عن يمينه أويساره أوذهب إلى حوائجه واستقبل الناس بوجهه، وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أويتاخرأوينحرف يمينًا أوشمالاً أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمه، بل فی شرح المنية إن انحرافه عن يمينه أولىٰ، وأيده بحديث فی صحيح مسلم وذكره النووی أنه عنداستواء الجهتين فی الحاجة وعدمها، فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين فی باب المكارم ونحوهاكما فی الحلية. والله اعلم.

(الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۵۳۱، سعيد)

نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں، ان دونوں کے بعد امام کو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے یا قبلہ رخ بیٹھنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کو تمام نمازوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم عن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (رواه البخاري:١/١٨١،فيصل)

قال العلامة العيني رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح هذا الحديث:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة، وقيل: الحكمة فيه تعريف الداخل بأن الصلاة انقضت إذ لو استمر الإمام على حاله لأوهم أنه في التشهد مثلا. (عمدة القاري:٤/٦١٨ دار الحديث،ملتان)

وقال في موضع آخر في شرح هذا الحديث:

وفيه استحباب إقبال الإمام بعد سلامه على أصحابه. (عمدة القاري: ٦/٢٩٩،دار الحديث ملتان)

فیض الباری میں ہے:

اعلم أن الإمام إن أراد الانصراف إلى بيته سلم وانصرف وإن أراد القعود فالسنة له أن يستقبل القوم جزمًا، وبه جزم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصرح به الجوزجاني في مبسوطه.

(فيض الباري:٢/٣١٦)

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے خزائن السنن میں فرمایا:

نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام سیدھا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر کر بیٹھے۔

قال في البحر الرائق: إن كان إماما وكانت صلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن مكانه إما يمنة أو يسرة أو خلفه والجلوس مستقبلا بدعة وإن كان لا يتنفل بعدها يقعد مكانه وإن شاء انحرف يمينًا وإن شاء استقبله بوجهه إلا أن يكون بحذائه مصل سواء كان في الصف الأول أو في الأخير والاستقبال إلى المصلى مكروه. (البحر الرائق:١/٣٣٥،كوئتة)

اور جن ادعیہ کا ذکر حدیث میں آتا ہے امام ان کو مقتدیوں کی طرف بیٹھ کر پڑھے۔

المتانة في مرمة الخزانة: (ص ۱۷۹) میں ہے: **وقد ثبت أنه ﷺ كان إذا صلى أقبل على أصحابه بوجهه فيحمل ما ورد من الدعاء بعد السلام على أنه كان يقوله بعد أن يقبل على**

أصحابه بوجهه الشريف فقد كان علية الصلاة والسلام يسرع الاستقبال إلى المأمومين فكان ينصرف عن يمينه ويساره. (خزائن السنن: ١٣٤، ١٣٥)

ترمذی شریف میں ہے:

ولايؤم قومًا فيخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (رواه الترمذی: ١/٨٢)

اس روایت سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے دعا میں سب کو شامل کرے۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد "اللّٰهمّ أنت السلام" کے علاوہ دعا کا حکم:

سوال: اگر فرض نماز کے بعد بیٹھ کر "اللّٰهمّ أنت السلام الخ" کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے مثلاً "اللّٰهم إني أعوذبك من عذاب جهنم" تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرض نماز کے بعد مختصر دعا فرماتے تھے اس میں کبھی "اللّٰهمّ انت السلام" اور کبھی دوسری دعا لہٰذا "اللّٰهم إني أعوذبك من عذاب جهنم" بھی پڑھ سکتے ہیں، نیز اس کے علاوہ بھی دیگر ادعیہ پڑھنا جائز ہے اور ماثور کا اتباع اولیٰ ہے بعض شارحین نے یہ تاویل کی ہے کہ "اللّٰهمّ أنت السلام" کی مقدار میں قبلہ کی طرف متوجہ رہتے تھے بعد میں مصلیوں کی طرف چہرہ مبارک پھیرتے تھے۔

معارف السنن میں ہے:

وحديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا لم يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" نص صريح في المراد وما يتخايل أنه لم يخالفه لم يقوقوته أو لم تلزم دلالته على ما يخالفه فوجب اتباع هذا النص، ثم إن ذلك تقريب، فقد يزيد قليلا وقد ينقص قليلا، وقد يدرج وقد يرتل ثم إنه لم يثبت مواظبته علىٰ ذكر خاص، فكان يقول تارةً هذا وتارةً ذلك

(معارف السنن: ٣/١١٩، بيان الأذكار بعد السلام، سعيد كمپنی)

بخاری شریف میں ہے:

عن مغيرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: "لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللّٰهم لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت ولاينفع ذا الجد منك الجد". (بخاری شریف: ١/١١٦، باب الذكر بعد الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قالت: كان رسول الله ﷺ إذا سلم لايقعد إلامقدارما يقول اللّٰهمّ أنت السلام الخ، وفی رواية عن النبی ﷺ أنه كان يقول بعد التسليم: "لا إله إلاالله وحده اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت" وروى أنه كان يقول: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". والله اعلم.

(ترمذی شریف: ۱/۶۶، باب ما یقول إذا سلم)

فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے:

سوال: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں بعض ائمہ حضرات اس کے بعد لمبی لمبی جہری دعائیں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان فرائض کے بعد مختصر دعا پر اکتفاء کرکے سنن ونوافل میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، لہٰذا جو ائمہ لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں ان کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تاکہ سنت اور فرائض میں زیادہ فاصلہ نہ ہو نیز مسبوقین کی نماز میں خلل بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو محدث العصر علامہ حضرت بنوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی معارف السنن میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ فی فتح القدير فی "باب النفل ۱/۳۱۳، ۳۱۴" ما ملخصه: أن المسنون عدم الفصل بين الفريضة والسنن إلا قدرما يقول: " اللّٰهمّ أنت السلام كما فی حديث عائشة رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا عند مسلم والترمذی وهو الذی ذكره فی شرح الحاكم الشهيد وذكره البقالی وماثبت عنه أنه ﷺ أنه كان يقول: "لاإله إلاالله وحده لاشريك له الخ" وأنه أرشد فقراء المهاجرين إلى التسبيحات وأخواتها ثلاثاً وثلاثين وغير ذلك دبر الصلاة فلايقتضی وصلها بالفريضة بل يصح كونهادبر الصلاة إذاكان عقيب السنة من غير اشتغال بما هوليس من توابع الصلاة وما ذكره الحلوانی من أنه لابأس بأن يقرأ الأوراد بين الفريضة والسنة فمفاده أيضا أن الأولى أن لايقرأها انتهى ملخصا وتحقيق الشيخ ابن الهمام هذا يطمئن إليه القلب أكثرمما يطمئن إلى ما أفاده الشاه ولی الله رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فی "حجة الله البالغة" فی أذكارالصلاة من الجزء الثانی من ذكره أذكارًا كثيرةً ثم قال: الأولىٰ أن يأتی بها قبل الرواتب الخ.....

(معارف السنن: ۳/۱۱۸-۱۱۹، باب ما یقول إذا سلم، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

ویکرہ تأخیر السنة إلابقدر اللّٰهمّ أنت السلام الخ قال الحلوانی: لابأس بالفصل بالأوراد واختارہ الکمال، قال الحلبی إن أرید بالکراهة التنزیهیة ارتفع الاختلاف قلت: و فی حفظی حملہ علی القلیل، وفی الشامی:قوله لابأس بالفصل الوارد أی القلیلة التی بمقدار اللّٰهمّ أنت السلام. واللہ اعلم۔ (الدرالمختار مع الشامی:۱/۵۳۱،سعید۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۱۱،قدیمی۔وفتاوی محمودیة:۵/۶۸۰، جامعہ فاروقیہ)

فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کی گنجائش ہے:

سوال: کیا اکابر میں سے کسی نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے تسبیحاتِ فاطمی اور اذکارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد ہاشم تتوی سندی، اور حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ تعالیٰ، ان حضرات نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے اذکارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

والأدعیة کلها بمنزلة أحرف القرآن، من قرأ منها شیئًا فازبالثواب الموعود، والأولیٰ أن یأتی بهذه الأذکارقبل الرواتب، فإنهاجاء فی بعض الأذکارمایدل علی ذلك نصًا، کقوله:من قال قبل أن ینصرف ویثنی رجلیه من صلاة المغرب والصبح: "لاإله إلا اللّٰه الخ، وکقول الراوی: کان إذا سلم من صلاته یقول بصوته الأعلیٰ: لاإله إلا اللّٰه الخ، قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کنت أعرف انقضاء صلاة رسول اللّٰه ﷺ بالتکبیر، وفی بعضها مایدل ظاهرًا کقوله: دبر کل صلاة، وأماقول عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: کان إذا سلم لم یقعد إلامقدار مایقول: "اللّٰهمّ أنت السلام الخ، فیحتمل وجوهًا:

منها: أنه کان لایقعد بهیئة الصلاة إلاهذا القدر، ولکنه یتیامن ویتیاسر، أویقبل علی القوم بوجهه، فیأتی بالأذکار، لئلایظن الظان أن الأذکارمن الصلاة.

ومنها: أنه کان حینًا بعدحین یترك الأذکارغیرهذه الکلمات، یعلمهم أنهالیست فریضة، وإنما مقتضی هذا کان وجود هذا الفعل کثیرًا، لامرة ولامرتین، ولاالمواظبة، والأصل فی

الرواتب أن يأتى بهافى بيته، والسرفى ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بمالیس من جنسها، وأن يكون فصلاً معتداً به يدرك بادى الرأى، وهوقول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة: اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلاأنه لم يكن بين صلواتهم فصل، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "أصاب اللّٰه بك يا ابن الخطاب" وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: " اجعلوهافى بيوتكم".

(حجة الله البالغة:۲/۵۱۔۵۲،مكتبة حجاز ديوبند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ "فتح الملہم" میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا عبارت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: فالإتيان بشيء من الأذكار والأدعية المأثورة بعد الفرائض متصلاً بها هو الراجح فی نظری، فإنه يفيد فصلاً زمانيًا بين الفريضة والنافلة، كما أن التحول من موضع الفريضة يفيد فصلاً مكانيًا، واللّٰه أعلم. (فتح الملهم:٤/٢٤٨،باب استحباب الذكر بعدالصلاة)

شیخ محمد ہاشم تتوی سندی "مختصر التحفۃ المرغوبۃ" میں فرماتے ہیں:

قدعلمت مما ذكرنا فى الباب الأول أن أصل الدعاء بعد المكتوبة سنة مستحبة، بقى الكلام فى أن الدعاء بعد المكتوبة قبل السنة هل هومكروه أم لا؟

فنقول: الأحاديث التى قدمناها فى الباب الأول كلها تدل بظاهرها أن دعاء النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان بعدالسلام مباشرة، قبل أن يصلي السنن الرواتب، كما هو المتبادر من قول رواة تلك الأحاديث: (إذا سلم)، (إذا انصرف)، و (إذا)هذه للمتبادرة، (دبر كل صلاة مكتوبة)، ونحو ذلك من الألفاظ.

وكثيرمن تلك الأحاديث يصرح رواتهامن الصحابة بأنهم سمعوا النبى صلی اللہ علیہ وسلم يدعو بتلك الدعوات كتوبة، ومعلوم أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان من هديه أداء السنن الرواتب والنوافل فى البيت، دون المسجد، فلولاأن النبى صلی اللہ علیہ وسلم أتى بتلك الدعوات بعد المكتوبة مباشرة، قبل أن ينصرف إلى بيته لما سمعوها من النبى صلی اللہ علیہ وسلم، كماهوظاهر.

وأماأن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلى السنن والنوافل فى البيت فتدل عليه أحاديث: ذكر منها أربعة. والله اعلم.

(مختصرالتحفة المرغوبة للشيخ محمد هاشم التتوى السندى:ص ٤١۔٤٦،الباب الثانى فى أن الدعاء بعدالمكتوبة قبل السنة جائزبلاكراهة بل هوأفضل من أن يكون بعدالسنة، مندرجة فى "ثلاث رسائل فى استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعدالصلوات المكتوبة" حلب)

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا: "بسم اللّٰه الذی لاإله إلاهو الرحمٰن الرحیم، اللّٰهمّ اذهب عنی الهمّ والحزن" نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے اور پڑھنا چاہئے اگر چہ حدیث ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ إذاسلم من صلاته مسح جبهته بيده اليمنى وقال: "بسم اللّٰه الذی لا إله إلا هو الرّحمٰن الرّحيم، اللّٰهمّ اذهب عنی الهمّ والحزن" غريب من حديث معاوية تفرد به عنه زيدالعمی وهو أبو الحوارى زيد بن الحوارى بصری فيه لين. (حلية الاولياء: ۲/۳۰۱، فی ترجمة معاوية بن قرة،دارالفكر)

مزید ملاحظہ ہو: (عمل اليوم والليلة:ص ۳۱، باب ما يقول فی دبر صلاة الصبح۔ومجمع الزوائد: ۱۰/۱۱۰، باب الدعاء فی الصلاة وبعدها،وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط والبزاربنحوه بأسانيد وفيه زيد العمی وقد وثقه غيرواحد وضعفه الجمهور،وبقية رجال أحدإسنادی الطبرانی ثقات، وفی بعضهم خلاف،دارالفكر۔ والدعاء للطبرانی:۱/۲۱۰۔ومعجم الأوسط للطبرانی: ۳/۲۴۳/۲۵۲۰،مكتبة المعارف الرياض)۔ (اس روایت کی تحقیق جلد اول کے "ابواب الحدیث" میں گذر چکی)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا "بسم اللہ" حصن حصین میں ہے اور حدیث اس بارے میں منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۱،مدلل ومكمل، دارالاشاعت۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۰۲،باب سنن الصلاة،دارالعلوم حقانیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾

﴿وقال رسول اللّٰہ ﷺ:

"زینوا القرآن باصواتکم"﴾

(رواہ أبو داود)

باب.....﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

باب.....۵

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کرلیا پھر تلاوت جاری رکھنا ہو تو استعاذہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کرلے پھر تلاوت جاری رکھنا چاہے تو استعاذہ پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب: تلاوت کے درمیان قراءت سے متعلق کام میں مشغول ہو تو پھر استعاذہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قراءت سے متعلق نہیں تو دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بظاہر قراءت سے متعلق ہے اس لئے کہ تلاوت ہی سے واجب ہوا ہے لہٰذا دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والتعوذ يستحب مرة واحدة مالم يفصل بعمل دنيوى.

(شرح منية المصلى: ص ٤٩٥، مسائل زلة القارى، سهيل اكيڈمى)

معارف القرآن میں ہے:

تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے ''اعوذ باللہ.....'' پڑھنا سنت ہے، مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت پھر دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

(معارف القرآن: ۳۸۹/۵، سورة النحل، ازمفتی محمدشفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

الاتقان میں ہے:

قال: وإذا قطع القراءة إعراضًا أوبكلام أجنبى ولورد السلام استأنف (الاستعاذة) ولو يتعلق بالقراءة فلا. (الاتقان فى علوم القرآن: ۲۹۳/۱، آداب التلاوة، بيروت)

النشر میں ہے:

إذا قطع القارى القراء ة لعارض من سوال أو كلام يتعلق بالقراء ة لم يعد الاستعاذة و ذلك بخلاف ما إذا كان الكلام أجنبيًا ولورد السلام فإنه يستأنف الاستعاذة وكذا لو كان القطع إعراضًا عن القراء ة كما تقدم، والله أعلم. والله اعلم۔ (النشر فی القراءات العشر:۱/۲۵۹)

﴿الرّحمن الرّحيم﴾ کو ﴿ربّ العلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم:

سوال: سورۂ فاتحہ میں ﴿الرّحمٰن الرّحيم﴾ کو ﴿ربّ العلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنا بہتر ہے یا ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض کے نزدیک ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، اس میں نبی پاک ﷺ کے طریقہ کی اتباع ہے اور جمہور کے ہاں وصل افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ يقطع قراء ته يقرأ: ﴿الحمدلله رب العلمين﴾ ثم يقف ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف..... (رواه الترمذی:۲/۱۲۰،ابواب القراءات، فيصل)

فی عرف الشذی: ويدل حديث الباب على الوقف على كل آية ويقال: لهذه الأوقاف أوقاف النبی ﷺ، والوقف على هذه الأوقاف مستحب وذكر الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ أن الوقف مستحب. (العرف الشذی علی سنن الترمذی:۲/۱۲۰)

مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال الله تعالىٰ: قسمت الصلاة بينی وبين عبدی نصفين ولعبدی ماسأل، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ قال الله تعالىٰ: حمدنی عبدی وإذا قال: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ قال الله تعالىٰ: أثنى على عبدی

(رواه مسلم:۱/۱۷۰،باب وجوب قراءة الفاتحة فی كل ركعة، فيصل)

جمع الوسائل میں ہے:

(ثم يقول: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف) والحاصل أنه كان يقف على رؤس الآی تعليمًا للأمة ولوفيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقی: والحليمی وغيرهما يسن أن

يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم في الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة في كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولوتعلقت بما بعدها وإنماالخلاف في أن الأفضل هل الوصل أوالوقف فالجمهور كالسجاوندي وغيره على الأول والجزري على الثاني وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنه ﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقًا بمابعده وقول بعض القراء الوقف على ماينفصل فيه الكلام أولىٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولىٰ والأعدل عدم العدول عما وردفي خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل في شرح الشمائل: ۱۱۲/۲، باب ماجاء في قراءة رسول الله ﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ وكذافي المرقاة: ۱۱/۵، مكتبه امداديه)

احسن الفتاوی میں ہے:

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۸۲/۳، باب القراءۃ)

آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا:

سوال: جب آیت کے معنی پورے نہ ہو تو اس پر وقف کرنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً والعصر پر وقف کرنا وغیرہ۔

الجواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت فرمایا ہے کہ رأس الآیۃ پر بعض کے نزدیک وقف بہتر ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے ہاں جمہور کے نزدیک وصل بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

(ثم يقول: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف) والحاصل أنه كان يقف على رؤس الآى تعليمًا للأمة ولوفيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقي والحليمي وغيرهما: يسن أن يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم في الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة في كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولوتعلقت بما بعدها وإنماالخلاف في أن الأفضل هل الوصل أوالوقف فالجمهور كالسجاوندي وغيره على الأول والجزري على الثاني وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنه ﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء

الوقف على ماينفصل فيه الكلام أولى غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولى والأعدل عدم العدول عما وردفى خصوص الوقف متابعة. والله اعلم. (جمع الوسائل فى شرح الشمائل: ۱۱۲/۲، باب ماجاء فى قراءة رسول الله ﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ وكذافى المرقاة: ۱۱/۵، مكتبہ امدادیہ)

نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ:

سوال: نمازِ جمعہ میں کونسی سورتیں پڑھنا مستحب ہے؟

الجواب: نمازِ جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ یا پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اسی طرح پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنا احادیث میں وارد ہے اور مستحب ہے۔ نیز گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے البتہ اکثر مستحب کی رعایت کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

وعن ابن أبى رافع قال: استخلف مروان أباهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ على المدينة وخرج إلى مكة فصلى لنا أبوهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فى الركعة الآخرة إذا جاء ك المنافقون، قال: فأدركت أباهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ حين انصرف فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان على بن أبى طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقرأ بهما بالكوفة فقال أبوهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إنى سمعت رسول الله ﷺ يقرأ بهمايوم الجمعة.

عن النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ فى العيدين وفى الجمعة بسبح اسم ربك الأعلىٰ وهل أتاك حديث الغاشية. وعن عبيد الله بن عبدالله قال: كتب الضحاك بن قيس إلى النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ يسئله أىّ شئ قرأ رسول الله ﷺ يوم الجمعة سوى سورة الجمعة فقال: كان يقرأ هل أتاك حديث الغاشية.

(صحيح مسلم شريف: ۲۸۷/۱-۲۸۸، فيصل۔ وكذافى جامع الترمذى: ۱۱۷/۱، باب ماجاء فى القراءة فى صلاة الجمعة، فيصل۔ وسنن أبى داود: ۱۵۹/۱، باب مايقرأ فى الجمعة، فيصل۔ وسنن النسائى: ۲۰۹/۱، كتاب الجمعة، قديمى۔ وسنن ابن ماجة: ص۷۸، قديمى۔ والسنن الكبرى للبيهقى: ۲۰۰/۳، باب القراءة فى صلاة الجمعة، دارالمعرفة۔ ومصنف ابن ابى شيبة: ۱۳۶/٤، مايقرأ به فى صلاة الجمعة، المجلس العلمى)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء على أن: كان لايقتضى المداومة، والدليل على ذلك مارواه مسلم من

حديث النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الخ قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقز أسورة السجدة وهل أتى فى الفجر كل جمعة. وقال الطحاوى رحمہ اللہ تعالیٰ: معناه إذا راه حتمًا واجبًا لايجزىء غيره أورأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها فى تلك الصلاة تبركًا أوتأسيًا بالنبى صلی اللہ علیہ وسلم، أولاجل التيسير فلاكراهة، وفى المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلك أحيانًا لئلايظن الجاهل أنه لايجوزغيره.

(عمدة القارى شرح صحيح البخارى: ٥/٣٦،باب مايقرأ فى صلاة الفجريوم الجمعة،دارالحديث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراءتهما أحيانًا وفى الشامى: وعلله فى الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقى وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراءتهماأحيانًا) وفى فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لاالمداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحيانًا تبركًا بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفى بالترك أحيانًا. (شامى: ١/٥٤٤،فصل فى القراءة،سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ١/٢٦٩ فصل فى مقدارالقراءة، سعيد۔واوجزالمسالك: ٢/٤٨٩،كتاب الجمعة، دارالقلم)۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں صرف سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر ثابت ہے اس کے علاوہ ثابت نہیں؟ نیز اس پر مداومت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا پڑھنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے البتہ مداومت ثابت نہیں ہے اس کے علاوہ سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ مستحب پر مداومت مکروہ ہے لہٰذا کبھی کبھی ترک بھی مناسب ہے۔ نیز دیگر روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ سورت پڑھنا بھی ثابت ہے جس میں آیتِ سجدہ ہو۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ فى الفجريوم الجمعة الٓمٓ تنزيل

وهل أتى على الإنسان.

(رواه البخاری: ۱/۱۲۲/۸۸۱، باب مایقرأ فی صلاة الفجریوم الجمعة ومسلم عنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۱/۲۸۸، باب فی قراءة الٓمٓ تنزیل وهل أتی فی صلاة الفجریوم الجمعة۔ والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وقال: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث حسن صحیح، ۱/۱۱۷، باب ماجاء فی مایقرأ فی صلاة الصبح یوم الجمعة۔ وابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۱/۱۵٤، باب مایقرأ فی صلاة الصبح یوم الجمعة۔ والنسائی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱/۱۵۱، القراءة فی الصبح یوم الجمعة۔ وابن ماجه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ص ۵۹، باب القراءة فی صلاة الفجریوم الجمعة۔ وأحمد فی مسنده عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۷/٤۰۹/۳۳۸۳۔ وابن أبی شیبة: ٤/۱۳٤/۵٤۹۰، المجلس العلمی)

عرف الشذی میں ہے:

السورة المأثورة فی الصلوات مستحبة اعتیادهاعندنا کمافی البحر والحلیة ویدعها مرة أومرتین کیلا یفسد عقائد من خلفه من عدم صحة هذه الصلاة بدون هذه السور.

(العرف الشذی علی هامش الترمذی:۱/۱۱٦)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أکثر العلماء علی أن: کان لایقتضی المداومة، قلت: الکوفیون مذهبهم کراهة قراءة شیء من القرآن مؤقتة لشیء من الصلوات أن یقرأسورة السجدة وهل أتی فی الفجر کل جمعة. وقال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: معناه إذا راٰه حتمًا واجبًا لایجزیء غیره أورأی القراءة بغیرها مکروهة، أما لوقرأهاْ فی تلك الصلاة تبرکًا أوتأسیًا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم، أولاجل التیسیرفلاکراهة، وفی المحیط: بشرط أن یقرأ غیرذلك أحیانًا لئلایظن الجاهل أنه لایجوزغیره. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۵/۳٦،باب مایقرأ فی صلاة الفجریوم الجمعة، دارالحدیث)

درمختار میں ہے:

ویکره التعیین کالسجدة وهل أتی لفجر کل جمعة، بل یندب قراء تهما أحیانًا وفی الشامی: وعلله فی الهدایة بقوله لمافیه من هجر الباقی وایهام التفضیل(قوله بل یندب قراء تهما أحیانًا) وفی فتح القدیر: لأن مقتضی الدلیل عدم المداومة لاالمداومة علی العدم کما یفعله حنفیة العصر، فیستحب أن یقرأ ذلك أحیانًا تبرکًا بالمأثور، فإن لزوم الایهام ینتفی بالترك أحیانًا. واللّٰه اعلم. (شامی:۱/٤٤۵،فصل فی القراءة،سعید)

بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب:

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ وسورۂ دہر ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بلوغ المرام میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان رسول الله ﷺ يقرأ فی صلاة الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتی علی الإنسان، وللطبرانی من حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، يديم ذلك.

(بلوغ المرام: ۲۸۸/۸۶، باب صفة الصلاة۔ ومجمع الزوائد: ۲/۶۸، دارالفکر)

جبکہ فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں اور کبھی کبھی چھوڑنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصل دلیل اس میں کیا ہے اور اس روایت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مداومت ثابت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی فجر میں دیگر سورتیں پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے مثلاً بعض روایات میں ہے کہ سورۂ روم پڑھی اور بعض میں ہے سورۂ تبارک پڑھی۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "كان النبی ﷺ يقرأ فی صلاة الجمعة ﴿بسورة الجمعة وسبح اسم ربك الأعلی﴾ وفی صلاة الصبح يوم الجمعة ﴿الٓمٓ تنزيل وتبارك الذی بيده الملك﴾". (مصنف عبد الرزاق: ۳/۱۸۱/۵۲۳۸، باب القراءة يوم الجمعة، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن عبد الملك بن عمير أن النبی ﷺ قرأ فی الفجر يوم الجمعة بسورة الروم.

(مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۱۷/۲۷۳۰، باب القرائة فی صلاة الصبح)

اسی وجہ سے فقہاء نے مستحب لکھا ہے ورنہ دوام تو وجوب یا سنت مؤکدہ ہونے کی علامت ہے، اور مستحب کا درجہ دونوں کے بعد ہے۔

روایت کا جواب:

اس بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں: (۱) **كان يقرأ فی كل جمعة** (۲) **يديم ذلك.**

پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی انتہائی ضعیف ہے اور دوسری روایت میں دوام سے کثرت

مراد ہے، یعنی اکثر جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کو آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ فى كل جمعة فى صلاة الغداة الٓمٓ تنزيل الكتاب وهل أتى على الإنسان. قلت: هو الصحيح خلا قوله فى كل جمعة، رواه الطبرانى فى الكبير وفيه حماد بن سعيد وهو ضعيف جدا.

(مجمع الزوائد: ۲/۱۶۸، باب ما يقرأ فيهما، دار الفكر)

سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال فى البحر: والذى ظهر للعبد الضعيف أن السنة ماواظب عليه النبى ﷺ لكن إن كانت لامع الترك فهى دليل السنة المؤكدة، وإن كانت مع الترك أحيانًا فهى دليل غير المؤكدة، وإن اقترنت بالإنكار على من لم يفعله فهى دليل الوجوب، فافهم هذا فإن به يحصل التوفيق. والله اعلم. (شامى: ۱/۱۰۵ ـ مطلب فى السنة وتعريفها، سعيد)

جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت:

مصنفِ ابن ابی شیبۃ میں ہے:

عن إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ قال: كان يستحب أن يقرأ يوم الجمعة بسورة فيها سجدة. وعن سعيد بن جبير رحمہ اللہ تعالیٰ قال: ماصليت خلف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ يوم الجمعة الغداة إلاقرأ سورة فيهاسجدة. وعن ابن عون قال: كانوا يقرؤون يوم الجمعة بسورة فيها سجدة، فسألت محمدًا، فقال: لاأعلم به بأسًا. والله اعلم.

(مصنفِ ابن ابی شیبة: ۴/۱۳۳، باب من كان يستحب ان يقرأ فى الفجر يوم الجمعة بسورة فيهاسجدة)

نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت:

سوال: فجر کی نماز میں مختلف سورتیں پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنا روایات سے ثابت ہے مثلاً سورۂ ق سورۂ ذاریات سورۂ تکویر سورۂ فتح سورۂ مؤمنین سورۂ انبیاء سورۂ کہف سورۂ یوسف سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران سورۂ بنی اسرائیل سورۂ روم سورۂ

یونس سورۂ ہود وغیرہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہیں لہٰذا نماز فجر میں قرآن میں سے مختلف سورتیں پڑھنا چاہئے۔ نیز فقہاء نے طوالِ مفصل (یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) میں سے پڑھنے کو بھی مستحب لکھا ہے۔

نسائی شریف میں ہے:

عن سعید بن یسار أن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخبره أن رسول اللّٰه ﷺ كان يقرأ فی ركعتی الفجر فی الأولیٰ منهما الآية التی فی البقرة ﴿قولوا آمنا باللّٰه وماأنزل الينا الخ﴾ وفی الأخریٰ ﴿آمنا باللّٰه واشهد بأنا مسلمون﴾ وعن رجل من أصحاب النبی ﷺ عن النبی ﷺ أنه صلی صلاة الصبح فقرأ الروم وعن أم هشام بنت حارثة ابن النعمان قالت: ما أخذت قٓ والقرآن المجيد إلامن وراء رسول اللّٰه ﷺ كان يصلی بها فی الصبح. وعن زياد بن علاقة قال: سمعت عمی يقول: صليت مع رسول اللّٰه ﷺ الصبح فقرأ فی إحدی الركعتين ﴿والنخل باسقات لها طلع نضيد﴾ وعن عمروبن حريث رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ يقرأ فی الفجر ﴿إذا الشمس كورت﴾. (نسائی شریف: ۱/۱۵۴، قدیمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روی عن النبی ﷺ أنه قرأ فی الصبح بالواقعة.

(ترمذی شریف: ۱/۶۷، باب ماجاء فی القراءة فی الصبح)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن أبا بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأ فی صلاة الصبح بالبقرة. وعن الأحنف قال: صليت خلف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الغداة فقرأ بيونس وهود ونحوهما. وعن زيد بن وهب: أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأ فی الفجر بالكهف. وعن عبد اللّٰه بن عامربن ربيعة قال: سمعت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقرأ فی الفجر بسورة يوسف. وعن أبی عمروالشيبانی قال: صلی بنا عبداللّٰه رضی اللہ تعالیٰ عنہ الفجر فقرأ بسورتين الآخرة منهما بنواسرائيل. وعن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صليت خلف علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلاة الغداة فقرأ بيونس وهود. وعن عمروبن ميمون أن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الصبح باليمن فقرأ بالنساء. وعن عبيدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنه كان يقرأ فی الفجر الرحمٰن ونحوها. وعن توبة العنبری: أنه سمع أباسوار القاضی قال: صليت خلف ابن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصبح فسمعته يقرأ ﴿ألم تر كيف فعل ربك بعاد. إرم ذات العماد﴾ وعن

الوليدبن جميع قال: صليت خلف إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ، فكان يقرأ في الصبح بـ ﴿يٰسٓ﴾ وأشباهها. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۱۸،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

وروى عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كتب إلى أبي موسىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن اقرأ في الصبح بطوال المفصل. (ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الفجر)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

وعن الضحاك بن عثمان قال: رأيت عمربن عبد العزيز رحمہ اللہ تعالیٰ قرأ في الفجربسورتين من طوال المفصل. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۲۲،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ وغيره قال: كتب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلى أبي موسىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن اقرأ في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطوال المفصل.

(مصنفِ عبدالرزاق: ۲/۱۰۴،باب مایقرأ فی الصلاة)

نیز کتبِ فقہ ملاحظہ ہو: (هدايه:۱/۱۲۰،فصل فی القراءة۔وبدائع الصنائع:۱/۲۰۵،بيان مقدار المستحب من القراءة،سعيد۔والفتاوى الهنديه:۱/۷۷،الفصل الرابع فی القراءة)۔ واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ الخ﴾ پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا ہی پڑھا ﴿فإذا فرغت فانصب وإلىٰ ربك فارغب﴾ تو کیا نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: سورہ فاتحہ کے بعد کم از کم قراءت جس سے واجب ادا ہوجائے، تین چھوٹی آیتیں ہیں یا ایک بڑی آیت، اگر تین آیات سے کم پڑھا تو کم از کم تیس حروف ہونا چاہئے، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں صرف دو آیتیں پڑھیں جن کے حروف کا مجموعہ ۲۶ ہوتا ہے لہٰذا واجب مقدار ادا نہیں ہوئی، نماز واجب الاعادہ ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ويجب ضم سورة قصيرة أوثلاث آيات قصار لقوله صلی اللہ علیہ وسلم "لاصلاة لمن لم يقرأ بالحمد

وسورة فی فریضة أوغیرها".

(أخرجه الترمذی فی أبواب الصلاة، باب ماجاء فی تحریم الصلاة وتحلیلها:۲۳۸/۳/۳)۔ (امدادالفتاح مع الحاشیة:ص ۲۷۵،فصل فی واجبات الصلاة۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲٤۸،فصل فی بیان واجبات الصلاة،وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۷۱،الفصل الثانی فی واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

وضم أقصر سورة کالکوثر أوما قام مقامها وهو ثلاث آیات قصارنحو: ﴿ثم نظرثم عبس وبسر ثم أدبرواستکبر﴾ وکذالو کانت الآیة أوالآیتان تعدل ثلاثًا قصارًا ذکره الحلبی. وفی الشامی: (قوله تعدل ثلاثًا قصارًا) أی مثل ثمونظر وهی ثلاثون حرفًا فلو قرأ آیة طویلة قدرثلاثین حرفًا یکون قد أتی بقدرثلاث آیات..... (الدرالمختارمع الشامی:۱/٤۵۸)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ایک سورت ملائے یا تین چھوٹی آیت ملائے کہ مجموعہ تین آیات میں کم ازکم تیس حروف ہوں جیسے ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستکبر﴾ یاایک بڑی آیت ملائے.....اگراتنی مقدار پڑھی کہ تیس حروف ہوجائے تب بھی کفایت ہوجائے گی۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۳۰،باب القراءت، جامعه فاروقیه)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیه ٤/ ۳۱۰۔وفتاوی حقانیه۳/۱۷۲،باب القراءت)۔ واللہ اعلم۔

فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگرفارسی زبان میں کچھ قراءت کی تو نماز ہوئی یانہیں؟

الجواب: فارسی کے ساتھ اتنا عربی پڑھ لیا ہے کہ جس سے نماز درست ہوجاتی ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ قاضیخان وغیرہ نے ذکرکیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگرقصہ یاامرونہی کی آیات پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی اوراگرذکرو تسبیح کی آیات ہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

اختار هذا التفصیل فی الفتح توفیقًا بین القولین وهما ماقاله فی الهدایة من أنه لاخلاف فی عدم الفساد إذا قرأ معه بالعربیة ما تجوزبه الصلاة، وماقاله النجم النسفی وقاضیخان من أنها تفسد عندهما فقال فی الفتح: والوجه إذاکان المقروء من مکان القصص والأمروالنهی أن

تفسد بمجرد قراءته لأنه حينئذٍ متكلم بكلام غير القرآن، بخلاف ما إذا كان ذكرًا أوتنزيهًا فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراءة. وتبعه في البحر وقواه في النهر فلذا جزم به الشارح. (شامی: ۱/ ۴۸۵، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وتأويل ماروى عن علمائنا أنه: تفسد صلاته إذا قرأ هذا، أولم يقرأ شيئًا، مما في مصحف العامة، ولوقرأ على طريق التفسير تفسد بالإجماع، لأنه غير مقطوع به، و لايمكن رعايته، كذا في الدراية عن المبسوط وغيره، قلت: ولعله فيما إذا اقتصر عليه، أما لوقرأ معه قدر المفروض صحت إذا لم يكن فيما قاله من التفسير ما يقتضي الفساد من الألفاظ. انتهى. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ص ۳۱۲، فصل في كيفية ترتيب افعال الصلاة۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۹، الباب الرابع في صفة الصلاة)

سورۃ العصر میں ﴿إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: سورۃ العصر میں ﴿إلاالذين آمنوا وعملوا الصلحات وتواصوا بالحق﴾ کی جگہ ﴿فلهم أجر غير ممنون﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز مقتدی کیا کرے لقمہ دے یا خاموش رہے؟

الجواب: چونکہ آیتِ کریمہ کا معنی درست ہے لہٰذا نماز صحیح ہوگئی۔ البتہ مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں لقمہ دے تاکہ قرآنِ کریم کی تصحیح ہوجائے۔ حدیث شریف میں اس کی تائید ملتی ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ سے نماز میں سہواً ایک آیتِ کریمہ چھوٹ گئی بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: آپ نے کیوں یاد نہ دلادی، معلوم ہوا کہ لقمہ دینا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن يحيى الكاهلي عن المسور بن يزيد المالكي أن رسول الله ﷺ قال يحيى وربما قال: شهدت رسول الله ﷺ يقرأ في الصلاة فترك شيئًا لم يقرأه فقال له رجل: يارسول الله تركت آية كذا وكذا فقال رسول الله ﷺ: هلا أذكرتنيها، وفي رواية له عن عبدالله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ صلى صلاة فقرأ فيها فلبس عليه فلماانصرف قال لأبي أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك. (ابو داؤد شریف: ۱/ ۱۳۱، باب الفتح على الامام في الصلاة، سعيد)

درمختار میں ہے:

بخلاف فتحه على إمامه فإنه لايفسد مطلقًا لفاتح و آخذ بكل حال وفى الشامية: قوله بكل حال: سواء قرأ الإمام قدرما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح، نهر.

(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/ ۶۲۲،سعیدوفی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۹۹الباب السابع فیمایفسدالصلاة ومایکره فیها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخرفإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى المراد لاتفسد. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۳٤۰، تكميل فى زلة القارى، قديمى۔ و كذافى شرح منية المصلى: ص٤٧٦، فصل فى بيان احكام زلة القارى، سهيل اكيڈمى۔ و كذافى الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰، الفصل الخامس فى زلة القارى)

نماز میں ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد﴾ کی جگہ "لَكَبِيْر" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد﴾ کی جگہ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَبِيْر" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح اور درست ہے اس لئے کہ کنود کے معنی نافرمان کے ہیں اور کبیر میں کبر کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی نافرمانی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التى قرأهامكان كلمة يقرب معناها وهى فى القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مكان العليم الحكيم وان لم تكن تلك الكلمة فى القرآن لكن يقرب معناها عن أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى لاتفسد.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰،الفصل الخامس فى زلة القارى)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخرفإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به

المعنى المراد لاتفسد. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٣٤٠، تكميل فى زلة القارى، قديمى۔ و كذافى شرح منية المصلى: ص٤٧٦، فصل فى بيان احكام زلة القارى،سهيل اكيڈمى)

فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض یا نفل میں سورت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض میں بلاضرورت تکرار سورۃ مکروہ ہے اور نفل میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ويكره تكرار السورة فى ركعة واحدة من الفرض ذكره قاضيخان، وكذا تكرارها فى ركعتين من الفرض إذا كان لغير ضرورة بأن كان يقدر على قراءة سورة أخرى، أما اذا لم يقدر فلايكره لوجوب ضم سورة إلى الفاتحة فى الثانية أيضًا وهذا إذا وقع عن قصد أما إذا كان لاعن قصد كما إذا قرأ ﴿قل أعوذ برّب النّاس﴾ فى الأولىٰ فإنه لايكره أن يكررها فى الثانية،..... ولايكره تكرار السورة فى ركعة أوفى ركعتين من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد ورد "أنه ﷺ قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها فى تهجده" (أخرجه ابن ماجه فى كتاب إقامة الصلاة:باب:ماجاء فى القراءة فى صلاة الليل من حديث سيدنا أبى ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام النبى ﷺ بآية حتى أصبح يرددها،والآية: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفرلهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾" ورواه النسائى فى الافتتاح، باب ترديدالآية (١٠٠٩) **فدل على جواز التكرار فى التطوع كذافى شرح المنية وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أو آية الرحمة، أو آية الرجاء، أو آية الخوف. وإن كان ذلك فى الفرائض فهو مكروه إن لم ينقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلك كذافى التجنيس والمزيد.**

(امدادالفتاح مع الحاشية: ص٣٨١، فصل فيمايكره فى الصلاة۔ و كذا فى الدرالمختار مع الشامى: ١/٥٤٦، سعيد۔ و حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/٢٣٨)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

نوافل میں تکرار سورۃ جائز لیکن غیر اولیٰ ہے۔ البتہ فرائض میں تکرار سورۃ مکروہ تنزیہی ہے اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیہ:٣/١٦٦)

فرض کی دواخیری رکعت میں قراءت کا حکم:

سوال: فرض کی اخیری رکعت میں قراءت فرض ہے یاواجب؟لوگوں کا آپس میں اختلاف ہورہا ہے۔

الجواب: فرض کی اخیری دورکعت میں قراءت نہ فرض ہے اور نہ واجب، بلکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا سنت اور مستحب ہے،لیکن بعض دوسرے مذاہب والے یہ گمان کرتے ہیں کہ احناف اخیری دورکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ،یہ صحیح نہیں ہے احناف سورۂ فاتحہ ہمیشہ پڑھتے ہیں،لیکن اس کوسنت یامستحب سمجھتے ہیں نہ کہ فرض اورواجب۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ویقرأ فی الرکعتین الأخیرین بفاتحة الکتاب وحدها لحدیث أبی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الأخیرین بفاتحة الکتاب، وهذا بیان الأفضل هو الصحیح لأن القراءة فرض الرکعتین. (هدایه:۱/۱۱۱، باب صفة الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

وتسن قراءة الفاتحة فیما بعد الأولیین یشمل الثلاثی والرباعی قوله الصحیح هو ظاهر الروایة کما فی الحلبی ولذا قال القهستانی: ولعل المذکور بیان السنة أو الأدب وإلافالفرض علی روایة الأصول مطلق القیام کما مر.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۷۰ فصل فی بیان سننها،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح البنایة علی الهدایة للعلامة العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۶۷۶، صفة الصلاة، فیصل آباد۔ وبدائع الصنائع: ۱/۲۹۵، بیروت۔ واحسن الفتاوی: ۳/۷۱)۔ **واللہ اعلم۔**

نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برّب الفلق﴾ پڑھی اوردوسری رکعت میں بھول سے ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ شروع کردی اب اس کو پورا کرے یااس کوچھوڑ کر ﴿قل أعوذ برّب الناس﴾ پڑھے؟

الجواب: دوسری رکعت میں ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ پوری کرلے اس لئے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے۔نیز بھول سے اس طرح خلافِ ترتیب قراءت کرلی تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلاإذاختم فيقرأ من البقرة، وفی القنية: قرأ فی الأولٰی الكافرون وفی الثانية ألم ترأوتبت ثم ذكريتم..... وفی الشامية: أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنمايكره إذاكان عن قصد فلوسهوًا فلاكما فی شرح المنية، وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التی شرع فيها لاينبغی، وفی الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أوآيتين أرادأن يترك تلك السوزة ويفتتح التی أرادها يكره، وفی الفتح: ولوكان المقروء حرفًا واحدًا.

(الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵٤٦،سعيد۔ وكذافی الفتاوی الهندية: ۱/۸۹،الفصل الرابع فی القراءة)

امدادالفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لوأراد أن يقرأ غيرالتی قرأها فی الأولٰی فافتتحها فلما قرأ منهاآية أوآيتين تذكرفأراد أن يتركها ويفتح السورة التی أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذافی التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده ويكره قراءة سورة فوق التی قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ "من قرأ القرآن منكوسًا فهومنكوس" كذا فی التجنيس. (امدادالفتاح:ص ۳۸۱،فصل فيمايكره فی الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کوالٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یداپڑھی تو مکروہ ہے،خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہوجائے تو مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ:۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ،چوتھی فصل قرائت کا بیان،مجددیہ)

نماز میں تکرارِ آیت کا حکم:

سوال: اگرکسی نے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟ نیز دوسری سورتوں کی ایک آیت مکرر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں کی کسی ایک آیت کا تکرار نوافل میں ہوتو کوئی حرج نہیں البتہ فرائض میں بلا عذر مکروہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

امدادالفتاح میں ہے:

ولایکرہ تکرارالسورۃ فی رکعۃ أوفی رکعتین من النفل؛لأن باب التطوع أوسع وقد ورد "أنه ﷺ قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها فى تهجده" (أخرجه ابن ماجه فى كتاب اقامة الصلاة، باب: ماجاء فى القراءة فى صلاة الليل من حديث سيدنا ابى ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام النبى ﷺ بآية حتى اصبح يرددها، والآية: ﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيزالحكيم﴾" ورواه النسائى فى الافتتاح،باب ترديد الآية (۱۰۰۹) **فدل على جوازالتكرارفى التطوع كذا فى شرح المنية وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أو آية الرحمة، أو آية الرجاء، أو آية الخوف. وإن كان ذلك فى الفرائض فهومكروه إن لم ينقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلك كذافى التجنيس والمزيد.**

(امداد الفتاح مع الحاشية: ص ۳۸۱، فصل فيمايكره فى الصلاة۔ وكذافى مراقى الفلاح ص۱۲۸، فصل فى المكروهات، مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذاكرر آية واحدة مرارًا فإن كان في التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهومكروه فى حالة الاختيار وأما فى حالة العذر والنسيان فلابأس هكذا فى المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۷، الفصل الثانى فيمايكره فى الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت مکرر پڑھنا:

جواب: نماز ہوجاتی ہے لیکن فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے نفل میں مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:۷/۹۵، باب القراءۃ، جامعہ فاروقیہ)

دوسورتوں کے درمیان فصل کی مقدار:

سوال: دوسورتوں کے درمیان کتنی سورتیں چھوڑنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: دوسورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت قصداً چھوڑنا مکروہ ہے سہواً مکروہ نہیں ہے نیز اگر درمیان میں اتنی بڑی سورت ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے مقدار قراءت میں بڑھ جائے گی تو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح درمیان میں دو چھوٹی سورتیں چھوڑنا مکروہ نہیں۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ويكره فصله بسورة بين سورتين قرأهما فى ركعتين وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لايكره كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان وذلك لمافيه من شبهة التفضيل والهجر.

(امداد الفتاح: ص ۳۸۲، فصل فيمايكره فى الصلاة، داراحياء التراث)

شامی میں ہے:

(قوله ويكره الفصل بسورة قصيرة) أمابسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلايكره شرح المنية كما إذا كانت سورتان قصيرتان. والله اعلم.

(شامى: ۱/ ٥٤٦، فصل فى القراءة، سعيد۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح ص ۳۵۲، فصل فى مكروهات الصلاة، قديمى۔ وكذا فى الفتاوى الهندية ۱/ ۷۸، الفصل الرابع فى القراءة)

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾ کی جگہ ﴿فَأَغْنٰى﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے نماز میں ﴿ووجدك ضالاً فهدىٰ﴾ کی جگہ "ووجدك ضالاً فأغنى" پڑھ لیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح اور درست ہے۔ اس لئے کہ فأغنى کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سے سرفراز فرما کر غنی کر دیا لہٰذا معنی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التى قرأهامكان كلمة يقرب معناها وهى فى القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مكان العليم الحكيم وإن لم تكن تلك الكلمة فى القرآن لكن يقرب معناها عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ لاتفسد.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰، الفصل الخامس فى زلة القارى۔ وكذافى المحيط البرهانى: ۲/ ٦٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المسألة الثالثة: وضع حرف موضع حرف آخرفان كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغيربه المعنى المراد لاتفسد كما قرأ والأرض وما دحاها مكان طحاها. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۳٤۰، تكميل فى زلة القارى، قديمى۔ وكذافى شرح منية المصلى: ص ٤٧٦، فصل فى بيان احكام زلة القارى، سهيل اكيڈمى)

﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ کی جگہ ﴿أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ میں ﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ کی جگہ ﴿أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قراءت میں فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً اہل جنت کو جہنمی بنادے یا اہل جہنم کو جنتی بنادے تو نماز فاسد ہو جائے گی لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئك أصحاب الجحيم" أو "أولئك هم شر البرية" أو قرأ "والذين كفروا وكذبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله تعالىٰ على أحد الفريقين بضده ووصل قال: عامة المشايخ: تفسد صلاته لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالىٰ به ولو اعتقده يكون كفرًا.

(شرح منية المصلي: ص ٤٨٧ فصل في بيان احكام زلة القاري، سهيل اكيڈمي)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ "إن الأبرار لفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم" فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح هكذا في الظهيرية.

(الفتاوى الهندية: ١/ ٨٠، الفصل الخامس في زلة القاري۔ وكذا في الشامي: ١/ ٦٣١، مسائل زلة القاري، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الفتاوی: ۱/ ۲۹۳، باب مایفسد الصلاۃ، دار العلوم کراچی)۔ **واللہ اعلم۔**

"الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال":

حرفِ ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں اور یہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں اور جو شخص ضاد کے ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پُر کی نکلے یا ظا کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی، اور ظا مشابہ پڑھنے والا أقرب الی الصحۃ ہوگا۔ :

خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے ضاد کی آواز اصل حقیقت کے اعتبار سے ظا کے مشابہ ہے

دال کے مشابہ نہیں۔

ضاد کا مخرج: "الضاد من أصل حافة اللسان ومايليها من الأضراس" یعنی ضاد کا مخرج زبان کو پورا کنارہ اور دائیں یا بائیں طرف کی داڑھ ہے۔

طا کا مخرج: طا کا مخرج اوپر کے دونوں دانتوں اور زبان کی نوک ہے۔

دال کا مخرج: دال کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دونوں دانتوں (ثنایا علیا) کی جڑ ہے۔

صفات حروفِ ثلاثہ:

''ض'' کی صفت کے متعلق کتبِ تجوید میں لکھا ہے: الرخاوة والجهر والاستعلاء والإطباق والتفخيم والاستطالة والإصمات من صفات الضاد المعجمة والتفشى عند البعض أيضًا كذا فى جهد المقل.

نیز بعض کتبِ تجوید میں ''ض'' کی صفات میں سے سکون کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

''طا'' کی صفت کے متعلق علامہ محمد مرعشی لکھتے ہیں: الإصمات والجهر والرخاوة والاستعلاء والإطباق والتفخيم من صفات الظا المعجمة، كذا فى جهد المقل وشرحه وفى منهاج النشر السكون أيضًا.

اس کتاب میں صفاتِ دال کے متعلق یوں مرقوم ہے:

القلقلة والشدة والإصمات والانفتاح والتوفيق والاستفال من صفات الدال المهملة.

علامہ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

والناس يتفاوتون فى النطق بالضاد فمنهم من يجعله ظاء لأن الضاد يشارك الظاء فى صفاتها كلها ويزيد على الظاء بالاستطالة ولولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشاميين وبعض أهل الشرق.

مشہور ومعروف مؤرخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں زیرِ ترجمہ ابن العربی اللغوی لکھتے ہیں:

وكان (أى ابن العربى) يقول جائز فى كلام العرب أن يعاقبوا بين الضاد والظاء فلا يخطئ من يجعل هذه فى موضع هذه و ينشد:

إلى اللّٰه أشكو من خليل أوده ثلاث خلال كلها لى غائض

بالضاد ويقول هكذا سمعته من فصحاء العرب.

نیز فتاوی قاضی خان میں ہے:

لو قرأ الضالين بالظاء أو الذال لاتفسد صلاته ولو قرأ بالدالين تفسد صلاته.

خلاصہ: حرفِ ضاد و ظا دونوں آٹھ صفات میں متحد ہیں جبکہ حرف ضاد اور دال میں کوئی مناسبت و مشابہت نہیں، بلکہ ان میں تباین ہے، غور کیجئے: ضاد میں رخاوت ہے تو دال میں شدت، ضاد ساکنہ ہے دال قلقلہ ہے، ضاد مطبقہ ہے دال منفتحہ، ضاد مستعلیہ ہے دال مستفلہ، ضاد میں تفخیم ہے دال میں ترقیق، ضاد مستطیلہ ہے دال آنی، ضاد میں تفشی ہے دال میں عدم تفشی، نیز اہلِ عرب کے کلام اور علماءِ تجوید کے کلام اور فقہائے عظام کے فتاوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء پڑھ سکتے ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو: (ملخص از فتاوی ثنائیہ: ۲/۱۰۱ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری "غیر مقلد"، اسلامک پبلشنگ لاہور) واللہ اعلم۔

قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عشاء کی نماز میں سورۃ البلد کی آیت ﴿وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة﴾ کے بعد وقف کیا پھر ﴿أولئك أصحاب المشئمة﴾ پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بظاہر آیتِ کریمہ کا معنی بدل گیا، نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن فقہاء نے تفصیل فرمائی ہے کہ اگر درمیان میں وقف تام کر دیا یعنی سانس توڑ کر ٹھہر گیا پھر دوسری آیت پڑھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف وقرأ بعد الوقف التام "أولئك أصحاب الجحيم" "أولئك هم شر البرية" أو قرأ "والذين كفروا وكذّبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله على أحد الفريقين بضده لاتفسد لصيرورة الكلام الثاني مبتدأ به غير متصل بالأول فلم يتعين الحكم بالضد.

(شرح منية المصلي: ٤٨٧، فصل في بيان احكام زلة القاري، سهيل اكيڈمی لاهور)

فتح القدیر میں ہے:

ولو بنى بعض آية على أخرى إن لم يغير نحو "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جزاء الحسنى" مكان "كانت لهم جنات الفردوس نزلا" لا تفسد، وإن غير فإن وقف وقفًا تامًا بينها فكذلك لو كان قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف ثم قال: "أولئك هم شر

البرية" وإن وصل تفسد عند عامة المشايخ وهو الصحيح، وحينئذ هذا مقيد لما ذكر في بعض المواضع من أنه إذا شهد بالجنة لمن شهد الله له بالنار أو بالقلب تفسد، والله سبحانه وتعالى أعلم. (فتح القدير: ١/ ٣٢٤، فصل في القراءة، دار الفكر)

شامی میں ہے:

(قوله كما لو بدل الخ) هذا على أربعة أوجه، لأن الكلمة التي أتى بها، إما إن تغير المعنى أولا، وعلى كل فإما أن تكون في القرآن أولا، فإن غيرت أفسدت لكن اتفاقاً في نحو فلعنة الله على الموحدين وعلى الصحيح في مثال الشارح لوجوده في القرآن، وقيد الفساد في الفتح وغيره بما إذا لم يقف وقفًا تامًا، أما لو وقف ثم قال: لفي جنات فلا تفسد. والله اعلم.

(شامی: ١/ ٦٣٤، مسائل زلة القاری، سعید)

غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں غلط قراءت کی پھر اسی وقت تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غلط پڑھ کر تصحیح کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحًا فصلاته جائزة.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/ ٢٦٧، باب مايفسد الصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا قال: عندي صلاته جائزة. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٢، في زلة القاري)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الفتاوی: ۱/ ۱۶۸، باب القراءۃ، دار العلوم کراچی۔ وامداد المفتین: جلد دوم ص ۳۵۷۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۱۷۷، باب القراءۃ۔ وفتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۰۹ باب صفۃ القراءۃ، مکتبہ رحیمیہ)۔ واللہ اعلم۔

پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر امام نے پہلی رکعت میں فحش غلطی کی پھر دوسری رکعت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کر لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فحش غلطی کے بعد تصحیح کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے اگر چہ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرے اس لئے کہ پوری نماز ایک مجلس کی طرح ہے اگر پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی تو تیسری رکعت میں کرسکتا ہے، اسی طرح پہلی رکعت میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی اخیر میں ہے، نیز نماز کا کوئی سجدہ بھول جائے تو آخری رکعت میں ہوسکتا ہے لہٰذا قراءت کی تصحیح بھی دیگر رکعات میں ہوسکتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفی المضمرات: قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحیحًا فصلاته جائزة.

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۶۷، باب مایفسدالصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکرفی الفوائد: لوقرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحًا قال: عندی صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۲، فی زلة القاری)

امدادالفتاح میں ہے:

روی أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترك القراءة فی رکعة من المغرب فقضاها فی الثالثة.

(امدادالفتاح: ص ۲۷۶، فصل فی واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

ولوتذکرفی رکوعه أوسجوده أنه ترك سجدة صلبیة أوتلاویة فسجدها أعادهما ندبًا

وفی الشامیة: (قوله فسجدها) أفاد أن سجودهاعقب التذکر غیر واجب لما فی البحر عن الفتح: له أن یقضی السجدة المتروکة عقب التذکر، وله أن یؤخرها إلی آخر الصلاة فیقضیها هناك. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۶۱۲، باب الاستخلاف)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

المصلی إذا نسی سجدة التلاوة فی موضعها ثم ذکرها فی الرکوع أوفی السجود أوفی القعود فإنه یخرلهاساجدًا ثم یعود إلی ماکان فیه فیعیده استحسانًا وإن لم یعد جازت صلاته وإن أخرها إلی آخر صلاته أجزأه لأن الصلاة واحدة. واللّٰه اعلم.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۲۷، فصل فیما یوجب السهو ومالا یوجب السهو)

﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ﴾ کی جگہ "رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكِ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ﴿رِبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ﴾ کی جگہ "رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكِ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ" نماز میں پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں متقدمین اور متأخرین کا اختلاف ہے۔ متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے اور متأخرین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ قاضیخان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ متأخرین کے یہاں گنجائش اور وسعت ہے اور متقدمین کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے خصوصاً عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اعادہ افضل ہے۔

شامی میں ہے:

والقاعدة عندالمتقدمين أن ماغير المعنى تغيرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد فى جميع ذلك واماالمتأخرون كابن مقاتل وابن سلام فاتفقوا على أن الخطأ فى الإعراب لايفسد مطلقًا ولواعتقاده كفراً لأن أكثر الناس لايميزون بين وجوه الإعراب، قال قاضيخان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ: وماقاله المتأخرون أوسع وماقاله المتقدمون أحوط. والله اعلم.

(شامی: ۱/۶۳۱، فی زلة القاری، سعید۔ و کذافی شرح منیة المصلی: ص۴۷۶، فی بیان احکام زلة القاری، سهیل۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۸۱، الفصل الخامس فی زلة القاری۔ وفتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۴۰، فصل فی قراءة القرآن خطأ)

سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ میں رَحْمَتِهٖ کی جگہ رَحْمَتِیْ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ میں "رَحْمَتِهٖ" کی جگہ "رَحْمَتِیْ" پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز درست ہو جائے گی۔ علم بلاغت کا مشہور قاعدہ ہے جسے التفات کہتے ہیں یعنی غائب کے بعد مخاطب یا متکلم یا بالعکس لانا۔ "یُدْخِلُ" میں اللہ کا ذکر ضمیر غائب سے ہوا اور "رَحْمَتِیْ" میں متکلم

سے ہوا۔ جس طرح ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں صیغہ غائب کے ساتھ اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں مخاطب کے ساتھ۔

ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی میں ہے:

ومن عادة العرب التفنن فی الكلام والعدول من أسلوب إلى آخر تطريةً له وتنشيطًا للسامع، فيعدل من الخطاب إلى الغيبة، ومن الغيبة إلى التكلم وبالعكس، كقوله تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ، ﴿حتى إذا كنتم فی الفلك وجرين بهم﴾ وقوله تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ، ﴿والله الذی أرسل الرياح فتثير سحابًا فسقناه﴾ وقول امرء القيس:

☆.تطاول ليلك بالإثمد ونام الخلی ولم ترقد

☆ وبات وباتت له ليلة كليلة ذی العائر الأرمد

☆ وذلك من نبأ جاء نی وخبرته عن أبی الاسود

(تفسیر البیضاوی ۱/۷ تحت الآیة: ایاك نعبدو ایاك نستعین)۔ واللہ اعلم۔

﴿لایسمعون فیها لغوًا ولا کذابا﴾ کی جگہ "لایسمعون فیها لغوًا الا کذابًا" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ﴿لایسمعون فیها لغوًا ولا کذابا﴾ کی جگہ "لایسمعون فیها لغوًا الا کذابًا" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی لہٰذا اعادہ کرلیا جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

فالأصل فيها عند الإمام رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ تغير المعنى تغيرًا فاحشًا، وعدمه للفساد، وعدمه مطلقًا سواء كان اللفظ موجودًا فی القرآن أولم يكن.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۳۹، تکمیل فی زلة القاری،قدیمی)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن الخطأ فی القرآن أو الحروف يوضع حرف مكان آخر أو زيادته أو نقصه أو تقديمه أو تأخيره أو فی الكلمات أو فی الجمل كذلك فإن الأصل فيه أنه إن لم يكن مثله فی القرآن

والمعنى بعيد من معنى لفظ القرآن متغيرتغيرًا فاحشًا قويًا بحيث لامناسبة بين المعنيين أصلاً تفسدصلا ته..... (شرح منية المصلى:ص ٤٧٥،فى بيان احكام زلة القارى،سهيل)

عالمگیری میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ولايتقاربان فى المعنى تفسدصلا ته بلا خلاف إذا لم تكن الكلمة تسبيحًا ولاتحميدًا ولاذكرًا. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية:١/ ٨٠،الفصل الخامس فى زلة القارى۔ وكذافى الشامى: ١/ ٦٣٤،فى زلة القارى،سعيد)

"يَا أَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے جہری نماز میں آیتِ کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ﴾ کی جگہ "أَوْلَادُكُمْ" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہوگئی۔ نیز اس کی تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ "لاتلهكم اموالكم مع اولادكم" یہ مفعول معہ بن جائے جیسے "سرت وزيداً أى مع زيد".

عالمگیری میں ہے:

ومنها حذف حرف وإن لم يكن على وجه الإيجاز والترخيم:فإن كان لايغير المعنى لاتفسد..... (الفتاوى الهندية:١/ ٧٩، الفصل الخامس فى زلة القارى)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أما الخطأ فى الإعراب إذا لم يغير المعنى لاتفسد الصلاة عندالكل لأن الخطأ فى الإعراب ممالايمكن الاحتراز عنه فيعذر.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/ ١٣٩۔ وكذافى شرح منية المصلى:ص ٤٧٦،سهيل)

طحطاوی میں ہے:

وفى النهر وأحسن من لخص من كلامهم فى زلة القارى الكمال فى زاد الفقيه فقال: إن كان الخطأ فى الإعراب، ولم يتغير به المعنى ككسر قواما مكان فتحها وفتح باء نعبد مكان ضمها لا تفسد. والله اعلم. (طحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٣٤٠،قديمى)

ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے لمبی آیت ﴿محمد رسول اللّٰہ الخ﴾ پڑھی پھر اس میں سے کچھ حصہ بھول گیا مثلاً ﴿وعد اللّٰہ الذین آمنوا﴾ کے بعد ﴿وعملوا الصالحات منھم﴾ بھول گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہے اس لئے کہ اگر ایک لمبی آیت کا اتنا حصہ پڑھا جو چھوٹی تین آیات کے بقدر ہو تو صحتِ نماز کے لئے کافی ہے اور تین چھوٹی آیات کی مقدار بعض حضرات کے قول کے مطابق ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو قرأ آية طويلة فى الركعتين فالأصح الصحة اتفاقًا لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبى وفى الشامى: (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ المكتفى بالآية أولى. قال فى البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فى كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراءته قارئًا عرفًا وفى التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لو قرأ آية طويلة كآية الكرسى أو المداينة البعض فى ركعة والبعض فى ركعة اختلفوا فيه على قول أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أو يعدلها فلا تكون قراءته أقل من ثلاث آيات وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون.....

(الدر المختار مع الشامى: ۱/۵۳۷، فصل فى القراءة، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

إذا قرأ آية طويلة فى الركعتين نحو آية الكرسى و آية المداينة البعض فى ركعة والبعض فى أخرى عامتهم على أنه يجوز كذا فى المحيط. وهو الأصح كذا فى الكافى ومنية المصلى. واللّٰہ اعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الأول فى فرائض الصلاة)

آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں:

سوال: اگر کسی نے آمین اس طرح کہی کے پاس والے نے سن لی تو یہ جہر میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں سرہی کے حکم میں ہے اس سے نماز صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وأدنى المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه؛فلوسمع رجل أورجلان فليس بجهر والجهر أن يسمع الكل وفي الشامي: ولذا قال في الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير: أن الإمام إذا قرأ في صلاة المخافتة بحيث سمع رجل أورجلان لايكون جهرًا، والجهر أن يسمع الكل أي كل الصف الأول لاكل المصلين، بدليل مافي القهستاني عن المسعودية أن جهر الإمام إسماع الصف الأول. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۵۳٤،فصل فی القراءة، سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر ایک دو آدمی کو سنائی دے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سرہی ہے امام کی آواز کو پہلی صف عموماً سن لے تو یہ جہر ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۳۹،الفصل الثانی فی کیفیۃ الجہر والسر)

صلاۃِ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم:

سوال: صلاۃِ کسوف وخسوف میں قراءت سراً ہوگی یا جہراً؟

الجواب: صلاۃ الکسوف باجماعت پڑھیں گے سری قراءت کے ساتھ، اور صلاۃ الخسوف تنہا تنہا پڑھیں گے اور قراءت بھی سراً ہوگی۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

سن ركعتان كهيئة النفل للكسوف بإمام الجمعة ولاجهرفي القراءة فيهما عنده خلافًا لهما. (مراقی الفلاح:ص ۲۰۲،باب صلاۃ الکسوف،مکۃ المکرمۃ)

درمختار میں ہے:

يصلي بالناس عندالكسوف ركعتين ولا جهر وفي الشامي: (قوله ولاجهروقال أبويوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: يجهروعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ روايتان جوهرة.

(شامی:۲/۱۸۲،باب الکسوف،سعید)

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أنها تؤدى بجماعة ولايجهربالقراء ة فى صلاة الجماعة فى كسوف الشمس فى قول أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ كذا فى المحيط والصحيح قوله كذا فى المضمرات ويصلون فى خسوف القمروحداناً هكذا فى محيط السرخسى. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۳،الباب الثامن عشرفى صلاة الكسوف)

خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی پھر دوسری رکعت میں سورۂ کوثر پڑھی تو نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر سورۂ کوثر شروع کرنے کے بعد چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بھول سے خلافِ ترتیب قراءت کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے نماز صحیح ہوگئی، لیکن سورت شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑنا مکروہ ہے، نیز نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلاإذاختم فيقرأ من البقرة، وفى القنية: قرأ فى الأولىٰ الكافرون وفى الثانية ألمترأوتبت ثم ذكريتم وفى الشامية: أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلوسهوًا فلاكما فى شرح المنية، وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التى شرع فيها لاينبغى، وفى الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أوآيتين أرادأن يترك تلك السورة ويفتتح التى أرادها يكره، وفى الفتح: ولوكان المقروء حرفًا واحدًا.

(الدرالمختارمع الشامى: ۱/۵۴۶،سعيد_وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۸۹،الفصل الرابع فى القراءة)

امدادالفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لوأراد أن يقرأ غيرالتى قرأها فى الأولىٰ فافتتحها فلما قرأ منهاآية أوآيتين تذكرفأراد أن يتركها ويفتح السورة التى أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذافى التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده، ويكره قراءة

سورة فوق التی قرأها لما فیه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ "من قرأ القرآن منکوسًا فهو منکوس" کذا فی التجنیس. (امدادالفتاح: ص ۳۸۱، فصل فیمایکره فی الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۳/۴۴۳ مسائل زلۃ القاری، امداد الفتاوی ۱/۱۷۰)۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا حکم:

سوال: دو سورتوں کو فرض کی ایک رکعت میں جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں مختلف قسم کی روایت وارد ہیں، جن کے مابین فقہاء نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہیں کہ دو سورتوں کا ایک رکعت میں جمع کرنا جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے، خصوصاً امام کے لئے افضل یہ ہے کہ قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرے اور نماز کو طویل نہ کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقرن بين السورتين فی ركعة من الصلاة المكتوبة.

حدثنا ابن مهدی عن سفيان عن وِقاء قال: رأيت سعيد بن جبير يجمع بين سورتين فی كل ركعتين فی الفريضة.

حدثنا وكيع قال: حدثنا الأعمش عن إبراهيم عن علقمة أنه كان يقرأ فی الفجر فی الركعة الأولى بحٰمٓ الدخان والحشر ويقرأ فی الثانية بآخر البقرة وآخر آل عمران و بالسورة القصيرة.

(مصنف ابن ابی شیبة: ۳/۲۵۵-۲۵۶، فی الرجل يقرن السور فی الركعة، من رخص فيه، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

حدثنا عبد الرزاق عن محمد بن مسلم عن إبراهيمؒ بن ميسرة عن ابن طاؤوس قال: كان أبی يجمع بين ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾ و ﴿والليل إذا يغشى﴾ فی ركعة وبين

﴿والضحى﴾ و ﴿ألم نشرح﴾ فى ركعة فى المكتوبة. (مصنف عبد الرزاق:٢/١٤٩)

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

أخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان إذا صلى وحده يقرأ فى الأربع جميعاً فى كل ركعة بأم القرآن وسورة من القرآن قال:وكان يقرأ أحيانًا بالسورتين والثلاث فى الركعة الواحدة فى صلاة الفريضة. (مؤطا امام مالك:٦٣)

اس روایت کے تحت محشی مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أحيانًا أى فى بعض الأوقات يقرأ بالسورتين والثلث فى الركعة الواحدة من صلاة الفريضة،قال الزرقانى: وبجواز ذلك قالت الأئمة الأربعة لرواية ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لقد عرفت النظائر التى كان النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقرن بينهن، الحديث. قال العينى فى حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى النظائر: فيه جواز الجمع بين السورتين فى ركعة واحدة وإليه ذهب النخعى رحمہ اللہ تعالیٰ والثورى رحمہ اللہ تعالیٰ وأبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ومالك رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعى رحمہ اللہ تعالیٰ وأحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فى رواية وفى المغنى: لابأس بالجمع بين السورفى صلاة النافلة الخ وأما الفريضة فالمستحب أن يقتصر على سورة مع الفاتحة من غيرزيادة عليها لأن النبى صلی اللہ علیہ وسلم هكذا كان يصلى أكثرصلاته وأمرمعاذًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن يقرأ فى صلاته كذلك وإن جمع بين السورتين ففيه روايتان: أحدهما يكره والثانية لايكره لأن حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلق فى الصلاة فيحتمل الفرض وقد روى الخلال بسنده عن ابن عمرأنه كان يقرأ فى المكتوبة بالسورتين فى ركعة.

(حاشية مؤطاامام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ: ١/٦٣، رقم ٥ ـ، آرام باغ كراچى)

اعلاء السنن میں ہے:

عن نافع قال: ربما أمنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالسورتين والثلاث فى الفريضة.

(اعلاء السنن:٤/١٣٣)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبيد الله بن موسىٰ عن عيسىٰ عن الشعبى عن زيد بن خالد الجهنى قال: ما أحب

أنی قرنت سورتین فی رکعة و لو أن لی حمر النعم. (مصنف ابن ابی شیبة: ۳/۲٤،المجلس العلمی)

شرح معانی الاثار میں ہے:

عن أبی العالیة قال: أخبرنی من سمع النبی ﷺ یقول:"لکل سورة رکعة".

حدثناأبوبکرة قال: ثنا أبوداؤد قال: ثنا شعبة عن یعلی بن عطاء قال: سمعت ابن لبیبة قال: قال رجل لابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی قرأت المفصل فی رکعة أوقال فی لیلة، فقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن اللّٰه لوشاء لأنزله جملة واحدة ولکن فصله لتعطی کل سورة حظها من الرکوع والسجود. (شرح معانی الآثار:۱/۲٤۰،باب جمع السورفی رکعة،فیصل)

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وکیع عن إسرائیل عن عبد الأعلی عن أبی عبد الرحمن أنه کان لایقرن بین السورتین فی رکعة.

حدثنا عبد اللّٰه بن موسی عن عثمان بن الأسود عن عکرمة بن خالد قال: کان أبوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام لایجمع بین السورتین في رکعة ولایجاوزسورة إذا ختمها. (مصنف ابن أبی شیبة: ۳/۲۵۸)

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

فی شرح المنیة:الأولی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره إلاأن یترک بینهما سورة أو أکثر. (رد المحتار:۱/۵۱،سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا جمع بین السورتین فی رکعة رأیت فی موضع أنه لابأس به وذکرشیخ الإسلام أنه لاینبغی له أن یفعل هکذا علی ماهوظاهرالروایة. (الفتاوی التاتارخانیة:۱/٤۵۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

فرض نماز کی ایک رکعت میں دوسورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی:۳/۷۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فرائض میں نامناسب،نوافل میں مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۹۰،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

امام کے لئے قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا أم أحدكم الناس فليخفف فإن فيهم الصغير والكبير والضعيف والمريض،فإذا صلى وحده فليصل كيف شاء.

(مسلم شريف:۱/۱۸۸)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايزيد على القراءة المستحبة ولايثقل على القوم ولكن يخفف بعد أن يكون على التمام والاستحباب كذا فی المضمرات ناقلاً عن الطحاوی. (الفتاوی الهنديه:۱/۷۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قراءتِ مسنونہ ومستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کرے لیکن پوری سنت اور مستحب قراءت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ رکھے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص ۱۱۶، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کرنا ثابت ہے اس لئے کبھی کبھی جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر باب باندھا ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ "الأبواب والتراجم" میں "باب الجمع بين السورتين فی ركعة" کے تحت فرماتے ہیں:

قال العلامة العينی رحمہ اللہ تعالیٰ فی حديث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: جواز الجمع بين السورتين فی ركعة واحدة وإليه ذهب أبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ومالك رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وأحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی رواية وقال ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ: عن أبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه قال: لاأحب أن يقرأ سورتين بعد الفاتحة فی المكتوبات ولوفعل لايكره وفی النوافل لابأس به.

(الأبواب والتراجم:ص ۹۳،باب الجمع بين السورتين فی ركعة،سعيد)

نیز مرفوع روایت سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقرن بين كل سورتين فی كل ركعة. (رواه الترمذی:۱/۱۳۱،باب ماذكرفی قراءة سورتين فی ركعة)

معارف السنن میں ہے:

يجوزقراءة السورتين فی ركعة واحدة من غير كراهة، كما فی "شرح معانی الآثار" للطحاوی (۱-۲۰۶) (باب جمع السورفی ركعة) وذكرأن هذا مذهب أبی حنيفة وأبی يوسف

ومحمد رحمهم الله تعالىٰ. وذكر في "البحر": إن الجمع بين السورتين بينهما سور أوسورة واحدة مكروه. ثم إن جواز الجمع بين سورتين في ركعة واحدة حكاه العيني رحمہ اللہ تعالیٰ في "العمدة" (٣-٢٠١) عن الأئمة الأربعة وعن كثير من الصحابة والتابعين. والله اعلم.

(معارف السنن: ٥/١٣٨، سعيد)

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ:

سوال: اکثر شوافع کو دیکھا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے فاتحہ کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، کیا شوافع حضرات کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ کی اچھی تحقیق استاذ محترم حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے "أحسن الكلام في ترك القراءة خلف الإمام" میں فرمائی ہے، ہم اس تحریر کی روشنی میں مختصراً ترمیم واضافہ کے ساتھ شوافع حضرات کی خدمت میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام کی کتاب الصلاۃ میں امام اور منفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ضروری ہونے کو بیان فرمایا ہے:

حيث قال: فواجب على من صلى منفردًا أوإمامًا أن يقرأ بأم القران في كل ركعة لايجزيه غيرها وأحب أن يقرأ معها شيئًا آية أوأكثروسأذكر المأموم، إن شاء الله تعالىٰ.

(كتاب الأم: ١/٢١٠، باب القراءة بعد التعوذ)

وقال في موضع آخر: والعمد في ترك القراءة بأم القران والخطأ سواء في أن لاتجزئ ركعة إلابهاأوبشيء معها إلاما يذكرمن المأموم، إن شاء الله تعالىٰ.

(كتاب الأم: ١/٢٠٣، باب من لايحسن القراءة، دارالكتب العلمية)

مذکورہ بالا عبارات میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقتدی کے حکم کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحدود کے بعد محل غیر مظان میں پورا فرمایا ہے:

حيث قال: ونحن نقول كل صلاة صليت خلف الإمام والإمام يقرأ قراءة لايسمع فيها قرأ فيها. (كتاب الأم: ٧/٢٥٦، اختلاف على ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان)

چونکہ یہ وعدہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غیر مظان میں پورا فرمایا ہے اس لئے بہت سے اکابر نے تحریر فرمایا کہ ان کو کتاب الام میں اس وعدہ کی تکمیل نہیں ملی، چنانچہ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ثم لم أجد ذكر المأموم فيما تتبعت. (أوجز المسالك:٢/١٦٨)

نیز شیخ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والنسخة المطبوعة لم نجد فيها حكم المأموم. (معارف السنن: ٣/١٨٦،سعيد)

اشکال: امام مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مختصر المزنی" میں امام شافعی سے جہری نمازوں میں قرات فاتحہ کا وجوب نقل فرمایا ہے اور اسی کو قولِ جدید قرار دیا ہے:

قال المزنی رحمہ اللہ تعالیٰ: قد روى أصحابنا على الشافعي أنه قال: يقرأ من خلفه وإن جهر بأم القران. (مختصر المزني: ٢٦،باب صفة الصلاة وما يجوز منها،دارالكتب العلمية)

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کتاب الام ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے ہے اور امام مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ زیادہ قابل اعتماد اور ثقہ ہیں، چنانچہ امام خلیلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثقة متفق عليه والمزني مع جلالته استعان على ما فاته عن الشافعي بكتاب الربيع وقال مسلمة: كان من كبار أصحاب الشافعي. (تهذيب التهذيب:٣/٢٢١،بيروت)

امام ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

البويطي كان يقول: الربيع أثبت في الشافعي مني. (تهذيب التهذيب ٣/٢٢١،بيروت)

مولی احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ لکھتے ہیں:

الربيع بن سليمان الثقة الثبت فيما يرويه حتى رجحوا روايته عند تعارض المزني مع علو قدر المزني علمًا ودينًا وجلالةً. (أحسن الكلام:٨٢ بحواله مفتاح السعادة: ٢/١٦٢)

خلاصہ یہ ہوا کہ امام بویطی اور محدثین کے فیصلے کی رو سے امام ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیشِ نظر ترجیح حاصل ہے، لہٰذا شافعی مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ یا بعد میں فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے اور یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم، فيما بينكم وبين ربكم"﴾

باب.....﴿۶﴾

امامت کا بیان

فصلِ اول

امام سے متعلق احکام

امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا:

سوال: امام دوسرے مقتدیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہوتو کیا حکم ہے؟

الجواب: بغیر عذر کے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر عذر ہے مثلاً جگہ ناکافی ہے اور صحن میں جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے لیکن بارش یا شدید گرمی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر بلا کراہت جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو ورنہ مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفی السید وإن کثر القوم کرہ قیام الإمام وسطهم تحریمًا لترك الواجب، وتمامه فیه.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۳۰۶،فصل فی بیان الاحق بالإمامة،قدیمی)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأمابیان مقام الإمام والمأموم فنقول:إذاکان سوی الإمام ثلاثة یتقدمهم الإمام لفعل رسول اللّٰه ﷺ وعمل الأمة بذلك وروی عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: إن جدتی ملیکة دعت رسول اللّٰه ﷺ إلی طعام فقال رسول اللّٰه ﷺ: "قوموا لأصلی بکم فأقامنی والیتیم من وراء ه وأمی أم سلیم من وراء نا" ولأن الإمام ینبغی أن یکون بحال یمتازبها عن غیره ولایشتبه علی الداخل لیمکنه الاقتداء به ولایتحقق ذلك إلا بالتقدم ولوقام فی وسطهم أومیمنة الصف أومیسرته جازوقد أساء، أما الجوازفلان الجوازیتعلق بالأرکان وقد وجدت وأما الإساء ة فلترکه السنة المتوارثة. (بدائع الصنائع:۱/۱۵۸،سعید)

شامی میں ہے:

(والزائد یقف خلفه فلوتوسط اثنین کرہ تنزیهًا وتحریمًا لوأکثرأفاد أن تقدم الإمام أمام

الصف واجب كما أفاده فى الهداية و الفتح. (شامی: ۱/۵۶۷،سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

وتقدم الإمام بعقبه عن عقب المأموم شرط لصحة اقتداء ه. (امدادالفتاح:ص ۳۳۳،بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مقتدی ہوتو امام کے برابر کھڑا ہو دو مقتدی ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے.....البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۴۵)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۲۹۸، باب الامامۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۴۹۳۔ وعمدۃ الفقہ: ۲/۲۰۶)۔ واللہ اعلم۔

امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا:

سوال: نماز کی حالت میں امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتہ یا پاجامہ لٹکانا خارج نماز بھی مکروہ ہے اور دورانِ نماز کراہت میں شدت ہوگی لہذا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر امام ہمیشہ یہی رویہ اختیار کرتا ہے تو فاسق ہے اس کی امامت مروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال: ماأسفل من الكعبين من الإزارفى النار.

(رواه البخارى: ۲/۸۶۱/۵۵۵۹،باب ماأسفل من الكعبين ففى النار)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاكره إمامة الفاسق) والمراد الفاسق بالجارحة لابالعقيدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهومعنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة اللّٰه تعالىٰ بارتكاب كبيرة،قال القهستانى: أى أوإصرارعلى صغيرة.....

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص ۳۰۳،قديمى۔والفتاوى الهندية: ۱/۸۵۔والشامى: ۱/۵۶۰،سعيد۔امداد الفتاح: ص ۳۴۲،بيروت)

بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم على منبره يقول: ياأيهاالناس توبوا إلى اللّٰه جل جلالہ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذى

بینکم وبین ربکم بکثرة ذکر کم له ولایؤمن فاجر مؤمنا إلاأن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه.

(رواه البیهقی فی سننه الکبری: ۱۷۱/۳، کتاب الجمعة، دارالفکر۔ وابن ماجه: ۷۵/۱، باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری: ۹۰/۳، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان بدریًا قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیمابینکم وبین ربکم.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۶۰/۱۵/۱۷۱۶۵، مااسندابن ابی مرثدص)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔

(فتاوی رحیمیه: ۱۶۳/۱)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

امام مذکور کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اول تو ٹخنوں سے نیچا پاجامہ خارجِ نماز پہنا بھی ممنوع ہے، یہ امر موجبِ فسق امام ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور امام بنانا فاسق کو بدونِ توبہ کے مکروہ ہے اور ثانیاً نماز میں بار بار ایسی حرکت کرنا بھی نہیں چاہئے کہ اس میں بھی کراہت ہے، اور بعض صورتوں میں خوف فسادِ صلاۃ ہے بہرحال امام مذکور کو فعل مذکور سے روکنا چاہئے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل: ۱۱۷/۳، باب الامامة، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۲۹۶/۳۔ فتاوی محمودیہ: ۹۵/۶، فاسق کی امامت کا بیان۔ وفتاوی رحیمیہ: ۱۷۵/۱)۔ واللہ اعلم۔

داڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم:

سوال: داڑھی کٹانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مشت سے پہلے داڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے لہٰذا دیندار متقی شخص کو امام بنانا چاہئے۔

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك أي بقدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير: ۲/۳٤۸، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أو تطويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهو دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٦٨١، كتاب الصوم، فصل فيما يكره للصائم، قديمي - وهكذا في الشامي: ۲/٤۱۸، كتاب الصوم، مطلب في الاخذ من اللحية، سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو قدموا فاسقًا يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتسهله في الإتيان بلوازمه فلا يبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه.

(شرح منية المصلي: ص ٥١٣، فصل في الامامة، سهيل - وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۸٥، الباب الخامس في الامامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح اماما لغيره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے۔ شارحِ مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است یعنی ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، مسنون اس لئے کہتے ہیں کہ دینی دستور اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یعنی ان کا طریقہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/۲۸۸) یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا درجہ بھی سنت کا ہے جس کے ترک پر گناہ ہو بلکہ اس کا ترک کرنا اور مسلسل ترک کرتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۷۵)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۲٦۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ٦/۱۲۴، فاسق کی امامت کا بیان)۔ واللہ اعلم۔

مذاہبِ اربعہ میں داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم:

مذہبِ احناف:

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لایحل للرجل أن یقطع اللحیة. (الفتاوی البزازیة علی ہامش الہندیة، کتاب الاستحسان:۳/۳۷۹)

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهی دون ذلك کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد.

(فتح القدیر: کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارة: ۲/۳٤، دارالفکر)

مذہبِ مالکیہ:

مواہب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحیة لایجوز وکذلك الشارب وهو مثلة وبدعة ویؤدب من حلق لحیته أوشاربه.

(مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، کتاب الطہارة، فصل فی فرائض الوضوء:۱/۳۱۳)

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت: وما حکم القصّ عند عدم الطول أو الطول قلیل؟ قلت: صرح بعض الشراح بأنه یحرم القصّ ان لم تکن طالت کالحلق. (حاشیة العدوی باب فی بیان الفطرة:۲/۵۸۱)

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشیخان یکره حلق اللحیة واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیة بأن الشافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى **نص فی الأم علی التحریم قال الزرکشی و کذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفّال الشاشی فی محاسن الشریعة وقال الأذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما یفعله القلندریة.** (حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنہاج، فصل فی العقیقة:۹/٤۳٦)

فتح الباری میں ہے:

ثم حکی الطبری اختلافًا فیما یؤخذ من اللحیة هل له حد أم لا؟ فأسند عن جماعة

الاقتصارعلى أخذ الذى يزيد منها على قدر الكف،وعن الحسن البصرى أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نحوه.

(فتح البارى: ١٠/ ٣٥٠، باب تقليم الأظفار،دار النشر للكتب الإسلامية)

شرح مہذب میں ہے:

سبق فى الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد: قال الخطابى وغيره هو توفيرها وتركها بلا قص، كره لنا قصها كفعل الأعاجم، قال وكان من زى كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب. (المجموع شرح المهذب،مسائل مستحبة من خصال الفطرة ١/ ٢٩٠،دار الفكر)

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لايأخذ منها شيئًا، قال فى المذهب ما لم يستجهن طولها ويحرم حلقها ذكره الشيخ تقى الدين ولايكره أخذ ما زاد على القبضة.

(كشّاف القنّاع عن متن الإقناع، كتاب الطهارة،ويسن الإمتشاط...:١/ ٧٥)

بخاری شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن منهال قال حدثنا يزيد بن زريع حدثنا عمربن محمد بن زيد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال: خالفوا المشركين وفّروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إذا حجّ أواعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه.

(صحيح البخارى، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار:٢/ ٨٧٥،ياسر)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" أراد بهم المجوس، يدل عليه رواية مسلم: خالفوا المجوس لأنهم كانوا يقصّرون لحاهم و منهم من كان يحلقها. (عمدة القارى ١٥/ ٩٠)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" فى حديث أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد فى حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فإنهم كانوا يقصرون لحاهم و منهم من كان يحلقها. (فتح البارى: ١٠/ ٣٤٩،دار نشر الكتب الإسلامية)

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى أوفوا اللحى فى الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك.

(شرح الصحيح لمسلم للنووى، ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، فيصل)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من تشبه بقوم فهو منهم.

(مشكاة المصابيح: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثانى، قديمى)

مرقاۃ میں ہے:

أى من شبه نفسه بالكفار مثلا فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أى فى الإثم والخير قال الطيبى هذا عام فى الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر فى الشبه ذكر فى هذا الباب، قلت بل الشعار هو المراد بالتشبه لاغير فان الخلق الصورى لايتصور فيه التشبه والخلق المعنوى لايقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح على مشكاة المصابيح: ۸/۲۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثانى، مسئلة التشبه، امداديه)

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی کا منڈانا حرام ہے، اور اس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: **لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار.**

(رد المحتار، ۵/۴۷۳، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، سعيد)

اور ائمہ اربعہ کے نزدیک فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں ہے:

تكره إمامة الفاسق إلا إذا كان إمامًا لمثله باتفاق الحنفية والشافعية، أما الحنابلة قالوا: إمامة الفاسق ولو لمثله، غير صحيحة إلا فى صلاة الجمعة والعيد إذا تعذرت صلاتهما خلف غيره، فتجوز إمامته للضرورة، والمالكية قالوا: إمامة الفاسق مكروهة ولو لمثله.

(الفقه على المذاهب الأربعة، ۱/۳۴۷، مبحث مكروهات الصلاة)

خلاصہ: باتفاقِ ائمۂ اربعہ داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے اوپر کترانے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ قراءت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکرِ مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے لہٰذا دورانِ قراءت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلافِ سنت ہے۔ امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویسن وضع الرجل یده الیمنی علی الیسری تحت سرته. لحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة. (امداد الفتاح: ص ۲۸۲، بیروت)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القیام عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ و أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ حتی لا یرسل حالة الثناء والأصل ان کل قیام فیه ذکر مسنون یعتمد فیه ومالا فلا هو الصحیح، فیعتمد فی حالة القنوت وصلاة الجنازة ویرسل فی القومة وبین تکبیرات الأعیاد.

(هدایه: ۱/۱۰۲، باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ أنه سنة القراءة والصحیح ماقاله شمس الائمة الحلوانی وهو الذی أشار إلیه فی الکتاب أن کل قیام.....

(شرح العنایة علی هامش فتح القدیر: ۱/۲۸۷، باب صفة الصلاة، دار الفکر)

نیز ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۱/۳۰۸، کوئٹة۔ و کذا فی الشامی: ۱/۴۸۷، سعید)۔ **واللہ اعلم۔**

امام کا محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا:

سوال: امام اگر محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہو کر امامت کرائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا محراب میں کھڑا ہونا بعض روایات سے ثابت ہے، اور سلف صالحین اور تعامل امت سے بھی یہی منقول ہے لہٰذا بلا ضرورت محراب کو چھوڑنا اچھا نہیں، ہاں محراب میں قیام ضروری بھی

نہیں ہے، فقہاء جب یہ بحث کرتے ہیں کہ امام محراب کے اندر مکمل طور پر کھڑا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محراب مطلوب ہے لیکن جوفِ محراب میں کھڑا ہونا اچھا نہیں مگر گرمی یا دوسرے اعذار کی وجہ سے درست ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن سعيد بن عبد الجباربن وائل عن أبيه عن أمه عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حضرت رسول الله ﷺ إذا أوحين نهض إلى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير..... (رواه البيهقي في سننه الكبرى:٢/ ٣٠،دارالمعرفة)

طبرانی میں ہے:

عن سهيل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يصلى إلى خشبة فلما بنى له المحراب تقدم إليه. (رواه الطبراني في الكبير: ٦/١٢٦)

شامی میں ہے:

ويقف وسطًا قال في المعراج: وفي مبسوط بكر :السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره، تنبيه: يفهم من قوله أوإلى سارية كراهة قيام الإمام في غير المحراب، ويؤيده قوله قبله السنة أن يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط،فلو لم يلزم ذلك لايكره. (شامي:١/٥٦٨، باب الامامة،سعيد)

دوسری جگہ مذکور ہے:

ومقتضاه أن الإمام لوترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة. (شامي:١/٦٤٦،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وينبغي للامام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الوسط أوفي ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة. (الفتاوى الهندية:١/٨٩)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الفتاوی:۱/۲۸۳۔ وفتاوی محمودیہ:۶/ ۵۰۸۔ واحسن الفتاوی:۳/۲۹۳۔ وفتاوی حقانیہ:۳/۱۴۲)۔

واللہ اعلم۔

امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا:

سوال: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر امام محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ جوفِ محراب میں کرے تو یہ درست ہے، نیز امام کے ساتھ دو تین حضرات کھڑے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح تنگی یا کسی اور وجہ سے امام اندر کھڑا ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویکرہ قیام الإمام فی المحراب لاسجودہ فیہ وفی الشامی: وحاصلہ أنہ صرح محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فی الجامع الصغیر بالکراھۃ ولم یفصل، فاختلف المشایخ فی سببھا فقیل کونہ یصیر ممتازاً عنھم فی المکان لأن المحراب فی معنی بیت آخر وذلک صنیع أھل الکتاب، واقتصر علیہ فی الھدایۃ واختارہ الإمام السرخسی وقال: إنہ الأوجہ، وقیل: اشتباہ حالہ علی من فی یمینہ ویسارہ، فعلی الأول یکرہ مطلقاً وعلی الثانی لایکرہ عند عدم الاشتباہ، وأید الثانی فی الفتح بأن امتیاز الإمام فی المکان مطلوب، وتقدمہ واجب وغایتہ اتفاق الملتین فی ذلک وارتضاہ فی الحلیۃ وأیدہ، لکن نازعہ فی البحر بأن مقتضی ظاھر الروایۃ الکراھۃ مطلقًا، وبأن امتیاز الإمام المطلوب حاصل بتقدمہ بلا وقوف فی مکان آخر وھذا کلہ عند عدم العذر کجمعۃ وعید فلو قاموا علی الرفوف والإمام علی الأرض أوفی المحراب لضیق المکان لم یکرہ لو کان معہ بعض القوم فی الأصح، وبہ جرت العادۃ فی جوامع المسلمین.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/۶۴۵، سعید۔ وکذافی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۷۲۔ والفتاوی الھندیۃ: ۱/۱۰۸، الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلاۃ)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یعنی کراہتِ تنزیہی ہے، جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ۶/۵۰۴، ۵۰۶، باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۳۱۰، باب الامامۃ۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۱۱، کتاب الصلاۃ)۔ واللہ اعلم۔

امام کے لئے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنے کا حکم:

سوال: امام کے لئے "سمع اللّٰه لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: متأخرین کے قول کے مطابق امام کو بھی "سمع اللّٰه لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہنا افضل اور مستحب ہے۔ اور صرف تسمیع پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ثم رفع رأسه، واطمأن قائلاً "سمع اللّٰه لمن حمده، ربنالك الحمد" لو إمامًا أى لو كان إمامًا هذا قولهما وهو رواية عن الإمام ووجه قولهما وهو رواية عن الإمام واختارها فى الحاوى القدسى وفى الدراية عن الظهيرية كان الفضلى والطحاوى وجماعة من المتأخرين يميلون إلى قولهما، وهو قول أهل المدينة فاختاروا قولهما الموافق لتلك الرواية عن الإمام فاتبعناها، فقلنا: إن الإمام يجمع بينهما قول أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: كان رسول اللّٰه ﷺ حين يفرغ من صلاه الفجر من القراءة يكبر ويرفع رأسه من الركوع ويقول: "سمع اللّٰه لمن حمده، ربناولك الحمد" أنج الوليد بن الوليد" الحديث. (اخرجه البخارى فى الادب باب تسمية الوليد: (٦٢٠٠) ومسلم فى المسجد ومواضع الصلاة، والنسائى، وابن ماجة) وقوله "أنا أشبهكم صلاة برسول اللّٰه ﷺ وكان إذا قال: "سمع اللّٰه لمن حمده" قال: "ربنالك الحمد" وقول عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: خسفت الشمس فى حياة رسول اللّٰه ﷺ وصلى بالناس، فلما رفع رأسه من الركوع قال: "سمع اللّٰه لمن حمده، ربنالك الحمد" رواه الطحاوى (اخرجه مسلم فى الكسوف۔ وابو داود فى باب صلاة الكسوف۔ والنسائى فى الكسوف) ولأنه داع إلى الحمد فلا يتأخر عنه بنفسه تحرزًا عن دخوله تحت قوله تعالٰى: ﴿أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم﴾ البقرة:٤٤، وقوله تعالٰى: ﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾. (الصف:٢۔ امداد الفتاح:ص ٣١٨ فصل فى كيفية تركيب الصلاة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

أما الإمام فيأتى بعد التسميع بالتحميد أيضًا على قولهما وفى المحيط: قال شمس الأئمة الحلوانى: كان شيخنا القاضى الإمام يحكى عن أستاذه أنه كان يميل إلى قولهما وكان

یجمع بین التسمیع والتحمید حین کان إمامًا والطحاوی کان یختار قولهما أیضًا وهکذا نقل عن جماعة من المتأخرین أنهم اختاروا قولهما وهو قول أهل المدینة انتهی.

(شرح منیة المصلی: ص۳۱۸، سهیل۔ وکذافی الشامی: ۱/۴۹۷، سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی حقانیه: ۳/۱۲۶۔ واحسن الفتاوی:۳/۳۱۲)

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم:

سوال: کیا ایسے عالم یا حافظ کے پیچھے فرائض یا تراویح پڑھ سکتے ہیں جو ٹیلیویژن اور فلمیں پابندی کے ساتھ دیکھتا ہو؟

الجواب: ٹیلیویژن اور فلمیں دیکھنے والا شخص فاسق وفاجر ہے اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی منبره یقول: یاأیها الناس توبوا إلی الله جل جلالہ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرة ذکرکم له ولایؤمن فاجر مؤمنا إلاأن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه.

(رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۱۷۱، کتاب الجمعة،دارالفکر۔وابن ماجه:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۹۰،باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان بدریًا قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیمابینکم وبین ربکم.

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱۵/۲۶۰/۱۷۱۶۵، مااسندابن ابی مرثدص)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاکره إمامة الفاسق) والمراد بالفاسق بالجارحة لابالعقیدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهومعنی قولهم خروج الشیء عن الشیء علی وجه الفساد وشرعًا خروج عن طاعة اللّٰه تعالٰی بارتکاب کبیرة، قال القهستانی:أی أوإصرارعلی صغیرة

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،قدیمی۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۵۔والشامی:۱/۵۶۰،سعید۔امداد الفتاح: ص۳۴۲،بیروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقًا یأثمون بناء علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بأمور دینه وتسهله فی الإتیان بلوازمه فلایبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ینافیها بل هو الغالب بالنظر إلی فسقه.

(شرح منیة المصلی: ص۵۱۳، فصل فی الامامة،سهیل۔ وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱/۸۵، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح امامًا لغیره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔

(فتاوی رحیمیه: ۱/۱۶۳)

احسن الفتاوی میں ہے:

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے،اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے مگر نماز ہوجائے گی لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/۲۸۸،باب الامامة۔وفتاوی محمودیه: ۶/۲۱۱،باب الامامة)

امام کو "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةِ" کے وقت شروع کرنے کا حکم:

سوال: بعض متون کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ امام "قدقامت الصلاة" کے وقت شروع کرے گا۔"ویشرع الإمام والقوم معه عند "قدقامت الصلاة" فی قول أبی حنیفة رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ومحمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وعند الفراغ من الإقامة فی قول أبی یوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی "نقایة." اس مسئلہ میں قول مختار کونسا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں مختار قول امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا ہے،یعنی جب اقامت ختم ہوجائے تب

امام شروع کرے۔امام کو "قد قامت الصلاۃ" کے وقت شروع کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے البتہ اقامت کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ اقامت ختم ہوجائے تب شروع کرے۔

ملاحظہ ہو شرح نقایہ میں ہے:

والجمهور على قول أبى يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ليدرك المؤذن أول صلاة الإمام وعليه عمل أهل الحرمين. (شرح النقاية: ١/١٣٨، باب الاذان، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

وقال أبو يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ يشرع إذا فرغ من الإقامة أى بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب شرح المجمع وهو الأصح قهستانى عن الخلاصة، وهو الحق نهر.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٢٧٨، فصل فى آدابها، قديمى)

درمختار میں ہے:

وشروع الإمام فى الصلاة مذ قيل "قد قامت الصلاة" ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعًا وهو قول الثانى (أبى يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ) والثلاثة، وهو أعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه، وفى القهستانى معزيًا للخلاصة أنه الأصح. (شامى: ١/٤٧٩، صفة الصلاة سعيد)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

(قوله أنه الأصح) أى فالأخذ به أولىٰ لأنه لايقع اشتباه على المصلين. والله اعلم.

(طحطاوى على الدر المختار: ١/٢١٥، باب صفة الصلاة)

امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعاء کا ثبوت:

سوال: امام کو رکوع سجدہ میں کتنی مرتبہ تسبیحات پڑھنا چاہئے اور جلسہ میں کیا پڑھے؟

الجواب: امام کے لئے رکوع سجدہ میں پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھنا افضل ہے۔تین مرتبہ پر اکتفاء کرنا بھی درست ہے۔اور جلسہ میں دعاء پڑھنا بہتر ہے اگر مقتدیوں پر شاق نہ ہو ورنہ ترک اولیٰ ہے۔

دعاء جو حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے: "اللّٰهمّ اغفرلى وارحمنى واجبرنى واهدنى وارزقنى". یا مختصر پڑھ لے جیسے "اللّٰهمّ اغفرلى".

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ونقل فى الحلية عن عبد الله بن المبارك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وإسحاق رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وإبراهيم

رحمہ اللہ تعالیٰ والثوری رحمہ اللہ تعالیٰ أنه يستحب للإمام أن يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث. (شامی:۱/۴۹۵،سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولوزاد على الثلاث فذلك أفضل بعدأن يختم على وترخمس أوسبع أوتسع ولكن إن كان إمامًا لايطول وقال سفيان الثورى رحمہ اللہ تعالیٰ ينبغى أن يقول خمسًا حتى يتمكن القوم أن يقولوا ثلاثًا. (خلاصة الفتاوى: ۱/۵۴، الفصل الثانى سنن الصلاة وآدابها، رشيديه)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح منية المصلى:ص۲۸۲، سهيل۔ وفتح القدير:۱/۲۹۸۔واحسن الفتاوى: ۳/۲۹۵)

جلسہ میں دعاء پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول بين السجدتين: "اللّٰهمّ اغفرلى وارحمني واجبرنى واهدنى وارزقنى". (رواه الترمذى:۱/۶۳،باب مايقول بين السجدتين)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال القاضى ثناء اللّٰه البانى بتى رحمہ اللہ تعالیٰ باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ماقال القاضى المرحوم لاسيما فى هذا العصرفإن تحفظ الجلسة متعذربدون تعيين الدعاء فيها. (العرف الشذى على سنن الترمذى:۱/۷۰)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بل ينبغى أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجًا من خلاف الإمام أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لإبطاله الصلاة بتركه عامدًا ولم أرمن صرح بذلك عندنا، لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف ولاضررفى التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشريعة لاتنبوعنه، كيف والصلاة هى التسبيح والتكبيروالقراءة كما ثبت فى السنة.

(شامی: ۱/۵۰۵۔ ۵۰۶، سعید)

ہاں امام کو طویل دعاؤں سے احتراز کرنا چاہئے جو مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بنے۔ واللہ اعلم۔

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشاء کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آکر اس کی اقتداء کرلی امام نے نماز میں جہر نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا امام کو جہری نماز میں جہر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: امام نے اگر امامت کی نیت کرلی تو جہر کرنا ضروری تھا لیکن اگر امامت کی نیت نہیں کی تو جہر ضروری نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ امام کو جہری نماز میں جہر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة، فإن زاد علیه أساء، ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًا أعادها جهرًا، بحر، لكن فی آخر شرح المنية: ائتم به بعد الفاتحة، يجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا لا فلا يلزمه الجهر. وفی الشامی: (قوله إن قصد الإمامة) عزاه فی القنية إلى فتاوى الكرمانی. ووجهه أن الإمام منفرد فی حق نفسه، ولذا لا يحنث فی لا يؤم أحدًا ما لم ينو الإمامة، ولا يحصل ثواب الجماعة إلا بالنية. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۵۳۲، فصل فی القراءة، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

ويجب جهر الإمام الواجب منه أدناه وهو أن يسمع غيره، ولو واحدًا وإلا كان إسرارًا.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۵۲، فصل فی بيان واجبات الصلاة، قديمی)

امداد الفتاح میں ہے:

ويجب جهر الإمام بقراءة ركعتی الفجر وقراءة أولیی العشائين للمواظبة عليه.

(امداد الفتاح: ص ۲۷۸، فصل فی واجبات الصلاة)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشاء کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اسی اثناء میں کوئی شخص اس کی اقتداء کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں تاکہ نماز جماعت سے ہوجاوے (۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گویہ میرے پیچھے آکھڑا ہوا لیکن میں امام نہیں بنتا بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں پس پہلی صورت میں تو اس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قراءۃ کرنا واجب ہے پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر و مغرب و عشاء کے وقت بلند آواز سے قراءت کرنا

واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی کیونکہ صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے امام کا نیتِ امامت کرنا ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

(اصلی بہشتی گوہر گیارواں حصہ: ص۵۸، مقتدی اور امام کے متعلق مسائل، مسئلہ ۲۰، المدنیہ لاہور)

بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو جماعت ترک کرے یا شریک جماعت ہوجائے؟ اور اگر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو کیا کرے؟

الجواب: بریلوی عقائد بہت مختلف ہیں۔ اگر ان کے عقائد میں سے مثلاً آپ ﷺ کو عالم الغیب تسلیم کرنا، حاضر ناظر سمجھنا، مختار کل ماننا، متصرف فی الامور جاننا، مشکل کشا و حاجت روا کہنا، باری تعالیٰ کا عکس بتانا، یہ تمام عقائد کفر تک پہنچانے والے ہیں لہٰذا اگر کسی شخص کے یہ مذکورہ بالا عقائد ہیں تو اس کے پیچھے نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اگر پڑھنے پر مجبور ہو تو اعادہ لازم ہے، نیز اگر فتنہ وغیرہ کا خوف ہو تو تشبہ بالمصلین کرلے اور پھر اعادہ کرلے یہ صورت زیادہ مناسب ہے۔

درمختار میں ہے:

ومبتدع أی صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ..... لایکفر بها..... وإن أنکر بعض ماعلم من الدین ضرورة کفر بها فلایصح الاقتداء به أصلاً، فلیحفظ. (الدرالمختار: ۱/ ۵۶۰، باب الامامة، سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وأطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع وهو من أهل قبلتنا وقیده فی المحیط والخلاصة والمجتبی وغیرها بأن لاتکون بدعته تکفره فإن کانت تکفره فالصلاة خلفه لاتجوز وعبارة الخلاصة هکذا. (البحرالرائق: ۱/ ۳۴۹، باب الامامة، الماجدیة)

تبیین الحقائق میں ہے:

(والمبتدع) أی صاحب الهوی قال المرغینانی تجوز الصلاة خلف صاحب الهوی وبدعة ولاتجوز خلف الرافضی والجهمی والقدری والمشبه ومن یقول بخلق القرآن، حاصله إن کان هوی لایکفر صاحبه یجوز مع الکراهة وإلافلا. (تبیین الحقائق: ۱/ ۱۳۴، باب الامامة، امدادیة)

امداد الفتاح میں ہے:

والمراد المبتدع الذی لاتکفره بدعته فإن کفربهالاتصح إمامته کما قدمناه.فإذا تبین له ذلك لزمه إعادة ما صلاه خلفه. (امدادالفتاح: ص۳۴۳، ۳۳۱،بیان من تکره امامتهم)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ایسے بدعتی کے پیچھے جس کی بدعت کفر تک پہنچ جائے کسی شخص کی نماز درست نہیں ہے۔

(عمدۃالفقہ: حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ص۱۸۴،شرائط امامت، مجددیہ، کراچی)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب جو خاصہ خدا ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔

(فتاوی رشیدیہ:۳۳۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر کوئی جناب سرور کائنات ﷺ کو غیب داں جانتا ہے تو یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے اور اگر کسی وجہ سے پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۱۷۰، باب الامامة مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں۔ (فتاوی محمودیہ۶/۲۶۰،باب الامامة،الفصل الثالث فی امامة المبتدع،جامعہ فاروقیہ)

فتاوی عثمانی میں ہے:

حضور ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

(فتاوی عثمانی ۱/۴۲۷، ۴۴۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب کہ امام مذکور کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی، اور ایسے بدعقیدہ امام کی اقتداء میں جو جماعت ہوگی اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ کالعدم ہے، لہٰذا اس کے بعد اہل حق کا جماعت سے نماز پڑھنا جماعتِ ثانیہ کے حکم میں نہ ہوگا۔

(فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۰، باب الامامة)

التشبہ بالمصلین کے شواہد:

یعنی اگر مجبوراً نماز پڑھنا پڑے تو نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرلے اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لے۔ شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں ملاحظہ ہو:

پانی اور مٹی نہ پانے والے کو تشبہ کا حکم ہے، پھر اعادہ ضروری ہے۔ اسی طرح مریض جو وضو اور تیمم پر قادر نہ ہو۔

درمختار میں ہے:

والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين بأن حبس في مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخرهاعنده، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوبًا فيركع ويسجد ثم يعيدالصلاة كالصوم وبه يفتى وإليه صح رجوعه أى الإمام كما فى الفيض.

(الدرالمختار: ١/٢٥٢، سعيد)

مرقات میں ہے:

وفى شرح الشمنى والمحبوس الذى لايجدطهورًا لايصلى عندهماوعند أبى يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ يصلى بالإيماء ثم يعيد وهورواية عن محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ تشبهًا بالمصلين قضاء لحق الوقت. (المرقاة شرح المشكاة: ١/٣٣٤)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

حكم فاقد الطهورين: الحنفية: المفتى به عندهم ما قاله الصاحبان وهو أن فاقد الطهورين يتشبه بالمصلين وجوبًا..... (الفقه الاسلامى وادلته: ١/٤٥٢، دارالفكر)

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

الحنفية قالوا: من فقد الطهورين الماء والصعيد الطاهر فإنه يصلى عند دخول وقت الصلاة صلاة صورية بأن يسجد بدون قراءة أوتسبيح وهذه الصلاة الصورية لاتسقط الفرض عنه بل تبقى ذمته مشغولة. (الفقه على مذاهب الاربعة: ١/١٦٦)

نیز کسی شخص کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ جماعت میں ہے نکلنا مشکل ہے یا شرم محسوس کرتا ہے تو بقیہ نماز میں تشبہ بالمصلی کرے۔

ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: رجل يصلى مع قوم وأحدث، فاستحيٰى من أن يظهر ذلك، فكتم وصلى كذلك مع الحدث هل يحكم بكفره؟

الاستبشار: لايكفر؛ لأنه غيرمستهزىء ومن ابتلى بذلك بضرورة أولحياء، ينبغى أن لايقصد بذلك الصلاة، بل يقوم ولايقرأ شيئًا، وإذا انحنٰى لايريد الركوع، ولايسبح، ولايفعل

شيئًا من أعمال الصلاة؛ لئلا يقع في أداء الصلاة مع الحدث. كذا في "خزانة الروايات".

(فتاوی اللکنوی:ص ۱۷۱، کتاب الصلوات،دارابن حزم)

فقہاء نے حائضہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر رمضان میں پاک ہوتو تشبہ بالصائم کرے اور مسافر افطار کرے پھر مقیم ہوجائے تو بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله كالصوم) أي في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسك تشبهًا بالصائم لحرمة الشهر ثم تقضي، وكذا المسافر إذا أفطر فأقام. (شامی:۱/۲۵۳،مطلب فاقدالطهورین،سعید)

نیز اخرس جو قراءت وتلبیہ وغیرہ پر قادر نہ ہوتو تشبہ بالقاری یعنی تحریک الشفتین کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: الأمي والأخرس إذا لم يقدر على أداء فرض القراءة هل يجب عليه تحريك الشفتين؟

الاستبشار: قيل: يجب تحريك الشفة واللسان كتلبية الحج وقيل لايجب. واللہ اعلم۔

(فتاوی اللکنوی:ص ۳۳۸،مایتعلق بالاعذار المسقطة لارکان الصلاة،دارابن حزم۔وکذافی الشامی:۱/۴۸۳،قراءة فی الصلاة، سعید۔ولباب المناسك: ص ۱۱۳، فصل وشرط التلبية،بیروت)

فسادِ نماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے:

سوال: اگر امام کی نماز خون نکلنے کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور امام کو نماز کے بعد معلوم ہوا تو امام پر اطلاع دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی وجہ سے نماز صحیح نہ ہوتو امام کے ذمہ مقتدیوں کو اطلاع دینا لازم ہے، پھر اگر امام عادل ہوتو مقتدیوں پر اعادہ واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ لیکن اگر مقتدی متعین نہ ہو یا خبر دینا مشکل ہوتو اطلاع دینا لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كل مفسد في رأي مقتد بطلت فيلزم إعادتها لتضمنها صلاة المؤتم صحةً وفسادًا كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن، وهل عليهم إعادتها، إن عدلا نعم، وإلا ندبت بالقدر الممكن بلسانه أو بكتاب

أورسول على الأصح لومعينين أى معلومين وقال ح: وإن تعين بعضهم لزمه إخباره وإلا أى وإن لمريكونوا معينين كلهم بعضهم لايلزمه. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۹۱، ۵۹۲، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو تنہا تنہا خبر کردے یا نماز کے وقت اعلان کردے کہ فلاں دن فجر کی نماز میں جو جو حضرات تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں جن مقتدیوں کو اس کی اطلاع نہ ہوسکے وہ معذور ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۴)

امدادالاحکام میں ہے:

سوال: امام نے سہواً بلاوضو نماز پڑھادی تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: امام پر لازم ہے کہ جن اشخاص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ نماز میں شریک تھے ان سب کو جس طرح ممکن ہو اطلاع کردے اور امام عادل ہو تو ان پر اطلاع سے اعادہ ضروری ہے، اور اگر امام عادل نہ ہو تو اعادہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۱/۵۲۵)

عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت مردوں کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

دلائل ملاحظہ ہو:

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الرجال قوّمون على النساء الخ﴾. (سورة النساء:الآية:۳٤)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

أى شأنهم القيام عليهن قيام الولاة على الرعية بالأمر والنهى ونحو ذلك..... ولذا خصوا بالرسالة والنبوة على الأشهر، وبالإمامة الكبرى والصغرى، وإقامة الشعائر كالأذان والإقامة والخطبة والجمعة..... (روح المعانی:۵/۲۳،القاهرة)

علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يقومون عليهن آمرين ناهين كما يقوم الولاة على الرعايا وسموا قوامًا لذلك يعنى

إنما كانوا مسيطرين عليهن لسبب تفضيل الله بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأى والقوة والغزو وكمال الصوم والصلاة والنبوة والخلافة والإمامة والأذان والخطبة والجماعة والجمعة..... (تفسیر النسفی:۱/۲۲۳،دارالفکر)

(۲) حدیث شریف میں:

عن جابربن عبدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خطبنارسول الله ﷺ فقال:"يآايها الناس توبوا إلى الله قبل أن تموتوا ألا لاتؤمنّ امرأة رجلاً.....".

(رواه ابن ماجة:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة۔والبيهقی فی سننه الكبرى:۳/۱۷۱،كتاب الجمعة،دارالمعرفة۔والطبرانی فی الاوسط:۲/۱۵۲/۱۲۸۳،الرياض)

یہ حدیث طویل ہے مطلب یہ ہے کہ: خبردار کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے۔

(۳) مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: خيرصفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخيرصفوف النساء آخرها وشرها أولها. (رواه مسلم:۱/۱۸۲،باب تسوية الصفوف،فيصل)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبی معمر رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "كان الرجال والنساء فی بنی إسرئيل يصلون جميعاً، فكانت المرأة لها الخليل، تلبس القالبين تطول بهما لخليلها، فألقى عليهنّ الحيض"فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: "أخروهن حيث أخرهن الله". إسناده صحيح.

(مصنف عبدالرزاق:۳/۱۴۹/۵۱۱۵،باب شهود النساء الجماعة،المجلس العلمی۔اعلاء السنن ۲/۲۲۴۔نصب الراية:۲/۳۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں سے پیچھے ہے۔

تنبیہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم ہے۔

(۴) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلى رسول الله ﷺ بامرأة من أهله وبى فأقامنى عن يمينه وصلت المرأة خلفنا. (رواه ابن ماجه:۱/۶۹،باب الاثنان جماعة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بهم وامرأة من أهله فجعل أنسًا عن يمينه والمرأة خلفه. وعن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ قال: صليت مع أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقمت عن يمينه وقامت أم ولده خلفنا. وعن هشام رحمہ اللہ تعالیٰ قال: جئت إلى عروة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهو يصلي وخلفه امرأة فأقامني عن يمينه والمرأة خلفه.

(مصنف ابن ابی شیبة: ۳/۶۸ ۵اذاکان الامام ورجل وامرأة، کیف یصنعون،المجلس العلمی)

خلاصہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ایک عورت کو اپنے اہل میں سے نماز پڑھائی اور مجھے داہنی جانب کھڑا کردیا اور عورت کو پیچھے کھڑا کردیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا یہی مقام ہے۔

(۵) بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صليت أنا واليتيم في بيتنا خلف النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأمي أم سليم خلفنا. (رواه البخاري: ۱/۱۰۱/۷۱۸، باب المرأة وحدها تكون صفًا)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائی میں اور یتیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور میری والدہ پیچھے صف میں کھڑی رہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت کی تو صف بھی پیچھے ہونا چاہئے چہ جائیکہ امامت کرے۔

(۶) نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدۃ العمر کسی عورت کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی اور نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پڑھیں۔

(۷) نیز عورتوں کی افضل نماز گھر کے کونہ میں ہے نہ مسجد میں نہ امامت کرنے میں۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها.

وفی هامشه: مخدعها هو البيت الصغير الذي يكون في داخل البيت، وقال السندي: هو البيت الذي يخبأ فيه خير المتاع وهو الخزانة داخل البيت۔ (ابو داؤد شریف مع الحاشیة: ۱/۸۴، باب التشديد في خروج النساء الى المسجد)

(۸) نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو عورتوں کو تصفیق کا حکم دیا گیا نہ کہ تسبیح کا کیونکہ آواز فتنہ کا باعث ہے اور امامت میں تو زیادہ فتنہ ہے لہٰذا بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال.

(رواه البخاری: ۱/۱۶۰/۱۱۸۹، باب التصفیق للنساء،فیصل)

عورت کی امامت کے سلسلہ میں بعض حضرات ابوداؤد شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ام ورقہ کی امامت کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہوابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم ورقة بنت عبدالله بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یزورها فی بیتها وجعل لها مؤذنًا یؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. (رواه ابو داؤد: ۱/۸۷،باب إمامة النساء)

مذکورہ بالا حدیث کا جواب:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کے رواۃ میں سے (۱) ولید بن جمیع (۲) عبدالرحمٰن بن خلاد (۳) ولید ابن جمیع کی دادی۔ یہ سب مجروح اور مجہول رواۃ ہیں۔

ملاحظہ ہواعلاء السنن میں ہے:

قال المنذری فی مختصره: الولید بن جمیع فیه مقلل، وقال ابن القطان فی کتابه: الولید ابن جمیع وعبد الرحمٰن بن خلاد لایعرف حالهما.

(اعلاء السنن: ۴/۲۴۵،ادارة القرآن۔وفتح القدیر: ۱/۳۵۴،باب الامامة،دارالفکر)

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فی التقریب: الولیدبن جمیع صدوق یهم ورمی بالتشیع. (تقریب التهذیب:ص ۳۷۰)

وقال أیضاً: عبد الرحمٰن بن خلاد مجهول الحال. (تقریب التهذیب:ص ۲۰۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی "بذل المجهود" میں ان راویوں پر کلام فرما کر ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ۴/۲۱۰)

نیز مذکور ہے:

وأما ما استدل به بعض العلماء علی جواز إمامة المرأة للنساء والرجال ففیر صحیح.

(بذل المجهود ۴/۲۱۰)

بالفرض اگر روایت ثابت ہوجائے تب بھی اس میں مردوں کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ام ورقہ عورتوں کی ہی امام بنی ہوگی۔

عورتوں کی امامت اگر چہ ناپسندیدہ ہے لیکن بعض احوال اور ضرورتوں کی وجہ سے قابلِ برداشت ہے۔

تنبیہ: ام ورقہ کی اس روایت کو البانی صاحب نے حسن کہا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

ملاحظہ ہو: (حاشية صحيح ابن خزيمه:۲/۸۰۲/۱۶۷۶،المكتب الاسلامی)

عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

مذہبِ احناف:

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المرأة تخالف الرجل فی مسائل منها ولا تؤم الرجال.

(حاشية الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح:ص ۲۵۹، فصل فی بیان سننها، قدیمی۔وهكذافی الشامی:۱/۵۰۴، سعید۔ والبحرالرائق:۱/۳۲۱، الماجدیه)

نیز شامی میں ہے:

إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلاة الكل أما الرجال والإمام فلعدم صحة اقتداء الرجال بالمرأة. (شامی:۱/۵۶۵،سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وفسد اقتداء رجل بامرأة ونقل فی المجتبی الإجماع علیه. (البحرالرائق:۱/۳۵۹،کوئٹة)

مذہبِ مالکیہ:

المدونہ میں ہے:

وقال مالك رحمه الله تعالیٰ: لاتؤم المرأة. (المدونة:۱/۸۵،کتاب الصلاة،فی الصلاة خلف السكران.....)

الثمر الدانی میں ہے:

ولاتؤم المرأة فی فريضة ولانافلة لارجالاً ولانساء قوله ولاتؤم المرأة وكما لاتؤم المرأة لايؤم الخنثى المشكل فإن ائتم بهما أحد أعاد أبدًا علی المذهب سواء كان من جنسهما أولا، فاعلم أن الذكورة المحققة شرط فی صحة الإمامة.

(الثمرالدانی: ص ۱۰۰،باب الامامة،دارالفكر)

مذہبِ شافعیہ:

کتاب الام میں ہے:

قال الشافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: وإذا صلت المرأة برجال ونساء وصبيان ذكور فصلاة النساء مجزئة وصلاة الرجال والصبيان الذكور غير مجزئة لأن اللّٰه جَلَّ جَلَالُهُ جعل الرجال قوّمين على النساء وقصرهنّ عن أن يكن أولياء وغير ذلك ولا يجوز أن تكون امرأة أمام رجل فی صلاة بحال أبدًا.....

(کتاب الام: ۱/۱۹۱، باب صفة الائمة، امامة المرأة للرجال۔ وروضة الطالبين: ۱/۳۵۱، باب صفة الائمة، المكتب الاسلامی)

مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

وأما المرأة فلا يصح أن يأتم بها الرجل بحال فی فرض ولا نافلة فی قول عامة الفقهاء ولنا قول النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا تؤمنّ امرأة رجلاً" ولأنها لا تؤذن للرجال فلم يجز أن تؤمهم كالمجنون، وحديث أم ورقة ولو قدر ثبوت ذلك لأم ورقة لكان خاصًا بها بدليل أنه لا يشرع لغيرها من النساء أذان ولا إقامة فتختص بالإمامة لاختصاصها بالأذان والإقامة. واللّٰه اعلم. (المغنی: ۲/۳۳، احكام امامة المشرك والمرأة والخنثى، دارالكتب العلمية)

فصلِ دوم

جماعت کے احکام

خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنا:

سوال: آنے والے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اجتماع کی تیاری کے لئے تقریباً ۶، ۷ ہفتے قبل کام شروع ہوجاتا ہے بہت سے لوگ مختلف علاقوں سے آتے ہیں، عام طور پر ہم لوگ اجتماع گاہ میں نماز پڑھتے ہیں چاہے کوئی مسجد نزدیک ہو یا نہ ہو اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اس میں زیادہ سہولت ہے اور وقت کی زیادہ بچت بھی ہے۔

(۲) ہر نماز کے بعد مذاکرہ، ترغیبی اور تعلیمی بیانات ہوتے ہیں، مشورہ بھی ہوتا ہے حسبِ ضرورت فجر کے بعد ختم یٰسٓ، دعاء، ذکر اور دوسرے معمولات ہوتے ہیں، اکثر نمازوں کے بعد ضروری تقاضے مجمع کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۳) شام کے وقت بکثرت لوگ آتے ہیں حتی کہ بعض مرتبہ ۴۰۰ سے ۷۰۰ تک ہوجاتے ہیں لہٰذا نماز، کھانا، پینا اور رہنا ہر لحاظ سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔

(۴) سامان کی حفاظت بھی مطلوب ہے اسی وجہ سے جمعہ بھی اجتماع گاہ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہر وقت ایک جماعت حفاظت کی خاطر مقرر رہو۔

قریب زمانے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ جمعہ کی نماز اجتماع گاہ میں مسنون نہیں ہے جب کہ مسجد قریب ہوا اور مسجد میں وسعت بھی ہو، نیز حفاظت کرنے والوں کے علاوہ تمام کو پانچوں نمازوں کے لئے مسجد جانا ضروری ہے، کیا صحیح ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہتر اور فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد میں پڑھی جائے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے اپنے طور پر جماعت کرلی جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

چونکہ تبلیغی حضرات اجتماع گاہ میں کام کاج وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں اور وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں

سب کا جانا مسجد میں مشکل ہوجاتا ہے نیز بعض کو سامان کی حفاظت کے لئے بھی رہنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کرسکتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی إقامتها فی البیت والأصح أنها کإقامتها فی المسجد إلا فی الأفضلیة.

(شامی: ۱/۵۵۴، سعید)

یعنی علماء نے گھر میں جماعت کرنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے اصح قول یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کرنے کی طرح ہے ہاں افضل وبہتر مسجد ہے۔

درمختار میں مرقوم ہے:

والجماعة سنة مؤکدة للرجال وأقلها اثنان مع الإمام ولو ممیزًا أو ملکًا أو جنیًا فی المسجد أو غیره.

طحطاوی علی الدر میں ہے:

فلو صلی فی بیته بزوجته أو جاریته أو ولده فقد أتی بفضیلة الجماعة.

(طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۴۰)

یعنی جماعت میں کم سے کم دو آدمی امام کے ساتھ ہوں اگر چہ ہوشیار بچہ یا فرشتہ یا جن ہو مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو پس اگر کوئی بیوی بچوں یا باندی کے ساتھ جماعت کرلے تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کی۔

علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تحریر فرمایا ہے:

اختلف العلماء فی إقامتها فی البیت والأصح أنها کإقامتها فی المسجد إلا فی الأفضلیة وهو ظاهر مذهب الشافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ قلت: ویظهر أن ما سیأتی عن الحلوانی مبنی علی ما مر منه من وجوب الإجابة بالقدم وتقدم أن الظاهر خلافه فلذا صححوا خلاف ماقاله هنا.

(منحة الخالق حاشیة البحر الرائق: ۱/۳۴۵، کوئٹة)

یعنی علماء نے جماعت گھر پر کرنے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسجد کی طرح ہے مگر فضیلت میں اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مذہب بھی ہے اور شمس الائمہ حلوانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مسجد کے باہر جماعت کو بدعت کہا ہے یہ ان کے اس مذہب پر مبنی ہے کہ چلنا مسجد تک واجب ہے اور یہ خلافِ ظاہر ہے۔

بہر حال تبلیغی حضرات کو کوشش کرنا چاہئے کہ بعض ساتھی مسجد میں پہونچیں لیکن اجتماع گاہ میں بھی جماعت اور

جمعہ جائز ہے، نیز معلوم ہوا کہ مسجد ایک کلومیٹر دور بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک میل کی دوری پر پانی کے لئے جانا بھی ساقط ہوجاتا ہے اور تیمّم کرسکتا ہے لہٰذا اس صورت میں مسجد میں جانا بھی زیادہ ضروری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو اپنے محلے کی مسجد میں دو رکعت مل سکتی ہو اور دوسری جگہ جو محلّہ کی مسجد نہیں ہے پوری نماز باجماعت مل رہی ہے تو دور جانا چاہئے یا اپنی مسجد ہی میں دو رکعت میں شامل ہوجائے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ کما فی الدر: والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدی: أرادوا بالتأكيد الوجوب وقيل واجبة وعليه العامة أی عامة مشائخنا.

(الدرالمختار ۱/۵۵۲،سعید)

نیز اپنے ہی محلے کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور اس محلے کا حق ہے۔ کما فی الشامی: قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلی ولو كان وحده لأن له حقًا عليه فيؤديه. (الشامی: ۱/۶۵۹،سعید)

اور اگر جماعت کے ساتھ نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں فوت ہوجائے تو دوسری مسجد میں تلاش کرنا ضروری نہیں۔ کما فی بدائع الصنائع: إذا فاتته الجماعة لايجب عليه الطلب فی مسجد آخر.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶،سعید)

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلا کہ اگر اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت سے نماز مل جانے کی امید ہے اگرچہ چند رکعات فوت ہوجائیں تب بھی بہتر یہ ہی ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرے ہاں اگر جماعت کلیۃً فوت ہوچکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت کی نماز ملنے کی امید ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے تو تنہا نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے اور چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ کما فی بدائع الصنائع: إذا فاتته الجماعة فی مسجد حيه فإن أتی مسجدًا آخر يرجو إدراك الجماعة فيه فحسن وإن صلی فی مسجد حيه فحسن. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶،سعید)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسجدِ محلّہ کے علاوہ دوسری مسجد قریب ہے اور اس میں جماعت ملنا یقینی ہے تو پھر دوسری مسجد جانا چاہئے تاکہ جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب مل جائے اور دوسری مسجد کا مقام صلاۃ قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دیدے، احادیث میں جماعت کی فضیلت وارد ہے اپنی مسجد کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگرچہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: اعتكفت مع رسول الله ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي.

(رواه البخاري: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة مافي معناها كمن به سلس البول والمذي والودي ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. والله اعلم.

(عمدة القاري: ۳/۱۳۰، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث، ملتان)

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم:

سوال: کیا عورتیں تنہا جماعت بنا کر نماز پڑھ سکتی ہیں؟

الجواب: عورتوں کا انفراداً نماز پڑھنا افضل ہے جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لیکن آج کل ضرورت کی وجہ سے مثلاً حافظہ کو قرآن یاد رکھنا ہے تو گھر کی عورتیں یا چند عورتیں یا حافظات جمع ہو کر جماعت کریں تو بلا کراہت جائز ہونا چاہئے، ہاں فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔

کراہت والے قول کے دلائل ملاحظہ ہوں:

شامی میں ہے:

ذكر الزيلعي أنها تخالف الرجل في عشر، وقد زدت أكثر من ضعفها: وتكره جماعتهن. (شامي: ١/ ٥٠٤، سعيد)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

المرأة تخالف الرجل في مسائل منها وتكره جماعتهن.

(طحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٥٩، في بيان سننها قديمي)

البحر الرائق میں ہے:

إن المرأة تخالف الرجل في عشر خصال وتكره جماعتهن.

(البحر الرائق: ١/ ٣٢١، كوئتة)

درمختار میں ہے:

و يكره تحريما جماعة النساء ولو التراويح. (شامي ١/ ٥٦٥ باب الامامة)

عالمگیری میں ہے:

ويكره إمامة المرأة للنساء في الصلوات كلها من الفرائض والنوافل إلا في صلاة الجنازة وكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٥)

شرح عنایہ میں ہے:

(ويكره للنساء أن يصلين جماعة لأنهن في ذلك لا يخلون عن ارتكاب محرم) أي مكروه لأن إمامتهن إما أن تتقدم على القوم أو تقف وسطهن وفي الأول زيادة الكشف وهي مكروهة، وفي الثاني ترك الإمام مقامه وهو مكروه، والجماعة سنة وترك ما هو سنة أولى من ارتكاب

مکروه. وفی أن الأفضل بکل من النساء والعراة أن یصلی وحده.

(شرح عنایة علی الهدایة: ۱/۳۵۲، باب الامامة علی هامش فتح القدیر۔ وکذا فی فتح القدیر: ۱/۳۵۲، باب الامامة)

البحرالرائق میں ہے:

وکره جماعة النساء لأنها لاتخلوعن ارتکاب محرم وهو قیام الإمام وسط الصف فیکره کالعراة کذا فی الهدایة وهویدل علی أنها کراهة تحریم لأن التقدم واجب علی الإمام للموا ظبة من النبی ﷺ وترك الواجب موجب لکراهة التحریم المقتضیة للاثم.

(البحرالرائق: ۱/۳۵۱، باب الامامة، کوئتة)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں، عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو۔

مالابدمنہ میں ہے:

جماعتِ زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مکروہ است ونزد دیگر ائمہ جائز است۔

(فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۹۸)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نمازِ تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ بحوالہ شامی، (فتاوی رحیمیہ: ۱/۳۴۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عمدة الفقه: ۲/۱۱۵، مجددیه)

بلاکراہت جائز کہنے والوں کے دلائل:

حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

(۱) حدثنا سفیان بن عیینة، عن عمار الدهنی، عن امرأة من قومه اسمها حجیرة قالت: أمتنا أم سلمة رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا قائمةً وسط النساء.

(۲) حدثنا علی بن مسهر، عن سعید عن قتادة، عن أم الحسن: أنها رأت أم سلمة

رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تؤم النساء: تقوم معهن فی صفهن.

(۳) حدثنا علی بن هاشم،عن ابن أبی لیلی، عن عطاء،عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: أنها کا نت تؤم النساء: تقوم معهن فی الصف.

(٤) حدثنا هشیم قال: أخبرنا یونس،عن الحسن و مغیرة،عن إبراهیم وحصین، عن الشعبی قال: تؤم المرأة النساء فی صلاة رمضان: تقوم معهن فی صفهن.

(٥) حدثنا ابن نمیر، عن حریث، عن حمید بن عبد الرحمن أنه قال: لابأس أن تؤم المرأة النساء: تقوم معهن فی الصف. (مصنف ابن أبی شیبة:۳/ ۵۶۹،۵۷۰،المجلس العلمی)

نیز محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بلا کراہت جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولکن یبقی الکلام بعد هذا فی تعیین النابسخ، إذ لابد فی إدعاء النسخ منه، ولم یتحقق فی النسخ إلا ما ذکر بعضهم من إمکان کونه ما فی أبی داؤد وصحیح ابن خزیمة، صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلا تها فی حجرتها، وصلا تها فی مخدعها أفضل من صلا تها فی بیتها یعنی الخزانة التی تکون فی البیت. وروی ابن خزیمة عنه صلی اللہ علیہ وسلم: إن أحب صلاة المرأة إلی الله فی أشد مکان فی بیتها ظلمة، وفی حدیث له ولابن حبان: وأقرب ما تکون من وجه ربها وهی فی قعر بیتها، ومعلوم أن المخدع لایسع الجماعة، وکذا قعر بیتها وأشده ظلمة ولایخفی ما فیه، وبتقدیر التسلیم فإنما یفید نسخ السنیة، وهو لایستلزم ثبوت کراهة التحریم فی الفعل بل التنزیه ومرجعها إلی خلاف الأولی، ولاعلینا أن نذهب إلی ذلك فإن المقصود اتباع الحق حیث کان. (فتح القدیر: ۱/ ۳۵٤،دار الفکر)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجموعۃ الفتاوی میں بلا کراہت جواز تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہاء نے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایۃ کے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اخبار و آثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہے جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں، محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں لکھا ہے: أخبرنا أبو حنیفة نا حماد عن ابراهیم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها کانت تؤم النساء فی شهر رمضان فتقوم وسطهن. خبر دی ہم کو ابوحنیفہ

رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان کو حماد نے بروایت ابراہیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے مروی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں اور ابن حجر عسقلانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ تخریج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں: أخرج ابن أبی شیبة رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ثم الحاکم من طریق أبی لیلی عن عطاء عن عائشة رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا أنها کانت تؤم النساء فتقوم معهن فی الصف وأخرج الشافعی وابن أبی شیبة وعبد الرزاق عن أم سلمة رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا أنها أمت النساء فقامت وسطهن. ابن ابی شیبہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور حاکم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بسند حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور عبد الرزاق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عورتوں کی امامت کی اور درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور مستدرک حاکم میں مروی ہے: إن عائشة رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کانت تؤذن وتقیم وتؤم النساء فتقوم وسطهن. حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا اذان دیتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اس کو علامہ عینی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بنایہ میں بیان کیا ہے، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورتوں کی امام ہو تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہو سکتی ہے تو اس کو قراءت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہو سکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ کہ عورتوں کے حق میں اور اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی ہونی چاہئے میں نے اپنے رسالہ "تحفة النبلاء فیما یتعلق بجماعة النساء" میں کی ہے جو چاہے مطالعہ کر لے۔

(مجموعة الفتاوی: ۲٦۸، میر محمد کتب خانه)

مزید ملاحظہ ہو: (البنایۃ فی شرح الھدایۃ: ۱/ ۲۵، باب الامامۃ فیصل آباد)۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم:

سوال: قرآن اور سنت کی روشنی میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قرآن اور سنت کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو گھر میں بلکہ گھر کے کونے میں نماز پڑھنا افضل ہے، مساجد جانا جب کہ زمانہ پُرفتن ہے اور فحاشیاں عام ہیں پردہ نشین خواتین کے لئے زیبا نہیں نیز شریعت مطہرہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات (جو کہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ یعنی گھر میں قرار سے رہو، لہذا دوسری خواتین کو کہاں لائق ہے کہ مساجد میں نماز کے لئے جائیں جب کہ وہاں مردوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔

نیز احادیث میں نبی پاک ﷺ کی تعلیمات عورتوں کے حق میں بھی یہی ہیں کہ گھر کے کونے میں نماز پڑھیں یہ شریعت کا منشاء ہے اور آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کو پسند فرمایا ہے، اسی میں آپ ﷺ کی سنت کی اقتداء ہے اور اتباعِ سنت میں کامیابی ہے جیسا کہ حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ نے آپ ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا اور پوری زندگی گھر میں نماز پڑھی۔

(۲) ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) **عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج.**

(رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن مهاجر. (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دار الفکر)

(۲) **عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشیطان.**

رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله رجال الصحیح. (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دار الفکر)

(۳) ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها. و فی هامشه: مخدعها هو البیت الصغیر الذی یکون فی داخل البیت، وقال السندی: هو البیت الذی یخبأ فیه خیر المتاع وهو الخزانة داخل البیت). (رواه أبو داؤد: ۱/۸٤ باب التسدید فی ذلك)

(٤) **عن أم حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا امرأة أبی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنك تحبین الصلاة معی وصلاتك فی بیتك خیر من صلاتك فی حجرتك وصلاتك**

تك فى حجرتك خير من صلاتك فى دارك وصلاتك فى دارك خير من صلاتك فى مسجد قومك وصلاتك فى مسجد قومك خير من صلاتك فى مسجدى. فأمرت، فبنى لها مسجد فى أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلى فيه حتى لقيت الله عزوجل. إسناده حسن۔

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۵/۱۶۸۹، المكتب الاسلامى۔ ورواه الامام أحمد۔وابن حبان، كذا فى كنز العمال:۷/۶۷۶)

(۵) صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبى ﷺ قال: خير مساجد النساء قعر بيوتهن. إسناده حسن. (صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۳/۱۶۸۳، المكتب الاسلامى)

(٦) عن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى ﷺ قال: إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان وأقرب ما تكون من وجه ربها وهى فى قعر بيتها. إسناده صحيح۔

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۳/۱۶۸۵، المكتب الاسلامى)

(۷) عن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى ﷺ قال: "إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله فى أشد مكان فى بيتها ظلمة. قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله موثوقون وإسناده حسن.

(صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۶/۱۶۹۱، باب اختيار صلاة المرأة فى أشد مكان من بيتها ظلمة، المكتب الاسلامى)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منشاء بھی یہی تھا کہ فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا چاہئے، چنانچہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے آج کل عورتوں نے کیا نئی چیزیں شروع کردی ہیں تو ضرور منع فرماتے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمرة قالت: سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: لو رای رسول الله ﷺ ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بنى إسرائيل، فقلت ما هذه؟ أومنعت نساء بنى إسرائيل؟ قالت: نعم.

(صحيح ابن خزيمه:۲/۸۱۸/۱۶۹۸، المكتب الاسلامى۔ورواه البخارى:۱/۱۲۰۔ والمسلم:۱/۱۸۳)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں اگر چہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلاة المرأة فى حجرتها على صلاتها فى دارها وصلاتها فى مسجد قومها

على صلا تها فى مسجد النبى ﷺ وإن كانت صلاة فى مسجد النبى ﷺ تعدل ألف صلاة فى غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبى ﷺ: صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبرنا أبو طاهر عن عبد الله بن سويد الأنصارى عن عمته امرأة ابن حميد الساعدى أنها جاء ت النبى ﷺ فقالت: يا رسول الله إنى أحب الصلاة معك فقال الخ كمامر.

(رواه ابن خزيمة: ۲/۸۱۵/۱۶۷۹، وإسناده حسن، المكتب الاسلامى)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"صلاة المرأة تفضل على صلا تها فى الجمع خمسًا وعشرين درجةً.

(الفردوس بمأثور الخطاب:۲/۳۸۹/۳۸۲۶، عن ابن عمر،دارالكتب العلمية)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ زمانہ نبوی میں تو عورتیں مساجد میں جایا کرتی تھیں پھر موجودہ دور میں روکنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: یقیناً دورِ نبوی میں عورتیں مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے جایا کرتی تھیں، لیکن موجودہ دور میں چند وجوہات کی بنا پر روکا جاتا ہے:

(۱) دورِ نبوی میں آپ ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا مسجد نبوی تعلیم دین کا مرکز تھی اور احکام اسلام بتدریج نازل ہوتے تھے اور جس طرح احکام نازل ہوتے آپ ﷺ مسجد میں بیان فرماتے اور صحابہ ان کو عمل میں لاتے، جس طرح مرد مکلّف ہیں اسی طرح عورتیں بھی مکلّف ہیں لہٰذا ان کو بھی احکام اسلام جاننے کی ضرورت تھی اس وجہ سے نماز میں شامل ہوتیں تاکہ جو نئے احکام نازل ہوں وہ آپ کی زبانی سنیں اور عمل میں لائیں اور امت کی دیگر آنے والی خواتین تک پہنچائیں، چنانچہ اسی طرح ہوا کہ صحابیات اور ازواجِ مطہرات کے ذریعہ دین کا بڑا حصہ امت تک پہنچا جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

لہٰذا یہ مقصدِ عظیم پوشیدہ تھا، اس زمانہ میں تعلیم وتبلیغ گھر گھر ہو رہی ہے اور وسائل بھی بے شمار مہیا ہو چکے ہیں اب خواتین کو مسجد تک جانے اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) زمانہ نبوی خیرون القرون کا زمانہ تھا افشاءِ شر سے اطمینان تھا، فتنہ وفساد کا سدِ باب تھا اس وقت مسجد میں

جانا پرامن تھا کسی خطرہ کا اندیشہ نہ تھا لہٰذا دورِ نبوی کو موجودہ دور پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟

جب کہ روزانہ نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے افشاءِ شر کے وسائل زیادہ ہیں خیر کی امیدیں کم ہیں فساق و فجار کا غلبہ زیادہ ہے، نیز عورتوں کے فیشن دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں، ایسے دور میں مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اگر اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے کہ کیا کیا ایجاد کیا ہے تو ضرور منع فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ بھی دورِ نبوی سے قریب کا تھا اگر اس زمانہ کا حال ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوجائے تو ایک سیکنڈ کی اجازت گوارہ نہ فرمائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ زمانہ جاہلیت پلٹ کر آرہا ہے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔

(۳) زمانہ نبوی میں صحابیات مساجد میں جاتی تھیں وہ بہت اہتمام کے ساتھ جایا کرتی تھیں اور ہر جگہ پر ان کی رہنمائی ہوتی تھی مثلاً:

(۱) پردہ کا کافی لحاظ ہوتا تھا روایت میں آتا ہے کہ سوتی موٹی چادریں اس طرح لپیٹ لیتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے نظر آتی تھی اور پورا جسم موٹی چادر میں پوشیدہ ہوتا تھا اور موجودہ دور کی خواتین کا پردہ ایک تزیین ہے۔

(۲) بناؤ سنگار کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی بلکہ میلی کچیلی مسجد جایا کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ولیخرجن إذا خرجن تفلات، إسناده حسن.

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۱/۱۶۷۹، باب الأمر بخروج النساء الى المساجد تفلات، المكتب الاسلامی)

خوشبو لگا کر جانا ممنوع تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ میں ہے

عن زينب امرأة عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: "إذا شهدت أحداكن المسجد فلا تمس طيبا" (۲/۸۱۱/۱۶۸۰)

وعن أبی موسى الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: "أيما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا ريحها فهی زانية، وكل عين زانية". إسناده حسن۔ (۲/۸۱۲/۱۶۸۱)

اس روایت میں ہے کہ اگر عورت عطر لگا کر باہر نکلی اور کسی اجنبی مرد کو خوشبو پہنچی تو وہ عورت زانیہ ہے۔ کتنی سخت وعید ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عورت عطر لگا کر مسجد جائے تو نماز ہی نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال مرت بأبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه امرأة وريحها تعصف، فقال لها: إلى أين تريدين يا أمة الجبار قالت: إلى المسجد، قال: تطيبت؟ قالت: نعم قال: فارجعی فاغتسلی فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول: "لا يقبل الله من امرأة صلاة خرجت إلى المسجد وريحها تعصف حتى ترجع فتغسل". إسناده حسن.

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۲/۱۶۸۲، المكتب الاسلامی)

(۴) اختلاط سے روکا گیا تھا، مردوں کو حکم تھا کہ نماز کے بعد کچھ انتظار کرلیں تاکہ عورتیں نکل جائیں اس کے بعد مرد نکلیں تاکہ راستہ میں اختلاط نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: كان رسول الله ﷺ إذا سلم يمكث فی مكانه يسيرًا قال ابن شهاب: فنرى والله أعلم لكی ينفذ من ينصرف من النساء. (رواه البخاری: ۱/۱۱۷/۸۴۱)

(۳) فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاوی:

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة والمخالفة لقوله ﷺ: "صلاة المرأة فی بيتها أفضل فی صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بيتها" فالأفضل لها ماكان أستر لها لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلا صلاة الجنازة قوله (والمخالفة) أی مخالفة الأمر لأن الله تعالىٰ أمرهن بالقرار فی البيوت فقال تعالى: ﴿وقرن فی بيوتكن﴾ الاحزاب ۳۳۔ وقال ﷺ: "بيوتهن خير لهن لو كن يعلمن".

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/۳۰۴، فصل فی بيان الاحق بالامامة، قديمی كتب خانه)

امداد الفتاح میں ہے:

ولا يحضرن الجماعات مطلقًا فی كل الأوقات والعجوز كالشابة فی المنع من حضور الجمع والأعياد وغيرها، لأنها ممنوعة عن البروز ولذلك كانت صلاتها فی جوف بيتها أفضل من صلاتها فی صحن دارها. (امداد الفتاح: ۳۴۵ بيان من تكره امامتهم، بيروت)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

أما فی زماننا فالمفتی به منع الكل فی الكل حتى فی الوعظ ونحوه (قوله لفساد الزمان)

ولذا قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا للنساء حين شكون إليها من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لنهيه لهن عن الخروج إلى المساجد: لوعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما علم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما أذن لكن فی الخروج، قهستانی. (حاشية الطحطاوی على الدر المختار: ۱/۲۴۵، باب الامامة، كوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

والفتوى اليوم على الكراهة فی كل الصلوات لظهور الفساد، كذا فی الكافی، وهو المختار كذا فی التبيين.

(فتاوی عالمگيری: ۱/۸۹ الباب الخامس فی الأمامة، الفصل الخامس فی بيان مقام الامام والماموم)

شامی میں ہے:

(قوله على المذهب المفتى به) أی مذهب المتأخرين، قال فی البحر: وقد يقال هذه الفتوى التی اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقًا اتفاقًا، وأما العجوز فلها حضور الجماعة إلا فی الظهر والعصر والجمعة أی و عندهما مطلقًا، فالإفتاء بمنع العجائز فی الكل مخالف للكل، فالاعتماد على مذهب الإمام قال فی النهر: وفيه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام وذلك أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناء على أن الفسقة لاينشرون فی المغرب لأنهم بالطعام مشغولون و فی الفجر و العشاء نائمون، فإذا فرض انتشارهم فی هذه الأوقات لغلبة فسقهم كما فی زماننا بل تحريهم إياها كان المنع فيها أظهر من الظهر. نهر. (شامی: ۱/۵۶۶، باب الامامة، سعيد كمپنی)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قول الشارح: واستثنى الكمال بحثا العجائز) لكن من أطلق قال لكل ساقطة لاقطة، وإذا كانت الفساق تتبع البهائم والموتى فی القبور فلان تتبع العجائز المتفانية أولى، فكل من تكلم على حسب حاله وما يشاهد فی أهل عصره ومن اتسع إطلاعه منع الكل وهو الصواب ويشهد له حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حيث قالت: "لو رأى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المساجد" ولم يفصل. رحمتی. (التحرير المختار: ۱/۷۲، باب الامامة، سعيد كمپنی)

فتح القدیر میں ہے:

لايقال: هذا حينئذ نسخ بالتعليل. لأنا نقول: المنع يثبت حينئذ بالعمومات المانعة من التفتين، أوهو من باب الإطلاق بشرط فيزول بزواله كانتهاء الحكم بانتهاء علته، وقد قالت

عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی الصحیح: "لوأن رسول الله ﷺ رأی ما أحدث النساء بعده لمنعهن"..... بل عمم المتأخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلهالغلبة الفساد فی سائر الأوقات. (فتح القدیر: ۱/۳۶۵،باب الامامة،دارالفکر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی کراهة حضورهن فی الصلوات کلها لظهورالفساد.

(عنایه علی هامش فتح القدیر: ۱/۳۶۶،دار الفکر)

جوہرہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهورالفسق فی هذا الزمان.

(الجوهرة النیرة: ۷۲،باب صفة الصلاة،مکتبه امدادیه ملتان)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

والمختارفی زماننا أن لایجوزشیء من ذلك لفساد الزمان والتظاهربالفواحش.

(الاختیارلتعلیل المختار: ۵۹،دارالدعوة استنبول)

مجمع الانہر میں ہے:

الأحکام قد تختلف باختلاف الزمان، ألایری أن النساء کن یخرجن إلی الجماعات فی زمانه علیه الصلوة والسلام وزمان أبی بکرالصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی منعهن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستقر الأمرعلیه وکان ذلك هوالصواب کما فی التبیین.

(مجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ۲/۳۸۴، باب الاجرة الفاسدة تحت کتاب الاجارة، احیاء التراث العربی)

بدائع الصنائع میں ہے:

أماالنساء فلأن خروجهن إلی الجماعات فتنة.

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۱/۱۵۵/فصل فی بیان من تجب علیه الجماعة،سعید)

مبسوط میں ہے:

إن العجوزإذاکان لایشتهیها شاب یشتهیها شیخ مثلها وربما یحمل فرط السبق الشاب علی أن یشتهیها کما فی زماننا فلهذه العلة منعت فی الصلوات کلها.

(المبسوط للسرخسی: ۲/۴۱،باب صلاة العیدین،ادارة القرآن کراچی)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتنہ وفساد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

قال أصحابنا: لأن فی خروجهن خوف الفتنة وهوسبب للحرام، وما يفضی إلى الحرام فهو حرام، فعلى هذا قولهم: يكره مرادهمريحرم، لاسيما فی هذا الزمان لشيوع الفساد فی أهله. (عمدة القاری:٤/٦٤٦،باب خروج النساء الی المساجد)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قلت: لوشاهدت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات لكانت أشد انكارًا، ولاسيما نساء مصر، فإن فيهن بدعًا لاتوصف ومنكرات لاتمنع، منها ثيابهن من أنواع الحريرالمنسوجة أطرافها من الذهب والمرصعة باللآلی وأنواع الجواهر، وماعلى رؤوسهن من الأقراص المذهبة المرصعة والجواهر الثمنية، والمناديل الحرير المنسوج بالذهب والفضة الممدودة، وقمصانهن من أنواع الحرير الواسعة الأكمام جدًا، السابلة أذيالهاعلى الأرض مقدارأذرع كثيرة بحيث يمكن أن يجعل من قميص واحد ثلاثة قمصان وأكثر. ومنها: مشيهن فی الأسواق فی ثياب فاخرة وهن متبخرات متعطرات مائلات متبخترات متزاحمات مع الرجال مكشوفات الوجوه فی غالب الأوقات. ومنها: ركوبهن على الحمير الغرة وأكمامهن سابلة من الجانبين فی ازر رفيعة جدًا. ومنها: غلبتهن على الرجال وقهرهن إياهم وحكمهن عليهم بأمورشديدة، ومنهن نساء يبعن المنكرات بالا جهار، ويخالط الرجال فيها، ومنهن قوادات يفسدن الرجال والنساء ويمشين بينهن بما لايرض به الشرع، ومنهن: صنف بغايا قاعدات متوصلات للفساد، ومنهن صنف دائرات على أرجلهن يصطدن الرجال..... ومنهن: مغنيات تغنين بأنواع الملاهی بالأجرة للرجال والنساء، ومنهن: صنف خطابات يخطبن للرجال نساء لها أزواج بفتن يوقعنها بينهم، وغيرذلك من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشرعية،فانظرإلى ما قالت الصديقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا من قولها: لوأدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء، وليس بين هذا القول و بين وفاة النبی ﷺ إلامدة يسيرة، على أن نساء ذلك الزمان ماأحدثن جزأ من ألف جزء مما أحدثت نساء هذا الزمان.

(عمدة القاری:٤/٦٤٩/٨٦٩،باب انتظار الناس قيام الامام العالم تحت ابواب صفة الصلاة،دارالحديث ملتان)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

ووجه كون صلاتها فى الإخفاء أفضل تحقق الأمن فيه من الفتنة،ويتأكد ذلك بعد وجود ما أحدث النساء من التبرج والزينة، ومن ثم قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما قالت.

(فتح البارى:٢/٣٥٠/٨٦٩،باب انتظارالناس قيام الامام،دارنشر الكتب الاسلاميةلاهور)

اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے:

فتح الملہم میں ہے:

وبالنظرإلى التعليل المذكورمنعت غيرالمزنية أيضًا لغلبه الفساق وليلا وإن كان النص يبيحه لأن الفساق فى زماننا أكثرانتشارهمو تعرضهم بالليل وعلى هذا ينبغى على قول أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ تفريع منع العجائزليلا أيضًا، بخلاف الصبح فإن الغالب نومهم فى وقته، بل عمم المتأخرون المنع للعجائزوالشوا ب فى الصلوات كلها لغلبة الفساد فى سائر الأوقات. (فتح الملہم:٣/٥٢٦،باب خروج النساء الى المساجد)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الفتوى فى زماننا على أنهن لايخرجن، وإن كن عجائزإلى الجماعات، لافى الليل ولافى النهار، لغلبة الفتنة والفساد وقرب يوم المعاد.

قال مفتى الثقلين:الفتوى اليوم على الكراهة فى كل الصلوات، ومتى كره حضورهن المساجد للصلاة فلأن يكره حضورهن فى مجلس الوعظ أولى، انتهى.

وفى النهاية: الجملة فى هذه المسئلة أن النساء كان يباح لهن الخروج إلى الصلاة ثم منعن بعد ذلك لما صارخروجهن سببًا للفتنة.

و فى الكفاية: والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهورالفساد، فمتى كره حضور هن المساجد لأن يكره مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى، كذا فى مبسوط فخرالإسلام، انتهى.

وقال بحرالعلوم مولاناعبد الحى فى "رسائل الأركان" بعد تطويل الكلام فى إفتاء منعهن عن الخروج إلى المساجد: وإنما أطنبنا الكلام لماكان يزعم البعض أنهم أبطلوا النص بالتعليل، وقالوا: إن الحاكم هو الله تعالىٰ، وكان عالمًا بما أحدثته النساء،فلا يظهر لقول أم

المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنہا وجه. وليس الأمر كما زعموا، وكون الحاكم هو الله تعالىٰ مسلم، وعلمه بما أحدثته النساء كان متحققًا أيضًا، لكنا نقول: إن حكم الله تعالىٰ على لسان رسوله ﷺ بعدم المنع عن خروجهن للمساجد كان مؤقتًا إلى عدم احتمال الفتنة،فانتفى بانتفائه، ومقصود أم المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنہا لو كانت النساء أحدثن في الزمان الشريف ما أحدثنه الآن لما حكم رسول الله ﷺ بالخروج، لانتفاء ما أناط الله الحكم به، انتهى.

وقال الزيلعي في "تبيين الحقائق في شرح كنز الدقائق" ولاينكر تغيير الأحكام بتغيير الزمان، كغلق المساجد يجوز في زماننا، انتهى.

(فتاوی اللکنوی:ص ۳۱٤_۳۱۷مایتعلق بالجماعة، بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع و مکروہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے ہی میں یہ ممنوع ہو چکا تھا،کماورد فی الحدیث.

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/٤۹، باب الجماعة، مدلل و مکمل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:''عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم ﷺ ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے''بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو تد بیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ٦/٤۷٤،باب الجماعة، جامعه فاروقیه)

احسن الفتاوی میں ہے:

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (بحواله رد المحتار)

(احسن الفتاوی: ۳/۲۸۳،باب الامامة و الجماعة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ (عمدة الفقه: ۲/۱۱٥، کتاب الصلوة)

فتاوی بینات میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں جب عورتوں کا داخلہ مسجد میں بند کیا اور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے پسند کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی،البتہ بعض عورتوں نے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فاروقی فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا: اگر حضور ﷺ ان چیزوں کو دیکھتے جواب عورتوں میں نظر آتی ہیں تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے۔ صحیح بخاری۔ (فتاوی بینات: ۳۲۷/۲، کتاب الصلوۃ، مکتبہ بینات)

درس ترمذی میں ہے:

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتداءِ اسلام میں دشمنانِ اسلام کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور یہ علت اب باقی نہیں رہی، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جبکہ امن کا دور تھا اب جبکہ دونوں علتیں ختم ہوچکی ہیں لہذا اجازت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ علماء متاخرین کا فتوی اسی پر ہے کہ اس زمانہ میں ان کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں۔ (درس ترمذی: ۳۲۱/۲، باب فی خروج النساء فی العیدین)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

آنحضرت ﷺ کا بابرکت زمانہ چونکہ شر وفساد سے خالی تھا، ادھر عورتوں کو آنحضرت ﷺ سے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے عورتوں کو مساجد میں حاضری کی اجازت تھی اور اس میں یہ قیود تھیں کہ باپردہ جائیں، میلی کچیلی جائیں، زینت اختیار نہ کریں اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں..... لیکن جن قیود وشرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی جب عورتوں نے ان قیود وشرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس بناء پر فقہائے امت نے جو درحقیقت حکمائے امت ہیں عورتوں کی مساجد میں حاضری کو مکروہ قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۲/۲، عورتوں کی نماز کے چند مسائل، مکتبہ لدھیانوی)

حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: آج کل عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کے لئے نہ آئیں۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً خوف وغیرہ تو آسکتی ہے، نیز طواف اور زیارتِ روضۂ مبارک کے لئے آنا درست ہے اور نماز کا وقت ہوجائے تو وہیں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، عام حالات میں کمرے میں ہی نماز پڑھنا افضل ہے احادیث سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(٤) عن أم حميد امرأة أبى حميد الساعدى رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معى وصلاتك فى بيتك خير من صلاتك فى حجرتك وصلاتك فى حجرتك خير من صلاتك فى دارك وصلاتك فى دارك خير من صلاتك فى مسجد قومك وصلاتك فى مسجد قومك خير من صلاتك فى مسجدى. فأمرت، فبنى لها مسجد فى أقصى شىء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلى فيه حتى لقيت الله عزوجل. إسناده حسن۔

(صحيح ابن خزيمة: ٢/٨١٥/١٦٨٩، المكتب الاسلامى۔ ورواه الامام أحمد۔ وابن حبان۔ كذا فى كنز العمال: ٧/٦٧٦)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں اگر چہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلاة المرأة فى حجرتها على صلاتها فى دارها وصلاتها فى مسجد قومها على صلاتها فى مسجد النبى ﷺ وإن كانت صلاة فى مسجد النبى ﷺ تعدل ألف صلاة فى غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبى ﷺ: صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبرنا أبو طاهر عن عبد الله بن سويد الأنصارى عن عمته امرأة ابن حميد الساعدى أنها جاءت النبى ﷺ فقالت: يا رسول الله إنى أحب الصلاة معك فقال الخ كما مر.

(رواه ابن خزيمة: ٢/٨١٥/١٦٧٩، واسناده حسن، المكتب الاسلامى)

احسن الفتاوی میں ہے:

مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے۔

نیز مذکور ہے: مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے بشارت صرف مردوں کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ٣/٣٤، باب صفة الصلاة)

فصل سوم

جماعتِ ثانیہ کے احکام

مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم:

سوال: مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی حدود میں جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر ہوں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولیٰ پر مکروہ تحریمی ہے اور اگر ہیئت بدل دی جائے یعنی بغیر اذان کے اور محراب یا محاذاتِ محراب سے ہٹ کر ہو تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ کمرہ یا مدرسہ وغیرہ ہو تو اس میں جماعتِ ثانیہ کرلی جائے، نیز جماعتِ اولیٰ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے، جماعتِ ثانیہ کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے اس سے جماعتِ اولیٰ کی وقعت اور عظمت دلوں سے ختم ہوجاتی ہے، البتہ اگر مسجد طریق ہے یا جس مسجد کا امام ومؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لافی مسجد طریق أومسجد لا إمام له ولا مؤذن وفی الشامیة: (قوله ویکره) أی تحریما لقول الکافی لایجوز، و المجمع لایباح. وشرح الجامع الصغیر أنه بدعة کمافی رسالة السندی(قوله بأذان و إقامة) عبارته فی الخزائن: جمع مما هنا و نصبها: یکره تکرار الجماعة فی مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلی بهما فیه أولاغیر أهله أوأهله لکن بمخافتة الأذان، ولو کرر أهله بدونهما أو کان مسجد طریق جازإجماعًا، کما فی مسجد لیس له إمام ولامؤذن ویصلی الناس فیه فوجًا فوجًا.....

(شامی: ۱/۵۵۲، باب الامامة، سعید)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا کان له إمام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی أهله فیه بالجماعة لا یباح تکرارها فیه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغیر أذان یباح إجماعًا و کذا فی مسجد قارعة الطریق کذا

فی شرح المجمع للمصنف. (فتاوی هندية:۱/۸۳،الفصل الاول فی الجماعة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإذا لم يكن للمسجد إمام ومؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه بأذان وإقامة عندنا وعن أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ إذا لم تكن على الهيئة الأولى لايكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازي.

(شرح منية المصلي:٦١٤،فصل في أحكام المسجد الثالث في مسائل متفرقة تتعلق بالمسجد،سهيل اكيڈمی لاهور)

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق:۱/۳٤٦، باب الامامة_منحة الخالق حاشية البحر الرائق:۱/۳٤٦،باب الامامة، الماجديه كوئٹه)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ہر روز کے مقررہ امام ومقتدیوں نے اذان وجماعت وقتِ مقرر پر کی ہے تو اب اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کے نزدیک ایک روایت میں مکروہ نہ ہوگی، مگر ظاہر الروایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے، البتہ تبدیلِ ہیئت اور بلا تبدیلِ ہیئت میں تنزیہی وتحریمی کا فرق ہوجائے گا۔ (فتاوی محمودیه: ٦/٤٣٥،باب الجماعة،جامعه فاروقيه_وفتاوی حقانيه: ۳/۱۲٦،باب الجماعة)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۳۲۲، مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم، فتاوی رحیمیہ: ۳/۲۷، کفایۃ المفتی: ۳/۱۳۴)۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: محلّہ کی مسجد میں چند آدمی جماعت ہوجانے کے بعد پہنچے، اگر وہ لوگ مسجد کے صحن میں نماز پڑھیں تو جماعت کے ساتھ پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب: محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے اور ہیئت بدل دی جائے تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، اس کی وجہ یہ کہ اگر تکرارِ جماعت کی عام اجازت دیدی جائے تو پھر جماعتِ اولیٰ کی اہمیت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، ہاں مسجد کے صحن (جو مسجد سے خارج ہو) میں جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔

ملاحظہ ہو شمس الائمۃ علامہ سرخسی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجدًا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحدانًا بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسن رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قال: كانت الصحابة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمْ إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى فى مسجده بغير إذان ولا إقامة، وفى الحديث أن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة فى المسجد لما ترك الصلاة فى المسجد والصلاة فيه أفضل وهذا عندنا. (المبسوط للسرخسی: ۱/۱۳۵، باب الاذان)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۱/۵۵۲ باب الامامة، والفتاوی الهندية: ۱/۸۳ الفصل الاول فی الجماعة، ومنحة الخالق حاشية البحر الرائق: ۱/۳٤٦ باب الامامة الماجديه، كوئٹه)

امدادالاحکام میں ہے:

مسجدِ محلّہ جس میں امام ومؤذن مقرر ہیں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے مگر ہیئت کے تغیر کے ساتھ امام ابویوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کے قول پر گنجائش ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لئے اس پر فتوی نہیں دیا، بلکہ مسجدِ محلّہ میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں مطلقاً کراہت کا فتوی دیا ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/٤۹۷)

اسلامی فقہ میں ہے:

جس کسی مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اسی میں اگر جماعت ختم ہوجائے اور جماعت کے بعد اسی مسجد کے نمازیوں میں سے دو تین نمازی آجائیں تو ان کو دوبارہ جماعت نہ کرنی چاہئے بلکہ الگ الگ نماز پڑھنی چاہئے، البتہ اگر جہاں جماعت ہوچکی ہو تو اس سے ذرا ہٹ کر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (اسلامی فقه: ۱/۲٤۵)

کفایت المفتی میں ہے:

جماعتِ ثانیہ اگر جماعتِ اولیٰ کی ہیئت پر ہو اور ایسی مسجد میں ہو کہ جس میں جماعت معینہ ہوتی ہے مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ بتبدیل ہیئت ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اول لفظ "لا بأس" یا لفظ جواز مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۱۳٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فرادی بلا اذان واقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ (بحواله مبسوط)

(فتاوی رحیمیه: ۳/۲۷، کتاب الصلاة)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ ٦/٤٣٧ باب الجماعة،جامعه فاروقیه و فتاوی حقانیه ٣/١٢٦،باب الجماعة)۔ واللہ اعلم۔

جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: راستہ کے کنارے پر ایک مسجد ہے اس کے مقتدی اور محلّہ متعین نہیں ہیں لیکن امام متعین ہے تو اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ امام متعین ہے لہذا یہ مسجد محلّہ کی مسجد کے حکم میں ہے اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، ہاں مسجد سے ملحقہ کسی کمرہ یا مدرسہ یا باہر کسی جگہ پر جماعت کرنا چاہئے۔ اگر امام بھی متعین نہیں تو جائز ہے۔

شمس الائمۃ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجدًا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحدانًا بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ قال: كانت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة،وفي الحديث أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا. (المبسوط للسرخسی:١/١٣٥،باب الاذان)

شامی میں ہے:

قوله إلافي مسجد على طريق هوما ليس له إمام ومؤذن راتب. (شامی:١/٣٩٥،سعید)

البحر الرائق کے حاشیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

أقول: ومفاد هذه النقول كراهة التكرار مطلقًا أى ولوبدون أذان وإقامة، وإن معنى قول قاضيخان: المار يصلي بغير أذان وإقامة أنه يصلي منفردًا لابالجماعة بدليل التعليل و الاستدلال بالمروى عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ويؤيده قوله في الظهيرية، وظاهر الرواية أنهم يصلون وحدانًا، وتمامه فيه. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق:١/٣٤٦،باب الامامة،كوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح

تكرار ها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعًا و كذا فى مسجد قارعة الطريق كذا فى شرح المجمع للمصنف. (فتاوى هندية: ١/٨٣،الفصل الاول فى الجماعة)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

مسجد قارعۃ الطریق سے مراد یہ ہے کہ اس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں، جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں اس میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور مسجد محلّہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم: ٣/٦٤، باب الجماعة_وفتاوی حقانیه: ٣/١٢٦،باب الجماعة)

جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم

سوال: اگر جماعتِ ثانیہ کرنی ہو تو اس کے لئے اذان واقامت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد سے باہر صحراء میں جماعتِ ثانیہ کرنا ہو تو اذان واقامت کے ساتھ کرنا چاہئے اور اگر محلّہ یا بستی میں ہو تو صرف اقامت پر اکتفا کرلیا کریں لیکن مسجد میں جماعتِ ثانیہ اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے۔

عالمگیری میں ہے:

ولايكره تركهما لمن يصلى فى المصر إذا وجد فى المحلة وإذا لم يؤذن فى تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لايكره كذا فى المحيط ولو ترك الإقامة يكره كذا فى التمرتاشى، ويكره للمسافر تركهما وإن كان وحده هكذا فى المبسوط، ولو صلى فى بيته فى قرية، إن كان فى القرية مسجد فيه أذان وإقامة فحكمه حكم من صلى فى بيته فى المصر وإن لم يكن فيها مسجد فحكمه حكم المسافر كذا فى الشمنى شرح النقاية، وإن كان فى كرم أو ضيعة يكتفى بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبًا وإلا فلا، وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها كذا فى مختار الفتاوى. (الفتاوى الهندية: ١/٥٤، الباب البابالثانى الاذان،سعيد)

درمختار میں ہے:

وكره تركهما معًا للمسافر بخلاف مصل ولو بجماعة فى بيته بمصر أو قرية لها مسجد فلايكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. وفى الشامى قوله فى بيته أى فيما يتعلق بالبلد من الدار و الكرم وغيرهما قهستانى. وفى التفاريق وإن كان فى كرم أو ضيعة يكتفى بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبًا وإلا فلا وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها والظاهر أنه لايشترط سماعه بالفعل تأمل. (الدرالمختار مع الشامى: ١/٣٩٥، باب الاذان،سعيد)

نیز درمختار میں ہے:

ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة.

(الدرالمختار: ۱/۵۵۲،باب الامامة، سعید۔ و کذافی بدائع الصنائع: ۱/۱۵۳،سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائطِ رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کے لئے اذان واقامت مکروہ ہے، البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم وامام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لئے اذان واقامت مسنون ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۵۷،باب الاذان)

فصلِ چہارم

صفیں درست کرنے کے احکام

مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں دو تین صفوں کو چھوڑ کر بچوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ آنے والے مرد اگلی صفوں میں کھڑے ہوسکیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یا بچے مردوں کی صف کے متصل دوسری صف میں کھڑے ہوجائیں پھر آنے والے مرد ان کے ساتھ یا ان کے پیچھے کھڑے ہوجائیں۔

الجواب: عام طور پر مسجد میں مردوں کی جتنی صفیں ہوتی ہیں اتنی صفوں کے پیچھے بچوں کی صف بنادی جائے اس کے بعد اگر بالغ لوگ آجائیں اور آگے جگہ نہ ہو تو پیچھے کھڑے ہوجائیں۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ ليلني منكم أولو الأحلام والنهى..... ثم يصف الصبيان لقول أبى مالك الأشعرى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى ﷺ صلى وقام الرجال وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبى بين الرجال.

(ذكره الزيلعى فى نصب الراية:۲/۳۶۔واخرجه بنحوه الطبرانى فى معجمه الكبير: ۳٤۱٦۔وذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد: ۱/۱۲۹).(امداد الفتاح مع الحاشية:ص۳٤۹، ترتيب صفوف الصلاة۔وهكذا فى الفتاوى الهندية:۱/۸۹، الفصل الخامس فى بيان مقام الامام والماموم۔ والشامى:۱/۵۷۱باب الامامة،سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر لڑکوں کے آگے کو جا کر یا صف کو چیر کر بالغوں کی جماعت میں مل سکے تو چلا جاوے اور بالغوں کی جماعت میں شریک ہوجاوے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو اور لڑکوں کی ہی جماعت میں کھڑا ہوجاوے تب بھی نماز صحیح ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۳۹)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب اگلی صف میں جگہ ہوتو اس کو پُر کرنے کے لئے لڑکوں کی صف کے سامنے سے گذرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں جائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۱۹٤)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بچوں کی صف جب بڑی ہواور کوئی بالغ آدمی آکر بالغین کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے تو بچوں کے سامنے سے گذر کر آگے بڑھ جائے۔بچوں کی صف میں کھڑا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ٦/٤٩٠ باب تسویۃ الصفوف)

کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے نابالغ بچہ کو جماعت میں پہلی صف میں کھڑا کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ نیز شریعت کی نگاہ میں نابالغ بچوں کی جگہ صف میں کونسی ہے؟ وضاحت کے ساتھ مع الدلیل جواب عنایت فرمادیں؟

الجواب: اگر مسجد کی پہلی صف عام طور پر بالغین سے پُر ہوتی ہے تو پھر کمسن بچے کو پہلی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے، ہاں عام طور پر پہلی صف بالغین سے پُر نہیں ہوتی تو تنہا کھڑا نہ رہے مردوں کے ساتھ شامل ہوجائے، لیکن زیادہ بچے ہیں تو کمسن بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہئے شریعت میں یہی مقام ہے۔

ملاحظہ ہوا لبحر الرائق میں ہے:

ویقتضی أیضًا أن الصبی الواحد لایکون منفردًا عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، وأن محل هذا الترتیب إنما عند حضور جمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان.

(البحر الرائق:۱/۳۵۳،باب الامامۃ، کوئٹہ۔و کذا فی الشامی:۱/۵۷۱ باب الامامۃ،سعید۔و بدائع الصنائع:۱/۱۵۹،سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغیرهم یصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ "لیلنی منکم أولوا الأحلام والنهی" (اخرجه مسلم، والترمذی، وابو داؤد،وابن حبان،والبیهقی،وابن خزیمة،وعبد الرزاق)

ثم یصف الصبیان لقول أبی مالك الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ "صلی وقام الرجال یلونه وأقام الصبیان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال.

(ذكره الزيلعي في نصب الراية:٢/٣٦۔ واخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير:٣٤١٦۔وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد: ١/١٢٩). (امداد الفتاح مع الحاشية:٣٤٩، ترتيب صفوف الصلاة،بيروت)

وفي مسند الحارث: كان النبي "يصفهم في الصلاة فيجعل الرجال قدام الغلمان، والغلمان خلفهم.....

(ذكره الزيلعي في نصب الراية من حديث أبي مالك الاشعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوقال:رواه الحارث بن أبي اسامة في مسنده:(٢/٣٧). (امداد الفتاح مع الحاشية: ٣٤٩،بيروت۔وفتاوى حقانية:٣/١٢١،باب تسوية الصفوف)

امداد المفتیین میں ہے:

حدیث شریف اور عام کتبِ فقہ کی عباراتِ مشہورہ سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا مردوں کی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت ہے۔جس شخص کے پاس لڑکے کھڑے ہوں اس کو چاہئے کہ انہیں پیچھے ہٹائے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ (امداد المفتيين: ٢/٣٣٧)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو.....اگر نابالغ لڑکا صرف ایک ہوتو وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوى محمودیه: ٦/٤٨٩ باب تسوية الصفوف۔وفتاوى رحيميه: ١/١٩٠)

بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم:

سوال: بچوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونی چاہئے لیکن اگر صرف ایک بچہ ہوتو کیا وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہوسکتا ہے؟

الجواب: اصل تو یہ ہے کہ بچے مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں، لیکن زیادہ شرارت کرتے ہوں تو ایک ایک دو دو کو صفوں کے کنارے کھڑا کرسکتے ہیں، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا اگر ایک ہوتو اس کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

(ثم الصبيان) ظاهره تعددهم فلو واحدًا دخل الصف، وفي الشامي: (قوله:فلو واحدًا دخل الصف)ذكره في البحر بحثًا. (الدرالمختارمع رد المحتار:١/٥٧١، باب الامامة،سعيد)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله ذكره في البحر بحثًا) قال الرحمتي: ربما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال لأن المعهود منهم إذا اجتمع صبيان فأكثر تبطل صلاتهم بعضهم ببعض وربما تعدى ضررهم إلى إفساد صلاة الرجال انتهى، سندي. (التقريرات الرافعي:۷۳،سعيد)

نیز حدیث میں ہے:"ليلني منكم أولو الأحلام والنهى" اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے قریب بالغ اور عقلمند کھڑے ہوں گے، تو ایک بچہ کنارے پر کھڑا ہوگا نہ کہ بیچ میں امام کے قریب۔

امداد الفتاح میں ہے:

ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ صلى وقام الرجال يلونه وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. والله اعلم.

(ذكره الزيلعي في نصب الراية: (٢/٣٦) وأخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير: (٦/٣٤) وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد: (١/١٢٩). (امداد الفتاح مع الحاشية: فصل في بيان الأحق بالإمامة وفي بيان ترتيب الصفوف: ٣٤٩، بيروت)

عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا:

سوال: عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں عورت کا مقام مرد کے پیچھے ہے لہذا عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال: قوموا فلأصلي لكم قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول ما لبس فنضحته بماء فقام رسول الله ﷺ وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف. (رواه الخاري:١/٥٥_والترمذي:١/٥٥)

دوسری حدیث میں ہے:

فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: أخّروهن من حيث أخّرهن الله.

(مصنف عبد الرزاق:٣/١٤٩/٥١١٥،باب شهود النساء الجماعة)

ہاں اگر گھر میں بیوی شوہر کے برابر کھڑی ہوکر اپنی اپنی نماز پڑھ لیں تو یہ جائز ہے، لیکن اجنبی مرد کے ساتھ

کھڑا ہونا یا با جماعت نماز میں ایک امام کی اقتداء میں برابر کھڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مردوں کی صفوں میں پہلی صف اچھی اور آخری صف بری اور عورتوں کی صفوں میں پہلی صف بری اور آخری صف اچھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

"خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وشر صفوف النساء أولها وخيرها آخرها".

(رواه مسلم: ۱۸۲/۱، باب تسوية الصفوف واقامتها۔ والبيهقي في سننه الكبرى: ۹۰/۳، باب لايأتم رجل بامرأة)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو فتنہ کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا شر ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح مسجد میں با جماعت نماز سے منع فرماتے یعنی اس کا تصور بھی نہیں کہ کہیں عورت مرد کے ساتھ نماز با جماعت میں کھڑی ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا تو کیا وہ مردوں کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی داڑھی بھی نکلی ہے۔

الجواب: فقہاء نے خنثی کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ اگر مرد کی علامت ظاہر ہو جائے تو مرد کے حکم میں ہے اور مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا بھی درست ہے لہٰذا جس لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا اور لڑکے کی علامات ظاہر ہو گئی تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کی گنجائش ہے اور نماز سب کی صحیح ہو جائیگی۔ البتہ ایسا فعل قبیح ہے اور تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے اور حرام ہے اس سے باز آنا چاہئے اور غضب الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فإن بال من الذكر فغلام هذا قبل البلوغ فإن بلغ وخرجت لحيته أو وصل إلى امرأة أو احتلم كما يحتلم الرجل فرجل. (الدرمختار: ۷۲۷/۶، كتاب الخنثى، سعيد)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ خنثی مشکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مردوں کی صف میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے لہٰذا جس میں مردوں کی علامات غالب ہوں اس کی نماز مردوں کی صف میں بدرجۂ اولی صحیح ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں:

وإن قام فی صف الرجال فصلاته تامة.

(الشامی: ٦/٧٢٨، کتاب الخنثی، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/٣٥٠۔ والفتاوی الهندیة: ٦/٤٣٧۔ والهدایة: ٤/٧٠١۔ وکنزالدقائق: ٤٨٩۔ والبحر الرائق: ٨/٤٧٢)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خود ساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مصنوعی طور پر بال لگانے خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز قابلِ لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (جدید فقهی مسائل: ٢/١٧١)

دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم:

سوال: دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بلاضرورت جبکہ مسجد میں وسعت بھی ہو تو دوستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے، احادیث میں نہی وارد ہے البتہ تنگی اور ضرورت ہے تو جائز ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ دو ستونوں کے درمیان صف بلا کراہت جائز ہے نیز اس قول کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الحمید بن محمود قال: صلینا خلف أمیر من الأمراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کنا نتقی هذا علی عهد رسول الله ﷺ..... قال أبوعیسی: حدیث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث حسن صحیح وقد کره قوم من أهل العلم أن یصف بین السواری وقد رخص قوم من أهل العلم فی ذلك.

(رواه الترمذی: ١/٥٣، باب ما جاء فی کراهیة الصف بین السواری، فیصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن معاویة بن قرة عن أبیه قال: کنا ننهی أن نصف بین السواری علی عهد رسول الله ﷺ ونطرد عنها طردًا. (رواه ابن ماجة: ٧٠ باب الصلاة بین السواری فی الصف)

شیخ عبدالغنی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

لعل سبب النهى أنه موجب للفرقة والجماعة سبب الجمعية وهذا إذا كان المكان واسعاً،وأما إذا ضاق المكان وازدحم الناس فلا بد من الصفوف بين السوارى.

(انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة: ۷۰)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إذا كان منفردًا لابأس بالصلاة بين الساريتين، إذا لم يكن فى جماعة لأن ذلك يقطع الصفوف، وتسوية الصفوف فى الجماعة مطلوبة.

(عمدة القارى:۳/ ۵۸۰، باب الصلاة بين السوارى)

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه لأنه صف فى حق كل فريق وإن لم يكن طويلاوتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلك لايمنع صحة الاقتداء ولايوجب الكراهة. (المبسوط للسرخسى:۲/ ۳۵، باب صلاة الجمعة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مبسوط سرخسی میں موجود ہے کہ اگر ستون درمیان میں ہوتو اس سے نہ اقتداء ممنوع ہوتا ہے نہ کراہیت پیدا ہوتی ہے۔والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه..... اگر مسجد میں وسعت ہوتو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ اصطفاف سے احتراز کیا جائے جہاں ستون بیچ میں آجائے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۶/ ۵۱۲ باب تسوية الصفوف، جامعه فاروقيه و امداد الاحكام ۱/ ۵۲۳)

فصلِ پنجم

محاذات کا بیان

مسئلہ محاذات کی وضاحت:

محاذات کی تعریف:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے کھڑا ہونا یا مرد کے محاذی یعنی برابر میں اس طرح کھڑا ہونا کہ عورت کا قدم نماز کے دوران میں کسی وقت بھی مرد کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے تو اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قدم کے برابر و مقابل ہونے سے پنڈلی اور ٹخنہ کا برابر ہونا مراد ہے۔ صحیح قول کے موافق یہی معتبر ہے پس اگر عورت کا ٹخنہ اور پنڈلی مرد کے ٹخنہ اور پنڈلی کے برابر میں ہوگی تو محاذات ثابت ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر چہ عورت کا پیر مرد کے پیر سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورت کے پیر کا اگلا کچھ حصہ مرد کے پیر سے پیچھے رہے، اور اگر عورت کا پیر مرد کے پیر سے اس قدر پیچھے ہو کہ دونوں ٹخنے اور پنڈلی بالکل برابر میں نہیں رہتے بلکہ عورت کے ٹخنے اور پنڈلی مرد کے ٹخنے اور پنڈلی سے پیچھے ہوں تو اصح قول کی بنا پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس طرح قدم کے علاوہ کسی اور عضو کے مقابل ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔

محاذات کی شرطیں:

(۱) عورت حدِ شہوت کو پہنچ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگر چہ نابالغ ہو۔

(۲) مطلق نماز ہو یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہو۔

(۳) تحریمہ میں دونوں مشترک ہو یعنی ایک ہی امام کی اقتداء میں ہو یا عورت نے اپنے محاذی مرد کی تحریمہ باندھی ہو۔

(۴) مرد مکلّف ہو یعنی عاقل بالغ ہو۔

(۵) عورت بھی عاقلہ ہو، امداد الاحکام میں ہے: مجنونہ عورت کی محاذات مفسد نہیں ہے۔ (بحوالہ شامی ۱/۵۶۱)

(۶) امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔

(۷) ایک کامل رکن میں محاذات پائی جائے۔

(۸) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۹) نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو مرد نے پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو۔

(۱۰) دونوں کا ایک مکان میں ہونا۔

محاذات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مرتب ہونے والی چند صورتیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) عورت کا امام کے آگے یا برابر ہونا اس سے امام اور اس عورت اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) عورت کا امام اور مقتدی مردوں کی صف کے درمیان میں یا مقتدی مردوں کی صفوں کے درمیان میں کھڑا ہونا اس صورت میں ایک عورت اپنے پیچھے والی صرف پہلی صف کے محاذی ایک مرد کی نماز فاسد کرے گی اور دو عورتیں صرف پیچھے والی پہلی صف کے دو محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں پیچھے والی تمام صفوں کے تین تین محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں صف تام کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

ایک یا دو عورتیں آگے ہونے کی صورت میں اگر ان کے اور مردوں کے درمیان سترہ بقدر ایک ہاتھ حائل ہوگا تو مانع فساد ہوگا اس سے کم مانع فساد نہیں اور تین یا زیادہ عورتیں آگے ہونے کی صورت میں سترہ حائل ہونے کا اعتبار نہیں اور فسادِ نماز کا حکم بدستور برقرار رہے گا۔

(۳) عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا پس ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرے گی ایک اپنے دائیں اور ایک بائیں اور ایک پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے آدمی کی اور دو عورتیں چار آدمیوں کی یعنی ایک دائیں اور ایک بائیں اور دو پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے دو آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں ایک ایک دائیں بائیں والے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے تین تین محاذی آدمیوں کی آخر صفوں تک نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں دائیں اور بائیں والے ایک ایک آدمی کی اور پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

(۴) ایک ہی صف میں ایک طرف آدمی ہوں اور ایک طرف عورتیں ہوں اور ان کے درمیان میں کوئی حائل

نہ ہوتو صرف اس ایک آدمی کی نماز فاسد ہوگی جوعورت کے متصل محاذی ہوگا اور باقی آدمیوں کی نماز درست ہوجائے گی کیونکہ یہ آدمی باقی آدمیوں اورعورتوں کے درمیان بمنزلہ سترہ ہوجائے گا۔

(۵) قدِ آدم یا زیادہ اونچا چبوترہ یا سائبان یا بالا خانہ وغیرہ ہے اور اسکے اوپر مرد ہیں اور نیچے ان کے محاذی عورتیں ہیں یا اس کے برعکس یعنی عورتیں اوپر ہیں اور نیچے ان کے محاذی مرد ہیں تو یہ قدِ آدم اونچائی مانع فسادِ نماز ہوجائے گی اور مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی، قدِ آدم سے کم اونچائی مانع فساد نہ ہوگی۔

(ماخوذ از عمدۃ الفقہ حصہ دوم ۲۰۹_۲۱۵، کتاب الصلاۃ)

احادیث وکتبِ فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال قوموا فلأصلي لكم فقام رسول الله ﷺ وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف.

(بخاری شریف: ۱/۵۵/۳۷۸، باب الصلاة على الحصير_وكذا في مسند أحمد: ۱۲۶۷٤_والسنن الكبرى: ۳/۹٦_ والنسائي: ۱/۲۸۵_وموطا مالك رقم:۳٦۳ ومسلم رقم:۱۵۳۱_وأبوداود رقم: ٦۱۲_والترمذي رقم: ۲۳٤)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

حدثنا ابن مهدي عن سفيان عن الأعمش عن إبراهيم أنه كان يكره أن يصلي بصلاة الإمام إذا كان بينهما طريق أو نهر أو نساء.

(مصنف ابن أبي شيبة: ٤/۳۲۸_وهكذا في مصنف عبد الرزاق ۳/۸۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: أخروهن من حيث أخّرهن الله.

(مصنف عبد الرزاق: ۳/۱٤۹/۵۱۱۵ باب شهود النساء الجماعة، المجلس العلمي_وصحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۹/۱۷۰۰_والمعجم الكبير للطبراني :رقم:۹۳۷۲)

امدادالفتاح میں ہے:

(أن لا يفصل بين الإمام والمأموم صف من النساء) لما روى عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفًا ومرفوعًا للنبي ﷺ: أنه قال: من كان بينه وبين الإمام نهر أو طريق أو صف من

النساء فلا صلاة له.

(امداد الفتاح: ٣٣٤ شروط صحة الاقتداء۔ وكذا في تبيين الحقائق: ١/ ١٣٩، باب الامامة، امدادية)

امدادالفتاح میں ہے:

ومحاذات المشتهاة ولوفي الماضي كالعجوز الشوهاء في أداء ركن على ما قاله محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ أومقداره على قول أبي يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ والمراد أن تحاذي رجلا بساقها وكعبها في الأصح، ولو كانت محرمًا له أوزوجة ولامعتبربالسن في الصغيرة إنما العبرة بالضخامة والعبالة لتكون صالحة للجماع فتحاذيه وفي صلاة مطلقة هي ذات الركوع والسجود مشتركة تحريمة المستلزم للاشتراك تادية والاشتراك يتحقق باتحاد فرضها وارتباط صلاتهما بابتناء تحريمتهما على تحريمة الإمام أويكون هوإمامًا لها في مكان متعد حتى لو كان أحدهما على مكان والآخر على الأرض والدكان قدرقامة الرجل لا تفسد صلاته لاختلاف المكان بلا حائل بينهما مثل مؤخرة الرحل في الطول وغلظ الأصبع فإن كان لا تضر المحاذاة لأن أدنى الأحوال القعود فقدر الحائل بقدره، والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناها قدرما يقوم به المصلي ولم يشر إليها لتتأخرفان أشار إليها فلم تتأخرهي فسدت صلاتها دون صلاته لاتيانه بما في وسعه، وتقدمه عنها بالمشي مكروه فاذا ترك الإشارة فسدت بالمحاذاة صلاته، والتاسع من شروط المحاذاة المفسدة أن يكون الامام قد نوى إمامتها لأنه شرط لصحة اقتدائها كما قدمناه فاذا لم ينوها لاتفسد محاذاتها، وفي الجمعة والعدين قال أكثرهم: لايصح أيضًا اقتداؤها ما لم ينوإمامتُها بالخصوص. واللّٰه اعلم.

(امداد الفتاح: ٣٦٤ باب ما يفسد الصلاة۔ وكذا في شرح منية المصلي: ٥٢١، فصل في الامامة، سهيل اكيڈمي۔ وفي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٢٩، باب ما يفسد الصلاة، قديمي۔ وفي الشامي: ١/ ٥٧٢ باب الامامة، سعيد۔ وحاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/ ٢٤٧ باب الامامة، العربية كوئٹه۔ وهكذا في الفتاوى الهندية: ١/ ٨٩ الفصل الخامس في بيان مقام الامام والمأموم۔ والبحر الرائق: ١/ ٣٥٤۔٣٥٨ باب الامامة، الماجدية كوئٹه۔ وتبيين الحقائق: ١/ ١٣٧ باب الامامة)

بالاخانہ پرعورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم:

سوال: اگرمسجد کی دوسری منزل پر بہت ساری عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور عورتوں کے پیچھے مرد نمازی ہیں لیکن زمین کی سطح پر ہیں تو مردوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی صف اگر مسجد کی دوسری منزل پر ہو اور مردوں کی صف زمین کی سطح پر ہو اور عورتیں مردوں کی صف پر مقدم نہ ہوں تو نماز ادا ہو جائے گی، اور مقدم ہونے کی صورت میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن چونکہ متون میں حائل کی صورت میں صلاۃِ رجال کو فاسد نہیں کہا بلکہ صحیح کہا ہے لہذا اس صورت میں بھی مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

السابع اتحاد المكان حتى لو كان احدهما على دكان علو قامة والآخر على الأرض لاتفسد صلاته.

(شرح منية المصلى: ٥٢٢ فصل فى الامامة، سهيل اكيڈمى۔ وامداد الفتاح: ٣٦٤، بيروت۔ وفتح القدير: ١/٣٦٤، باب الامامة۔ والفتاوى الهندية: ١/٨٩ الفصل الخامس فى بيان مقام الامام والمأموم۔ والشامى: ١/٥٧٦، باب الامامة)

التحریر المختار میں ہے:

(قوله فهذا صريح فى أن الحائل غير معتبر) هو صريح فى أن الصف الأول من الرجال لايعد حائلا ولايمكن أن يقال غيره من الحوائل مثله لنقل أهل المذهب أن الحائل يمنع الفساد كعبادة مفتاح السعادة وما نقله طحطاوى عن أبى السعود فى أول مسئلة المحاذاة بقوله ولو كان ورائهن حائط خلفه صفوف لاتفسد صلاتهم على الأصح و حينئذ يفيد اطلاق ما فى الخانية وغيرهما بما فى مفتاح السعادة. (التحرير المختار: ١/٨٦ على هامش الشامى)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں نقل فرمایا ہے:

والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود ص وقفه رواه الطبرانى..... والحديث مع كونه موقوفًا لادلالة له فيه إلا على الاستحباب فأخروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت فى الأحاديث المرفوعة وعلى تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه فى حكم المرفوع فلا دلالة فيه على ابطال الصلاة حال المحاذاة. والله اعلم.

(شرح النقاية: ١/٢٠٤، سعيد)

حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل:

سوال: حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کا مسئلہ لاینحل سا ہے اس میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا کسی اور کے مذہب پر فتوی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقہاء نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے یا نہیں؟

الجواب: محاذات کا مسئلہ صرف مذہب میں احناف کے مطابق ہے ورنہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محاذات کوئی چیز نہیں پھر احناف کی دلیل اس مسئلہ میں صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "أخّروهن من حيث أخرهن الله" ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں فرمایا مرفوعاً حدیث صحیح نہیں ہے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً صحیح ہے تب بھی صرف استحباب ثابت ہوسکتا ہے کہ عورتوں کو پیچھے نماز پڑھنا مستحب ہے جیسے بچوں کے لئے پیچھے مستحب ہے اگر تسلیم بھی کرے کہ امر وجوب کے لئے اور موقوف مرفوع کے حکم میں ہے تب بھی حالتِ محاذات میں نماز فاسد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فسادِ نماز کے لئے مضبوط دلیل چاہئے جو یہاں موجود نہیں ہے لہٰذا نماز فاسد نہ ہونی چاہئے، لیکن ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت متون شروح وفتاوی سے مختلف ہے لہٰذا اعتبار متون وشروح وفتاوی کا ہونا چاہئے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ عام حالات میں تو متون وغیرہ ہی کا اعتبار ہوگا یعنی محاذات مفسد ہے لیکن حرم شریف میں چونکہ محاذات سے بچنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے لہٰذا ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر فتوی دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے تو صراحت فرمائی ہے کہ مفتی اگر غیر مشہور قول پر فتوی دے مواضع ضرورت میں آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے تو ٹھیک ہے اور گنجائش ہے۔ اس کے برخلاف ہم یہ کہیں کہ حرم میں بھی نماز فاسد ہوجائے گی تو اس میں بہت تنگی اور حرج ہے۔

بعض علماء نے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے کہ چونکہ ائمۂ حرم عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے لہٰذا عورتوں کی نماز ہی نہ ہوگی اور محاذات کا تحقق نہ ہوگا، لیکن اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ائمہ کے مذہب کے مطابق عورتوں کی علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ نے خود بتایا کہ ہم عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا علاء الدین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود شیخ سبیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم عورتوں کی بھی نیت کرتے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ عورتوں کی نیت نہیں کرتے تو محاذات نہ ہوگی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حاصل کلام: حرم شریف میں مسئلہ محاذات کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر فتوی دے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ضرورت کے وقت آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأما قول صاحب الهداية لقوله ﷺ أخّروهن من حيث أخّرهن الله فغير معروف رفعه وأغرب منه أنه جعله من المشاهير وهذا خلاف ما عليه الجماهير، والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ووقفه رواه الطبراني والحديث مع كونه موقوفًا لا دلالة له فيه إلاعلى الاستحباب فأخّروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت فى الأحاديث المرفوعة وعلىٰ تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه فى حكم المرفوع فلا دلالة فيه على إبطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقاية: ١/ ٢٠٤، ترتيب الصفوف، سعيد)

ملاحظہ ہو علامہ شامی کا قول مواضعِ ضرورت میں غیر مشہور روایت پر فتوی دینا:

وفى المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشىء من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلبًا للتيسير كان حسنًا. (شامى: ١/ ٢٨٩ باب الحيض، مطلب لو أفتى مفت الخ، سعيد۔ ورسم المفتى: ٤٤)

نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ قول البحر الرائق میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفى معراج الدراية معزيًا إلى فخر الأئمة لو أفتى مفت بشىء من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسنًا. (البحر الرائق: ١/ ١٩٣، باب الحيض، الماجديه)

نیز قواعد شریعت اور مزاجِ شریعت کے بھی موافق ہے: یعنی حرج اور تنگی نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ آسانی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قال الله تعالى: ﴿وما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾ و ﴿يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر﴾.

عن أبى بردة قال بعث النبى ﷺ جده أبا موسى ومعاذ إلى اليمن فقال: "يسّرا ولاتعسّرا وبشّرا ولاتنفّرا وتطاوعا ولاتختلفا" متفق عليه. (مشكاة: ٢/ ٣٢٣ باب ما على الولاة من التيسير)

شرح مجلۃ میں ہے:

المشقة تجلب التيسير. المادة ١٧: (شرح المجلة ٢٧۔ ٢٨)

إن الصعوبة تصير سببًا للتسهيل ويلزم التوسيع فى وقت المضايقة اعلم أن أصل الشرع مبناه على اليسر والتسهيل، قال الله تعالىٰ: ﴿يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر﴾ و ﴿وما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾ وقال ﷺ، "أحب الدين إلى الله الحنفية السمحة".

المادة ١٧: (شرح المجلة: ١/ ٤٨، رشيديه، محمد خالد الاتاسى)

مفتی اعظم پاکستان ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حرم میں محاذات کے باوجود نماز کی صحت کا فتوی دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

حدیث: "أخّروهن من حيث أخّرهن الله" کی تحقیق:

سوال: کتبِ حدیث میں مشہور ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ رزین یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے پھر علمائے کرام کیوں اس کو موقوف فرماتے ہیں اور مرفوع کی نفی کرتے ہیں؟

الجواب: ذكر البغوى فى مشكاة المصابيح فى الرقاق عن حزيفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فى خطبته الخمر جماع الاثم وسمعته يقول: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". رواه رزين. (مشكاة المصابيح: ٩/٢٨٦)

قال الألبانى رحمہ اللہ تعالیٰ: لاأصل له مرفوعًا. (مشكاة: ٣/١٣٠/٥٢١٥)

وفى المرقاة: (رواه رزين) وفى التمييز لابن الربيع حديث "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" يعنى النساء قال شيخنا فى مصنف عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ: وذكر أحاديث بمعناه من طريق الطبرانى ثم قال: ولانطيل بها فالحديث مشهور عند المحدثين لكن بالمعنى اللغوى لا بالمعنى الاصطلاحى. (مرقاة المفاتيح ٩/٢٨٦)

وفى مصنف عبد الرزاق: عبد الرزاق عن الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان الرجال فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". (مصنف عبد الرزاق: ٣/١٤٩)

وفى المقاصد الحسنة: حديث: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" قال الزركشى عزوه الى الصحيحين غلط وكذا من عزاه لدلائل النبوة للبيهقى مرفوعًا ولمسند رزين، ولكنه فى مصنف عبد الرزاق ومن طريقه الطبرانى من قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى حديث أوله: كان فى بنى إسرائيل الرجل و المرأة يصلون جميعا.

(المقاصد الحسنة: ١/١٥ ـ وكذا فى كشف الخفاء ١/٦٧)

قال الزيلعى رحمہ اللہ تعالیٰ فى نصب الراية: الحديث: ٦٩: قال رسول الله ﷺ: "أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله" قلت: حديث غريب مرفوعًا. وهوفى مصنف عبد الرزاق موقوف على

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ. فقال: أخبرنا سفيان الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان الرجال و النساء فى بنى إسرائيل يصلون جميعًا فكانت المرأة تلبس القالبين فتقوم عليها فتواعد خليلها فألقى عليهن الحيض فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: "أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله"..... انتهى.

ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبرانى فى معجمه: قال السروجى فى الغاية: كان شيخنا الصدر سليمان يرويه: "الخمر أم الخبائث، والنساء حبائل الشيطان، وأخّروهن من حيث أخّرهن الله" ويعزوه إلى مسند رزين وقد ذكرهذا الجاهل أنه فى دلائل النبوة للبيهقى وقد تتبعته فيه فلم أجده فيه لامرفوعًا ولاموقوفًا. والذى فيه مرفوعًا: الخمر جماع الإثم والنساء حبالة الشيطان والشباب شعبة من الجنون، ليس فيه أخّروهن من حيث أخّرهن الله أصلا.

(نصب الراية فى تخريج أحاديث الهداية: ۲/۳۶ حدّة)

خلاصہ: عام طور پر مصنف عبدالرزاق کا حوالہ اس حدیث کا دیا جاتا ہے، مصنف عبدالرزاق میں یہ موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔ فكان ابن مسعود ص يقول.

(۲) صاحب مشکاۃ نے رزین کا حوالہ دیا ہے، مگر علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت رزین کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ (مقاصد حسنه)

(۳) علامہ زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ صدر سلیمان نے فرمایا اس حدیث کے کل چار اجزاء میں سے پہلے تین اجزاء وہاں موجود ہیں، مگر چوتھا جزء جو ہمارے مسئلہ سے متعلق ہے "أخّروهن من حيث أخّرهن الله" اس کا وہاں بالکل وجود نہیں۔ واللہ اعلم۔

فصلِ ششم

اقتداء کے احکام

آگے والے کمرے میں عورتیں ہوں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہو تو اقتداء کا حکم:

سوال: امام کے پیچھے آگے والے کمرے میں عورتیں ہیں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہیں تو اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورتیں آگے والے کمرہ میں ہیں اور مرد پیچھے والے کمرہ میں ہیں تو مردوں کی اقتداء صحیح ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ اقتداء درست نہ ہو؛ جیسے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو مختار کہا ہے، نیز اس میں ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ مرد اگلے کمرہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور عورتیں پچھلے کمرہ میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل وفی الشامی: (قوله صف من النساء) المراد به ما زاد علی ثلاث نسوة فانه یمنع اقتداء جمیع من خلف ولو کان صف من النساء بین الرجال والإمام لایصح اقتداء الرجال بالإمام ویجعل حائلاً وفی المعراج عن المبسوط: فان کان صف تام من النساء وورائهن صفوف الرجال فسدت تلك الصفوف کلها استحسانًا، والقیاس أن لاتفسد إلاصلاة صف واحد، ولکن استحسن لحدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا وموقوفًا علیه"من کان بینه وبین الإمام نهر أوطریق أوصف من النساء فلاصلاة له" فهذا صریح فی أن الحائل غیر معتبر فی صف النساء والا فسدت صلاة الصف الأول من الرجال فقط لکونه صار حائلا بین من خلفه وبین صف النساء کما هو القیاس، فظهر أن ما ذکره الشارح من اعتبار الحائل أو الارتفاع انما هو فیمادون الصف التام من النساء

كالواحدة والثنتين، أما الصف فهو خارج عن القياس اتباعًا للأثر، هذا ماظهر فتدبر، والله أعلم.

(شامی: ۱/۵۸٤، باب الامامة سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا كان صف تام من النساء خلف الإمام ووراءهن صفوف من الرجال فسدت.صلاة تلك الصفوف كلها استحسانًا كذا في المحيط. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۸۷، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع)

امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام ایک کمرہ میں ہو اور اس کے ساتھ چند مقتدی ہیں اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض مقتدی دوسرے الگ کمرے میں اقتداء کرتے ہیں تو ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دونوں کمرے ساتھ ہیں اور درمیان میں بڑا راستہ یا دو صف کے بقدر خالی جگہ نہیں ہے تو دوسرے کمرے والوں کی اقتداء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما ماصححه في الظهيرية في مسألة السطح فالظاهر أنه بناء على ما إذا كان السطح متصلاً بالمسجد فحينئذ يصح الاقتداء ويكون مافي الخانية مبنيًا على عدم الاتصال المذكور بدليل أنه في الخانية علل للمنع بكثرة التخلل واختلاف المكان: أي لكون صحن الدار فاصلاً بين السطح والمسجد فيفيد أنه لو لاذلك لصح الاقتداء ويؤيده ما في البدائع حيث قال: لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به ليس بينهما طريق فاقتدى به صح اقتداء ه عندنا، لأنه إذا كان متصلاً به صار تبعًا لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد فهو كاقتداء ه في جوف المسجد إذا كان لايشتبه عليه حال الامام وقد جزم صاحب الهداية في مختارات النوازل بأن العبرة للاشتباه ثم قال بعده: وإن قام على سطح داره واقتدى بالإمام إن لم يكن بينها حائل ولو شارع يصح، فيتعين حمل مافي الظهيرية على ما إذا لم يكن حائل كماقلنا،فيصح لاتحاد المكان وما نقله الشرنبلالي عن البرهان فليس فيه تصحيح الاقتداء مع اختلاف المكان،لأنه بتخلل الحائط لايختلف المكان كما قدمناه عن قاضيخان، وفي التتارخانية: وإن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد ذكر شمس الأئمة

الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ أنه يجوز

(شامی: ۱/۵۸۷،سعید وهكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

امدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل يسع صفين على المفتى به كما فی التجنيس والمزيد ويشترط أن لايفصل بينهما حائط كبير يشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم يشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤية ولولم يمكن الوصول اليه صح الاقتداء به فی الصحيح وهو اختيار شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ لماروی أن النبی ﷺ: كان يصلی فی حجرة عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس فی المسجد يصلون بصلاته (أخرجه البيهقی فی سننه: ۳/۱۰۹) **وعلى هذا الاقتداء فی الأماكن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحيح إذا لم يشتبه حال الإمام بسماع أورؤية ولم يتخلل إلاالجدر**

(امداد الفتاح: ۳۳۵ شروط صحة الاقتداء،بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اقتداء دوسرے مکان میں درست ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۳۶۷، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۰۶، فصل مانع اقتداء)۔ واللہ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کسی مسجد سے کوئی مکان متصل ہو صرف درمیان میں دیوار حائل ہو اور امام کی تکبیرات بھی سنائی دیتی ہو تو کیا اس مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء کرنا درست ہے؟

الجواب: مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء درست ہے جبکہ صفوف متصل ہوں اور درمیان میں خالی جگہ یا بڑا راستہ نہ ہو۔

ملاحظہ ہو امدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل يسع صفين على المفتى به كما فی التجنيس والمزيد ويشترط أن لايفصل بينهما حائط كبير يشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم يشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤية ولولم يمكن الوصول اليه صح الاقتداء به فی الصحيح وهو اختيار شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ لماروی أن النبی ﷺ: كان يصلی فی حجرة

عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس فی المسجد یصلون بصلاته (أخرجه البیهقی فی سننه: ۱۰۹/۳) وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر..... (امداد الفتاح:۳۳۵ شروط صحة الاقتداء۔و کذافی الشامی:۵۸۷/۱،سعید۔وهکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳، قدیمی)

درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء طریق أی نافذ أبو السعود عن شیخه. قلت: ویفهم ذلك من التعبیر عنه فی عدة کتب بالطریق العام، وفی التتارخانیة: الطریق فی مسجد الرباط و الخان لایمنع، لأنه لیس بطریق عام..... (الدرالمختار مع الشامی:۵۸۴/۱،سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جس مکان کی چھت مسجد سے بالکل متصل ہواس طرح کہ بیچ میں راستہ نہ ہوتو اس چھت پر سے اقتداء درست ہے اور اگر درمیان میں راستہ ہوتو اقتداء درست نہیں مگر جبکہ راستہ میں صفیں کھڑی ہوکر مسجد کی صفوں سے متصل ہوجائیں تو اس مکان کی چھت پر سے اقتداء درست ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدة الفقه: ۱۹۷/۲)

مکان کی چھت پر اقتداء کرنے کا حکم جب کہ مکان مسجد سے متصل ہے:

سوال: اگر مکان مسجد سے متصل ہوتو اس کی چھت پر کھڑے ہوکر امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مکان مسجد سے متصل ہے اور درمیان میں خالی جگہ بھی نہیں ہے اور امام کی تکبیرات کا علم بھی ہوتا ہے تو اقتداء جائز اور درست ہے تاہم اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے، کیونکہ اتحادِ مکان نہیں پایا جاتا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجدالحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام علیهم لسماع أورؤیة ولم یتخلل إلا الجدار کما ذکره شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ فیمن صلی علی سطح بیته المتصل بالمسجد أوفی منزله بجنب المسجد وبینه وبین المسجد حائط مقتدیًا بإمام فی المسجد وهو یسمع التکبیر من الإمام أومن المکبر تجوز صلاته کذا فی التجنیس والمزید. (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ۱۰۹، باب الامامة، مکة المکرمة)

طحطاوی میں ہے:

وفی حاشیة الدرر للمؤلف: الصحیح اعتبار الاشتباه فقط، وقواه فی الدر بالنقل عن

المعتبرات خلافًا لما فی الدرر، والبحر وغیرهما من اشتراط عدم اختلاف المکان، فلو اقتدی من بمنزله بمن فی المسجد وان انفصل عنه صح ان لم یوجد مانع من نحو طریق، ولم یشتبه حال الإمام. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۹۳،باب الإمامة،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی:۱/۵۸۷۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۶۷۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۲۷)۔ واللہ اعلم۔

مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام کی فجر اتوار کی ہو اور مقتدی کی فجر سنیچر کی ہو تو اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہو تو اقتداء درست نہیں۔

ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

ولا من یصلی فرضًا خلف من یصلی فرضًا آخر. (مختصر القدوری:ص ۴۲،باب الجماعة،سعید)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شرکة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغایر الفرضان أی وصفة کمن صلی ظهر امس خلف من یصلی ظهر الیوم فإنه لایجوز. (الجوهرة النیرة:۷۳)

نورالایضاح میں ہے:

وأن لایکون الإمام مصلیًا فرضًا غیر فرضه. وقال المحشی رحمہ اللہ تعالیٰ: قوله غیر فرضه: مثل أن یصلی المأموم صلاة الظهر من یوم السبت والإمام من صلاة الظهر من یوم الأحد.

(نور الایضاح مع الحاشیة:۷۶ باب الامامة،مجیدیه)

نیز ملاحظہ ہو: (مراقی الفلاح: ۱۰۸ باب الامامة،مکة المکرمة۔امداد الفتاح:۳۳۴، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بیروت)۔ واللہ اعلم۔

اقتداء المعذور بالمعذور کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح کا عذر ہے اور مقتدی کو سلس البول کا عذر ہے تو اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اختلافِ عذر کے وقت اقتداء صحیح نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سلس البول والے کی اقتداء خروجِ ریح والے کے پیچھے صحیح قول کے مطابق درست نہیں؛ جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وإن اختلف لم يجز كما في الزيلعي والفتح وغيرهم،وفي السراج ما نصه: ويصلي من به سلس البول خلف مثله وأما إذا صلى خلف من به سلس البول وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد ومثله في الجوهر لكن اعترض في النهر ذلك بأنه يقتضي جواز اقتداء ذي سلس بذي انفلات وليس بالواقع لاختلاف عذرهما، وهو مبني على أن المراد بالاتحاد اتحاد العين، وهو ظاهر ما في شرح المينة الكبير وكذا صرح في الحلية بأنه لايصح اقتداء ذي سلس بذي جرح لايرقأ أوبالعكس، وقال: كما هو ظاهر المذهب، فإنه يجوز اقتداء معذور بمثله إذا اتحد عذرهما لا إن اختلف.

(شامی: ۱/۵۷۸،سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله لأن مع الإمام حدثًا ونجاسةً) قال في النهر:مقتضى هذا التعليل أن يجوز اقتداء من به سلس البول بمن به انفلات ريح وليس بالواقع لاختلاف عذرهما فالأولى أي يعلل بمحض اختلاف عذرهما لابكون الإمام صاحب عذرين والمقتدى صاحب عذرواحد فتدبر. والله اعلم. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۴۹، باب الامامة۔ وكذافي شرح منية المصلي: ۵۱۶،سهيل اكيڈمی۔ وكذافي الفتاوى الهندية: ۱/۸۴، الفصل الثالث في بيان من يعلم امامه لغيره)

دوعذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح اور سلس البول دو عذر ہوں اور مقتدی کو صرف خروجِ ریح کا عذر ہو تو اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اقتداء جائز نہیں ہے، اس لئے کہ امام مقتدی سے ادنیٰ حال والا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما إذا صلى خلف من به السلس وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد..... (شامی: ۱/۵۷۸ باب الامامة،سعيد)

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:

ولايجوز أن يصلي خلف من به سلس البول وانفلات ريح لأن الإمام صاحب عذرين

والمأموم صاحب عذر واحد. (الجوهرة النيرة: ۸۲، امدادية ملتان)

امدادالفتاح میں ہے:

ولايكون أدنى حالاً من المأموم كان يكون معذورًا والمقتدى خاليًا عنه. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ۳۳۳، شروط صحة الاقتداء، بيروت)

جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نماز ترکِ واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی کیونکہ سجدۂ سہو نہیں کیا تھا اب اعادہ کررہا ہے تو تین نئے آدمی جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اس کی اقتداء کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دونوں قول مروی ہیں کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہوا یا دوسری سے لہٰذا آسانی کے خاطر نئے آدمی کی اقتداء صحیح ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اقتداء نہ کرے۔

امدادالفتاح میں ہے:

وإن كان تركه للشيء من الواجبات عمدًا أثم ولايسجد للسهو لأنه شرع تخفيفًا لمن سها وهذا المعتمد وجب عليه إعادة الصلاة تغليظًا عليه لجبر نقصانها إذ لايتمكن من جبره إلا بإعادتها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل: تكون الثانية فرضًا فهي المسقطة.

(امداد الفتاح: ۵۵۱، باب سجود السهو، دار احياء التراث)

شامی میں ہے:

قوله المختار أنه أى الفعل الثانى جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا فى شرح الأكمل على أصول البزدوى، ومقابله ما نقلوه عن أبى اليسر من أن الفرض هو الثانى، واختار ابن الهمام رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ الأول قال: لأن الفرض لايتكرر، وجعله الثانى يقتضى عدم سقوطه بالأول لأن كون الفرض هو الثانى دون الأول يلزم منه عدم سقوطه بالأول وليس كذلك، لأن عدم سقوطه بالأول إنما يكون بترك فرض لابترك واجب وحيث استكمل الأول.....

(شامى: ۱/۴۵۷، واجبات الصلاة۔ وايضًا: شامى ۲/۶۳-۶۵، باب قضاء الفوائت، سعيد)

امدادالفتاوی میں ہے:

فى رد المحتار باب الجنائز فإذا أعادها (الولى) وقعت فرضًا مكملاً للفرض الأول من

نظير إعادة الصلاة المؤداة بكراهة فإن كلاً منهما فرضا كما حققناه في محله، اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۳٦٤، باب السهو في الصلاة)

احسن الفتاوی میں ہے:

صلاۃِ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قولِ عدمِ صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ لہٰذا ایسی صورت میں قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۵۲، باب الامامۃ والجماعۃ)

کفایت المفتی میں ہے:

اس نماز میں دوسرے لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے شریک نہیں ہو سکتے، اگر شریک ہوں گے تو ان کے فرض ادا نہ ہوں گے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۱۳۸، امامت و جماعت، دار الاشاعت)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ واللہ اعلم۔

نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتداء کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں کسی شافعی نے حنفی امام کی اقتداء کی اور امام نے قنوت نہیں پڑھا تو شافعی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں شافعی مقتدی کی نماز حنفی امام کے پیچھے درست ہے ہاں شافعی کو چاہئے کہ قنوت پڑھے پھر سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر نہیں پڑھا تو سجدہ سہو کر لے لیکن سجدہ سہو بھی نہیں کیا تب بھی ایک قول کے مطابق نماز درست ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وصلى شافعي الصبح خلف حنفي ومكث الإمام بعد الركوع قليلاً وأمكن المأموم القنوت قنت وإلا تابعه وترك القنوت ويسجد للسهو على الأصح وهو اعتبار اعتقاد المأموم ولو اعتبرنا اعتقاد الإمام لم يسجد.

(شرح المهذب للامام النووي رحمه الله تعالىٰ: ٤/ ٢٩٠، باب صفة الأئمة، دار الفكر)

شرح الوجیز میں ہے:

فلو صلى الشافعي الصبح خلف حنفي، ومكث الحنفي بعد الركوع قليلاً وأمكنه أن

يقنت فيه فعل وإلاتابعه، وهل يسجد للسهو؟ إن اعتبرنااعتقاد المأموم: نعم، فإن اعتبرنا اعتقاد الإمام فلا. واللہ اعلم۔

(شرح الوجيز: ۲/۱۵۶، الفصل الثاني في صفات الأئمة، دارالكتب العلمية بيروت۔ وكذا في روضة الطالبين۔ وعمدة المفتيين: ۱/۳۴۸، باب صفة الأئمة، المكتب الاسلامي۔ وكذا في أسنى المطالب: ۲/۲۵، باب صفة الأئمة في الصلاة، دارالكتب العلمية)

امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کسی نے امام سے پہلے لفظ "اللہ أکبر" کہا تو نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی امام کی تکبیر تحریمہ سے قبل فارغ ہوجائے تو اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی اس شخص کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح أي كبّر مع الإمام وفرغ من قوله "الله" قبل فراغ الإمام من قوله "الله" لايصير شارعًا في الصلاة في أظهر الروايات كذا في الفتاوى ولو قال "الله" مع قول الإمام "الله" أو بعده ولكن فرغ من قوله "أكبر" قبل فراغ الإمام من قوله "أكبر" فالأصح أنه لايجوز شروعه أيضًا لأنه إنما يصير شارعًا بالكل أي بمجموع "الله أكبر" لابقوله "الله" فقط فيقع الكل فرضًا وإذا كان كذلك يكون قد أوقع فرض التكبير قبل الإمام وكل فرض أوقعه قبل الإمام فهو غير معتد به فكان كأنه لم يكبّر فلا يصح شروعه.

(شرح منية المصلي: ۲۶۰، فرائض الصلاة الأول تكبيرة الافتتاح، سهيل)

امداد الفتاح میں ہے:

فإن غلب على أنه كبّر قبل الإمام لايجزئه. (امداد الفتاح: ۲۸۲ فصل في سننها، بيروت)

درمختار میں ہے:

ولايصير شارعًا بالمبتدأ فقط كـ "الله" ولا بـ "أكبر" فقط هو المختار، فلو قال "الله" مع الإمام و "أكبر" قبله أو أدرك الإمام راكعًا فقال "الله" قائمًا و "أكبر" راكعًا لم يصح في الأصح، كما لو فرغ من "الله" قبل الإمام، وفي الشامي: (قوله في الأصح) أي بناء على ظاهر الرواية، وأفاد أنه كما لايصح اقتداء ه لايصير شارعًا في صلاة نفسه أيضًا وهو الأصح كما في النهر

عن السراج.

(الدرالمختارمع رد المحتار: ۱/ ٤٨٠ فصل فی بیان تالف الصلاۃ، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/ ١٦٨، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، الفصل الأول فی فرائض الصلاۃ۔ وکذا فی نفع المفتی والسائل: ۲۷۳، ما یتعلق بالقعود والرکوع والسجود والقیام، دارابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

مقتدی نے امام کی تکبیرِ تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تکبیرِ تحریمہ پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کرلی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہوگیا لہذا اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

(بحواله شامی)۔ احسن الفتاوی: ۳/ ۳۰۵، باب الامامة و الجماعة)

نماز ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتداء کا حکم:

سوال: حنفی اگر مسافر شافعی کی اقتداء کرے نمازِ ظہر میں اور شافعی اتمام کرے تو حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے مثلاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد المفتیین میں تحریر فرمایا ہے کہ حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ لیکن دوسرے بعض حضرات کے نزدیک نماز درست ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حنفی مقتدی کی نماز صحیح ہونی چاہئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهیم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زید یقول: صلی بناعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنی أربع رکعات فقیل فی ذلك لعبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاسترجع ثم قال: صلیت مع رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم بمنٰی رکعتین وصلیت مع أبی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنی رکعتین وصلیت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنی رکعتین فلیت حظی من أربع رکعات رکعتان متقبلتان.

(رواه البخاری: ۱/ ۱٤۷/ ۱۰۷۳، باب الصلاۃ بمنی)

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولاانأنورشاه الكشميرى رحمه الله تعالى): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم فى الفروع. فالصحابة رضى الله تعالى عنهم والتابعون رحمهم الله تعالى وكذا أئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء فى الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين فى آرائهم وأقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكير أوخلاف فى ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أويتبعون أهل المذاهب إن كانوا مقلدين لهم. (معارف السنن: ۱/ ۱۶۰، سعيد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء فى جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كمافى الدر المختار عند تعديد الواجبات فصرح فى ضمنه أن المتابعة تصح عندنا فى الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعى رحمه الله تعالى ونقله الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندناوسيع وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطًا ويدل عليه أن الخليفة هارود الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبويوسف رحمه الله تعالى وماذلك إلا ليكون الاقتداء جائزًا ولولاذلك لماكان أبو يوسف رحمه الله تعالى ليقتدى به فإنه أورع من ذلك..... (فيض البارى على صحيح البخارى: ۲/ ۳۹۶، باب الصلاة، بمنى المكتبة العزيزية)

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما رواه أبوداؤد أن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه صلى أربعًا فقيل له: عبت على عثمان رضى الله تعالى عنه ثم صليت أربعًا؟ فقال: الخلاف شر، وفى رواية البيهقى إنى أكره الخلاف.

(عمدة القارى: ۵/ ۳۸۰/ ۱۰۸۴، باب الصلاة بمنى دارالحديث ملتان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے اعتقاد کے مطابق اقتداء درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ امام کی رائے کا اعتبار ہے ملاحظہ ہو:

وقال الهندوانى وجماعة: لايجوزو رجّحه فى النهاية بأنه أقيس، لأن الإمام ليس بمصل فى زعمه وهو الأصل فلايصح الاقتداء به. (شامى: ۲/ ۸، باب الوتر والنوافل، سعيد)

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مقتدی کے نزدیک امام ایسا عمل کر رہا ہے جو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کے زمرہ میں آتا ہے تو مقتدی کی اقتداء صحیح ہوگی، جیسے مسافر امام چار رکعات پڑھائے تو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب ہوا عملِ مفسد نہیں اس لئے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے یعنی نفل کو فرض کے ساتھ ملایا۔

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: ''بقوله أن يتقن المراعات لمريكره أوعدمها لمريصح وإن شك كره'' اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ'' البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنى التأويل ما نقله فى رد المحتارعن حاشية الرملى على الأشباه: الذى يميل إليه خاطرى القول بعدم الكراهة إذا لمريتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما فى رد المحتارأى المراعات فى الفرائض من شروط وأركان فى تلك الصلاة وإن لمريراع فى الواجبات والسنن كما هوظاهرسياق كلام البحروظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوزمالمريعلم منه ما يفسدالصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة. قلت: فى التمثيل بالشافعى الذى الأصل فيه عدم التعصب..... (امداد الفتاوی:۱/۲۵۱)

لہٰذا مقتدی کی نماز امام کے پیچھے اس وقت صحیح ہوگی جبکہ مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے، اور اگر مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب کر رہا ہو تو اقتداء جائز نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ میں عدمِ قراءت والا قول مرقوم ہے، البتہ دیگر بعض کتب کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہٰذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدى فى بقية صلاته إذاكان مدركًا، أى لايجب عليه لأنه شفع أخير فى حقه ومن مشائخنا من قال: ذكرفى الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۷، صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافرأتم المقيم منفردًا لأنه التزم الموافقة فى الركعتين فصار كالمسبوق فى التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفردًا فيقرأ وقيل: لايقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة. (شرح النقاية:۲/۲۸٤، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فى الأصح) وقال الحلوانى: يقرأ، قهستانى. (طحطاوى على الدر: ۱/۳۳۵)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية:۱/۱٦۹۔والفتاوى الهندية:۱/۱٤۳۔والشامى: ۲/۱۲۹، سعيد۔والبحرالرائق:۲/۱۳۵۔والهداية مع الفتح: ۲/٤۰)۔ واللہ اعلم۔

جنات کے پیچھے اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص جنات کے پیچھے اقتداء کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر جنات انسانی شکل میں ہے تو اس کے پیچھے اقتداء درست ہے اور نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ بدرالدین شبلی الحنفی اپنی کتاب "آکام المرجان فى أحكام الجان" میں تحریر فرماتے ہیں:

نقل ابن أبى الصيرفى الحرانى الحنبلى فى قواعده عن شيخه أبى البقاء العسكرى الحنبلى أنه سئل عن الجنى هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال نعم لأنهم مكلفون والنبى ﷺ مرسل إليهم. والله أعلم. (آكام المرجان فى غرائب الأخبار وأحكام الجان:ص ٦٢،الباب السادس والعشرون فى بيان هل تصح الصلاة خلف الجنى، آرام باغ كراچى)

انسانی شکل میں ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حرکات وسکنات کا پتہ چلنا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتصح إمامة الجنى أشباه وفى الشامى:(قوله وتصح إمامة الجنى)لأنه مكلف (قوله أشباه) إنما يستلزم أحكامها إذاكانواعلى صورة ظاهرة ولهذا لوجامع امرأة ووجدت لذة لايلزمها الاغتسال كما فى الخانية إلا إذا أنزلت كما فى الفتح أوجاء ها على

صورة آدمی کما فی الحلیة وکذا یقال فی إمامة الجنی. واللہ أعلم.

(الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۵٤،باب الامامة،سعید)

نیز جنات کے ذبیحہ کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شکل کی قید لگائی ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قولہ وجنی) لما فی الملتقط "نهی رسول الله عن ذبائح الجن" أشباه، والظاهر أن ذلك محله ما لم یتصور بصورة الآدمی ویذبح وإلافتحل نظرًا إلی ظاهر الصورة ویحرر.

(شامی: ٦/۲۹۸ کتاب الذبائح،سعید،وکذا فی الطحاطاوی:٤/۱۵۲،کتاب الذبائح،العربیة کوئٹه)

نیز ملاحظہ ہو:

("الأشباه والنظائر للعلامة ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۹٦، أحكام الجان، ادارة القرآن كراچی۔ وكذا فی الأشباه والنظائر للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/٦٦، القول فی أحكام الجان، الثالث: هل تنعقد الجماعة بالجن، دارالكتب العلمیة۔ وكذا فی مجموعة الرسائل اللكنوی: تدویر الفلك فی حصول الجماعة بالجن والملك، الفصل الأول فی حصول الجماعة بالجن: ۱/۳۷۲، ادارة القرآن كراچی۔ وفتاوی اللكنوی: ص۳۲۵، بیروت)"۔ **واللہ اعلم۔**

فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام

امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتداء کا حکم:

سوال: ایک شخص امام کے سلام پھیرتے وقت شاملِ نماز ہوا یا اس سے پہلے لیکن قعدہ میں بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا تو اس شخص کی اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہو تو نیت توڑے گا یا سابقہ نماز جاری رکھے گا؟

الجواب: مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے تحریمہ کہی تو اقتداء صحیح ہوگی اور اگر امام نے ایک جانب سلام پھیر دیا اس کے بعد تحریمہ کہی تو اقتداء صحیح نہیں ہوئی، اب یہ شخص نئی تحریمہ کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھے۔

شامی میں ہے:

(قوله وتنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول، قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال: السلام جاء رجل واقتدى به قبل أن يقول عليكم لايصير داخلاً في صلاته.

(شامي: ۱/۴۶۸ واجبات الصلاة، سعيد۔ وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۵۱، فصل في بيان واجبات الصلاة، قديمي)

درمختار میں ہے:

وإذا فسد الاقتداء بأي وجه كان لايمنع شروعه في صلاة نفسه لأنه قصد المشاركة وهي غير صلاة الانفراد على الصحيح، محيط، وادعى في البحر أنه المذهب.

(الدرالمختار: ۱/۵۸۲، باب الامامة، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

الاقتداء عبارة عن المتابعة والشركة فيقتضي المساواة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۸، سعيد)

کفایۃ المفتی میں ہے:

جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کرلی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہوگیا صحتِ اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتدا کہنا کافی ہے اقتدا کی صحت صرف نیت

اقتداء کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہو جاتی ہے، پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے۔ (کفایت المفتی: ۳/۴۳۸، کتاب الصلاۃ، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اقتداء بعد لفظ السلام: یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۵۴۷، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا۔ تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام نے لفظ السلام کہا علیکم نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی یہ اقتداء معتبر نہیں ہے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ بحوالہ شامی۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۲۰۵ مزید وضاحت: ۵/۱۳۵)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۲۷۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۶۹، باب الاجماعۃ، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۴۹، فصل فی المسبوق واللاحق، مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دینا:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا **وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لا يلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط: إن سلم في الأولى مقارنًا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به، وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.**

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۵۹، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي: ۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولایسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقی علیه أرکان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن کان ذاکرًا لما علیه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم یکن ذاکرًا له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم یخرجه عن الصلاة وهل یلزمه سجود السهو لأجل سلامه ینظر إن سلم قبل تسلیم الإمام أو سلما معًا لایلزمه لأن سهوه سهو المقتدی وسهو المقتدی متعطل وإن سلم بعد تسلیم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فیقضی ما فاته ثم یسجد للسهو فی آخر صلاته. واللہ اعلم۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۶، سعید)

امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء کا حکم:

سوال: امام اگر غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کی تو درست ہے یا نہیں؟ نیز امام واپس آگیا اور قعدہ میں بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟ اور اگر واپس نہیں آیا اور چھٹی رکعت بھی ملالی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء اس وقت صحیح اور درست ہے جبکہ امام واپس آجائے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے۔ اور اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق مقتدی کی اقتداء صحیح اور درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" ہوگی اور یہ فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اکثر کتب میں تفصیل ہے کہ چوتھی رکعت کا قعدہ نہیں کیا تھا تو واپس آنے پر بھی اقتداء صحیح نہیں ہے لیکن قاضی خان میں یہ تفصیل نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا صلی الإمام الظهر أربع رکعات وقعد علی الرابعة وقام إلی الخامسة ساهیًا وجاء إنسان واقتدی به فی صلاة الظهر قال الشیخ الإمام أبوبکر بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ: یصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم یقید الخامسة بالسجدة یکون فی تحریمة تلك الصلاة.

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۱۰۲، فصل فی المسبوق)

البحر الرائق میں ہے:

وفی السراج الوهاج: إذا قعد فی الرابعة قدر التهشد وقام إلی الخامسة ساهیًا واقتدی به رجل لایصح اقتداء ه ولو عاد إلی القعدة لأنه لما قام إلی الخامسة فقد شرع فی النفل فکان اقتداء المفترض بالمتنفل ولو لم یقعد مقدار التشهد صح الاقتداء لأنه لم یخرج من الفرض

قبل أن يقيدها بسجدة.

(البحر الرائق: ۲/۱۰۵، باب سجود السهو، الماجديه كوئٹه۔ و كذا فى الشامى: ۲/۸۸، باب سجود السهو، سعيد۔ و كذا فى حاشية الطحطاوى على الدر: ۱/۳۱٤، باب سجود السهو)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

امام اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو چھٹی رکعت ملا لے اور سجدہ سہو کرلے فرض اس کے پورے ہوگئے۔ اگر کوئی شخص پانچویں یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ امام کی دو رکعت نفل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: مدلل ومکمل: ۴/۴۱۰، مسائل سجدہ سہو، دارالاشاعت)

مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟

سوال: مسبوق امام کے سلامِ اول کے بعد کھڑا ہوگا یا سلامِ ثانی کے بعد؟

الجواب: مسبوق کو فوت شدہ نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جبکہ اس کو یقین ہوجائے کہ امام نماز سے فارغ ہوچکا ہے اور اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہے، اور عامۃً یہ سلامِ ثانی کے وقت ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

ثم إذا سلم الإمام لايعجل بالقيام وينظر هل يشتغل الإمام بقضاء ما نسيه فإذا تيقن فراغه يقوم إلى قضاء ما سبق ولايسلم مع الإمام، وفيه حكاية وهى أن أبايوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ كان على مائدة الرشيد فقال لزفر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ما تقول يا أبا هزيل متى يقوم المسبوق إلى قضاء ما سبق به فقال زفر: بعد سلام الإمام فقال له أبويوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: أخطأت فقال زفر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: بعد ما يسلم تسليمة فقال: أخطأت فقال زفر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: قبل سلام الإمام فقال: أخطأت، ثم قال أبويوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: إنما يقوم بعد تيقنه أن الإمام فرغ من صلاته فقال زفر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: أحسنت أيد الله القاضى.

(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۱/۱۲٤، فصل فى بيان الشروع فى الصلاة، امداديه)

امداد الفتاح میں ہے:

وفى المحيط وغيره: ينبغى للمسبوق أن يمكث ساعة بعد فراغ الإمام ثم يقوم لجواز أن

يكون على الإمام سهوًا ليتابعه فيه انتهى.

(امداد الفتاح: ٥١٤، باب سجود السهو ـ وكذافى مراقى الفلاح على حاشية الطحطاوى: ٤٦٤، باب سجود السهو، قديمى كتب خانه ـ وهكذا فى البحرالرائق: ٢/١٠٠، باب سجود السهو، الماجديه)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنا تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہونا معلوم ہوجائے۔ **قال فى الهندية: و ينبغى للمسبوق أن يمكث ساعة بعد سلام الإمام لجواز أن يكون على الإمام سهو، عالمكيرى. والله اعلم.** (احسن الفتاوی: ٣/٣٧٧، باب المسبوق واللاحق)

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنا:

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیر دے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اگر عمداً سلام پھیر دیا، ورنہ فاسد نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد فى السجود لأنه لايتابعه فى السلام بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء فإن سلم فإن كان عامدًا فسدت وإلالا.

(شامى: ٢/٨٢، باب سجود السهو، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها أن يتابع الإمام فى السهو ولايتابعه فى التسليم والتكبير والتلبية فإن تابعه فى التسليم والتكبير فسدت. (الفتاوى الهندية: ١/٩٢)

البحرالرائق میں ہے:

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام فى السجود لافى السلام فيسجد معه فإن سلم فإن كان عامدًا فسدت وإلا فلا. (البحر الرائق: ٢/١٠٠، باب سجود السهو، الماجديه)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو تو کرنا ضروری ہے لیکن سجدہ سہو کے لئے سلام میں امام کا اتباع ناجائز ہوتا ہے، اگر قصداً امام کے ساتھ سلام پھیرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور سہواً پھیرنے سے فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ٦/٥٥٦، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

مسبوق کی اقتداء کا حکم:

سوال: امام کے سلام کے بعد مسبوق بقیہ نماز پڑھ رہا تھا ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کر لی تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: مسبوق واجب الانفراد ہوتا ہے امام نہیں بن سکتا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

فمن جملة أحكام المسبوق ما ذكروا من جملتها أنه فيما يقضى كالمنفرد إلا فى أربع مسائل إحداهما لايجوز اقتداء ه ولا الاقتداء به لأنه بان من حيث التحريمة. والله اعلم.

(شرح منیۃ المصلی: ٤٣٧، سهيل اكيڈمی۔ والفتاوى الهندية: ١/٩٢۔ والشامي: ١/٥٩٧، سعيد۔ وفتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ١/١٠١)

مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا:

سوال: ایک مسبوق اپنی فوت شدہ رکعات اکثر بھول جاتا ہے اور جب ادا کرتا ہے تو اپنے قریب والے کو دیکھ کر اپنی فوت شدہ رکعات پوری کرتا ہے تو اس طرح کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اس کی اقتداء کرنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

أما لو نسى أحد المسبوقين المتساوين كمية ما عليه فقضى ملاحظًا للآخر بلا اقتداء به صح. (فتح القدير: ١/٣٩٠، باب الحدث فى الصلاة، دارالفكر۔ وكذافى البحرالرائق: ١/٣٧٨، باب الحدث فى الصلاة، كوئٹة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

إذا قضى المسبوقان ملاحظًا أحدهما الآخر ليعلم عدد ماعليه من فعله، فلابأس به.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢٩٢، باب الامامة، قديمى۔ وكذا فى الدرا لمختارمع الشامى: ١/٥٩٧، باب الامامة، سعيد۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١/٩٢، الفصل السابع)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۳۷، مکتبہ رحیمیہ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۵۶۴، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا:

سوال: کیا مسبوق کے لئے جائز ہے کہ فجر کی نماز میں فوت شدہ رکعت ادا کرتے وقت جہر کرے؟

الجواب: مسبوق فوت شدہ رکعت میں منفرد کے حکم میں ہے اور منفرد کو جہری نماز میں اختیار ہے لہذا مسبوق کو بھی اختیار ہے کہ جہری نماز کی فوت شدہ رکعت جہر سے ادا کرے، بشرطیکہ دوسرے مسبوقین کی نماز میں خلل نہ ہو۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله (كمن سبق ركعة من الجمعة) أى أنه إذا قام ليقضيها لايلزمه المخافتة بل له أن يجهر فيها ليوافق القضاء الأداء. (شامی: ۱/۵۳٤، فصل فی القراءۃ،سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهومن سبقه الإمام بكلها أوبعضها وحكمه أنه يقضى أول صلاته فى حق القراءة وآخرها فى حق القعدة وهومنفرد فيما يقضيه.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعله المقتدى)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله كمن سبق بركعة من الجمعة) والمغرب والعشاء والفجر كذلك لأن المسبوق منفرد فى الأقوال.

(طحطاوى على الدر المختار: ۱/۲۳٤، فصل يجهرالامام۔وكذا فى امداد الفتاح:فصل فى واجبات الصلاة۔وفى الفتاوى الهندية: ۱/۷۲، واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ.

(الدر المختار: ۱/۵۹٦،سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

فجر میں مسبوق بقیہ رکعت قراءتِ جہری سے پوری کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۸۹ مدلل ومکمل)

مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دو رکعت کس طرح پوری کرے؟

سوال: مغرب کی نماز میں کسی کی دو رکعت چھوٹ گئی تو ادا کرتے وقت دو رکعات کے درمیان قاعدہ کرے گا یا نہیں کریگا اور اگر نہیں کیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مغرب کی فوت شدہ دو رکعات کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں قراءت بھی کرے اور دونوں کے درمیان قاعدہ بھی کرے لیکن اگر قاعدہ نہیں کیا تو بھی استحسانا جائز ہے اور نماز صحیح ہے نہ سجدہ سہو لازم ہے اور نہ اعادہ لازم ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جندبًا ومسروقًا أدرکا رکعة یعنی من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم یقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما یقضیان فجلس مسروق فی الثانیة والثالثة وقام جندب فی الثانیة ولم یجلس فلما انصرف تذاکرا ذلك فأتیا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: کل قد أصاب أوقال: کل قد أحسن واصنع کما یصنع مسروق. رواہ الطبرانی فی الکبیر بأسانید بعضها ساقط منه رجل وفی هذه الطریق جابر الجعفی والأکثر علی تضعیفه۔

(مجمع الزوائد: ۲/۸۶، باب فیما یدرك مع الامام وما فاته، دار الفکر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو أدرك مع الإمام رکعة من المغرب فإنه یقرأ فی الرکعتین الفاتحة والسورة ویقعد فی أولیهما لأنها ثنائیة ولو لم یقعد جاز استحسانًا لا قیاسًا ولم یلزمه سجود السهو لو سهو اً لکونها أولیٰ من وجه. (شرح منیة المصلی: ۴۶۸، فصل فی سجود السهو، سهیل)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بکلها أو بعضها وحکمه أنه یقضی أول صلاته فی حق القراءة وآخرها فی حق القعدة وهو منفرد فیما یقضیه. واللہ اعلم۔

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۰۹، فصل فیما یفعل المقتدی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۵۹۷، باب الإمامة، سعید)

مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے آخری تشہد میں شریک ہوا تو نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر کا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مسافر امام کی

فراغت کے بعد لاحق مسبوق ہے پس پہلی دو رکعتیں بلاقراءت ادا کرے گا کیونکہ یہ لاحق ہے، اور تیسری رکعت قراءت کے ساتھ ادا کرے گا یہی جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے اس پر شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے دستخط ہیں، یہ حضرات شامی کی عبارت سے استدلال فرماتے ہیں: ومقیم ائتم بمسافر قوله ومقیم أی فهو لاحق بالنظر للأخیرتین وقد یکون مسبوقاً أیضا کما إذا فات أول صلاة إمامه المسافر.

(شامی: ۱/۵۹۴، أحکام المسبوق و اللاحق)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے یہ شخص صرف مسبوق ہے لاحق نہیں ہے لہٰذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے اور آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے جس کی تفصیلات اور دلائل فتاویٰ خلیلیہ: ص ۹۹۔۱۱۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دلائل میں سے کچھ حسبِ ذیل درج ہیں:

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن کان الإمام مسافرًا والقوم مقیمین ومسافرین صلی الإمام بالطائفة الأولیٰ رکعة ثم انصرفوا بإزاء العدو وجاءت الطائفة الثانیة وصلی بهم رکعة فمن کان مسافرًا خلف الإمام بقی إلی تمام صلاته رکعة ومن کان مقیما بقی إلی تمام صلاته ثلاث رکعات ثم ینصرفون بإزاء العدو وترجع الطائفة الأولیٰ إلی مکان الإمام فمن کان مسافرًا یصلی رکعة بغیر قراءة لأنه مدرك أول الصلاة ومن کان مقیمًا یصلی ثلاث رکعات بغیر قراءة فی ظاهر الروایة فإذا أتمت الطائفة الأولیٰ صلاتهم ینصرفون بإزاء العدو وتجیء الطائفة الثانیة إلی مکان صلاتهم فمن کان مسافرًا یصلی رکعة بقراءة لأنه مسبوق ومن کان مقیمًا یصلی ثلاث رکعات الأولیٰ بفاتحة الکتاب وسورة لأنه کان مسبوقاً فیها وفی الأخریین بفاتحة الکتاب علی الروایات کلها. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۵، الباب العشرون فی صلاة الخوف، بلوچستان)

شامی میں ہے:

(قوله والمقیم) ذکر فی البحر أن المقیم المقتدی بالمسافر کالمسبوق فی أنه یتابع الإمام فی سجود السهو ثم یشتغل بالإتمام، وأما إذا قام إلی إتمام صلاته وسها فذکر الکرخی: أنه کاللاحق فلا سجود علیه بدلیل أنه لایقرأ، وذکر فی الأصل: أنه یلزمه

السجود وصححه في البدائع لأنه إنما اقتدى بالإمام بقدر صلاة الإمام، فإذا انقضت صار منفردًا وإنما لايقرأ فيما يتم لأن القراءة فرض في الأوليين وقد قرأ الإمام فيهما.

(شامي: ۲/۸۳، باب سجود السهو۔ وفي الشامي أيضا: ۱/۵۹٤، أحكام المسبوق)

محقق علماء نے حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے کو اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں مسافر امام کے پیچھے تشہد میں شریک ہونے والا مقیم مقتدی صرف مسبوق کے حکم میں ہے لہٰذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، اب اس کو چاہئے کہ پہلی دو رکعات سورۂ فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے، اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور دو رکعات پر قعدہ بھی کریگا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی خلیلیہ: ۱/۹۹۔۱۱۳، فصل فی حکم اللاحق والمسبوق، مکتبۃ الشیخ۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۸٦۔۳۹۷، باب المسبوق)۔ واللہ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے نمازِ ظہر میں دوسری رکعت میں شریک ہوا تو بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے البتہ محققین کے نزدیک مقیم مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، لہٰذا مسبوق کی طرح تینوں رکعات ادا کرے گا پہلی رکعت قراءتِ فاتحہ و سورۃ کے ساتھ ادا کرے گا اور قعدہ کرے گا اور آخری دو رکعات صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔

درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكراهتها مفتاح السعادة. فيما يقضيه أى بعد متابعته لإمامه، ويقضى أول صلاته في حق قراءة وآخرها في حق تشهد، وفي الشامي قوله يقضى أول صلاته في حق قراءة. (الدرالمختار مع الشامي: ۱/۵۹٦، باب الامامة، سعيد)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية، باب صلاة الخوف۔ وفتاوى خليليه: ۱/۹۹۔۱۱۳۔ واحسن الفتاوى: ۳/۳۸٦؛ كمامر)۔ واللہ اعلم۔

لاحق کی نماز کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کا دوسری رکعت میں وضو ٹوٹ گیا اور جب وضو کرنے گیا تو دو رکعتیں نکل گئیں، اب امام کے سلام کے بعد نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اسے فوت شدہ نماز بلا قراءت پڑھنی چاہئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی تھی، پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔

درمختار میں ہے:

واللاحق من فاتته الركعات كلها أوبعضها لكن بعد اقتدائه بعذر وحكمه كمؤتم فلايأتى بقراءة ويبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه أدراكه و إلا تابعه.

وفى الشامى: ففى شرح المنية: وحكمه أن يقضى مافاته أولا ثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ. وفى النتف: إذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الإمام به ثم إن أدرك الإمام فى شىء من الصلاة يصليه معه. وفى البحر: وحكمه أنه يبدأ بقضاء مافات بالعذر ثم يتابع الإمام إن لم يفرغ وهذا واجب لاشرط، حتى لوعكس يصح، فلو نام فى الثالثة واستيقظ فى الرابعة فإنه يأتى بالثالثة بلا قراءة، فإذا فرغ منها صلى مع الإمام الرابعة، وإن فرغ منها الإمام صلاها وحده بلا قراءة أيضا، فلو تابع الإمام ثم قضى الثالثة بعد سلام الإمام صح وأثم، ومثله فى الشرنبلالية وشرح الملتقى للباقانى. وهذا العمل مما أغفل التنبيه عليه جميع محشى هذا الكتاب، والحمدلله ملهم الصواب.

(الدرالمختارمع رد المحتار: ۱/۵۹۵، أحكام المسبوق واللاحق،سعيد۔ وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۹۲، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق)

احسن الفتاوی میں ہے:

لاحق اولاً فوت شدہ رکعات ادا کرے اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ تنہا ادا کرے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۸۰، باب المسبوق واللاحق۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۹۳، باب المسبوق واللاحق)۔ واللہ اعلم۔

فصلِ ہشتم

حدث اور استخلاف کے مسائل

سلامِ اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز پوری ہوئی یا نہیں یا وضو کر کے واپس آ کر دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو کیا حکم ہے کسی کو خلیفہ بنائے گا یا نہیں؟

الجواب: سلامِ ثانی اصح قول کے مطابق واجب ہے لہٰذا شخص مذکور وضو کر کے واپس آئے اور دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے۔

درمختار میں ہے:

ولفظ السلام مرتين فالثانى واجب على الأصح. (الدرالمختار: ۱/ ٤٦٨، واجبات الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

ويجب لفظ السلام مرتين وهو الأصح.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۵۱، واجبات۔ وكذا فى بدائع الصنائع: ۱/ ۹٤، سعيد)

درمختار میں ہے:

سبق الإمام حدث ولو بعد التشهد ليأتى بالسلام استخلف. وفى الشامى: قوله ليأتى بالسلام: قال ابن الكمال: صرح بذلك فى الهداية وهذا صريح فى أنه لاخلاف للإمامين هنا إذ لاخلاف لهما فى وجوب التسليم، وقوله استخلف: أشار إلى أن الاستخلاف حق الإمام.

(الدرالمختار مع الشامى: ۱/ ٦۰۰ باب الاستخلاف، سعيد)

وفى تقريرات الرافعى:

قوله وقد يجاب الخ: يبعد هذا الجواب تعليل ابن ملك للوجوب بقوله صيانة الخ فإنه يدل على التعميم. (التحرير المختار للرافعى على الشامى: ۱/ ۷۸ باب الاستخلاف، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی قاضی خان: ۱/ ۱۱۵، فصل فی الاستخلاف)۔ **واللہ اعلم۔**

امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا:

سوال: اگر کسی امام کا وضو ٹوٹ گیا اور چلا گیا پھر از خود ایک آدمی دوسری یا تیسری صف سے آیا اور نماز پوری کردی تو نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: اگر مقتدی امام کے مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے امام کی جگہ پر آ گیا اور نماز پوری کردی تو نماز صحیح ہوگئی، جو بھی عمل کثیر ہوا وہ اصلاحِ صلاۃ کے لئے تھا اس لئے مفسد نہیں ہے ہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ استدبارِ قبلہ لازم نہ آئے ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإن تقدم رجل من غير تقديم أحد وقام مقام الأول قبل أن يخرج الإمام من المسجد جاز، ولو خرج الإمام من المسجد قبل أن يصل هذا الرجل إلى المحراب ويقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم ولا تفسد صلاة الإمام الأول.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/١١٥، فصل في الاستخلاف)

شامی میں ہے:

وإن قدم القوم واحدا أو تقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جاز إن قام مقام الأول قبل أن يخرج من المسجد ولو خرج فسدت صلاة الكل دون الإمام.

(شامی: ١/٦٠١، باب الاستخلاف، سعيد- والفتاوى التاتارخانية: ١/٥٨٤، ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

ويفسد كل عمل كثير ليس من أعمالها ولا لإصلاحها (قوله ولا لإصلاحها) خرج به الوضوء والمشي لسبق الحدث فإنهما لا يفسدانها. والله اعلم. (شامی: ١/٦٢٤، سعيد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شئ من كلام الناس إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة القرآن"﴾

(مشکاۃ)

باب.....﴿۷﴾

فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها

فصلِ اول

مفسداتِ نماز کا بیان

قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: کیا قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب: احناف کے نزدیک بحالتِ نماز قراءت من المصحف مفسدِ نماز ہے اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، چاہے فرض نماز ہو یا نفل یا تراویح۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله وقراءة مالايحفظه أى مطلق سواء كان قليل أو كثيروهو ظاهر الرواية عن الإمام ولأبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فى فسادها وجهان: أحدهما أن حمل المصحف،والنظرفيه، وتقليب الأوراق عمل كثير والثانى أنه تلقن من المصحف فصار كما لوتلقن من غيره وهو مناف للصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال، وهوالصحيح كذا فى الكافى، ولولم يكن قادرًا إلا على القراءة من المصحف لايجوزله ذلك ويصلى بغيرقراءة لأنه أمى ولافرق بين الإمام والمنفرد. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:٣٣٦،باب ما يفسد الصلاة، قديمى۔ وكذا فى تبيين الحقائق:١/١٥٨،باب ما يفسد الصلاة،امداديه)

درمختار میں ہے:

وقراءته من مصحف أى ما فيه قرآن مطلق لأنه تعلم وفى الشامى: (قوله أى ما فيه قرآن) عممه ليشمل المحراب، فإنه إذا قرأ مافيه فسدت فى الصحيح بحر (قوله مطلقا) أى قليلًا أو كثيرًا، إمامًا أومنفردًا، أميًا لايمكنه القراءة إلامنه أولا(قوله لأنه تعلم) ذكروا لأبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فى علة الفساد وجهين.....

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ١/٦٢٤، باب ما يفسد الصلاة، سعيد۔ وكذا فى البحر الرائق: ٢/١٠، باب ما يفسد الصلاة، الماجديه كوئته۔ والفتاوى الهندية: ١/١٠١، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، بلوچستان۔ والفقه الاسلامى وأدلته: ٢/٨، دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۶۸، باب مفسداتِ نماز مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۱۹، باب مفسدات الصلاۃ، دار العلوم حقانیہ۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۴۵، مسائل زلۃ القاری)۔

دیگر ائمہ کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک قراءۃ من المصحف مطلقاً جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک صرف نوافل میں گنجائش ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر امام حافظ ہو تو مکروہ ہے اور فرائض میں علی الاطلاق مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

لو قرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء كان يحفظه أم لا بل يجب عليه ذلك إذا لم يحفظ الفاتحة كما سبق ولو قلب أوراقه أحيانًا فى صلاته لم تبطل.

(شرح المهذب للامام النووى رحمه الله تعالى: ٤/ ٩٥، فرع لو قرأ القرآن من المصحف، دار الفكر)

مواہب الجلیل میں ہے:

فأجاز مالك أن يؤم الإمام فى المصحف فى قيام رمضان وكره ذلك فى صلاة الفرض.

(مواهب الجليل: ٢/ ٣٨٢۔ وكذا فى التاج والإكليل: ٢/ ٣٨٢۔ ومنح الجليل: ١/ ٣٤٥)

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

وكره نظر بمصحف فى فرض وفى أثناء نفل لا فى أوله لأنه يغتفر فى النفل مالا يغتفر فى الفرض. (حاشية الدسوقى: ١/ ٤٩٦۔ وكذا فى المدونة۔ والذخيرة)

المغنی میں ہے:

قال أحمد لا بأس أن يصلى بالناس القيام وهو ينظر فى المصحف قيل له فى الفريضة قال لم أسمع فيه شيئًا، وقال القاضى: يكره فى الفرض ولا بأس به فى التطوع إذا لم يحفظ فإن كان حافظًا كره أيضًا، قال: وقد سئل أحمد عن الإمامة فى رمضان فقال: إذا اضطروا إلى ذلك نقله على بن سعيد وصالح بن منصور. (المغنى: ١/ ٦١٢، دار الكتب العلمية بيروت)

الشرح الکبیر میں ہے:

(ويجوز له النظر فى المصحف) يجوز له النظر فى المصحف فى صلاة التطوع قال أحمد: لا بأس أن يصلى بالناس القيام وهو يقرأ فى المصحف قيل له الفريضة؟ قال: لم أسمع فيها شيء، وسئل الزهرى عن رجل يقرأ فى رمضان فى المصحف فقال: كان خيارنا يقرؤون فى

المصاحف، روی عن عطاء ویحیی الأنصاری، ورویت کراهته عن سعید بن المسیب والحسن ومجاهد وإبراهیم لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة، وقال القاضی: لابأس به فی التطوع إذا لم یحفظ، فإن کان حافظًا کره لأن أحمد سئل عن الإمامة فی المصحف فی رمضان قال: ان اضطر إلی ذلك. (الشرح الکبیر علی هامش المغنی: ۱/۶۳۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وأجاز الحنابلة القراءة فی أثناء الصلاة فی المصحف، ویکره ذلك لمن یحفظ لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة والنظر إلی موضع السجود لغیر حاجة کما یکره فی الفرض علی الإطلاق لأن العادة أنه لایحتاج إلی ذلك فیها. واللّٰه اعلم.

(الفقه الاسلامی وأدلته: ۲/۱۱ مفسدات الصلاة عند الفقهاء، دارالفکر)

سیلولرفون بجنے پر عملِ کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر کی ضرورت پڑے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عمل کثیر مفسدِ نماز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر پایا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والعمل الکثیر لاالقلیل، واختلفوا فی الفاصل بینهما علی خمسه أقوال:

منها أن لایشك الناظر إلیه أنه لیس فی الصلاة، وإن اشتبه علی الناظر فهو قلیل علی الأصح.

والثانی: أن ما یقام بالیدین عادة کثیر وإن فعله بید واحدة کالتعمم ولبس القمیص وشد السراویل وما یقام بید واحدة قلیل.

والثالث: الحرکات الثلاث المتوالیات کثیر.

والرابع: أن الکثیر ما یکون مقصودًا للفعل.

والخامس: أن یفوض إلی رأی المبتلی به وهو المصلی قال الزیلعی: وهذا أقرب الأقوال إلی رأی أبی حنیفة رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

(امداد الفتاح: ۳۵۹ فصل مایفسد الصلاة، بیروت۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۲۳، باب ما یفسد الصلاة، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۶۲۴، باب ما یفسد الصلاة)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۴۱۸، باب مفسدات الصلاۃ)۔ واللہ اعلم۔

چھینکنے والے کو "یرحمك الله" کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص کو نماز میں چھینک آئی اس نے "الحمد لله" کہا دوسرے نے اس کے جواب میں "یرحمك الله" کہا تو دونوں کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چھینکنے والے نے "الحمد لله" کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ قصداً نہیں کہنا چاہئے اور اس کے جواب میں "یرحمك الله" کہنے والے کی نماز فاسد ہوگئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله خطاب عاطس أی خطاب المصلی العاطس، وإنماقید بالخطاب من المصلی لأنه لوقاله العاطس لنفسه لاتفسد لأنه بمنزلة قوله یرحمنی الله وبه لاتفسد ظهیریه، ولو قال "الحمدلله" فمن العاطس لنفسه لاتفسد وکذا من غیره.....

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۵، باب ما یفسد الصلاۃ)

امداد الفتاح میں ہے:

وتشمیت عاطس بـ"یرحمك الله" عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ، وقال أبو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: لا تفسد لأنه دعاء بالمغفرة والرحمة کما لوقال العاطس: الحمد لله علی أصح الروایتین وجه قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ماروِیناه من قوله صلی اللہ علیہ وسلم "إن هذه الصلاة لایصلح فیها شیء من کلام الناس الحدیث. قال لقائله أی: لتشمیت معاویة بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولأنه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامهم. (امداد الفتاح:۳۶۲، فصل ما یفسد الصلاۃ، بیروت)

احسن الفتاوی میں ہے:

یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۳/۴۴۱)

شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی شافعی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا شافعی امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شافعی امام نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو حنفی کے نزدیک مفسدات میں سے ہے لہٰذا حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی، فرض دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

شامی میں ہے:

وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الاجماع.

(شامی: ۱/۵۶۳، فی الاقتداء بالشافعی، سعید)

تحریر المختار میں ہے:

وإذا علم المقتدى منه ما يزعم به فساد صلاته كالفصد ونحوه لايجزيه ثم قال فحاصله أن صاحب الهداية جوز الاقتداء بالشافعى بشرط أن لايعلم المقتدى منه ما يمنع صحة صلاته فى رأى المقتدى. (تقريرات الرافعى على هامش الشامى: ۱/۷۱، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

(قوله وكذا كل مفسد) ولو ظهر أن بإمامه مايمنع صحة الصلاة أعادها وما لو أخل بركن أو شرط كظهور أنه توضأ بماء مستعمل أو خرج منه بعد وضوئه دم أو قيح أو قيء فإن الوضوء صحيح عند الإمام مالك فى جميعها باطل عندنا (قوله بطلت) فيلزم إعادتها.

(طحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۵۳، باب الامامة)

نورالایضاح میں ہے:

وإن سها عن القعود الأخير ما لم يسجد وسجد لتأخيره فرض القعود فإن لم يعد حتى سجد للزائد على الفرض صار فرضه نفلاً ولا يسجد للسهو لترك القعود فى هذا الضم فى الأصح لأن النقصان بالفساد لاينجبر بالسجود. والله اعلم.

(نورالایضاح مع مراقی الفلاح: ۱۸۰، باب سجود السهو، مكة المكرمة۔ وكذا فى الدر المختار مع الشامى: ۲/۸۵، باب سجود السهو)

مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی امام کے پیچھے عورت مقتدیہ تھی اس نے امام کو لقمہ دیا تو امام کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: جب عورت مقتدیہ ہو اور امام صاحب نے حالتِ نماز میں غلطی کی تو عورت کو تصفیق کرنا چاہئے

یعنی تالی بجائے نہ کہ لقمہ دے اگر لقمہ دیدیا تو امام صاحب کو لینے سے احتراز کرنا چاہئے اور اگر لقمہ لے لیا تو نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وتدفعه المرأة بالإشارة أو التصفيق بظهر أصابع يدها اليمنى على صفحة كف اليسرى لأن لهن التصفيق ولاترفع صوتها بالقراءة أوبالتسبيح لأنه فتنة فلايطلب منهن التسبيح للدرء.

(امداد الفتاح:۱/ ٤٠٠ بيروت)

البحر الرائق میں ہے:

وفى شرح المنية: الأشبه أن صوتها ليس بعورة، وإنما يؤدى إلى الفتنة كماعلل به صاحب الهداية وغيره فى مسئلة التلبية ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح فى الصلاة لهذا المعنى، ولايلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه. (البحر الرائق:۱/ ۲۷۰، باب شروط الصلاة)

فتاوی شامی میں ہے:

(قوله وصوتها) يعنى أنه ليس بعورة (قوله) على الراجح عبارة البحرعن الحلية أنه الأشبه وفى النهر وهو الذى ينبغى اعتماده. (فتاوى شامى:۱/ ٤٠٦، مطلب فى ستر العورة)

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں، امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں، جس سے امام متنبہ ہو جائے، زبان سے کچھ نہ کہیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن:۷/۱۳۲)

سلام کے جواب میں یہ الفاظ "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ" کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلی کو سلام کیا اس کے جواب میں مصلی نے یہ الفاظ کہے "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ" تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ یہ دعائیہ جملہ محلِ جواب میں صادر ہوا ہے اور عرفاً دوسروں کے حوالہ سلام پہنچاتے ہیں لہذا احتیاطاً نماز فاسد ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: "كنا نسلم على النبي ﷺ وهو في الصلاة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا وقال: إن في الصلاة شغلاً".

(بخاری شریف:۱/ ۱ /۱۱۹۹، باب ما ینهی من الکلام فی الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكل شيء قصد به الجواب كـ "يا يحيى خذ الكتاب" ويفسدها جواب مستفهم عن نداء الله سبحانه؛ أي قال قائل: هل مع الله إله آخر؟ فأجاب المصلي: بـ "لا إله إلا الله" فسدت صلاته عندهما خلافا لأبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ولهما أنه أخرجه مخرج الجواب وهو صالح له لأنه يستعمل في موضعه عرفًا فيجعل جوابًا لأن الكلام يبنى على قصد المتكلم فإن من رأى رجلاً اسمه يحيى وبين يديه كتاب وقال: يا يحيى خذ الكتاب بقوة وأراد خطابه لم يشكل على أحد أنه متكلم لا قارئ.

(امداد الفتاح:۳۶۲، باب ما یفسد الصلاة۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی:۳۲۶، باب ما یفسد الصلاة، قدیمی)

شامی میں ہے:

(قوله تفسد إن قصد جوابه) ذكر في البحر أنه لو قال مثل ما قال المؤذن، إن أراد جوابه تفسد وهكذا لو لم تكن له نية لأن الظاهر أنه أراد به الإجابة، وكذلك إذا سمع اسم النبي ﷺ فصلى عليه فهذا إجابة. (شامی:۱/ ۶۲۱، باب ما یفسد الصلاة، سعید)

تبیین الحقائق میں ہے:

ولو سمع اسم النبي ﷺ فصلى عليه تفسد ولو سمع الأذان فأجاب وأراد به الجواب أو لم يكن له نية تفسد لأن الظاهر أنه أراد به الجواب.

(تبیین الحقائق:۱/ ۱۵۷، باب ما یفسد الصلاة، امدادیه ملتان)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۶۳۱)۔ واللہ اعلم۔

"أستغفر الله العظيم" پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا امام کے پیچھے یا اکیلے اور "أستغفر الله العظيم" پڑھنا شروع کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ خطا اور عمد میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں استغفر اللہ العظیم اگر بقصد جواب پڑھا یا کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے عمداً ہو یا خطأً اور اگر وساوس کو دور کرنے کے لئے پڑھا یا برائے ذکر پڑھا تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ عمداً ہو۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

أخبر بما يسوء ه فاسترجع أو بما يسره فحمد الله وأراد به جوابه تفسد صلاته، وإذا أخبر بما يعجبه فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب لاتفسد صلاته عند الكل وإن أراد به الجواب فسدت عند أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

(الفتاوى الهندية: ۱/۹۹ ۲ـ وكذافي الشامي: ۱/ ۲٦۰،سعيد)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

ولو تعوذ لدفع الوسوسة لاتفسد مطلقًا. إذ لافرق بينها وبين الحوقلة. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲٦۲،فصل ما يفسد الصلاة)

منہ میں چوینگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز کی حالت میں منہ میں چوینگم رکھی ہے اور تھوڑی بہت حلاوت حلق میں جاری ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی، نیز منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر میٹھی چیز ہے اور حلاوت پیٹ میں پہنچتی ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

(۲) اگر حلاوت ختم ہوگئی اور بار بار چباتا ہے تو بھی مفسدِ نماز ہے۔

(۳) اگر منہ میں چھوٹی چیز ہے جو مانعِ قراءت نہیں تو مفسدِ نماز نہیں لیکن نماز مکروہ ہوگی۔

(۴) اگر بڑی چیز ہے جو مانعِ قراءت ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله أما المضغ فمفسد) أى إن كثروتقديره بالثلاث المتواليات كما فى غيره كذا فى شرح المنية، وفى البحرعن المحيط وغيره:ولومضغ العلك كثيرًا فسدت، وكذا لو كان فى فمه اهليلجة فلاكها، فإن دخل فى حلقه منها شىء يسيرمن غيرأن يلوكها لا تفسد، وإن كثر ذلك لاتفسد (قوله كسكر) أفاد أن المفسد أما المضغ الكثير أووصول عين المأكول إلى الجوف بخلاف الطعم، قال فى البحرعن الخلاصة:ولوأكل شيئاً من الحلاوة وابتلع عينها فدخل فى الصلاة فوجد حلاوتها فى فيه وابتلعها لاتفسد صلاته، و لوأدخل الفانيد أوالسكرفى فيه ولم يمضغه لكن يصلى والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته.

(شامی: ۱/۶۲۳،باب ما یفسد الصلاۃ۔وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۴،قدیمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوأدخل الفانيد أوالسكرفى فيه ولم يمضغه لكن يصلى والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته كذا فى الخلاصة.وهوالمختاركذا فى الظهيرية، ولومضغ العلك كثيرًا فسدت كذا فى المحيط السرخسى، إذا لاك الفوفلة فلم ينفصل منها شىء إن كثر ذلك فسدت من أجل أنه عمل كثيروإن انفصل عنها شىء ودخل حلقه فسدت ولوقل، وأما إذا لم يلكها ودخل ريقه لم تفسد. (الفتاوى الهندية:۱/۱۰۲،الباب السابع فيما يفسد الصلاة)

درمختار میں ہے:

وأخذ درهم ونحوه فى فيه لم يمنعه من القراءة فلومنعه تفسد. وفى الشامى: (قوله لم يمنعه من القراءة) قال فى الحلية: الأولى أن يقول بحيث يمنعه من سنة القراءة كماذكره فى الخلاصة،حتى لوكان لايخل بها لايكره كما فى البدائع،ثم قول قاضيخان: ولابأس أن يصلى وفى فيه دراهم أودنانيرلاتمنعه من القراءة يشيرإلى أن الكراهة تنزيهية (قوله فلو منعه) بأن سكت أوتلفظ بألفاظ لاتكون قرآنًا، شرح المنية.

(الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۴۱، مکروهات الصلاۃ،سعید)

نورالایضاح میں ہے:

ووضع شىء فى فمه يمنع القراءة المسنونة. (نورالایضاح: ۹۱، فصل فی المکروهات)

فتاوی تاتارخانیۃ میں ہے:

ولو يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لايمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفي موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولكن يكره له، وإن لم يمنعه شيئًا فلابأس به. والله اعلم.

(التاتارخانية: ١/٥٦٥، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي، ادارة القرآن)

پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی کی جیب میں خون سے بھرا ہوا خراب انڈا موجود ہے یا پیشاب سے بھری ہوئی بوتل ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نجاست اور ناپاکی جب تک اپنے محل اور معدن میں ہو تو مفسدِ صلاۃ نہیں ہے لیکن اپنے محل میں نہ ہو تو مفسد ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگئی، لیکن خون سے بھرا ہوا خراب انڈا جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہوجائے گی کیونکہ نجاست اپنے محل میں ہے۔

شامی میں ہے:

كما لو صلى حاملاً بيضة مذرة صار مخها دمًا جاز، لأنه في معدنه، والشيء مادام في معدنه لايعطى له حكم النجاسة، بخلاف ما لو حمل قارورة مضمومة فيها بول فلا تجوز صلاته لأنه في غير معدنه كما في البحر عن المحيط. (شامي: ١/٤٠٣، باب شروط الصلاة، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ونجاسة باطنة في معدنه فلا يظهر حكمها كنجاسة باطن المصلي ولو صلى وفي كمه قارورة مضمومة فيها بول لم تجز صلاته لأنه في غير معدنه ومكانه ولو صلى وفي كمه بيضة مذرة قد صار مخها دمًا جازت لأنه في معدنه والشيء مادام في معدنه لايعطى له حكم النجاسة الكل في المحيط. (البحر الرائق: ١/٢٦٧، باب شروط الصلاة، كوئٹة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا صلى وفي كمه بيضة مذرة قد حال مخها دمًا جازت صلاته وكذا البيضة التي فيها فرخ ميت كذا في فتاوى قاضيخان، في النصاب رجل صلى وفي كمه قارورة فيها بول لاتجوز الصلاة سواء كانت ممتلئة أو لم تكن لأن هذا ليس في مظانه ومعدنه بخلاف البيضة المذرة لأنه في معدنه ومظانه وعليه الفتوى كما في المضمرات. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١/٦٢، الفصل الثاني وطهارة ما يستر به العورة)

عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم:

سوال: عورت نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ اس کے کچھ بال ظاہر تھے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چوتھائی حصہ کے بقدر بال کھلے رہے تو نماز فاسد ہوگئی لیکن اگر چوتھائی سے کم کھلے رہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويفسدها أداء ركن وهو قدر ثلاث تسبيحات أما لو حصل الانكشاف المانع أقل من ذلك أو الانكشاف اليسير في الزمن الكثير فإنه غير مفسد (قوله مع كشف عورة) مراده به مايعم كشف ربع عضو منها فإنه مانع.

(حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/۲۶۶، باب ما يفسد الصلاة۔ وكذا في الشامي: ۱/۴۰۸، سعيد)

شامی میں ہے:

وللحرة جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح (قوله النازل) أي عن الرأس بأن جاوزا لأذن، وقيد به إذ لاخلاف فيما على الرأس.

(شامي: ۱/۴۰۵، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۵۸، الفصل الاول في الطهارة وستر العورة)

فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

الساق من المرأة وشعرها النازل وبطنها وفخذها كل ذلك عضو على حدة فلو انكشف منها الربع في الصلاة لم تجز وإلا يجوز عندهما، وعند أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: والأكثر ما فوق النصف، وفي النصف عنه روايتان كذا في الهداية لاتفسد الصلاة بانكشاف القليل من العورة، وإن طال إلى أداء ركن.....

(فتاوى اللكهنوي: ۲۴۵، ۲۴۸، التشريح الثاني في ستر العورة، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار "سبحان ربی الأعلی" کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے اور قصداً ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہرحال مفسد نہیں۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۰۲، باب مفسدات الصلاۃ۔ وامداد الفتاح: ۱/۲۸۹ باب مایفسد الصلاۃ)

مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم:

سوال: عام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ اگر مرد نماز میں ہو اور عورت بوسہ لے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر عورت نماز میں ہو اور مرد بوسہ لے تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واللہ أعلم بوجه الفرق" یعنی دونوں میں فرق کی وجہ اللہ کو معلوم ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن عورت کی نماز اس وجہ سے فاسد ہوئی کہ مرد کا بوسہ اس کے لئے جماع کے حکم میں ہے کیونکہ عورت تو پہلے سے تیار ہے برخلاف عورت کا بوسہ۔ دوسری وجہ یہ ذکر فرمائی کہ عام طور پر عورتوں میں شہوت کا مادہ بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتا ہے لہٰذا جب مرد بوسہ لے گا تو عورت کو بھی شہوت ہوگی اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن مرد کا بوسہ مفسدِ صلاۃ ہو یہ بات بندہ کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسے کہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ میں نہیں آئی، میرے خیال میں شرح زاہدی کا قول بہتر ہے جس سے دونوں کے بوسہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نیز عورت پر شہوت غالب ہے یہ بات تو عقلاً نقلاً قیاساً تجربۃً ہر لحاظ سے درست نہیں۔ اور بوسہ جماع کے معنی میں ہے یہ بھی حنفیہ کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ حنفیہ بوسہ لینے کو ناقضِ وضو نہیں سمجھتے معلوم ہوا کہ بوسہ جماع کے معنی میں نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قلت: لعل وجه الفرق هو أن القياس أن لاتفسد فى الصورتين لأن فعل غير لايفسد صلاة المصلى.

أما ترى إلى أنه لو أخذ رجل ثياب المصلى أو وضع اليد على بدنه لايفسد لكن إنما يفسد بسبب كونه فى معنى الجماع، وهو فعل الرجل فلما قبل المصلية كأنه وجد الجماع فتفسد صلاتها، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة من قبله.

ووجه آخر أن الشهوة على النساء غالبة فلما قبلها فكأنها وجدت الشهوة من جانبها أيضًا فتفسد صلاتها بهذا السبب، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة فيه. والله أعلم.

(فتاوى اللكهنوى: ٢٨٦، ما يتعلق بما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار ابن حزم)

فتح القدیر میں ہے:

ولومس المصلية بشهوة أوقبلها ولوبغيرشهوة تفسد ولوقبلت المصلى ولمريشتهها تفسد كذا فى الخلاصة، والله أعلم بوجه الفرق.

(فتح القدير: ١/ ٤٠٤، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دارالفكر)

عدمِ فساد والوں کے اقوال ملاحظہ ہو:

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

وإن قبلت المصلى امرأته ولمريقبلهاهو لاتفسد صلاته وكذا لو كانت هى تصلى فقبلها لاتفسد صلاتها. (الجوهرة النيرة: ٧٧، مكتبة امداديه)

البحر الرائق میں ہے:

وأما قولهم كما فى الخانية والخلاصة لو كانت المرأة هى المصلية دونه فقبلها فسدت بشهوة أوبغيرشهوة ولو كان هوالمصلى فقبلته ولمريشتهها فصلاته تامة فمشكل إذ ليس من المصلى فعل من الصورتين فمقتضاه عدم الفساد فيهمافى شرح الزاهدى ولوقبل المصلية لاتفسد صلاتها.

(البحر الرائق: ٢/ ١٢، باب مايفسد الصلاة، الماجدية۔ وكذا فى الشامى: ١/ ٦٢٩، مطلب فى المشى فى الصلاة، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

ورده فى الفتح حيث قال والله أعلم بوجه الفرق وذلك لأنه لاصنع للمصلى فى الوجهين فمقتضاه عدم الفساد فيهما والذى فى شرح الزاهدى التسوية فى عدم الفساد بالتقبيل. والله اعلم. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ١/ ٢٦٦، ما يفسد الصلاة)

نماز میں غیر عربی میں اور کلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک عورت جب نماز پڑھتی ہے تو سجدہ یا قعدہ میں انگریزی زبان میں یہ دعا پڑھتی ہے ''یا اللہ میرے شوہر اور بچوں کی حفاظت فرمائے'' اس عورت کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے پھر جو دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو وہ مفسدِ نماز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت کی نماز فاسد ہوگئی اور اعادہ کرنا چاہئے۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

إذا قرأ القرآن فی الصلاة بالفارسية عند أبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ يجوز وإن كان يحسن العربية لايجوز وتفسد صلاته كذاذكر شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ وعلى هذا الخلاف جميع أذكار الصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية "يارب بيا مرزمرا" (اے اللہ مجھے بخش دے) إذا كان يحسن العربية تفسد صلاته وكذا كل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: ۱/۸۶، باب افتتاح الصلاة، بلوچستان)

امداد الفتاح میں ہے:

ويفسدها الدعاء بمايشبه كلامنا نحو: اللّٰهم ألبسنی ثوب كذا أوزوجنی امرأة وذكر فی البحر عن المرغينانی ضابطًا فقال: الحاصل أنه إذا دعا بماجاء فی الصلاة أوفی القرآن أوفی المأثور لاتفسد صلاته وإن لم يكن فی القرآن أوالمأثور ولايستحيل سؤاله من العباد تفسد. انتهى. (امداد الفتاح: ۳۵۸ مايفسد الصلاة)

شامی میں ہے:

لكن المنقول عندنا الكراهة فقد قال فی غرر الأفكار شرح درر البحار فی هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية لأن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نهى عن رطانة الأعاجم وقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلى قولهما بعد جواز الصلاة بالقراءة بالفارسية إلاعند العجز وأما صحة الشروع بالفارسية وكذا جميع أذكار الصلاة فهی على الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقًا خلافًا لهما كما حققه الشارح هناك ولايبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً فی الصلاة. (شامی: ۱/۵۲۱، الدعاء بغير العربية، سعيد)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہٰذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۳۲، باب مفسدات الصلاۃ والمکروہات)

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں، اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: جدید فقہی مسائل میں ہے:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز درست ہے یا نہیں؟ ابتداء میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس آواز کی بازگشت ہے۔ اس طرح اس آواز پر مقتدیوں کی نقل وحرکت گویا امام کی بجائے ایک دوسری آواز کی بناء پر ہوگی اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ مقتدی امام کی بجائے کسی اور کی آواز پر نقل وحرکت کرے۔

اس کے مقابلے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے باوجود نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح ہے اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے کہ نماز کے باہر کے ایک شخص کی تلقین پر نمازیوں نے نقل وحرکت کی، چنانچہ جب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور مدینہ کے مضافات کی بعض مساجد میں جہاں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کر رہے تھے، قبلہ کی تبدیلی کی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطلاع دی تو سب نے اپنا رخ بدل لیا۔ ظاہر ہے یہ نقل وحرکت ایک ایسے شخص کی آواز پر عمل میں آئی جو نماز سے باہر تھا۔

اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی نقل اور اس کا چربہ نہیں ہے بلکہ بعینہ امام کی وہی آواز ہے جو اس کی زبان سے نکلتی ہے، اس طرح اب لاؤڈ اسپیکر سے نماز وامامت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

بعض علماء اس کے استعمال میں ایک گونہ کراہت سمجھتے ہیں اور ناگزیر ضرورت ہی پر اس سے کام لینے کو درست سمجھتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے بلاضرورت امام کی آواز کو تقویت دینے والی مکبرین کے تقرر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہی حکم لاؤڈ اسپیکر کا بھی ہوگا، مگر یہ استدلال قابلِ غور ہے، مکبرین کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی جب کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا بعینہ امام کی آواز ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے ان دونوں کو ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کو حسبِ ضرورت اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ اس کی آواز مناسب حدود اور مسجد میں رہے اور مسجد سے باہر اپنے کاموں میں مصروف لوگوں تک پہنچانے سے گریز کیا جائے کہ اس سے قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہانت کا اندیشہ ہے۔

(جدید فقہی مسائل: ۱/۱۳٤، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/۶۴۔ فتاوی حقانیہ: ۳/۲۲۰۔ امداد الفتاوی: ۱/۶۰۵، ۶۰۸۔ کفایت المفتی: ۷/۲۰۶)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص ۳۵۔۶۵)۔ واللہ اعلم۔

لاؤڈاسپیکر پرنماز پڑھنے کی مزید تحقیق:

سوال: بعض حضرات لاوڈ سپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ سپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: لاوڈ سپیکر پر نماز پڑھنا بلا کسی شبہ کے جائز اور درست ہے اس کو مشکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔ دلائل مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

بوّب الإمام البخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "فی العمل فی الصلاۃ" باب إذا قیل للمصلی تقدم وانتظر فانتظر فلابأس به. (بخاری شریف: ۱/۱۶۲)

یعنی اگر مصلی نے خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کرنا..... اس مسئلہ کی اہمیت لاؤڈ سپیکر (Loud Speaker) پر نماز پڑھنے کے مسئلہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ لاوڈ سپیکر پر نماز نہیں ہوتی یا مشکوک ہوتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقتدی تک پہنچنے والی آواز درحقیقت امام کی آواز نہیں بلکہ لاوڈ سپیکر امام کی آواز کو جذب کر کے مقتدی تک پہنچاتا ہے اور مقتدی اس کی اتباع میں انتقالات کرتا ہے تو گویا خارج الصلاۃ کی اتباع میں انتقالات کرنا پایا گیا لہٰذا نماز درست نہیں۔

اکثر مفتی حضرات اور علمائے کرام کے نزدیک لاوڈ سپیکر پر نماز ہوجاتی ہے، نماز کے صحیح ہونے کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) محققین علماءِ سائنس کہتے ہیں کہ مقتدی تک پہونچنے والی آواز امام ہی کی آواز ہے لاوڈ سپیکر کی نہیں لہٰذا خارج الصلاۃ کی آواز کی اتباع میں انتقالات کرنا نہیں پایا گیا تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

(۲) بالفرض اگر یہ امام کی آواز نہیں لاوڈ سپیکر کی آواز ہے تب بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ لاؤڈ سپیکر غیر عاقل ہے اور خارج الصلاۃ کی اتباع اس وقت مفسد ہے جب یہ عاقل ہو، غیر عاقل کی اتباع مفسد نہیں، اس کی مثال صوت الصدی کی ہے پہلے زمانے میں امام گنبد میں نماز پڑھاتا تھا امام کی آواز گنبد میں ٹکرا کر مقتدیوں تک پہنچتی تھی اور اسی آواز پر مقتدی انتقالات کرتے تھے تو اس میں خارج الصلاۃ کی اتباع پائی گئی مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لاؤڈ سپیکر پر پڑھی گئی نماز کے بارے میں عدم فساد کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتِ سائنس سے قطع نظر اگر اس آواز کو امام کی اصل آواز نہ مانا جائے بلکہ مثل صوتِ صدی کے قرار دیا جائے تو خود مقیس علیہ میں بھی فسادِ صلاۃ کا حکم نہ فقہاء کی تصریح سے ثابت ہے اور نہ اس کی وجہ فقہی ہوسکتی ہے، بلکہ اگر امام کی آواز کسی مقتدی کو بذریعۂ صدی یعنی آواز بازگشت پہنچ جائے اور مقتدی اس پر نقل و حرکت کرے تو اس میں بھی کوئی وجہِ فساد کی نہیں معلوم ہوتی پھر اس پر مکبّر الصوت کو قیاس کر کے مفسدِ نماز کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (آلاتِ جدیدہ: ص ۶۵)

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیرِ بحث مسئلہ میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۴۰ رسالہ "امام الکلام فی تبلیغ صوت الإمام")

اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ خارج الصلاۃ کی اتباع مفسد ہے چاہے عاقل ہو یا غیر عاقل تو یہ اس وقت مفسد ہے جب کہ اس اتباع سے امتثال امر اللہ مقصود نہ ہو اگر امتثال امر اللہ مقصود ہو تو مفسد نہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں امام کے انتقالات کو مقتدیوں تک پہنچانا مقصود ہے، لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس کے شواہد مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تحویلِ قبلہ کے موقع پر ایک صحابی نے خبر دی اور تمام مصلی حضرات نے قبول کرلیا اور دورانِ نماز بیت اللہ کی طرف رخ کرلیا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج البخاری عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصة تحویل القبلة: وکان یعجبه أن تکون قبلته قِبل البیت وأنه صلی أول صلاة صلّاها صلاة العصر وصلی معه قوم فخرج رجل ممن صلی معه فمرّ علی أهل مسجد وهم راکعون فقال: أشهد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قِبل البیت.

(صحیح البخاری: ۱/ ۱۰، ۱۱)

(۲) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونے کو تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے:

أخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ما کنا نعرف انقضاء صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بالتکبیر. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۷، الذکر بعد الصلاة)

وروی عنه البخاری أیضا: کنت أعرف انقضاء صلاة رسول اللہ بالتکبیر.

(صحیح البخاری: ۱/ ۱۱۹)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امامت فرمائی دو رکعت کے بعد اعلان فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو ہم مسافر ہیں اور مقیمین نے دورانِ نماز اعلان سن کر نماز پوری کی۔ ملاحظہ ہو:

أخرج البيهقي في سننه الكبرى: قال عليه الصلاة والسلام لأهل مكة حين أمهم بها: "أتمّوا صلاتكم فإنا قوم سفر". (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۳۶/۳ ـ وأبو داؤد: ۱۷۳/۱)

نیز فقہاء نے بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے:

قال في الدر: وندب للإمام أن يقول بعد التسليمتين في الأصح: أتمّوا صلاتكم فإني مسافر لدفع توهّم أنه سها. (الدر المختار: ۱۳۰/۲، سعيد)

(۴) مقتدی کے کہنے پر امام قراءت میں تطویل کرے تاکہ آمین میں شریک ہو اس میں بھی خارج الصلاۃ کا اثر قبول کرنا ہے:

وذكر البخاري في باب جهر الإمام بالتأمين: وكان أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ينادي الإمام لاتفتني بآمين..... (بخاري شريف: ۱۰۷/۱)

وقال العيني في شرح البخاري:

وروى البيهقي من حديث أبي رافع أن أبا هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يؤذن لمروان بن الحكم فاشترط أن لايسبقه بالضالّين حتى يعلم أنه دخل الصّف فكان إذا قال مروان ولاالضّالين قال أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمين يمدّ بها صوته وقال: إذا وافق تأمين أهل الأرض تأمين أهل السماء غفر لهم. (عمدة القاري: ۴۹۸/۴، دار الحديث، ملتان)

(۵) خسوفِ شمس کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں اشارہ سے جواب دیا۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري رحمہ اللہ تعالیٰ في أبواب الوضوء والخسوف من حديث أسماء بنت أبي بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: أتيت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون هي قائمة تصلي فقلت ما للناس؟ فأشارت بيدها إلى السماء وقالت سبحان الله فقلت آية؟ فأشارت أي نعم. (صحيح البخاري: ۱۴۴، ۳۰/۱)

(۶) ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کرائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پیچھے ہٹنا شروع کیا آپ نے اشارہ سے روک دیا اور نماز پوری کی۔ ملاحظہ ہو: أخرج مسلم برواية المغيرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فانتهينا إلى القوم وقد قاموا في الصلاة يصلي بهم عبد الرحمن بن عوف وقد ركع بهم ركعة فلما أحسّ بالنبي صلی اللہ علیہ وسلم ذهب يتأخّر فأومأ إليه فصلى بهم فلما سلم

قام النبی ﷺ وقمت ورکعنا الرکعة التی سبقتنا. (مسلم شریف: ۱/۱۳٤)

(۷) صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تو صحابہ نے غیر امام کی اقتداء کی پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوئی اسی طرح جو لوگ مکبر کی آواز پر انتقالات کرتے رہتے ہیں وہ سب غیر امام کی تکبیر پر انتقالات کرتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

بوّب الإمام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب الرجل یأتمّ بالإمام ویأتمّ الناس بالمأموم وذکر فیه حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا الطویل وفیه:

فکان أبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی قائمًا وکان رسول الله ﷺ یصلی قاعدًا یقتدی أبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصلاة رسول الله ﷺ والناس مقتدون بصلاة أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(صحیح البخاری: ۱/۹۹)

(۸) کبھی نبی پاک ﷺ نے بچہ کی آواز سن کر نماز مختصر فرمادی۔ ملاحظہ ہو:

وفی الصحیح للإمام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ قال: إنی لأدخل فی الصلاة و أنا أرید إطالتها فأسمع بکاء الصبی فأتجوز فی صلاتی مما أعلم من شدة وجد أمه من بکائه. (صحیح البخاری: ۱/۹۸)

وذکر ابن أبی شیبة عن ابن سابط: أن رسول الله قرأ فی الرکعة الأولی بسورة نحوا من ستین آیة فسمع بکاء الصبی قال: فقرأ فی الثانیة بثلاث آیات.

(مصبنف ابن أبی شیبة: ۳/٤۷۱٤ /٤ ۰ ٥، المجلس العلمی۔ومصنف عبد الرزاق: ۲/۳٦٥، ادارة القرآن)

قال الشیخ محمد عوامة: الحدیث مرسل ورجاله ثقات.

(۹) ایک مرتبہ باندی کے پوچھنے پر نبی پاک ﷺ نے اشارہ سے جواب مرحمت فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم بسنده عن کریب مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن عبد الله بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبد الرحمن بن أزهر والمسور بن مخرمة أرسلوه إلی عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی ﷺ فقالوا اقرأ علیها السلام منا جمیعًا وسلها عن الرکعتین بعد العصر وقل إنا أُخبرنا أنك تصلینها وقد بلغنا أن رسول الله ﷺ نهی عنها، قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکنت أصرف مع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس عنها وبلّغنها ماأرسلونی به فقالت: سل أم سلمة

رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فخرجت إليهم فأخبرتهم بقولها فردّوني إلى أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بمثل ما أرسلوني إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقالت أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: سمعت رسول الله ﷺ ينهى عنها ثم رأيته يصليها أمّا حين صلّاهما فإنه صلى العصر ثم دخل وعندى نسوة من بنى حرام من الأنصار فصلاهما فأرسلت إليه الجارية فقلت: قومى بجنبه فقولى له: تقول أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا يا رسول الله إنى أسمعك تنهى عن هاتين الركعتين وأراك تصليهما فإن أشار بيده فاستأخرى عنه، قالت: ففعلت الجارية فأشار بيده فاستأخرت عنه فلما انصرف قال: يا ابنة أبى أمية سألتِ عن الركعتين بعد العصر أنه أتانى أناس من بنى عبد القيس بالإسلام من قومهم فشغلونى عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان. (مسلم شريف: ۱/۲۷۷)

نیز فقہاء کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ نمازی نے اشارہ سے جواب دے دیا یا خارج الصلاۃ کی بات قبول کرلی تو نماز فاسد نہیں ہوتی، ملاحظہ فرمائیں چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصلی نے اشارہ سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال فى الدر: ورد السلام ولو سهوًا بلسانه لابيده بل يكره.

وقال الشامى رحمہ اللہ تعالیٰ: لابيده أى لايفسدها رد السلام بيده. (شامى مع الدرالمختار: ۱/۶۱۶)

(۲) مصلی سے پوچھا جائے یہ پیسہ کھوٹا ہے یا کھرا اور اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولورد المصلى السلام بيده أو طلب منه شيء فأومأ برأسه أوعينيه أوحاجبه أى قال نعم أولالاتفسد بذلك وكذا لوأراه إنسان درهمًا وقال أجيد هو؟ فأومأ بنعم أولا لعدم العمل الكثير. (شرح منية المصلى: ٤٤٥، سهيل اكيڈمى)

(۳) مصلی سے تعدادِ رکعات کے متعلق پوچھا جائے اور انگلی کے اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

وفى شرح المنية:

وروى عن أبى بكر أنه أجاب فيمن أى فى مسئلة من قال له أى للمصلى كم صليتم؟ فأشار إليه المصلى بيده أى بإصبعين منها إلى أنهم صلوا ركعتين وبثلاث إلى أنهم صلوا ثلاثاً ونحو ذلك، لاتفسد صلاته. (شرح منية المصلى: ٤٤٤، سهيل)

(۴) اگر کوئی آدمی پیچھے کی صف میں اکیلا تھا اور اس نے اگلی صف سے کسی کو کھینچا اور اگلی صف والا اس کی اتباع میں پیچھے آ گیا تو راجح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۵) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی دوسرا آدمی باہر سے آیا اور مصلی سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ اور خارج کی اتباع میں مصلی آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۶) اگر کوئی صف میں داخل ہوا اور مصلی نے اس کو جگہ دی تو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں بھی یہ بات راجح قرار دی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی چاہے مصلی نے یہ کام آنے والے کے کہنے سے کیا ہو یا اس کے کہے بغیر ہر صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو وجد فرجة في الأول لاالثاني له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث "من سدّ فرجة غفر له" وصح "خيار كم ألينكم مناكب في الصلاة" وبهذا يعلم جهل من يستمسك عند دخول داخل بجنبه في الصف ويظن أنه رياء كما بسط في البحر، لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسئلة من جذب من الصّف فتأخر.

قال ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ:

كما بسط في البحر أى نقلاً عن فتح القدير قال ويظن أن فسحه له رياء بسبب أن يتحرك لأجله بل ذاك إعانة على إدراك الفضيلة وإقامة لسدّ الفرجات المأمور بها في الصف والأحاديث في هذا شهرة كثيرة.

(لكن نقل المصنف وغيره الخ) استدرك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسئلة، وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر: لو جذبه آخر فتأخر الأصح لاتفسد صلاته،وفي القنية:قيل لمصل منفرد تقدَّم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلى حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته وينبغي أن يمكث ساعة ثم يتقدم برأى نفسه، وعلّله في شرح القدورى بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى أقول: ما تقدم من تصحيح صلاة من تأخر ربما يفيد تصحيح عدم الفساد في مسئلة القنية،لأنه مع تأخره بجذبه لاتفسد صلاته ولم يفصّل بين كون ذلك بأمره أم لا هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح

الوهبانية ما مرعن القنية وشروح القدورى ثمررده بأن امتثاله إنما هو لأمررسول الله ﷺ فلايضر. (شامى: ١/٥٧١)

وفى مفسدا ت الصلاة من الدر:

أودخل فرجة الصف فوسع له فسدت..... وقال ابن عابدين:المعتمد فيه عدم الفساد.

(شامى:١/٦٢٢)

(۷) امام کا آنے والے کی رعایت کرتے ہوئے رکوع کو طویل کرنا، اگر اس نیت سے ہو کہ اسے رکوع مل جائے تو اعانۃ علی الطاعۃ ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی حالانکہ امام نے خارج الصلاۃ کی رعایت کی:

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وكره تحريما إطالة الركوع والقراء ة لإدراك الجائى أى إن عرفه وإلا فلا بأس به ولو أراد التقرب إلى الله تعالىٰ لم يكره اتفاقًا.

قال الشامى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: ولو أراد التقرب إلى الله أى خاصة من غير أن يتخالج قلبه بشىء سوى التقرب حتى ولاإعانة على إدراك الركعة أقول: قصد الإعانة على إدراك ركعة مطلوب فقد شرعت إطالة الركعة الأولىٰ فى الفجر اتفاقاً وكذا فى غيره على الخلاف إعانة للناس على إدراكها..... (شامى:١/٤٩٥)

مذکورہ بالا احادیث وعباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہٰذا لاؤڈ سپیکر خارج الصلاۃ ہے جو امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس میں کوئی وجہِ فساد پائی جاتی ہے، نیز پرانے زمانے میں لاؤڈ سپیکر درمیان میں خراب ہوجاتا تھا لیکن آج کل لاؤڈ سپیکر عمدہ ہوتے ہیں اکثر خراب نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

فصلِ دوم

مکروہاتِ نماز کا بیان

سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں سیل فون کی گھنٹی بجنے لگے تو اس کو عملِ قلیل سے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نماز کے دوران گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنا جائز ہے یعنی ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کردے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

مصلی کے لئے ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے سائلنٹ (silent) پر کردے یا بند کردے، اور اس کی طرف خاص توجہ رکھے لیکن کسی وجہ سے بھول گیا اور نماز میں بجنے لگے تو فوراً عملِ قلیل سے بند کردینا چاہئے کیونکہ گھنٹی کا مسلسل بجنا دیگر مصلیوں کی سخت ناگواری کا سبب ہے اور خود اپنی نماز کے لئے بھی باعثِ خلل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے نماز مختصر فرمادی تاکہ بچہ کی ماں پریشان نہ ہوجائے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ روتا ہے اور چپ کرنا مشکل ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا، اسی طرح سیل فون جب رونا شروع کرے تو اس کو بند کرنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا کیونکہ سیل فون بھی بچہ کی طرح جلدی خاموش ہونے والا نہیں ہے اور اس میں مصلیوں کی تشویش کا سبب ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: إنی لأقوم فی الصلاة أرید أن أطول فیها فأسمع بکاء الصبی فأتجوز فی صلاتی کراهة أن أشق علی أمه. وفی روایة: قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فیخفف مخافة أن تفتن أمه. وفی روایة: فأتجوز فی صلاتی مما أعلم من شدة وجد أمه من بکائه. وفی روایة: کراهة أن أشق علی أمه.

(بخاری شریف: ۱/۹۸، باب أخف الصلاة عند بکاء الصبی)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والثانی أن ما یقام بالیدین عادة کثیر ویقام بید واحدة قلیل وفی مکروهات الصلوة ویکره العمل القلیل. (امداد الفتاح: ۳۵۹-۳۸۳، بیروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

العمل الکثیر یفسد الصلاة والقلیل لا، کذا فی محیط السرخسی وکل ما یقام بید واحد فهو یسیر ما لم یتکرر کذا فی فتاوی قاضیخان وأنه لو نظر إلیه ناظر من بعید إن کانت لایشك أنه فی غیر الصلاة فهو کثیر مفسد وإن شك فلیس بمفسد وهذا هو الأصح کما فی التبیین. وهو أحسن کذا فی محیط السرخسی وهو اختیار العامة کذا فی فتاوی قاضیخان والخلاصة وإن تقلد سیفًا أو نزعه لاتفسد صلاته.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۱، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

ندائے شاہی میں ہے:

نماز میں موبائل بند کرنا: ضروری ہے کہ نماز شروع ہونے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کردی جائے اور اس کا خاص اہتمام رکھنے کی عادت ڈالی جائے لیکن اگر اتفاق سے گھنٹی بند کرنا بھول گیا اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ قلیل کے ذریعہ (ایک ہاتھ سے جیب میں رکھے) موبائل بند کردینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

(ماهنامه: ص ۱٤ ندائے شاهی مرادآباد، دسمبر ۲۰۰٦)

کوٹ (jacket) کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں کوٹ (jacket) کو کندھے پر ڈال دے اور آستینوں میں ہاتھ داخل نہ کرے تو نماز میں کچھ نقص وخرابی آئے گی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں اس طرح کوٹ کندھے پر ڈالنا اور ہاتھ آستینوں میں داخل نہ کرنا سدل یعنی کپڑا لٹکانے کے حکم میں ہے اور یہ مکروہ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولایسدل ثوبه لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل وهو أن یجعل ثوبه علی رأسه وکتفیه ثم یرسل أطرافه من جوانبه. وفی فتح القدیر: (قوله لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل) عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه أنه صلی الله علیه وسلم "نهی عن السدل فی الصلاة وأن یغطی الرجل فاه"

أخرجه أبوداؤد والحاكم وصححه (قوله وهوأن يضع الخ) ويصدق أيضًا على لبس القباء من غيرادخال اليدين كميه، وقد صرح بالكراهة فيه.

(فتح القدير مع الهداية: ١/ ٤١٢، فصل ويكره للمصلى، دار الفكر۔ وكذا فى البحر الرائق: ١/ ٢٤، كوئتة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السدل أن يجعل القباء على كتفيه ولم يدخل يديه فى الكمين، قالوا: ومن صلى فى قباء ينبغى أن يدخل يديه فى كميه ويشده بالمنطقة مخافة السدل كذا فى فتاوى قاضيخان.

(فتاوى هندية: ١/ ١٠٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والصحيح الذى عليه قاضيخان، والجمهور أنه يكره لأنه إذا لم يدخل يديه فى كميه صدق عليه اسم السدل لأنه إرخاء للثوب بدون لبس معتاد. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٣٥٠، فصل فى المكروهات، قديمى۔ وكذا فى امداد الفتاح: ٣٧٩)

نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا:

سوال: کیا نماز میں کچھ نقص آئے گا اس صورت میں کہ مصلی اپنے رومال یا چادر کا ایک کنارہ یا دونوں کو لٹکا دے اور چھوڑ دے؟

الجواب: رومال یا چادر کا ایک کنارہ اگر کندھے پر ڈال دے تو نماز میں کوئی نقص نہیں ہے البتہ دونوں کناروں کو چھوڑ دے اور لٹکائے رکھے تو نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو؛ امداد الفتاح میں ہے:

ويكره سدله السدل وهوأن يجعل الثوب على رأسه وكتفيه ويرسل جوانه من غيرأن يضمها وفى الظهيرية هوأن يضع ثوبه على كتفيه ويرسل طرفيه انتهى. وفى مجمع الروايات: لوكان تحت الرداء قميص أوثوب اختلفوا فى كراهة السدل والصحيح أنه يكره انتهى. وفى البحرعن فتح القديرأن السدل يصدق على أن يكون المنديل مرسلاً من كتفيه كما يعتاده كثيرفينبغى لمن على عنقه منديل أن يضعه عند الصلاة، ولافرق بين أن يكون الثوب محفوظًا عن الوقوع أولاانتهى، وذلك لقول أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه عليه السلام "نهى عن السدل وأن يغطى الرجل فاه". (أخرجه أبوداؤد فى الصلاة باب ماجاء فى السدل فى الصلاة: ٦٤٣۔

والترمذی فی الصلاۃ باب ما جاء فی کراھۃ السدل فی الصلاۃ من زیادۃ أن یغطی الرجل فاہ: ۳۷۸۔ والبیھقی فی الصلاۃ باب کراھیۃ السدل فی الصلاۃ: ۲/۲۴۲۔ وابن حبان فی صحیحہ فی الصلاۃ: ۲۲۸۹۔ والحاکم فی المستدرک: ۱/۲۵۳، وقال: حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ فیہ، ووافقہ الذھبی) **وفی المحیط لأنہ تشبہ بفعل الیھود حال عبادۃ النیران.** انتھی.

(امداد الفتاح: ۳۷۹ فصل فی المکروھات، بیروت)

درمختار میں ہے:

وکرہ سدل(تحریماللنھی)ثوبہ أی إرسالہ بلا لبس معتاد کشد ومندیل یرسلہ من کتفیہ، فلومن أحدھما لمریکرہ کحالۃ عذر وفی الشامی (قولہ کشد) ھو شیء یعتاد وضعہ علی الکتفین کما فی البحروذلک نحوالشال وفی تقریرات الرافعی (قول الشارح فلومن أحدھما لمریکرہ) أی أحدکتفیہ ولف الباقی علی عنقہ، سندی تأمل وبہ یعلم عدم المخالفۃ لمافی البحر.

(الدر المختارمع الشامی مع حاشیتہ تحریر المختار: ۱/۶۳۹ /۸۴ مکروھات الصلاۃ)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(قولہ ولا یسدل ثوبہ) وھوأن یلقیہ من رأسہ إلی قدمیہ أویضع الرداء علی کتفیہ ولم یعطفہ علی بعضہ. (الجوھرۃ النیرۃ: ۷۵، امدادیۃ ملتان)

حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے معتاد سدل کو بغیر کراہت کے جائز فرمایا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۰۸) مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ عرب حضرات رومال لٹکا کر اس کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں جس سے کراہت اور مؤکد ہوجاتی ہے اس لئے ہمارا خیال یہ کہ عرب حضرات کے طریقہ پر رومال لٹکانے سے بچنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا یعنی کہنیوں کو نماز میں کھلا چھوڑنا کیسا ہے؟

الجواب: بلاوجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وضو کے لئے یا اور کسی سبب سے آستین چڑھائی ہوں تو اتار لیوے پھر نماز شروع کرے اگر رکعت پانے کے شوق میں نماز میں داخل ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اتار لیوے کہ جس سے عملِ کثیر لازم نہ آئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویکره تشمیر کمیه عنهما لقوله ﷺ "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وأن لاأكف شعرًا ولا ثوبًا" متفق عليه۔ وهو يتضمن كراهة تشمير الكمين ولما فيه من الجفاء المنافی للخشوع لما فيه من التهاون والتكاسل وقلة الأدب. (امداد الفتاح: ۳۷۷ فصل فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

(قوله كمشمر كم أوذيل)أی كما لو دخل فی الصلاة وهو مشمر كمه أوذيله،وأشار بذلك إلى أن الكراهة لاتختص بالكف وهو فی الصلاة كما أفاده فی شرح المنية،لكن قال فی القنية: واختلف فيمن صلى وقد شمر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاةأوهيئته ذلك ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام، وإذادخل فی الصلاة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاء كميه فيها بعمل قليل أوتركها؟ لم أره: والأظهرالأول بدليل قوله الآتی ولوسقطت قلنسوة فإعادتها أفضل تأمل.

هذا هو قيد الكراهة فی الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين،وظاهره أنه لايكره إلى مادونهما،قال فی البحر:والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل و نحوه فی الحلية، وكذا قال فی شرح المنية الكبير: إن التقييد بالمرفقين اتفاقی،قال:وهذا لوشمرهماخارج الصلاة ثم شرع فيها كذلك،أما لوشمروهوفيها تفسد لأنه عمل كثير.

(شامی:۱/ ۶۴۰،مکروهات الصلاۃ،سعید۔وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۲۴،مکروهات الصلاۃ،الماجدیۃ کوئٹہ۔وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۴۹، فصل فی المکروهات،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/ ۴۰۶، باب مفسدات الصلاۃ ومکروہات۔فتاوی رحیمیہ:۳/ ۴۱، کتاب الصلاۃ، مکتبہ رحیمیہ۔ وفتاوی محمودیہ:۶/ ۶۵۲،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ، جامعہ فاروقیہ۔کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸)۔ واللہ اعلم۔

رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدے میں جاتے وقت مصلی اپنا پاجامہ یا کرتہ سمیٹ لے تو نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: رکوع سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اٹھانے سے نماز میں کراہت پیدا ہوتی ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ نماز میں ایسی حرکت کرنا اور اس کو عادت بنالینا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور بعید نہیں کہ عملِ کثیر کی طرف مفضی ہوکر فسادِ صلاۃ کا باعث بن جائے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

امدادالفتاح میں ہے:

ویکرہ کف ثوبہ أی:رفعه بین یدیه أومن خلفه إذا أراد السجود، انتهی وقیل:أن یجمع ثوبه ویشده فی وسطه کذا فی شرح الإرشاد انتهی لما قدمناه من قوله ﷺ "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لاأکف شعرًا ولاثوبًا" متفق علیه ولما فیه من الجبر المنافی لوضع الصلاة وهوالخشوع والخضوع کذا فی البرهان. (امداد الفتاح: ۳۷۹، فصل فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

وکره کفه أی رفعه أی سواء کان من بین یدیه أومن خلفه عند الانحطاط للسجود.

(شامی:۱/ ۶۴۰،مکروهات الصلاة،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: قومہ سے سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اوپر کو اٹھا لیتے ہیں نماز میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں اور نماز ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم:۴/۹۳،باب مکروہاتِ نماز)

کفایت المفتی میں ہے:

یہ فعل مکروہ ضرور ہے مگر مفسدِ نماز نہیں ہے کراہتِ تحریمی بدرجہ غالب ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸،مکروہاتِ نماز،دارالاشاعت۔وفتاوی محمودیہ:۶/ ۶۰۲،جامعہ فاروقیہ)

مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آج کل مسجد میں لمبے کرتے رکھتے ہیں اور عوام جو کام کاج سے نماز کے لئے آتے ہیں وہ اس کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مناسب نہیں سمجھتے تو اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ عام مجمع میں ان کپڑوں سے نہیں جاتے لہذا نماز مکروہ ہونی چاہئے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: بظاہر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کے لباس سے یہ زیادہ ساترِ بدن ہوتے ہیں۔ پھر ان کپڑوں سے نماز میں ایک قسم کی عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئے تو خاص لباس میں عبادت ادا کی نہ کہ فیشن ایبل کپڑوں میں، پھر فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض فتاوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلا آستین کے کپڑوں میں بھی نماز مکروہ ہے جیسے فتاوی محمودیہ، فتاوی رحیمیہ وغیرہ لہٰذا ان کپڑوں سے نماز میں کراہت پیدا نہیں ہوگی۔

اور بعض کا یہ خیال ہے کہ عام مجمع میں نہیں جاتے اس لئے مکروہ ہونا چاہئے۔ تو اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو کام کاج میں پہنتے ہیں جو خستہ ہوتے ہیں ان کپڑوں کو پہن کر عام مجمع میں جانے سے شرم آتی ہے مثلاً ہمارے عرف میں اکثر دکانوں میں کام کرنے والے پہنتے ہیں تو ان کپڑوں میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة في ثياب البذلة ثوب لايصان ولايحفظ عن الدنس ونحوه ابتذال الثوب وغيره امتهانه وقيل: ما يلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء وكذا ثياب المهنة كحكمة في أوزانها وهي الخدمة والعمل فيحترز عنها تكميلاً لرعاية مقام الوقوف بين يدي الله سبحانه وتعالى بماأمكن من تجميل الظاهر والباطن وفي قوله تعالى: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ٣١) إشارة إليه وإن كان المراد به ستر العورة على ماذكره أهل التفسير كما تقدم وقال في التجنيس تكره في ثياب البذلة لما روى أن عمر رضي الله تعالى عنه رأى رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: "الله أحق أن تتزين له". أخرجه البيهقي في سننه من حديث ابن عمر في الصلاة باب ما يستحب أن يصلي فيه من الثياب: ٢/٢٣٦، انتهى۔

(امداد الفتاح شرح نور الايضاح: ٣٨٧، فصل في المكروهات، بيروت)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الكراهة تنزيهية.

(شامي: ١/٦٤١، مكروهات الصلاة۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٥٩، فصل في مكروهات الصلاة، قديمي)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصف آستین کی قمیص پہننا منقول نہیں ہے، ایسی قمیص خلافِ سنت ہے اس کہ پہن کر نماز پڑھنا بھی خلافِ سنت ہے (مکروہ ہے)۔

(فتاویٰ محمودیہ ۶/۶۵۴ فصلِ ثانی مکروہاتِ نماز، جامعہ فاروقیہ۔ امداد الاحکام ۱/۵۶۳)

البتہ جو صرف آستین چڑھاتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے پورا جبہ پہن کر نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں جمائی آنے پر داہنا ہاتھ منہ پر رکھنا چاہئے یا بایاں ہاتھ؟ نیز جو لوگ ہاہ ہاہ کی آواز نکالتے ہیں یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب: نماز میں جمائی لینا یہ شیطانی عمل ہے حتی الامکان اس سے احتراز کرنا چاہئے تاہم بلا اختیار آجائے تو حالتِ قیام میں داہنا ہاتھ منہ پر رکھے تاکہ زیادہ عمل نہ ہو اور دیگر حالتوں میں بایاں ہاتھ استعمال کرے اور ہاہ ہاہ کی آواز نکالنا اختیار سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بلا اختیار ہے تو معاف ہے جیسے چھینک آنے پر کچھ حروف نکلتے ہیں۔ البتہ کراہت سے خالی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والتثاؤب) قلت: ولهذا السبب كان من الشيطان كما في حديث الصحيحين أنه ﷺ قال: "التثاؤب من الشيطان فإذا تثاء ب أحدكم فليكظم ما استطاع" وفي رواية لمسلم "فليمسك بيده على فيه، فإن الشيطان يدخله" وألحق باليد الكم، وهذا إذا لم يمكنه كظمه: أي رده وحبسه، فقد صرح في الخلاصة بأنه إن أمكنه عند التثاؤب أي يأخذ شفته بسنه فلم يفعل وغطى فاه بيده أو بثوبه يكره ثم في المجتبى: يغطي فاه بيمينه وقيل بيمينه في القيام وفي غيره بيساره.

قلت: ووجه القيل أظهر لأنه لدفع الشيطان كما مر، فهو كإزالة الخبث وهي باليسار أولى، لكن في حالة القيام لما كان يلزم من دفعه باليسار كثرة العمل بتحريك اليدين كانت اليمنى أولى، ولم أر من تعرض للكراهة هنا هل تحريمية أو تنزيهية وأما التثاؤب نفسه فإن نشأ من طبيعته بلا صنعه فلا بأس، وإن تعمده ينبغي أن يكره تحريماً لأنه عبث، وقد مر أن العبث مكروه تحريمًا في الصلاة. (شامي: ۱/۶۴۵، مكروهات، سعيد)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وإن كان التنحنح بعذر بأن يكون له سعال فهو عفو يعني لا يفسد وإن حصل به حروف لأنه جاء من قبل من له الحق فجعل عفوًا كالعطاس والجشاء فإنه لا يفسد وكذا التثاؤب إذا ظهر له حروف مهجاة كذا في فتاوى العتابي.

(البناية في شرح الهداية: ۱/۷۷۸، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، فيصل آباد)

درمختار میں ہے:

والأنين والتأوه والتأفيف والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أومصيبة قيد للأربعة إلالمريض لايملك نفسه عن أنين وتأوه لأنه حينئذٍ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة. وفي الشامي: (قوله وإن حصل حروف) أي لهذه المذكورات كلها كما في المعراج، لكن ينبغي تقييده بما إذا لم يتكلف إخراج حروف زائدة على ما تقتضيه طبيعة العاطس ونحوه كما لو قال في تثاؤبه هاه هاه مكررًا لها فإنه منهى عنه بالحديث تأمل. والله اعلم. (الدرالمختارمع الشامي: ۱/ ۶۱۹، باب مايفسد الصلاة، سعيد)

تصویر والے سکّے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ابھری ہوئی تصویر والے دھات کے سکّے جیب میں رکھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تصویر والے سکّے جیب میں ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا البتہ احتیاط سے رکھنے چاہئے تاکہ سجدہ کی جگہ نہ گرے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

إلاأن تكون الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للقائم إذا نظرها إلابتأمل كالتي على الدينار لأنها لاتعبد عادة، وقال في التجنيس والمزيد: إذا صلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لابأس به؛ لأن هذا يصغرعن البصر انتهى. (امداد الفتاح: ۳۹۲، فصل في المكروهات، بيروت)

شامی میں ہے:

(قوله لاالمستتر بكيس أوصرة) بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أودراهم فيها صور صغار فلا تكره لاستتارها بحر، ومقتضاه أنها لو كانت مكشوفة تكره الصلاة مع أن الصغيرة لاتكره الصلاة معها. (قوله لا تتبين) هذاضبط مما في القهستاني حيث قال بحيث لاتبدو للناظر إلابتبصر بليغ كما في الكرماني، أولا تبدوله من بعيد كما في المحيط ثم قال: لكن في الخزانة: إن كانت الصورة مقدار طير يكره، وإن كانت أصغر فلا.

(شامي: ۱/ ۶۴۸، مكروهات الصلاة، سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال رحمه الله (إلا أن تكون صغيرة) لأنها لا تعبد إذا كانت صغيرة بحيث لاتبدو للناظر

والكراهة باعتبار العبادة فإذا لم يعبد مثلها لايكره.

(تبيين الحقائق: ١/١٦٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، امدادية)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

پیسے روپے پر اولاً تو تصویر چھوٹی ہے جس کا کوئی اعزاز نہیں ہوتا ہے دوسرے جیب یا کسی اور کپڑے میں نماز کے وقت مخفی رہتی ہے سامنے نہیں ہوتی۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۶۷۴، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، جامعہ فاروقیہ)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

تصویر والی نوٹوں کے جیب میں ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۱۲)

غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اردو میں قعدہ میں یہ دعا پڑھی: یا اللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے لیکن ایک قول کے کراہتِ تنزیہی کا بھی ہے، لہٰذا اگر اس نماز کا اعادہ نہیں کیا تو بعض حضرات کے قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

لكن المنقول عندنا الكراهة، فقد قال فى غرر الأحكام شرح درر البحار فى هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية، لأن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نهى عن رطانة الأعاجم" ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهًا تحريمًا فى الصلاة. (شامی: ۱/۵۲۱، الدعاء بغیر العربیۃ، سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وعلى هذا الخلاف جميع أذكار الصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية "یارب بیامرزمرا" (اے اللہ مجھے بخش دے) إذا كان يحسن العربية تفسد صلاته وكذا كل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٨٦، باب افتتاح الصلاة، بلوچستان)

احسن الفتاوی میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول

ارجح واوسط ہے لہٰذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی:۳/۴۳۲، باب مفسدات الصلوۃ ومکروہات۔ وفتاوی محمودیہ:۶/۶۲۷، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی حقانیہ:۳/۲۰۹، باب مکروہات الصلوۃ)

منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رہ گئی نماز کے بعد اس کو معلوم ہوا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چنے کی مقدار کوئی چیز منہ میں رہ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولایصلی وفی فیه دراهم أودنانیر لایمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفی موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم یمنعه عن عین القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولکن یکره له، وإن لم یمنعه شیئًا فلابأس به.

(التاتارخانیة: ۱/۵۶۵، الفصل الرابع فی بیان ما یکره للمصلی، ادارة القرآن)

فتح القدیر میں ہے:

وذکر شیخ الاسلام أکل بعض اللقمة وبقی فی فمه بعضها فدخل فی الصلاة فابتلعه لاتفسد مالم تکن ملء الفم. (فتح القدیر: ۱/۴۱۲، دارالفکر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

رجل أکل أوشرب قبل الشروع فی الصلاة ثم شرع فی الصلاة وبقی فی فمه فضل طعام أوشراب فأکل أوشرب ما بقی فیه لاتفسد صلاته وعلیه الفتوی. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۲)

البحر الرائق میں ہے:

ثم إذا کان ابتلاع ما بین أسنانه غیر مفسد بشرطه علی الخلاف فهو مکروه کما صرح به فی منیة المصلی لأنه لیس من أعمال الصلاة ولاضرورة فیه فکان مکروهًا وإن کان قلیلا. واللّٰه اعلم. (البحر الرائق: ۲/۱۵، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، الماجدیة)

سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھائے پھر رکھ لئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ اگرچہ ایک انگلی ہی ہو رکھنا فرض ہے اور ضروری ہے اس کے

بغیر نماز نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اٹھانے کے بعد رکھ دئے لہٰذا سجدہ ادا ہوگیا لیکن سنت طریقہ کے خلاف ہوا اس وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویفترض السجود لقوله تعالى: ﴿واسجدوا﴾ (الحج: ۷۷) ولأمر النبی ﷺ به وللإجماع على فرضيته، والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة لاالأنف،مع وضع أحدى القدمين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين من الأرض فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجود ووضع شيء من أصابع الرجلين نحو القبلة حالة السجود على الأرض،ولايكفى لصحة السجود وضع ظاهر القدم لأنه ليس محله لقوله ﷺ "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين" متفق عليه ، وقوله ﷺ "إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه" وهو اختيار الفقيه أبى الليث كما فى البرهان. (امداد الفتاح: ۲۵۷، أحكام السجود،بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله: (وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين) يصدق ذلك بأصبع واحدة قال فى الخلاصة: وأما وضع القدم على الأرض فى الصلاة حال السجدة ففرض فلووضع إحداهمادون الأخرى تجوزصلاته ويكفى وضع أصبع واحدة فى الفتح عن الوجيز، وضع القدمين فرض فإن وضع إحداهما دون الأخرى جاز، ويكره وفى البحر: ونص صاحب الهداية فى التجنيس على أنه لولم يوجه الأصابع نحو القبلة يكون مكروهًا.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۲۳۰،باب شروط الصلاة،قديمى)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويكره تحويل أصابع يديه أورجليه عن القبلة فى السجود لقوله ﷺ "فليوجه من أعضائه إلى القبلة ماستطاع. (مراقى الفلاح: ۱۲۸،فصل فى المكروهات)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۱/۴۹۹،سعید۔وفتح القدیر: ۱/۳۰۵،دارالفکر۔والبحر الرائق: ۱/۳۱۸، کوئٹہ۔ والفتاوی الهندية: ۱/۷۰)

احسن الفتاوی میں ہے:

دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحہ واحدہ زمین پر رکھنا واجب ہے، اور ایک قول کے مطابق فرض ہے، تیسرا قول سنت کا بھی ہے، قولِ اول راجح ہے۔ پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے گا، اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادۃ ہوگی، واضح رہے کہ ظہرِ قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے، اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۳/۳۹۸، باب مفسدات الصلاۃ۔ وفتاوی حقانیہ:۳/۸۱)

گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: گانے بجانے کی جگہیں مثلاً بازار وغیرہ پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نماز کی جگہ الگ ہو اور وہاں گانے بجانے کی آواز نہیں آتی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہاں گانے بجانے کی جگہ میں نماز پڑھنا جبکہ وہاں سے آواز آتی ہو اور نماز میں خلل پڑتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے خراب اور ردی جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو جہاں پر بھی گانا بجانا ہو اسی کے حکم میں ہے لہٰذا نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

نهى النبى ﷺ عن الصلاة فى المقبرة والمجزرة والمزبلة والحمام. (رواه البيهقى:۲/۳۲۹)

امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة فى الطريق لأن فيه منع الناس عن المرور وشغله بما ليس له لأنها حق العامة للمرور فى الحمام وفى المخرج أى الكنيف وفى المقبرة وفى أمثالها بما رواه ابن ماجة، والترمذى عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "أن رسول الله نهى أن يصلى فى سبعة مواطن فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفى الحمام ومعاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله والمغتسل مكان الاغتسال والعلة كونها موضع النجاسة وألحق بها المغتسل، لأنه مصب النجاسة والأوساخ والنهى عن الصلاة فى الحمام لمعنين أحدهما: أنه مصب الغسالات فعلى هذا لايكره فى سائره فإذا غسل منه موضعًا ليس فيه تمثال لاتكره فيه، والثانى: أن الحمام

بیت الشیاطین، وفی الفتاوی: لابأس بالصلاة فی المقبرة إذا کان فیها موضع أعد للصلاة ولیس فیه قبر وتکره بحضرة کل مایشغل البال کزینة وبحضرة مایخل بالخشوع کلهو ولعب کما ذکرنا.

(امداد الفتاح: ۳۸٦، فصل فی المکروهات،بیروت۔وبدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۱،سعید۔والشامی: ۱/ ٤۱۰،سعید)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کوئی زینت کی چیز ہو جو دل کو نماز میں متوجہ ہونے سے روکدے یا خشوع میں خلل انداز ہوتو نماز مکروہ ہوگی، اور اگر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ تیار کی ہے جہاں گانے بجانے وغیرہ کی آواز نہیں آتی تو نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

فصلِ سوم

سترہ کے احکام

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے:

سوال: ایک جماعت خانے میں آنے کا راستہ پہلی صف کے کنارے سے ہے اور نماز شروع ہونے کے بعد بھی مصلی آتے ہیں اور اکثر مقتدیوں کے سامنے سے گذرنا پڑتا ہے لیکن امام کے سامنے دیوار ہے تو یہ امام کا سترہ ہے لیکن مقتدیوں کا سترہ نہیں ہے تو امام کے سامنے والی دیوار تمام مقتدیوں کے لئے بطور سترہ کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے لہذا کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں البتہ نماز با جماعت ختم ہونے کے بعد اگر مصلی سنتیں پڑھتے ہوں تو ان کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہوگا، نیز مسبوق امام کی نماز کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وسترة الإمام سترة لمن خلفه،لأن النبی ﷺ صلی بالأبطح إلی عنزة رکزت له ولم یکن للقوم سترة. ذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد:۲/۸٤ وأخرجه البخاری فی باب الصلاة إلی العنزة ومسلم فی باب سترة المصلی۔ (امداد الفتاح:٤٠٠، فصل فی اتخاذ السترة)

شامی میں ہے:

(وکفت سترة الإمام للکل أی للمقتدین به کلهم وعلیه فلو مر مار فی قبلة الصف فی المسجد الصغیر لم یکره إذا کان للامام سترة،وظاهره الاکتفاء بها ولو بعد فراغ إمامه، وإلا فما فائدته؟ وقد یقال: فائدته التنبیه علی أنه کالمدرك لایطلب منه نصب سترة قبل الدخول فی الصلاة وإن کان یلزم أن یصیر منفردًا بلاسترة بعد سلام إمامه، لأن العبرة لوقت الشروع وهو وقته کان مستترًا بسترة إمامه تأمل.

(شامی:۱/٦۳۸،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،سعید)

ہدایہ میں ہے:

وسترة الإمام سترة للقوم لأنه عليه السلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة. (هدايه: ۱/۱۳۹، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے پس جب امام کے آگے سترہ ہو تو اگر کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گذرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہی حکم مسبوق کے لئے بھی ہے کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی کافی رہے گا۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے ہاتھ کو اپنے پیچھے والے مصلی کے لئے سترہ بنایا اس صورت میں اس مصلی کے آگے سے گذرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے سامنے ایک ذراع لمبی اور بقدر ایک انگشت کوئی چیز ہو تو سامنے سے گزرنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہوگا، لہذا جب پورا ہاتھ سترہ کی جگہ استعمال کیا تو بدرجۂ اولیٰ جائز و درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

(أن يغرز سترة) لما روينا، ولقوله عليه الصلاة والسلام "ليستتر أحدكم ولو بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك ۱/۲۵۲ وأحمد في مسنده ۳/۴۰۴ . (وأن تكون طول ذراع فصاعدًا) لحديث مسلم "عن عائشة رضي الله تعالى عنها: سئل رسول الله ﷺ عن سترة المصلي فقال: مثل مؤخرة الرحل" أخرجه مسلم في الصلوة، باب سترة المصلي والنسائي في القبلة باب سترة المصلي . وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقها كما أخرجه أبو داؤد وقال ﷺ "أيعجز أحدكم إذا صلى أن يجعل أمامه مثل مؤخرة الرحل" ذكره الزيلعي في نصب الراية: ۲/۸۱ وقال: غريب بهذا اللفظ . وفي حديث آخر: "إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل ولا يبال بمرور مار" أخرجه مسلم في الصلاة باب سترة المصلي . وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن ما دون ذلك ربما لا يبدو للناظر فلا يحصل به المقصود، وروى الحاكم مرفوعًا: "استتروا في صلاتكم ولو

بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك: ١/٢٥٢، وقال: على شرط مسلم ووافقه في التلخيص وأحمد في مسنده: ٣/٤٠٤. **وقال ابن مسعود** رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "**يجزئ من السترة السهم وهو يصلح بيانًا للطول والغلظ جميعا، ذكره شمس الأئمة السرخسي** رحمہ اللہ تعالیٰ.

(امداد الفتاح: ٣٩٨، فصل في اتخاذ السترة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

درخت اور جانور اور آدمی وغیرہ کا بھی سترہ ہوسکتا ہے اور ان کے آگے ہوتے ہوئے پرے سے گذرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۶، مجددیہ)

رومال یا لاٹھی رکھ کر گذرنے کا حکم:

سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا لاٹھی کھڑی کر کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے نیز اس کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ لاٹھی کھڑی کر کے گذر جائے اور گرنے سے پہلے اس کو پکڑ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فإن كان معه شيء يضعه بين يديه ثم يمر ويأخذه **أقول: وإذا كان معه عصا لا تقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومر من خلفها هل يكفي ذلك؟ لم أره.**

(شامی: ١/٦٣٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر گذرنے والے کے ساتھ ایسا عصا (لاٹھی) ہے جس کو کھڑا کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کو نمازی کے آگے کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے تھام کر نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کی وضاحت نہیں ملی (شامی) بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے گرنے سے پہلے گذر جائے اور پھر اس کو پکڑ لے۔

(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلوۃ: ۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کر کے اس کے پیچھے سے گذر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں لہٰذا بوقتِ ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ۳/ ۴۱۰ باب مفسدات الصلاۃ)

سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم:

سوال: لکڑی وغیرہ نہیں ہے تو تار یا رسی سامنے رکھنا سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ یک انگشت موٹی چیز ہو اور عامۃً تار یا رسی اتنے موٹے نہیں ہوتے پھر سترہ کو گاڑنے کا حکم ہے صرف رکھنا اکثر حضرات کے نزدیک کافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں کافی نہیں ہونا چاہئے مگر بوقتِ عذر چونکہ خط کھینچنے کی گنجائش ہے تو پھر رسی یا تار کا رکھنا بدرجۂ اولی درست ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کا دھیان جما رہے گا اور منتشر نہ ہوگا گذرنے والا بدستور گنہگار رہے گا کیونکہ گذرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكون السترة فى غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن مادون ذلك ربما لايبدو للناظر فلايحصل به المقصود وإن لم يجد ما ينصبه منع جماعة من المتقدمين الخط وأجازه المتأخرون بما روى فى السنن عن النبى ﷺ أنه قال: "إن لم يكن معه عصا فليخط خطًا"

(هو جزء من حديث أخرجه ابن ماجة فى اقامة الصلاة باب ما يستر المصلى و أبوداؤد فى الصلاة باب الخط اذا لم يجد عصا) قيل: هو مطعون فيه كذا فى شرح الكنز للدير ى وفى التجنيس لايعتبر الخط هو المختار أى ليس بمسنون ليقام به سنة السترة، إذ لايحصل به المقصود لعدم ظهوره من بعيد وهو رواية والثانية أنه أى: الخط سنة، عن محمد أنه يخط لحديث أبى داؤد: "فإن لم يكن معه عصا فليخط خطا" انتهى.

قال فى شرح المنية: ويجوز العمل بمثله فى الفضائل وكذا قال الكمال ابن الهمام والسنة أولى بالاتباع مع أنه يظهر فى الجملة، إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كيلا ينتشر، انتهى. وأيضًا إن سلم أنه غير مفيد فلاضرر فيه من العمل بالحديث الذى يجوز العمل به فى مثله، انتهى. وإن وجد ما يغرزه ولكن تعذر الغرز لصلابة الأرض، اختلف الأئمة فيه أيضًا فمنهم من منعه، قال القدورى: قال أبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ: إذا خط المصلى بين يديه فى

الصحراء أوطرح سوطًا لم يعتد به من المسنون حتى ينصب شيئًا كمؤخرة الرحل، ولأن المقصود هو الحيلولة بينه وبين المار لا يحصل به فيكون وجوده كعدمه كذا في شرح الديري وهو المختار كما قال في التجنيس إذا تعذر غرز السترة لا يعتبر الإلقاء هو المختار ومن اعتبر الإلقاء قال: يلقى بين يديه طولاً ليجعل كأنه غرز ثم سقط هذا اختاره الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى انتهى. قال هشام: حججت مع أبي يوسف رحمه الله تعالى وكان يطرح بين يديه السوط كذا في التقريب. والله اعلم. (امداد الفتاح: ۳۹۹، فصل في اتخاذ السترة، بيروت)

مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا:

سوال: سترہ کا حکم، مقدار اور کیا مدرسہ ھذا میں جو چھوٹے ڈسک (desks) جن کی مقدار ایک ذراع ہے، طولاً سترہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سترہ رکھنا مستحسن ہے، البحر الرائق میں بغیر سترہ کے نماز کو مکروہ لکھا ہے اس کی مقدار ایک ذراع لکھی ہے تقریباً ڈیڑھ فٹ اور مدرسہ ہذا کی چھوٹی ٹپائی سترہ کا کام دے سکتی ہے طولا، اس لئے کہ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ گذرنے والے کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص نماز پڑھ رہا ہے اور یہ امتیاز حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

سترة بقدر ذراع طولا وغلظ أصبع لتبدو للناظر بقربه دون ثلاثة أذرع على حذاء أحد حاجبيه لا بين عينيه والأيمن أفضل ولا يكفي الوضع ولا الخط وقيل يكفي فيخط طولاً وقيل كالمحراب ويدفعه هو رخصة فتركه أفضل بدائع. (الدر المختار: ۱/۶۳۷، سعيد)

شامی میں ہے:

والظاهر أن المراد به ذراع اليد صرح به الشافعية وهو شبران (قوله وغلظ أصبع) كذا في الهداية لكن جعل في البدائع بيان الغلظ قولاً ضعيفًا وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب بحر، ويؤيده ما رواه الحاكم وقال على شرط مسلم أنه قال: يجزي من السترة قدر مؤخرة الرحل. تنبيه: لم يذكروا ما إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلا هل يكفي وضعه بين يديه والظاهر نعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام المار آنفا وكذا لو بسط ثوبه وصلى عليه ثم المفهوم من كلامهم أنه عند إمكان الغرز لا يكفي الوضع وعند إمكان الوضع لا يكفي الخط: (شامي: ۱/۶۳۷، سعيد)

المبسوط للسرخسی میں ہے:

وإنما قال بقدر ذراع طولاً ولم يذكر العرض وكان ينبغي أن تكون في غلظ أصبع لقول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يجزئ من السترة السهم فإن المقصود أن يبدو للناظر فيمتنع من المرور بين يديه وما دون هذا لا يبدو للناظر من بعد. (مبسوط: ۱/۱۹۰)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقيل ما يقع به الامتياز كذا في الشرح. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۲٤٤)

خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا:

سوال: کیا سترہ کے لئے وہ چیز کافی ہے جس کے اندر خلا ہو مثلاً ٹپائی وغیرہ؟

الجواب: خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: أعدلتمونا بالكلب والحمار؟ لقد رأيتني مضطجعة على السرير فيجيء النبي صلی اللہ علیہ وسلم فيتوسط السرير فيصلي فأكره أن أسنحه، فانسل من قبل رجلي السرير حتى أنسل من لحافي. (بخاری: ۱/۷۲ باب الصلاۃ الی السریر)

عمدۃ القاری میں ہے:

فيتوسط السرير أي يجعل نفسه في وسط السرير. (عمدة القاري: ۱/۵۸۵)

بنایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وقال: كل موضع مرتفع يعتبر سترة كالسطح والسرير. والله اعلم۔

(البناية في شرح البناية: ۱/۷۸۸)

مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق:

سوال: کیا فقہاء کے نزدیک ایسی روایت ہے جس میں مسجدِ صغیر و کبیر اور صحراء میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف محلِ سجود تک محدود ہو؟

الجواب: فقہاء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء یا مسجدِ کبیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو مصلی کے سامنے

سے گذرنے کی ممانعت صرف موضِ سجود تک محدود ہے، اور موضعِ سجود کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ گذرنے والے پر نہ پڑے، اور چھوٹی مسجد میں (جس پر مسجدِ کبیر کی تعریف صادق نہ آتی ہو) مصلی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

الا أن المار آثم لقوله عليه السلام: "لوعلم المارين يدى المصلى ماذا عليه من الوزر لوقف أربعين" وإنما يأثم إذا مر فى موضع سجوده على ما قيل. (هداية: ١/١٣٨)

بنایہ میں ہے:

قوله على ما قيل: وهو اختيار شمس الأئمة السرخسى رحمه الله تعالى وشيخ الإسلام رحمه الله تعالى وقاضيخان رحمه الله تعالى، وقال فخر الإسلام رحمه الله تعالى: إذا صلى راميًا بصره إلى موضع سجوده ولايقع عليه بصره لايكره، ومنهم من قال مقدار صفين أوثلاثة، ومنهم من قدره بثلاثة أذرع ومنهم من قدربخمسة أذرع ومنهم من قدربأربعين ذراعاً، وقال التمرتاشى رحمه الله تعالى: والأصح إن كان بحال لوصلى صلاة خاشع بصره ولايقع على المارفلا يكره نحوأن يكون منتهى بصره فى قيامه إلى موضع سجوده وفى ركوعه إلى صدورقدميه وفى سجوده إلى أرنبة أنفه وفى قعوده إلى حجره وفى السلام إلى منكبه وهذاكله إذاكان فى الصحراء وفى الجامع الذى له حكم الصحراء وأما فى المسجد فالحد هو المسجد إلا أن يكون بينه وبين المارأسطوانة وغيرها..... (البناية فى شرح الهداية: ١/٧٨٨)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز پڑھنے والے کی سجدہ کی جگہ میں سے کسی کا گذرنا مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے اگر چہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی..... اصح یہ ہے کہ میدان اور بہت بڑی مسجد میں جو میدان کے حکم میں ہے نمازی کے قدموں سے سجدہ کی جگہ تک میں گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور گذرنے والا گنہگار ہے اس کے بعد سے نہیں اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے میں قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر جمائے ہوئے ہو تو جتنی دور تک اس کی نگاہ پھیلے اتنی دور تک گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے بعد یعنی جب گذرنے والے پر اس کی نگاہ پھیل کر نہ پڑے تو مکروہ نہیں یہی صحیح ہے اور یہ موضعِ سجود کی وضاحت ہے کیونکہ تقریبا موضعِ سجود کا اطلاق اس پر ہوتا ہے اس لئے یہی مرجح ہے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۴، ستر ہ کے مسائل، مجددیہ)

مسجدِ کبیر کی تعریف:

درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیه عجلة أونهر تجری فیه السفن أوخلاء فی الصحراء أوفی مسجد کبیر جدًا کمسجد القدس قال الشامی: ثم رأیت فی حاشیة المدنی عن جواهر الفتاوی أن قاضیخان سئل عن ذلك فقال: اختلفوا فیه فقدره بعضهم بستین ذراعًا وبعضهم قال: إن کانت أربعین ذراعًا فهی کبیرة وإلا فصغیرة هذا هو المختار.

(الشامی: ۱/۵۸۵، سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور چھوٹی مسجدوں میں جو قول مختار کی بناء پر چالیس گز شرعی کی مقدار سے کم ہوں اگر نمازی کے آگے سترہ یا کوئی حائل نہ ہو تو قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے کیونکہ یہ مکان واحد کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"الوتر حق أواجب فمن لم یوتر فلیس منا"﴾

باب.....﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعاءِ قنوت کا بیان

فصلِ اول

وتر کی نماز کا بیان

غیر رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے علاوہ میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان المبارک کے علاوہ میں اگر کسی نے کبھی کبھی ایک دو مرتبہ کر لی تو جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان پر اعتراض نہیں کیا، البتہ اکثر اوقات کرنا بدعت اور مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مداومت ثابت نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویوتر بجماعة استحبابًا فی رمضان فقط علیه إجماع المسلمین لأنه نفل من وجه والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ: أن فیما کان علی سبیل التداعی أو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره، وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه وإذا اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقًا.

(مراقی الفلاح: ۱٤٥، باب الوتر وأحکامها، مکة المکرمة)

طحطاوی میں ہے:

(قوله فالاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان) وما فی النوازل عن المغنی الاقتداء فی الوتر خارج رمضان جائز فلاینافی الکراهة لأن معناه صحیح.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۸٦، باب الوتر، قدیمی)

درمختار میں ہے:

ولایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلك علی سبیل التداعی. وفی الشامی: (قوله أی یکره ذلك) أشار إلی ما قالوا من أن المراد من قول القدوری فی مختصره

لايجوز، الكراهة لاعدم أصل الجواز، لكن فى الخلاصة عن القدورى أنه لايكره، وأيده فى الحلية بما أخرجه الطحاوى عن المسوربن مخرمة، قال: دفنا أبا بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ليلاً فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إنى لم أوتر، فقام وصفنا ورائه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلافى آخرهن، ثم قال: ويمكن أن يقال: الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة ثم إن كان ذلك أحيانًا كما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان مباحًا غير مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث. (الدرالمختارمع الشامى: ۲/ ٤٨، باب الوتر،سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی حقانیہ:۳/ ۲۳۸،باب الوتر۔واحسن الفتاوی:۳/ ۴۵۵،باب الوتر والنوافل)۔ واللہ اعلم۔

وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز عشاء سے پہلے پڑھ لی یعنی جب مسجد میں داخل ہوا تو وتر کی جماعت ہورہی تھی اس میں شامل ہوگیا بعد میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو نمازِ وتر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وقتِ عشاء اور وتر ایک ہے لہٰذا نسیاناً مقدم کرنے سے نماز ہوجائے گی اعادہ واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر کیا تو اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ دونوں میں ترتیب واجب ہے یعنی عشاء پہلے پڑھنا واجب ہے اور نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان وقته (الوتر) فالكلام فيه فى موضعين أحدهما فى بيان أصل الوقت أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه شرع مرتبًا عليه حتى لايجوز أداءه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه وهو الترتيب إلاإذا كان ناسيًا وهذا بناء على ما ذكرنا أن الوتر واجب عند أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ويبنى على هذا الأصل أن من صلى العشاء على غير وضوء وهو لايعلم ثم توضأ فأوتر ثم تذكر أعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولايعيد الوتر فى قول أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ لأن الوتر كان أصلاً بنفسه فى حق الوقت لاتبعًا للعشاء إلاأن وقته بعد فعل العشاء إلا أن تقديم أحدهما على الآخر واجب حالة التذكر فعند النسيان يسقط.

(بدائع الصنائع:۱/ ۲۷۲،سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

قوله ولا يقدم على العشاء للترتيب ولأنهما فرضان عند الإمام وإن كان أحدهما اعتقادًا

والآخر عملاً فأفاد أنه عند التذكر حتى لو قدم الوتر ناسيًا فإنه يجوز.

(البحر الرائق: ۱/۲٤٦، كتاب الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولو صلى الوتر ناسيًا للعشاء أو صلاهما فظهر فساد العشاء دون الوتر أجزاه عند الإمام لسقوط الترتيب بمثل هذا العذر. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:۱۷۸، كتاب الصلاة، قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۴۵۷، باب الوتر)۔ واللہ اعلم۔

وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا:

سوال: ایک مسجد کے مصلی حضرات بعض احناف ہیں اور بعض شوافع ہیں رمضان المبارک میں سب کے ساتھ ملکر ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں لیکن وتر کے لئے علیحدہ جماعت کرنی پڑتی ہے تو ان حضرات کا کہنا ہے کہ وتر بھی ہم ایک ہی امام کے پیچھے پڑھ لیں اور چند دن حنفی امام ہو اور چند دن شافعی امام ہو تو کیا یہ درست ہوگا؟ اور تمام مصلی حضرات اس پر راضی ہیں حکم بیان فرمائیں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی امام کے پیچھے وتر پڑھنا درست ہے، البتہ جب شافعی امام پڑھائے تو تین رکعت ایک سلام سے پڑھائے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو افضل قرار دیا ہے۔

ہاں اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو حنفی مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ مسبوق کے حکم میں ہو کر ایک رکعت دعاءِ قنوت کے ساتھ پوری کر لے نماز صحیح ہو جائے گی پھر علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبوبكر الرازی ويصلی معه بنية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق:۲/۳۹، باب الوتر، الماجديه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبی بكر الرازی أن اقتداء الحنفی بمن يسلم على رأس الركعتين فی الوتر يجوز، وإذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدی فأتم منفردًا وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازی.

(فتح القدير: ۱/٤۳۷، باب صلاة الوتر، دارالفكر وكذا فی منظومة ابن وهبان: ۱/٦۲ شعر: ٦۷، الوقف المدنی ديوبند۔ وكذا فی البناية شرح الهداية: ۱/۸۳٥، باب صلاة الوتر، فيصل آباد پاكستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو اقتدى خلف الشافعي وسلم الشافعي على الركعة الثانية كما هو مذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان:

ولو حنفي قام خلف مسلم لشفع ولم يتبع وتم فموتر

(العرف الشذي على سنن الترمذي: ١/ ١٠٤، باب ماجاء في فضل الوتر، فيصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متاخرین فقہاء کے ہاں اقتدا درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔

(فتاوی حقانیہ: ۳/۲۴۲، باب الوتر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى الوتر بمن يقنت في الوتر بعد الركوع في القومة والمقتدي لا يرى ذلك تابعه فيه هكذا في فتاوى قاضيخان. (فتاوى هندية: ١/ ١١١ ـ والدر المختار: ٢/ ٧ باب الوتر، سعيد)

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففي الأفضل أوجه والثاني إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبو زيد المروزي للخروج من الخلاف فإن أبا حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ لا يصح المفصولة والثالث إن كان منفردًا فالفصل أفضل وإن كان إمامًا فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين والمذهب أن السنة أن يقنت في الركعة الأخيرة من صلاة الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور في المذهب ونص عليه الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ٤/ ١٣، ١٥، دار الفكر)

نیز مذکور ہے:

يصح الاقتداء بالحنفي و نحوه إلا أن يتحقق إخلاله بما نشترطه ونوجبه وهذه الأوجه جارية في صلاة الشافعي خلف حنفي وغيره. والله اعلم. (شرح المهذب: ١/ ٢٠٣، دار الفكر)

حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا:

سوال: اگر ایک شافعی کسی حنفی کی اقتداء میں وتر کی نماز پڑھ لے یعنی تین رکعت ایک سلام سے تو شافعی مقتدی کی وتر صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: شافعی مقتدی کی وتر حنفی کے پیچھے صحیح اور درست ہے اس لئے کہ شوافع کے نزدیک وتر ایک رکعت، تین رکعت، ۵ رکعت، ۷ رکعت، ۹ رکعت اور زیادہ سے زیادہ ۱۱ تک پڑھ سکتے ہیں، اور تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کو امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المہذب میں افضل قرار دیا ہے اختلاف سے بچتے ہوئے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز درست ہے۔

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففي الأفضل أوجه والثانی إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبوزيد المروزی للخروج من الخلاف فإن أباحنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ لايصحح المفصولة والثالث إن كان منفردًا فالفصل أفضل وإن كان إمامًا فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين والمذهب أن السنة أن يقنت فی الركعة الأخيرة من صلاة الوتر فی النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور فی المذهب ونص عليه الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ٤/١٣، ١٥، دارالفكر)

اعانۃ الطالبین میں ہے:

وأقله ركعة وأدنى الكمال أی أن الكمال فی الوتر له مراتب وأدناها ثلاث ثم خمس ثم سبع ثم تسع فكل مرتبة أعلى من التی قبلها وأدنى من التی بعدها وأكثره إحدى عشر ركعة.

(اعانة الطالبين: ١/٢٤٩)

شرح المہذب میں ہے:

ويجوز أن يجمعها بتسليمة لما روت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن النبی ﷺ كان لايسلم فی ركعتی الوتر. واللّٰه اعلم. (شرح المهذب: ٤/١١، باب الوتر، دارالفكر)

شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دو سلام سے وتر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی کی اقتداء میں وتر کی نماز دو سلام کے ساتھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شافعی امام تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھائے تو حنفی کی وتر صحیح ہے اور اگر دو سلام سے پڑھائے تو حنفی مقتدی کھڑے ہو کر اپنی وتر پوری کر لے تو حنفی کی وتر صحیح ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبوبكر الرازی ويصلی معه بنية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده

وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق: ۲/۳۹، باب الوتر، الماجديه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبی بکر الرازی أن اقتداء الحنفی بمن یسلم علی رأس الرکعتین فی الوتر یجوز، وإذا سلم الإمام علی رأس الرکعتین قام المقتدی فأتم منفردًا وکان شیخنا سراج الدین یعتقد قول الرازی.

(فتح القدیر: ۱/۴۳۷، باب صلاة الوتر، دار الفکر۔ وکذا فی منظومة ابن وهبان: ۱/۶۲، شعر: ۶۷ الوقف المدنی دیوبند۔ وکذا فی البنایة شرح الهدایة: ۱/۸۳۵، باب صلاة الوتر، فیصل آباد پاکستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو اقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هو مذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفی عند أبی بکر الرازی وابن وهبان:

ولو حنفی قام خلف مسلم لشفع ولم یتبع وتم فموتر

(العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱/۱۰۴، باب ماجاء فی فضل الوتر، فیصل)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔

(فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۴۲، باب الوتر)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو صلی الوتر بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فی القومة والمقتدی لا یری ذلك تابعه فیه هکذا فی فتاوی قاضیخان. واللّٰه اعلم. (فتاوی هندیة: ۱/۱۱۱۔ والدر المختار: ۲/۷ باب الوتر)

وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم:

سوال: ایک شخص لاعلمی کی وجہ سے وتر نماز کو مغرب نماز پر قیاس کرتا تھا اور تیسری رکعت میں سورت نہیں ملاتا تھا۔ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد اب اس پر گذشتہ تمام وتر نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، اور مسئلہ نہ معلوم ہونا کوئی عذر نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں گذشتہ تمام وتروں کی قضا لازم ہوگی جو سورت ملائے بغیر پڑھی تھی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

دليل الفريضة لماكان قاصرًا لكونه من أخبار الآحاد ظهر أثر المقصود فيما هو من باب الاحتياط وهو لزوم القراءة في كل ركعة كالسنن لمشابهة بها من حيث الثبوت فيفسد بترك القراءة في ركعة منه احتياطًا من المستصفى عن الإيضاح والبرهان والتبيين والفتح وغيرها.

(امداد الفتاح: ٤١٣، باب الوتر، بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفي الحاوي تذكر أنه ترك القراءة في كل ركعة واحدة من صلاة يوم وليلة قضى الفجر والوتر ووجهه أن ترك القراءة في ركعة واحدة لايبطلها في سائر الصلوات إلا الفجر والوتر.

(طحطاوی علی الدر: ١/ ٣٠٤، باب قضاء الفوائت)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وقرأ في كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة) بيان لمخالفته للفرائض، فيقرأ في كل ركعة منه حتمًا ونقل في الهداية أنه بالإجماع وفي التجنيس لوترك القراءة في الركعة الثالثة منه لم يجز في قولهم جميعًا. والله اعلم. (البحر الرائق: ٢/ ٤٣، باب الوتر، الماجديه)

نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز تراویح سے پہلے پڑھ لی تو اب وتر کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ وتر قبل از تراویح پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بعد از تراویح افضل ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ووقتها ما بعد صلاة العشاء على الصحيح إلى طلوع الفجر ولتبعيتها للعشاء ويصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها وهو أفضل حتى لو تبين فساد العشاء دون التراويح والوتر أعادوا العشاء ثم التراويح دون الوتر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

(مراقی الفلاح: ١٥٩، فصل في صلاة التراويح، مكة المكرمة)

درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فى الأصح وفى الشامية: أى من أقوال ثلاثة: الأول أن وقتها الليل كله،قبل العشاء وبعده وقبل الوتر وبعده الثانى: أنه ما بين العشاء والوتر، وصححه فى الخلاصة الثالث: ما مشى عليه المصنف تبعًا للكنز، وعزاه فى الكافى إلى الجمهور، وصححه فى الهداية والخانية والمحيط بحر. والله اعلم.

(الدر المختار مع رد المحتار:٢/٤٤، صلاة التراويح،سعيد)

فصلِ دوم

دعاءِ قنوت کا بیان

وتر کی رکعت کی تعداد میں شک ہو تو دعاءِ قنوت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو وتر کی تعداد میں شک ہوا کہ دو رکعت ہوئی یا تین رکعت تو قنوت کونسی رکعت میں پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ جس رکعت میں شک ہوا اسی میں دعاءِ قنوت پڑھ لے پھر قعدہ بھی کرے ہوسکتا ہے کہ تیسری رکعت ہو پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے اور اس میں بھی قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرلے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

أما لو شك أنه فی ثانيته أو ثالثته كره (القنوت) مع القعود فی الأصح وفی الشامی: (قوله كره مع القعود) أی فيقنت و يقعد فی الركعة التی حصل فيها الشك لاحتمال أنها فی الثالثة، ثم يفعل كذلك فی التی بعدها لاحتمال أنها الثالثة وتلك كانت ثانية.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/ ۱۰، باب الوتر والنوافل، سعيد)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

لو شك فی الوتر وهو قائم أنها ثانية أم ثالثة يتم تلك الركعة ويقنت فيها أيضًا و يسجد للسهو هو المختار. (خلاصة الفتاوی: ۱/ ۱۷۰، الفصل السادس عشر فی السهو فی الصلاة، الرشيدية)

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۱۱، باب الوتر، بلوچستان۔ وفتاوی قاضيخان: ۱/ ۱۰۵، علی هامش الهندية۔ والبحرالرائق: ۲/ ۴۱، باب الوتر، الماجدية)۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر وتر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس میں قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور پھر کھڑا

ہوکر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔

(عمدۃ الفقہ کتاب الصلاۃ:۲/۲۹۴، وتر کا بیان، المجدد یہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی حقانیہ:۳/۲۳۶، باب الوتر)۔ واللہ اعلم۔

دعاقنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کو دعاءِ قنوت یاد نہیں تو کیا پڑھے گا؟

الجواب: اگر دعاءِ قنوت یاد نہ ہو تو "اللّٰھم اغفرلی" پڑھے یا "ربنا آتنافی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار" پڑھے یا تین مرتبہ "یا رب یارب" پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ومن لم یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه أبو اللیث رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: یقول: اللّٰھم اغفر لی ویکررها ثلاث مرات أویقول: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، قال فی التجنیس وهو اختیار مشایخنا أویقول: یارب یارب یارب، ثلاثًا ذکره الصدر الشهید فهذه ثلاثة أقوال مختارة. واللہ اعلم.

(مراقی الفلاح: ۱٤٤، باب الوتر وأحکامها، مکة المکرمة۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲/٤۲، باب الوتر۔ وکذا فی الشامی: ۲/۷، باب الوتر والنوافل، سعید)

دعاءِ قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے مشہور دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو کیا سورۂ اخلاص اس کی جگہ پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاءِ احناف نے فرمایا کہ جو شخص دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو تین مرتبہ "اللّٰھم اغفرلی" پڑھے یا "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار" یا تین مرتبہ "یا رب یارب" پڑھے، یہ افضل ہے۔ ہاں سورۂ اخلاص بھی پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ دعاءِ قنوت یاد نہ ہونے کے وقت کوئی دعا حتمی طور پر متعین نہیں ہے، اور کریم کی تعریف اس سے مانگنے کے مترادف ہے "الثناء علی الکریم سوال".

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ومن لایحسن القنوت بالعربیة أو لایحفظه ففیه ثلاثة أقوال مختارة قیل یقول: یارب ثلاث

مرات ثم یرکع وقیل یقول: اللّٰهم اغفرلی ثلاث مرات وقیل: اللّٰهم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار والظاهر أن الاختلاف فی الأفضلیة لا فی الجواز وأن الأخیر أفضل لشموله. (البحر الرائق: ۲/ ٤۲، باب الوتر والنوافل، الماجدیة)

مراقی الفلاح میں ہے:

و من لم یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه أبو اللیث رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: یقول: اللّٰهم اغفرلی ویکررها ثلاث مرات أویقول: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار، قال فی التجنیس وهو اختیار مشایخنا أویقول: یارب یارب یارب ثلاثًا ذکره الصدر الشهید فهذه ثلاثة أقوال مختارة. والله اعلم.

(مراقی الفلاح: ۱٤٤، باب الوتر و أحکامها، مکة المکرمة۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ٤۲، باب الوتر۔ وکذا فی الشامی: ۲/ ۷، باب الوتر والنوافل، سعید)

وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دار؟

سوال: وتر کی تیسری رکعت میں جو حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں اس طرح کرنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں چند آثارِ موقوفہ صحابہ وتابعین سے مروی ہیں اور اکثر لیث بن أبی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہیں، جب کی نماز کی بنیاد ہی سکون ووقار پر ہے لہذا اس طرح کرنا اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبوبکر قال حدثنا أبو الأحوص عن مغیرة عن إبراهیم قال: ارفع یدیك للقنوت. حدثنا معاویة ابن هشام قال: حدثنا سفیان عن لیث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه فی قنوت الوتر، حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربی عن لیث عن ابن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه إذا قنت فی الوتر.

(مصنف ابن أبی شیبة: ٤/ ٥۳۱/ ۷۰۲٦۔ ۷۰۲۸، باب رفع الیدین فی قنوت الوتر، المجلس العلمی)

سنن الکبری للبیهقی میں ہے:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنبأ أبوبکر الجراحی ثنا یحیی بن شاسویه ثنا عبد الکریم

السكرى ثنا وهب بن زمعة أخبرنى على الباشانى قال:سألت عبد الله يعنى ابن المبارك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ عن الذى دعا ومسح وجهه قال:لم أجد له ثبتاقال على رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ: ولم أره يفعل ذلك قال: وكان عبد الله رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ يقنت بعد الركوع فى الوتروكان يرفع يديه، وروى عن عبد الله بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأبى هريرة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ فى قنوت الوتر.

(السنن الكبرى للبيهقى،باب رفع اليدين فى القنوت: ۲/۲۱۲،بيروت)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن الأسود قال كان عبد الله رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ يقرأ فى آخر ركعة من الوتر (قل هو الله أحد) ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة، رواه الطبرانى فى الكبير وفيه ليث بن أبى سليم وهو مدلس وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ۲/۲٤٤،باب القنوت فى الوتر،دار الفكر)

ارواء الغلیل میں ہے:

روى الأثرم عن ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ: "أنه كان يقنت فى الوتروكان إذا فرغ من القراءة كبرورفع يديه ثم قنت.

لم أقف على سنده عند الأثرم لأننى لم أقف على كتابه وإنماوجدت قطعة منه فى الطهارة فى مجموع محفوظ فى المكتبة الظاهرية بدمشق وغالب الظن أنه لايصح فقد أخرجه ابن أبى شيبة والطبرانى والبيهقى من طريق ليث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنه كان يرفع يديه فى قنوت الوتر،وليث هو ابن أبى سليم وهو ضعيف لاختلاطه.

(ارواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل:۲/۱٦۹/٤۲۷، باب صلاة التطوع، المكتب الاسلامى،بيروت)

خلاصہ: ان تمام آثار سے ابتداءِ قنوت میں رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے دوام کا ثبوت نہیں ملتا حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات:

سوال: وتر میں دعاءِ قنوت کے وقت شوافع وحنابلہ پوری دعا میں جو رفع یدین کرتے ہیں ان کے دلائل کیا ہیں کیا کوئی صریح صحیح حدیث موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: تتبعِ کتب کے بعد معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے پاس اس بارے میں کوئی صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے، البتہ ایک حدیث جو مستدرک حاکم میں ہے اس سے استدلال کیا ہے لیکن محققین حضرات

نے فرمایا: "لم أقف عليه عند الحاكم" یعنی عام طور پر یہ روایت مستدرک حاکم میں نہیں ملتی اس کے علاوہ چند صحابہ کے عمل اور عمومی دعاؤں والی روایات جن میں رفع یدین کا ذکر ملتا ہے ان سے استدلال کرتے ہیں:

ملاحظہ فرمائیں شوافع کے مستدلال:

البیان میں ہے:

وهل يستحب رفع اليدين فى القنوت؟ فيه وجهان: أحدهما: وهو اختيار الشيخ أبى إسحاق: أن ذلك غير مستحب لأن النبى ﷺ لم يرفع يديه إلا فى الاستسقاء والاستنصار وعشية عرفة. والثانى: أنّ ذلك مستحب وهو قول أكثر أصحابنا لما روى أن النبى ﷺ قال: لاترفع الأيدى إلافى سبعة مواضع: عند رؤية البيت وعلى الصفا والمروة وفى الصلاة وفى الموقف بعرفة وعند الجمرتين، وروى عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يرفع يديه حتى يبدو ضبعاه، وفى مصنف ابن أبى شيبة: كان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقنت بنا بعد الركوع ويرفع يديه حتى يبدو ضبعاه، وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنهما كانا يرفعان أيديهما إلى صدورهما، فعلى هذا: يستحب أن يمسح يديه على وجهه عند الفراغ من الدعاء لما روى ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى ﷺ قال: إذا دعوت فادع الله ببطون كفيك ولاتدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح راحتيك على وجهك انتهى، قال ابن الصباغ ولايمسح بيديه على غير وجهه من جميع بدنه فإن فعل ذلك كان مكروهًا.

(البيان فى مذهب الامام الشافعى: ۲/۲۵۶)

حاشیتان علی کنز الراغبین شرح منہاج الطالبین میں ہے:

ويسن القنوت فى اعتدال ثانية الصبح وهو اللّٰهمّ اهدنى فيمن هديت الخ للاتباع.

رواه الحاكم فى المستدرك عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله إذا رفع رأسه من الركوع فى صلاة الصبح فى الركعة الثانية رفع يديه فيدعو بهذا الدعاء: اللّٰهمّ اهدنى إلى آخر ما تقدم لكن لم يذكر "ربنا" وقال: صحيح، ورواه البيهقى عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا دعاء ندعو به فى القنوت من صلاة الصبح فذكر ما تقدم، وفى رواية له كان ﷺ يقنت فى صلاة الصبح وفى وتر الليل بهؤلاء الكلمات فذكر ماتقدم والصحيح سنّ الصلاة على رسول الله وفى آخره رواها النسائى فى قنوت الوتر الذى علّمه

النبی ﷺ الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فالحق به قنوت الصبح والصحیح سنّ رفع یدیه فیه لما تقدم من حدیث الحاکم والثانی قاسه علی غیره من أدعیة الصلاة.

(حاشیتان علی کنز الراغبین: ۱/۲۴۳)

قال عماد ذکی البارودی فی تعلیقه علی حاشیتیه علی کنز الراغبین فی حدیث الحاکم: "لم أقف علیه عند الحاکم". (حاشیتان علی کنز الراغبین: ۱/۲۴۳)

حنابلہ کا مذہب:

المغنی میں ہے:

فیرفع یدیه فی حال القنوت،قال الأثرم: کان أبوعبد الله یرفع یدیه فی القنوت إلی صدره واحتج بأن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفع یدیه فی القنوت إلی صدره وروی ذلك عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبه قال إسحاق وأصحاب الرأی ولنا قول النبی ﷺ: إذا دعوت الله فادع ببطون کفیك ولا تدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهك رواه أبوداؤد وابن ماجة، ولأنه فعل من سمیناهمن الصحابة، وإذا فرغ من القنوت فهل یمسح وجهه بیدیه؟ فیه روایتان: أحداهما لایفعل لأنه روی عن أحمد أنه قال: لم أسمع فیه بشیء ولأنه دعاء فی الصلاة فلم یستحب مسح وجهه فیه کسائر دعائها. الثانیة: یستحب للخبر الذی روایناه وروی السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ کان إذا دعا رفع یدیه ومسح وجهه بیدیه ولأنه دعاء یرفع یدیه فیه فیمسح بهماوجهه کما لو کان خارجًا عن الصلاة وفارق سائر الدعاء فإنه لایرفع یدیه. (المغنی: ۱/۷۸۶)

ان مستدلال وروایات کا جواب:

مذہبِ احناف کے مطابق ان روایات کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مراد ابتداء ہی میں اٹھانا ہے یعنی دعاءِ قنوت کے لئے رفع یدین کرلے پھر ہاتھوں کو باندھ لے اٹھائے رکھنا مراد نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو محیط برہانی میں ہے:

وفی آثار أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: یرفع یدیه فی تکبیرات القنوت کما یرفع فی افتتاح الصلاة ثم یضعهما ویدعو وهذا قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ.

قال الشیخ الإمام أبوعبد الله الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ: قد صرّح بوضع الیمنی علی الشمال.

(المحیط البرهانی: الفصل الثالث عشر، التراویح والوتر، ۲/۲۷۱)

شامی میں ہے:

ویکبر قبل رکوع ثالثته رافعًا یدیه کما مر ثم یعتمد، وفی الشامی: قوله ثم یعتمد أی یضع یمینه علی یساری کما فی حالة القراءة. (الشامی: ۲/٦)

نیز شیخ عز بن عبدالسلام شافعی فرماتے ہیں کہ قنوتِ وتر میں رفع یدین مستحب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی موصلہ میں ہے:

ولایستحب رفع الیدین فی القنوت، کمالایرفع فی دعاء الافتتاح، ولافی الدعاء بین السجدتین، ولم یصح فی ذلك حدیث، وکذا لایرفع الیدان فی الدعاء إلافی المواطن التی رفع فیها رسول اللّٰه ﷺ یدیه. واللّٰه اعلم.

(الفتاوی الموصلة: ص ۳٤، للشیخ العز بن عبدالسلام الشافعی رحمه الله تعالیٰ دارالفکر، بیروت)

فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان

قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے:

سوال: کتبِ فقہ میں قنوتِ نازلہ کے کیا الفاظ مرقوم ہیں؟ اور کیا پڑھنا چاہئے جو چاہے پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: عام طور پر شامی میں مرقوم دعا معمول ہے اسی کو پڑھنا چاہئے، ہاں مناسب الفاظ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر وہی ہے جو شامی میں ہے کبھی کبھی طویل الفاظ مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بن جاتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دوسری رکعت سے قومہ لمبا ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اللّٰهم اهدنی اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات. وألّف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل عليهم بأسك الذى لايرد عن القوم المجرمين. (شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ۲/ ۶، باب الوتر والنوافل، سعید)

نورالایضاح میں ہے:

اللّٰهم اهدنا بفضلك فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شرماقضيت إنك تقضى ولايقضى عليك إنه لايذل من واليت و لايعزمن عاديت تباركت ربنا وتعاليت وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

(نورالایضاح: ۹۵ باب الوتر، مجددیة ملتان)

مراقی الفلاح میں ہے:

اللّٰهم اهدنى فيمن هديت وعافنى فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شرما قضيت إنك تقضى ولايقضى عليك وإنه لايذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت وحسنه الترمذى. (رواه أبو داؤد فى كتاب الوتر باب القنوت فى الوتر والترمذى فى كتاب الوتر باب ما

جاء فی قنوت الوتر وقال هذا حدیث حسن لانعرفه الامن هذا الوجه وابن ماجة فی کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها باب ماجاء فی القنوت فی الوتر والدارمی فی کتاب الصلاة باب الدعاء فی القنوت والنسائی فی کتاب قیام اللیل باب الدعا فی الوتر) وزاد البیهقی بعد والیت ولایعزمن عادیت وزادالنسائی بعد وتعالیت وصلی اللّٰه علی النبی فهو کما تری بصیغة الإفراد فیه وفی المروی عنه ﷺ حال دعائه فی قنوت الفجر لماکان یفعله، قال الکمال بن الهمام لکنهم أی المشایخ لفقوه من حدیث فی حق الإمام عام لایخص القنوت فقالوه بنون الجمع أی اللّٰهم اهدناوعافنا وتولنا إلی آخره انتهی، قلت: ومنهم صاحب الدرر والغرر والبرهان.

(مراقی الفلاح: ۱٤۳، باب الوتر وأحکامها، مکة المکرمة)

قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھ لیں اگر امام مسنون کے ساتھ دوسری دعاؤں کا بھی اضافہ کیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دعاءِ قنوت میں منقول دعا کے علاوہ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں، ہاں دنیوی دعاؤں کے مشابہ نہ ہوں مثلاً یا اللہ فلاں جگہ سونے کی کان عطا کردے یا فلاں لڑکی سے نکاح کا انتظام فرمادے، شامی میں یہ دعا منقول ہے:

اللّٰهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات. وألّف بین قلوبهم، وأصلح ذات بینهم، وانصرهم علی عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن کفرة الکتاب الذین یکذبون رسلك ویقاتلون أولیائك، اللّٰهم خالف بین کلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل علیهم بأسك الذی لایرد عن القوم المجرمین. (شامی: ۲/٦، باب الوتر والنوافل، سعید)

اور اس سے ملتی جلتی دعا علامہ خوارزمی نے کفایہ شرح ہدایہ میں ۱/۳۷۹ پر نقل فرمائی۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما دعاء القنوت: ولیس فی القنوت دعاء موقت کذا ذکر الکرخی فی کتاب الصلاة لأنه روی عن الصحابة أدعیة مختلفة فی حال القنوت، ولأن الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاج إلی إحضار قلبه وصدق الرغبة منه إلی اللّٰه تعالی فیبعد عن الإجابة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۳، سعید)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے یہ باتیں مفہوم ہوئیں:

(۱) قنوت میں مخصوص دعا ضروری نہیں۔

(۲) صحابہ سے مختلف دعائیں مروی ہیں۔

(۳) مخصوص دعا پڑھنے کی عادت کی وجہ سے کبھی خشوع اور توجہ نہیں رہتی بلکہ معنی کی طرف کبھی خیال بھی نہیں جاتا۔

ہاں قنوتِ وتر میں احناف کے ہاں "اللّٰھم إنانستعینك" پڑھنا مسنون ہے، اس کے ساتھ دوسری دعا پڑھ لے تو درست ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وقال بعض مشائخنا المراد من قوله ليس فی القنوت دعاء موقت ما سوى قوله اللّٰهم إنانستعينك لأن الصحابة اتفقوا على هذا فی القنوت. والله اعلم۔ (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۲، سعید)

قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے صرف تیس دن تک پڑھنا چاہئے یا اس سے زیادہ؟ کب اور کس وقت؟ کیا عشاء کی چوتھی رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنا چاہئے اور تیس دن کی کوئی تحدید نہیں جب تک مصیبت و بلا عام ہو وہاں تک پڑھیں اور فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھیں، نیز عشاء کی چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام فی الجهرية وقيل فی الكل. وفی الشامی: قال فی الصحاح: النازلة الشديدة من شدائد الدهر، ولاشك أن الطاعون من أشد النوازل أشباه (قوله فيقنت الإمام فی الجهرية) يوافقه مافی البحر والشرنبلالية عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر، وهو قول الثورى وأحمد، وكذا مافی شرح الشيخ إسمعيل عن الغاية: قنت فی صلاة الفجر، ويؤيده مافی شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أى شرعية القنوت فی النوازل مستمرة وهوصريح فی أن القنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصوات الجهرية أو السرية.

(شامی: ۲/۱۱، باب الوتر، سعید)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قوله يوافقه ما في البحر) قال العلامة ط والسندي ماوقع في بعض نسخ البحر والإمداد عن الغاية إن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر فهو تحريف من النساخ وصوابه الفجر. (تقريرات الرافعي: ۸۸/۲، سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوتِ نازلہ پڑھیں امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں، قنوتِ نازلہ کسی مصیبت کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

(کفایت المفتی: ۴۴۲/۳، دار الاشاعت)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

آقائے دو جہاں رحمۃ للعالمین ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی عام اور دیگر عالمگیر مصیبت نازل ہو جائے مثلاً غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے حملہ اور تشدد ہونے لگے اور دنیا کے سر پر خوفناک جنگ چھا جائے یا دیگر بلاؤں اور بربادیوں اور ہلاکت خیز طوفانوں میں مبتلا ہو جائے، تو ایسی مصیبت کے دفعیہ کے لئے فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے اور جب تک وہ مصیبت دفع نہ ہو جائے یہ عمل برابر جاری رہتا تھا، لہذا جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانے تک قنوتِ نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/ ۲۹۵، کتاب الصلاۃ قنوتِ نازلہ، مجددیہ)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا مطلب:

سوال: فجر کی نماز میں جب مسلمان مشکل میں پڑ جائیں تو قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو منسوخ کہتے ہیں ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو قول مروی ہیں:

(۱) قنوت فی الفجر منسوخ ہے۔ (۲) ثابت ہے۔

دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ سخت مصیبت میں جائز ہے اور عام لڑائی میں جائز نہیں یا یہ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "لا بأس" بہ کا مطلب یہ ہے کہ مسنون نہیں اگرچہ جائز ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں ہے۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

فثبت بماذكرنا أنه لاينبغى القنوت فى الفجرفى حال الحرب ولاغيره قياسًا ونظرًا على ماذكرنامن ذلك وهذا قول أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى.

(شرح معانى الآثار: ١/ ١٨٠،باب القنوت فى صلاة الفجروغيرها،فيصل)

نثر الازھار علی شرح معانی الآثار میں ہے:

وليعلم أن كلام المصنف رحمه الله تعالى صريح فى نسخ القنوت فى غيرالوترسواء كان لنازلة أو غيرهاوالمصرح فىْ كتب المذهب جوازه عند النازلة وذكروه عن المصنف رحمه الله تعالى أيضًا. (نثر الأزهارعلى شرح معانى الآثار: ١/ ٤٧١)

امانی الاحبار میں ہے:

والظاهرمن كلام الطحاوى أن أباحنيفة رحمه الله تعالى وصاحبيه رحمهما الله تعالى لايقولون بالقنوت فيما سوى الوترمطلقًا وذكر أئمتنا الثلاثة أنهم قالوا لاقنوت فى الفجرأصلاً لكن ذكر غير واحد عن الإمام المصنف رحمه الله تعالى لابأس بالقنوت إن وقعت بلية وعلى هذا فمشروعية القنوت للنازلة مستمرة لمرينسخ كما صرح الشيخ ابن الهمام وغيره وعلى هذا مشى الشامى وغيره وقد تقدم الجمع بين ما أثبته المصنف رحمه الله تعالى ههنا وبين ماذكروه عن المصنف رحمه الله تعالى من ثبوت القنوت فى النازلة بأنه لايشرع لمطلق الحرب وإنما يشرع لبلية شديدة. (امانى الأحبار: ٤/ ٥٩)

شامی میں ہے:

لكن فى الأشباه عن الغاية: قنت فى صلاة الفجر، ويؤيده ما فى شرح المنية حيث قال بعدكلام: فتكون شرعيته: أى شرعية القنوت فى النوازل مستمرة،وهومحمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلوة والسلام،وهومذهبنا وعليه الجمهور، وقال الحافظ أبوجعفرالطحاوى رحمه الله تعالى: إنما لايقنت عندنا فى صلاة ألفجرمن غيربلية،فإن وقعت فتنة أوبلية فلابأس به، فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم. (شامى: ٢/ ١١،مطلب فى القنوت للنازلة، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (امانى الاحبار: ٤/ ٥٩۔ وعمدة القارى: ٥/ ٢٣٩، ٢٤١، باب القنوت قبل الركوع وبعده۔ وشرح فتح القدير: ١/ ٤٣٤، باب صلاة الوتر، دارالفكر۔ ومراقى الفلاح مع الطحطاوى: ٣٧٧، باب الوتر، قديمى)۔

نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں امام صاحب جب دعاءِ قنوت پڑھتے ہیں تو اس وقت ہاتھ باندھنا چاہئے یا لٹکانا چاہئے؟

الجواب: اس بارے میں مذہب احناف میں دونوں کی اجازت ہے ایک دوسرے کو ملامت نہیں کرنا چاہئے ہاں ہاتھ لٹکانے پر تعامل ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ثم الاعتماد سنة القيام عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى و أبى يوسف رحمه الله تعالى حتى لا يرسل حالة الثناء و الأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه و مالا فلا هو الصحيح فيعتمد فى حالة القنوت و صلاة الجنازة و يرسل فى القومة و بين تكبيرات الأعياد.

(هداية: ۱/ ۱۰۲، باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد رحمه الله تعالى أنه سنة القراءة قال الفضلى: إن السنة فى صلاة الجنازة وتكبيرات العيد والقومة التى بين الركوع والسجود وهو الإرسال والصحيح ما قاله شمس الأئمة الحلوانى وهو الذى أشار إليه فى الكتاب أن كل قيام فيه ذكر مسنون، فالسنة فيه الاعتماد كما فى حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة، وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الإرسال فيرسل فى القومة عن الركوع وبين تكبيرات الأعياد وبه كان يفتى شمس الأئمة السرخسى رحمه الله تعالى وبرهان الأئمة رحمه الله تعالى والصدر الشهيد رحمه الله تعالى، وذكر فى فتاوى قاضيخان: وكما فرغ من التكبير يضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة، وكذا فى تكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة والقنوت ويرسل فى القومة.

(شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱/ ۲۸۷، باب صفة الصلاة۔ وكذا فى البحر الرائق: ۱/ ۳۰۸۔ والشامى: ۱/ ۴۸۷ و ۲/ ۹، باب الوتر، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے اس لئے احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۱۹۲، مسائل قنوتِ نازلہ، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی:۳/۴۴۱، کتاب لصلاۃ قنوتِ نازلہ، دارالاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ:۷/۱۷۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من صلّٰی فی یوم ثنتی عشرة رکعة بنی اللّٰہ له بیتًا فی الجنة"﴾

(مصنفِ عبدالرزاق)

باب.....﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

باب.....۹

سنن اور نوافل کا بیان

سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم:

سوال: ظہر کی سنت بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظہر کی سنت بیٹھ کر ادا کرنا بغیر عذر کے بھی جائز اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعدًا مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله فلایستثنی من جواز النفل جالسًا بلاعذر شیء علی الصحیح (قوله یجوز النفل قاعدًا) مطلقًا من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر. والله اعلم.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۴۰۲، فصل فی صلاة النفل جالسًا، قدیمی۔ وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹۲)

نفل نماز کے فاسد ہوجانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نفل کھڑے ہوکر شروع کی پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اب اس کو بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز شروع کرنے سے لازم اور واجب ہوجاتی ہے لہٰذا اب اس کا حکم واجب کا ہے، تو صورتِ مسئولہ میں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ویتنفل المقیم راکبًا أی بلا عذر واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه کالوتر والنذور ومالزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة فلایجوز علی الدابة بلاعذر

لعدم الحرج كمافى البحر.

(شامی: ۱/۲۳۲، سعید۔ وهكذا فى غمزعيون البصائر شرح الأشباه والنظائر۔ وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۴۰۲، قديمى)

امدادالفتاح میں ہے:

لا يصح على الدابة صلاة الفرض ولاالواجبات كالوتر والمنذور وما شرع فيه نفلاً فأفسده. والله اعلم. (امداد الفتاح: ۴۵۲، بيروت)

فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت نماز اور فرض نماز بغیر وضو کے پڑھی یاد آنے کے بعد جب قضا کرے گا تو سنت کی قضا کرے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر وقت ہی میں یاد آ گیا اور وضو کر کے پڑھنا چاہتا ہے تو سنن بھی دوبارہ پڑھ لے اور اگر بعد از وقت قضا کرنا چاہتا ہے تو قضا فقط فرائض کی ہے سنن کی قضا نہیں ہے صرف فجر کی سنت فرض کے ساتھ قضا کر سکتا ہے زوال سے پہلے۔

ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت صلى رسول الله ﷺ العصر ثم دخل بيتى فصلى ركعتين فقلت: يارسول الله صليت صلاة لم تكن تصليها قال: قدم على مال فشغلنى عن ركعتين كنت أصليها بعد الظهر فصليتها الآن قلت: يارسول الله أفنقضيها إذا فاتتا قال: لا.

(شرح معانى الآثار للامام الطحاوى رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۲۴۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت کے بعد سنن کی قضا نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فنقول بالله التوفيق لاخلاف بين أصحابنا فى سائر السنن سوى ركعتى الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لاتقضى سواء فاتت وحدها أومع الفريضة لما روت أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن النبى ﷺ دخل حجرتى بعد العصر وأما سنة الفجر فإن فاتت مع الفرض تقضى مع الفرض استحسانًا لحديث ليلة التعريس فإن النبى ﷺ لما نام فى ذلك الوادى ثم استيقظ بحر الشمس فارتحل منه ثم نزل وأمر بلالاً

فأذن فصلى ركعتى الفجر ثم أمره فأقام فصلى صلاة الفجر وأما إذا فاتت وحدها لاتقضى عند أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ و أبى يوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۷، سعيد)

امدادالفتاح میں ہے:

حكم قضاء الصلاة المسنونة: ولم تقض سنة الفجر إلا بفرائضها مع الفرض إلى الزوال سواء قضى الفرض بجماعة أو منفرداً فإنه يصلى السنة ثم يقضى الفرض والقياس أن لاتقضى السنة لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعًا للفرض: وما روى أنه عليه السلام "قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس" فيبقى ماروا ه على الأصل فلا تقضى وحدها قبل طلوع الشمس اتفاقًا وتقضى بعده قبل الزوال تبعًا اتفاقًا وأما غيرها من السنن فلا تقضى تبعًا لا فى الوقت على الصحيح. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ۲، ۵۰، حكم قضاء الصلاة المسنونة، بيروت)

سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت یا نفل نماز بغیر وضو کے پڑھی تو "لزم النفل بالشروع" کی وجہ سے قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قضاء واجب نہیں ہے، اور "لزم النفل بالشروع" کا مطلب یہ کہ شروع کرنا صحیح ہو پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اور صورتِ مسئولہ میں بغیر وضو کے شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أصحابنا إذا شرع فى التطوع يلزمه المضى فيه ثم الشروع إنما يكون سبب الوجوب إذا صح فأما إذا لم يصح فلا حتى لو شرع فى التطوع على غير وضوء أو فى ثوب نجس لايلزمه القضاء. والله اعلم. (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع: ۱/۲۹۱، سعيد كمپنى)

عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عصر کی سنتِ قبلیہ شروع کی پھر جماعت شروع ہونے کی وجہ سے توڑ دی تو عصر کے بعد پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: عصر کے بعد پڑھنا مکروہ ہے مکروہ اوقات کے علاوہ میں قضا کرنا صحیح ہے لیکن اگر کسی نے کرلی

تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی یعنی ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح النافلة فی وقت مستحب ثم أفسدها أوفسدت لايقضيها فيما بعد العصر قبل الغروب أوبعد طلوع الفجرقبل ارتفاع الشمس أی يكره أن يقضيها ولو قضاها فيهما تسقط عنه وتصح مع الكراهة. والله اعلم.

(شرح منية المصلى: ٢٤٤، سهيل اكيڈمی لاهور۔ وكذا فی الدرالمختار مع رد المحتار: ١/٣٧٤، سعيد۔ وكذا فی حاشية الطحطاوی على الدر: ١/٢٩٩)

فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کسی کے پیچھے پڑھ لی اس کے بعد دوسری جگہ کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو یہ شخص اس کے پیچھے ظہر کی سنت ادا کر سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ خروج عن العہدۃ کے لئے مطلق نیت کافی ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ثم اعلم أن ما ذكره المصنف هنا مخالف لما قدمه فی شروط الصلاة بقوله وكفی مطلق نية الصلاة لنفل وسنة وتراويح، وذكر الشارح هناك أنه المعتمد، ونقلنا هناك عن البحر أنه ظاهر الرواية وقول عامة المشايخ وصححه فی الهداية وغيرها، ورجحه فی الفتح ونسبه إلى المحققين. قلت: فعلى هذا يصح الاقتداء فی التراويح وغيرها بمفترض وغيره، ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية تأمل. والله اعلم.

(شامی: ١/ ٥٩٠ باب الامامة، سعيد كمپنی)

مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک مباح ہے اور شوافع کے دو قول ہیں: (۱) مستحب (۲) مباح، مالکیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ ہے اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے مگر سنت نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب: وأقره فى البحر والمصنف وفى الشامى: (قوله وحرر إباحة ركعتين) فإنه ذكر أنه ذهبت طائفة إلى ندب فعلها، وأنه أنكره كثير من السلف وأصحابنا ومالك واستدل لذلك بماحقه أن يكتب سواد الاحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفى المندوبة، أم ثبوت الكراهة فلا إلا أن يدل دليل آخر وما ذكر من استلزم تأخير المغرب فقد قدمنا عن القنية استثناء القليل، والركعتان لايزيد على القليل إذ تجوز فيهما.

(الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۱٤، باب الوتر والنوافل، سعيد۔ وكذا فى تبيين الحقائق: ۱/۸۷، مكروهات الصلاة، امدادية ملتان۔ وكذا فى فتح القدير: ۱/٤٤٥، باب النوافل۔ والفتاوى الهندية: ۱/۵۲)

شرح المہذب میں ہے:

فرع فى استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران فى طريقة الخراسانيين (الصحيح) منهما الاستحباب لحديث عبد الله بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ.

(شرح المهذب: ٤/۸ باب صلاة التطوع، دارالفكر۔ وكذا فى روضة الطالبين: ۱/۳۲۷، فى صلاة التطوع، المكتبة الاسلامى۔ وكذا فى حاشية الجمل: ۱/٤۸۱، باب فى صلاة النفل، دارالفكر)

فتح الباری میں ہے:

وادعى بعض المالكية نسخها فقال: إنما كان ذلك فى أول الأمر حيث نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس الخ.

(فتح البارى: ۲/۱۰۸، كتاب الاذان باب كم بين الاذان والاقامة۔ وفى مواهب الجليل: ۲/٤۱۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

المغنی میں ہے:

ركعتان قبل المغرب بعد الأذان فظاهر كلام أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ: أنهما جائزتان وليستا سنة الخ. والله اعلم. (المغنى لابن قدامة: ۱/۷٦٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے اور بعض کتابوں میں حدیث مذکور ہے لیکن کتبِ حدیث میں یہ روایت نہیں ملتی، البتہ ایک عمومی حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں مثلاً آنحضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، پھر اس حدیث سے مطلق نماز مراد ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول کے مطابق کہ رات کی نماز چار رکعت ایک تحریمہ سے پڑھنا افضل ہے اس وجہ سے فقہاء نے چار رکعتیں مستحب قرار دی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اختیار ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه عليه السلام قال: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة ثم قال فى الثالثة: لمن شاء". (رواه البخارى: ١/ ٨٧، باب بين كل اذانين صلاة، قيصل)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب أربع قبل العشاء لماقاله فى الاختيار شرح المختار: يستحب أن يصلى قبل العشاء أربعًا وقيل: ركعتين، وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا "أنه عليه السلام كان يصلى قبل العشاء أربعًا ثم يصلى بعدها أربعًا ثم يضطجع".

(امداد الفتاح: ص ٤٢٨، بيروت۔ وكذافى الاختيار ١/ ٧٢، باب النوافل، بيروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وأما الأربع قبل العشاء فلم يذكر فى خصوصها حديث لكن يستدل له بعموم مارواه الجماعة من حديث عبداللّٰه بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه عليه السلام قال: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة ثم قال فى الثالثة: لمن شاء" فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ لأنها الأفضل عنده فيحمل عليها لفظ الصلاة حملاً للمطلق على الكامل ذاتًا ووصفًا. واللّٰه اعلم.

(شرح منية المصلى: ص ٣٨٥، سهيل)

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے نیز اکابرین کے مختلف فتاوی میں بھی مذکور ہے، البتہ کتب فقہیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے "إذا صح الحديث فهو مذهبى" لہٰذا اس کی بنا پر وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے دائرۂ مذہب سے خارج نہیں ہوگا بلکہ عینِ مذہب پر عمل ہوگا چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف میں ہے:

عن أبی سلمة قال: سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن صلاة رسول اللّٰه ﷺ فقالت: كان يصلى ثلاث عشرة ركعة ثم يصلى ثمانى عشرة ركعة ثم يوتر ثم يصلى ركعتين وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلى ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح.

(رواه مسلم: ۱/۲۵٤)

بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ كان يصلى بعد الوتر الركعتين وهو جالس.

(السنن الكبرى للبيهقى: ۳/۳۳، دار المعرفة)

مزید ملاحظہ فرمائیں: (بخاری شریف: ۱/۱۵۵۔ باب المداومة على ركعتى الفجر۔ مسلم شریف: ۱/۲۵٦۔ وابو داود شریف: ص ۱۹۰۔ جامع ترمذی شریف: ۱/۱۰۸۔ وابن ماجه شریف: ص ۸۳۔ ومسند امام احمد بن حنبل: ٦/۲۹۸/۲٦۵۹۵۔ ودارقطنی: ۲/۳۷۔ ومؤطا امام محمد: ص ۱٤۸)۔

معارف السنن میں ہے:

والركعتان بعد الوتر لم يروعن أبى حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعى رحمہ اللہ تعالیٰ شئ. وأنكرهما مالك رحمہ اللہ تعالیٰ، وقال أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ: لا أفعلهما ولا أمنع من فعلهما، حكاه النووى رحمہ اللہ تعالیٰ فى "شرح مسلم" و "شرح المهذب" وكذا فى "شرح المواهب" وأباحهما الأوزاعى رحمہ اللہ تعالیٰ وحكى عن أبى الحسن الآمدى رحمہ اللہ تعالیٰ: أنهما من السنن الراتبة، وذكر أنه أوصى بهما خالد بن معدان، وكثير بن مرة الحضرمى، وفعلهما حسن.

(معارف السنن: ٤/۲۰۵، بيان المذاهب فى الركعتين بعد الوتر جالسًا، سعيد)

شامی میں ہے:

وفى حاشية البحر للخير الرملى: رأيت فى كتب الشافعية أنه قد سن الأذان لغير الصلاة وعند تغول الغيلان: أى عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه. أقول: ولا بعد فيه عندنا، أى لأن ما صح فيه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ينص عليه، لما قدمناه فى الخطبة عن الحافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ والعارف الشعرانى رحمہ اللہ تعالیٰ عن كل من الأئمة أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبى.

(الشامى: ۱/۳۸۵، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان فى غير الصلاة، سعيد۔ شرح عقود رسم المفتى: ص ۱۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

وتر کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/۲۲۰، مسائل سنن غیر مؤکدہ، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۳۵۔ وکفایت المفتی: ۳/۳۱۸۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۲۲۴۔ وفتاوی رحیمیہ: ۳/۲۴)۔

اشکال اور جواب:

اشکال: "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا" کی حدیث کے ساتھ رکعتین بعد الوتر والی روایت کا تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(۱) "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا" کا حکم استحباب پر مبنی ہے اور رکعتان بعد الوتر جواز کے لئے ہے۔

(۲) یہ دو رکعتیں وتر کی تکمیل کے لئے ہیں۔

(۳) رات کی آخری نماز وتر کو رکھو مغرب اور عشاء پہلے ہو اور وتر بعد میں۔

(۴) رات کو آخری نماز جو عشاء مع الوتر ہیں اس کا مجموعہ وتر یعنی طاق بناؤ مطلب یہ کہ وتر کو مت چھوڑو یہ بھی لازم ہے، اور وترًا نکرہ سے اس توجیہ کی تائید ہوئی کیونکہ صلاۃ وتر کے لئے معرفہ الوتر کا لفظ احادیث میں مستعمل ہے۔ واللہ اعلم۔

عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوسکتا ہے تو عشاء کے بعد دو یا چار رکعات پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد اصل میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز ہے لہذا کوشش یہی کرنا چاہئے کہ سو کر اٹھنے کے بعد اخیر شب میں پڑھے لیکن کوشش کے باوجود اٹھنا مشکل ہے یا طالبِ علم رات کو دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا ہے سونے سے پہلے دو یا چار رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے تو امید ہے کہ ثواب مل جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

ومن المندوبات صلاة الليل حثت السنة الشريفة عليها كثيرًا وأفادت أن لفاعلها أجرًا كبيرًا فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعًا وروى الطبراني مرفوعًا لابد من صلاة بليل ولو حلب شاة وما كان بعد صلاة العشاء قبل النوم. (البحر الرائق: ۲/ ۵۲، باب النوافل، الماجدية)

شامی میں ہے:

قلت: قد صرح بذلك في الحلية، ثم قال فيها بعد كلام: ثم غير خاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هي التهجد، وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في اصطلاح التطوع بعد النوم، وأيد بما في مجمع الطبراني من حديث الحجاج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد، المرء يصلي الصلاة بعد رقده" غير أن في سنده ابن لهيعة وفيه مقال، لكن الظاهر رجحان حديث الطبراني الأول لأنه تشريع قولي من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف هذا، وبه ينتفي ماعن أحمد من قوله قيام الليل من المغرب إلى طلوع الفجر أقول: الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيان لكونه وقته بعد صلاة العشاء، حتى لو نام ثم تطوع قبلها لايحصل السنة فيكون حديث الطبراني الثاني مفسرًا للأول، وهو أولى من إثبات التعارض والترجيح، لأن فيه ترك العمل بأحدهما، ولأنه يكون جاريًا على الاصطلاح، ولأنه المفهوم من اطلاق الآيات والآحاديث، ولأن التهجد إزالة النوم بتكلف مثل: تأثم أي تحفظ عن الإثم، نعم صلاة الليل وقيام الليل أعم من التهجد وبه يجاب ماورد على قول الإمام أحمد هذا ما ظهر لي. والله أعلم.

(شامي: ۲/ ۲۴، باب النوافل، سعيد كمپني۔ وهكذا في شرح منية المصلي: ۴۲۴، سهيل)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتیین جلد دوم: ۳۵۹۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۲۳۴، باب السنن والنوافل، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ تہجد باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز قصداً باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے ہاں کبھی بغیر تداعی کے ایک دو کسی کی اقتداء کرے تو گنجائش ہے البتہ مداومت مکروہ ہے افضل اور بہتر یہ ہے کہ تنہا ادا کی جائے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها وعن شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی صلاة اللیل وصح أنه صلی اللہ علیہ وسلم أم أنسًا والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقًا.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۳۸٦، باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔ وکذا فی الشامی: ۲/٤۹، کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی، سعید کمپنی۔ وکذا فی المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۸٦، باب صلاة الکسوف، ادارة القرآن)

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہوجائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولی من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفی، لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بهادون الثانی. واللہ اعلم.

(اعلاء السنن: ۷/۹۳، باب کراهة الجماعة فی النوافل، ادارة القرآن، کراچی)

تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص تہجد پڑھ رہا تھا اور فجر کا وقت داخل ہوگیا تو یہ نفل واجب الاعادہ ہے یا مستحب الاعادہ یا کیا حکم ہے؟

الجواب: تہجد پڑھتے وقت صبح صادق طلوع ہوجائے تو نماز پوری کرلے، یہ نفل صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لو صلی تطوعًا فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر فإن الأفضل إتمامها، لأن وقوعه فی التطوع بعد الفجر لاعن قصد ولاینوبان عن سنة الفجر علی الأصح.

(شامی: ۱/۳۷٤، سعید کمپنی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن صلى تطوعًا في آخر الليل فلما صلى ركعة طلع الفجر كان الإتمام أفضل..... والله اعلم. (الفتاوى الهندية: ١/٥٢)

تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھے تو کیا اسے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے نمازِ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ظاهر مامر أن التهجد لايحصل إلابالتطوع، فلو نام بعد صلاة العشاء ثم قام فصلى فوائت لايسمى تهجدًا وتردد فيه بعض الشافعية قلت: والظاهر أن تقييده بالتطوع بناء على الغالب وأنه يحصل بأى صلاة كانت لقوله في الحديث المار "وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل". (شامي: ٢/٢٤، في صلاة الليل، سعيد)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۲۶۰، باب السنن والنوافل)

تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے چار رکعات تراویح چھوڑ دی جب اس کو اخیر شب میں ادا کرتا ہے تو تہجد والا اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تہجد پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو اقتدى من يصلى سنة بمن يصلى سنة أخرى فإنه يجوز كسنة العشاء خلف من يصلى التراويح..... (البحر الرائق: ١/٣٦١، باب الامامة، الماجدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لو اقتدى من يصلى السنة بعد العشاء لمن يصلى التراويح ولو نوى سنة العشاء جاز..... والله اعلم. (الفتاوى الهندية: ١/١١٧ـ وكذا في الفتاوى الولوالجية: ١/١٧ـ وكذا في الطحطاوى على الدر المختار: ١/٢٩٦ـ وفي بدائع الصنائع: ١/٢٩٠، سعيد)

اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ رکعت کا ثبوت:

سوال: اشراق کی نماز میں فقہائے کرام دو یا چار رکعت پڑھنا تحریر فرماتے ہیں، احادیث میں دو رکعت سے زائد ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں دو رکعت سے زائد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو الترغیب والترہیب میں ہے:

روی عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من صلی الفجر ثم ذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار وأخذ الحسن بجلده فمده، رواه البیهقی۔

(الترغیب والترهیب: ۱/۱۷۸)

شعب الایمان میں ہے:

عن العلاء وأبی الجهم قالا: کان الحسن بن علی جالسًا بعد صلاة الصبح فی المسجد فأتاه رجل فدعاه وجلساء ه إلی طعام فأضرب عنه ثم دعا فدعاه فقال الحسن لجلسائه قوموا فما منعنی أن أجیبه فی المرة الأولیٰ إلا أنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "من صلی الغداة ثم ذکر اللہ عزوجل حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار" وأخذ الحسن بجلده فمده فإذا الذی دعاهم عبد اللہ بن الزبیر فلما وضع الطعام قال الحسن: إنی صائم فقال ابن الزبیر: اتحفوه بتحفة. (شعب الایمان: ۳/۴۲۰)

سنن ترمذی میں ہے:

عن أبی الدرداء وأبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ تبارك وتعالی أنه قال "ابن آدم ارکع لی أربع رکعات من أول النهار أکفك آخره".

(رواه الترمذی: ۱/۱۰۸، باب ما جاء فی صلاة الضحی، فیصل۔ وأبو داؤد: ۱/۱۸۳)

اس حدیث کو محدثین نے صلوۃ الضحیٰ کے باب میں ذکر فرماتے ہیں لیکن نمازِ اشراق کی فضیلت میں بھی ہوسکتی ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال الفقهاء والمحدثون: إن صلاة الضحی وصلاة الإشراق واحدة إن صلی بمجرد ذهاب الوقت المکروه بعد الطلوع فصلاة إشراق ولو تأخر عنه بزمان فصلاة الضحی غیر

صلاة الإشراق ويفيدهما ماروى على أن النبى ﷺ صلى الإشراق حين كانت الشمس من ههنا مقدارمايكون ههنا وقت العصر والله اعلم.

(العرف الشذى على هامش الترمذى:۱/۱۰۷،باب ما جاء فى صلاة الضحى)

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:

سوال: تحیۃ المسجد سنت ہے یا مستحب؟ اگر نوافل کا وقت نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب: تحیۃ المسجد سنت ہے لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد فرض یا سنتِ قبلیہ میں مشغول ہو گیا تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی۔

اگر مکروہ وقت ہو جس میں نوافل نہیں پڑھ سکتے تو ذکر واذکار میں مشغول ہو جائے مثلاً "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" وغیرہ۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويسن تحية) كتب الشارح فى هامش الخزائن أن هذا رد على صاحب الخلاصة حيث ذكر أنها مستحبة ثم قال: وقد حكى الإجماع على سنيتها غير أن أصحابنا يكرهونها فى الأوقات المكروهة تقديمًا لعموم الحاظر على عموم المبيح فإنه يسبح ويهلل ويصلى على النبى ﷺ فإنه حينئذٍ يؤدى حق المسجد، كماإذا دخل للمكتوبة فإنه غير مأمور بها حينئذٍ كما فى التمرتاشى قال فى النهى: وينوب عنها كل صلاة صالها عند الدخول فرضًا كانت أوسنة، وفى البناية معزيًا إلى مختصر المحيط أن دخوله بنية الفرض أو الاقتداء ينوب عنها وإنما يؤمر بها إذا دخله لغير صلاة (قوله فى الضياء) عبارته وقال بعضهم: من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد إما لحدث أولشغل أونحوه يستحب له أن يقول: سبحان الله، والحمدلله، ولاإله إلاالله، والله أكبر، قاله أبوطالب المكى فى قوت القلوب.

(شامى:۲/۱۸،۱۹،باب النوافل،سعيد)

معارف السنن میں ہے:

الصلاة هذه تسمى تحية المسجد سنة عندنا وعند الكل عبّرعنها بالسنة صاحب الدر المختار وعبّر عنها صاحب الخلاصة بأنها مستحبة وكذالك اختلف فيها كلمات المالكية والشافعية والأمر متقارب. والله اعلم. (معارف السنن:۳/۴۹۵،سعيد)

تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد میں آکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر تحیۃ المسجد پڑھ لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا بالکل جائز اور درست ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تحیۃ المسجد بھی نفل کی ایک قسم ہے اس وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا جائز اور درست ہے۔ البتہ ثواب میں کمی ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد فقال: "من صلی قائمًا فهو أفضل ومن صلی قاعدًا فله نصف أجر القائم.....

(رواه البخاری: ۱/ ۱۵۰/ ۱۱۰۵، فیصل)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعدًا مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله فلا یستثنی من جواز النفل جالسًا بلا عذر شیء علی الصحیح (قوله یجوز النفل قاعدًا) مطلقًا من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر. والله اعلم.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۴۰۲، فصل فی صلاة النفل جالسا، قدیمی۔ وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار ۱/ ۲۹۲۔ والدر المختار مع الشامی: ۲/ ۳۶، سعید)

صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کر سکتے ہیں عندالاحناف والشوافع کیا حکم ہے؟

الجواب: صلوۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا درست نہیں ہے، احناف اور شوافع دونوں کے ہاں یہی حکم ہے اس لئے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے مگر کبھی کبھی ایک دو کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی کے تو درست ہے اسی طرح تین ہوں تو بھی اصح قول کے مطابق بلا کراہت صحیح ہے البتہ چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعى بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفىٰ، لأن الأول أقرب إلى اللغة وأشبه بهادون الثانى.

(اعلاء السنن: ۹۳/۷، باب كراهة الجماعة فى النوافل، ادارة القرآن، كراچى)

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فى النفل فى غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها وعن شمس الأئمة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ أن هذا أى كراهة الجماعة فى النفل إذاكان على سبيل التداعى أى طريق يدعو الناس للاجتماع عليهم أما لواقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره لأن النبى ﷺ أم ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا فى صلاة الليل وصح أنه ﷺ أم أنسًا واليتيم والعجوز فصلى بهم ركعتين، وكانت نافلة وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه والأصح عدم الكراهة، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقًا.

(مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى: ۳۸۶، باب الوتر، قديمى كتب خانه۔ وكذا فى الشامى: ۴۹/۲، كراهة الاقتداء فى النفل على سبيل التداعى، سعيد كمپنى۔ وكذا فى المبسوط للامام السرخسى: ۸۶/۲، باب صلاة الكسوف، ادارة القرآن)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ۲۵۳/۷، باب السنن والنوافل، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی حقانیہ: ۲۶۶/۳، باب السنن والنوافل)

البجیرمی میں ہے:

تتمة: من القسم الذى لاتسن الجماعة فيه صلاة التسابيح.

(البجيرمى على الخطيب: ۸۰/۲ القول فى النوافل المؤكدة بعدالرواتب، التوفيقية)

نہایۃ المحتاج میں ہے:

ومما لاتسن فيه الجماعة وصلاة التسبيح. والله اعلم۔

(نهاية المحتاج: ۱۲۲/۲، باب فى صلاة النفل، دار الفكر)

صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق:

سوال: صلاۃ التسبیح مطول اور مختصر میں کیا فرق ہے؟ اور سند کے اعتبار سے دونوں میں کونسی زیادہ اصح ہے؟

الجواب: صلاۃ التسبیح مطول سب سے زیادہ مشہور ہے اور سند کے اعتبار سے زیادہ ٹھیک طریق عبداللہ

بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبدالعزیز پر بعض نے کچھ کلام کیا ہے اور محدثین کے مختلف نظریات ہیں بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے البتہ موضوع کہنا غلط ہے۔

اور شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: (تعلیق الالبانی علی سنن الترمذی:۲/۳۵۰/۴۸۲،بیروت۔وسنن ابن ماجة:۱/۴۴۲/۱۳۸۶،بیروت۔وسنن ابی داود:۱/۴۹۹/۱۲۰۰،بیروت)۔ لیکن اسی روایت کو صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (صحیح ابن خزیمة:۱/۱۲۱۶،باب صلاة التسبیح،المکتب الاسلامی)۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ مجموعہ طرق کی وجہ سے درجۂ حسن سے کم نہیں ہے۔

ہاں صلاۃ التسبیح مختصر سند کے اعتبار سے اصح ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مختصر میں تسبیحات کی تعداد تیس ہے اور مطول میں کل تعداد تین سو ہے، ہر رکعت میں پچھتر ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ألا أصلك ألا أحبوك ألا أنفعك قال بلی یارسول الله قال: یا عم صل أربع رکعات تقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب وسورة فإذا انقضت القراءة فقل الله أکبر والحمد لله وسبحان الله ولاإله إلاالله خمس عشرة مرة قبل أن تر کع ثم ارکع فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا ثم اسجد فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا ثم اسجد فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا قبل أن تقوم فذلك خمس وسبعون فی کل رکعة وهی ثلثة مائة فی أربع رکعات ولو کان ذنوبك مثل رمل عالج غفرها الله لك قال أبو عیسی هذا حدیث غریب من حدیث رافع عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن أم سلیم غدت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت علمنی کلمات أقولهن فی صلاتی فقال: کبری الله عشرًا وسبحی الله عشرًا واحمدیه عشرًا ثم سلی ما شئت یقول نعم نعم. وفی الباب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبدالله بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ والفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأبی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال أبو عیسی حدیث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث حسن غریب وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر حدیث فی صلاة التسبیح ولایصح منه کبیر شیء وقد روی ابن المبارك وغیر واحد من أهل العلم صلاة التسبیح ذکروا الفضل فیه.

(ترمذی شریف:۱/۱۰۹ باب ماجاء فی صلاة التسبیح،فیصل)

قال الألبانی: صحیح. (سنن ترمذی:۲/۳۵۰/۴۸۲،بیروت)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحدیث فی صلاۃ التسبیح مختلف فیه، قیل: ضعیف، وقیل: إنه حسن، وهو المختار عند جمهور المحدثین وأدرجه ابن الجوزی فی کتاب الموضوعات، وقال الحافظ ابن حجر فی أمالیه علی کتاب الأذکار للنووی أنه قد أشار ابن الجوزی حیث أدرجه فی کتاب الموضوعات و کلام الحافظ مضطرب فی الحکم علی حدیث التسبیح فإنه قال فی التلخیص إن کل الأسانید ضعیفة. (العرف الشذی علی سنن الترمذی:۱/۱۹۰،باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح)

نیز ملاحظہ ہو: (ابو داؤد شریف: ص ۱۸۳،باب صلاۃ التسبیح۔ وابن ماجه شریف: ص ۹۹، صلاۃ التسبیح۔ سنن کبری للبیهقی: ۳/۵۱، باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح۔ مجمع الزوائد: ۲/۲۸۱، باب صلاۃ التسبیح، دارالفکر)

مختصر صلاۃ التسبیح ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جاء ت أم سلیم إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یارسول الله علمنی کلمات أدعوبهن فی صلاتی قال سبحی الله عشرًا واحمدیه عشرًا و کبریه عشرًا ثم سلیه حاجتك یقول: نعم نعم. (نسائی شریف:۱/۱۹۱،باب الذکر بعد التشهد)

البانی صاحب فرماتے ہیں:

حسن الأسناد الترمذی. (صحیح و ضعیف سنن النسائی ۳/۴۴۳/۱۲۹۹،تحقیق الالبانی)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جاء ت أم سلیم إلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یارسول الله علمنی کلمات الخ..... وعلی هامشه قال الأعظمی: إسناده حسن۔

(صحیح ابن خزیمة مع الحاشیة: ۱/۴۳۰/۸۵۰، باب اباحة التسبیح والتحمید والتکبیر فی الصلاۃ، المکتب الاسلامی)

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جاء ت أم سلیم إلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: الخ.

وعلی هامشه: قال شعیب الأرنؤوط: إسناده حسن۔ (صحیح ابن حبان:۴/۲۲۹/۲۰۱۱)

مستدرک میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن أم سلیم غدت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: الخ هذا

حديث صحيح على شرط مسلم و لم يخرجاه۔ (المستدرك: ۲/۴۴۹/۸۹۳). وقال الذهبي في التلخيص:على شرط مسلم۔

لكن قال الألباني في "سلسلة الضعيفة والموضوعة": ضعيف.

(أخرجه النسائي: ۱/۱۹۱۔ والترمذي: ۱/۱۰۹۔ وابن خزيمة وقال الترمذي: حديث حسن غريب)

وقال الحاكم صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبي أقول هو كما قالا، لولا أن عكرمة بن عمار فيه ضعف من قبل حفظ كما أشار إليه الحافظ بقوله: صدوق يخطيء، وفي روايته عن يحيى بن أبي كثير اضطراب، ولم يكن له كتاب، قلت: فبحسب مثله أن يكون حسن الحديث، وأما الصحة فلا، وهذا إذا لم يخالف من هو أوثق من أحفظ،وليس الأمر كذلك هنا.

(السلسلة الضعيفة والموضوعة: ۸/۱۶۵)

قلت لايصح ماقاله الشيخ الألباني فإن عكرمة بن عمار ثقة إلا في روايته عن يحيى بن أبي كثير فهي ضعيفة لاضطرابه فيها فقد أطلق توثيقه أيوب السختياني والعجلي وابن المديني وأحمد بن حنبل وابن معين وأحمد بن صالح المصري وأبو داؤد وأبوزرعة الدمشقي وابن عمار وعلي بن محمد الطنافسي وإسحاق بن أحمد بن خلف البكاري الحافظ والدارقطني وغيرهم واجمعوا على اضطراب روايته عن يحيى بن أبي كثير وإنما تكلم منه يحيى بن سعيد القطان لأجل ذلك. (تحرير التقريب:۳/۳۲)

وهذا الحديث ليس من رواية عكرمة عن يحيى بن أبي كثير فالرواية صحيحة و كون الحديث مرسلاً بسند آخر لاينافي صحة الرواية المرفوعة. والله أعلم.

نیز محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور امت میں تعامل شروع ہو جائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

ملاحظہ ہو قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح،قال ابن عبد البر في الاستذكار لما حكى عن الترمذي أن البخاري صحح حديث البحر "هو الطهور ماءه" وأهل الحديث لايصححون مثل إسناده لكن الحديث صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول.

قلت: والقبول يكون تارة بالقول وتارة بالعمل عليه ولذا قال المحقق في الفتح و قول

الترمذی العمل علیه عند أهل العلم یقتضی قوة أصله وإن ضعف خصوص هذا الطریق.

(قواعد فی علوم الحدیث: ص ٦٠)

دوسری جگہ ہے:

وقال البیهقی کان عبد الله بن المبارك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذلك تقویة للحدیث المرفوع. (قواعد فی علوم الحدیث: ص ٦٢، دارالسلام)

بل الحدیث إذا تلقته الأمة بالقبول فهو عندنا فی معنی المتواتر. والله أعلم.

معارف السنن میں ہے:

والأحادیث المرویة فیها تجاوز العشرة: من روایة عبد الله بن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ والفضل رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأبیهما العباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأبی رافع رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأنس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وعلی بن أبی طالب رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأخیه جعفر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وابنه عبد الله بن جعفر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأم سلمة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا والأنصاری غیر مسمی وقیل: هو جابر بن عبد الله رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، وقیل أنه أبو کبشة الأنماری رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، تجدهامسرودة فی اللآلی المصنوعة، وأمثل هذه الأحادیث وأشهرها وأصحها إسنادًا حدیث ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وموسی بن عبد العزیز فیه وثقة بن معین والنسائی وابن حبان وأخرج البخاری من طریقه فی القراءة، وأخرج له فی الأدب. وحدیث أبی رافع رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ فیه موسی بن عبیدة الربذی ضعفوه، ولکن ابن حبان ذکره فی الثقات، وقال ابن سعد: ثقة ولیس بحجة، و عسی أن یصلح مثله شاهداً لحدیث ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وأقول: وحدیث عبد الله بن عمرو رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ عند أبی داؤد له طرق، وأحسنها طریق أبی داؤد، وقد حسنها المنذری فیکفی شاهدًا لحدیث ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، علا أنه قد صححه الحاکم من غیر طریق أبی داؤد أیضا، ووافقه الذهبی فی "تلخیصه" قال: هذا إسناد صحیح لاغبار علیه. وحدیث أنس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ الذی رواه الترمذی فی الباب الظاهر أنه لاعلاقة له بصلاة التسبیح کما ینبه علیه العراقی وابن حجر وغیرهما، والبقیة لا تخلو عن ضعیف وساقط، وربما أفاد قوة اجتماعها وإن کان آحادها ضعیفة، وصحة حدیث ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وحده یکاد یکون کفیلاً لصحة البقیة والله أعلم. ولاشك أن الشریعة الغراء عینت أنواعًا من الصلاة،

وكل نوع ليس له أصل في الشريعة بدعة، ومن أحدثها من غير أصل ثابت ابتدع. والحديث في صلاة التسبيح قد اختلفوا فيه. الخلاف غالبه في حديث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاغير، والأقوال فيه وفي غيره تبلغ إلى خمسة: الصحة والحسن.....

فالأول: اختاره أبوعلي بن السكن وابن خزيمة وابن مندة وأبوبكر الآجري وأبوبكر بن أبي داؤد وأبوموسى المديني والديلمي صاحب مسند الفردوس وأبوبكر الخطيب وأبو سعد السمعاني صاحب "كتاب الأنساب" وأبو الحسن بن الفضل وأبومحمد عبد الرحيم المصري شيخ المنذري وأبوالحسن المقدسي وسراج الدين البلقيني وصلاح الدين العلائي شيخ الحافظ ابن حجر البدر الزركشي، وكلهم من حفاظ الحديث وجهابذة الفن.

والثاني: ذهب إليه ابن المديني شيخ البخاري ومسلم بن الحجاج والمنذري وابن الصلاح والنووي في تهذيب الأسماء وفي الأذكار والتقي السبكي وابن حجر في أمالي الأذكار وفي الخصال المكفرة للذنوب المقدمة المؤخرة.

(معارف السنن: ٤/٢٨٤، باب ما جاء في صلاة التسبيح، سعید کمپنی)

صلاۃ التسبیح کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ تعداد کے اعتبار سے دس سے زیادہ ہیں جو درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴) حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۸) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۹) حضرت عبیداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۱۰) ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام میں اختلاف ہے۔

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور اور سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس کے علاوہ دوسری بعض احادیث کو کچھ محدثین نے ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، لیکن قدماء محدثین میں سب سے بڑے اور بہت جلیل القدر حضرات نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن قرار دیا ہے اور موضوع ہونے کا قول ان میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ درج ذیل محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

(۱) ابوعلی بن سکن رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) ابن مندہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) ابوبکر الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) ابوبکر بن ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ

(۷) ابوموسی المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) دیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۹) خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰) سمعانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۱) ابوالحسن المصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲) ابوالحسن المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۳) بلقینی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۴) علائی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۵) زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۶) البانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درج ذیل مشائخِ حدیث نے اس کو حسن قرار دیا ہے:

(۱) ابن المدینی جو امام بخاری و امام مسلم کے شیخ ہیں۔ (۲) منذری رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) نووی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ سب حضرات حدیث میں امامِ فن اور ماہرِ فن ہیں اور جن کو اس فن میں مقتدا اور امام مانا جاتا ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے والوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم:

سوال: مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھنے کو اوابین کہنے کا کیا حکم ہے؟ احادیث سے اس نماز کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور ائمہ کرام کا کیا مذہب ہے؟ آج کل عرب اس پر تنقید کرتے ہیں۔

الجواب: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات کو اوابین کہنا سلف سے منقول ہے اور اوابین کی نماز احادیث سے ثابت ہے اگرچہ احادیث ضعف سے خالی نہیں تاہم مجموعی طور پر درجۂ حسن سے کم بھی نہیں، خصوصاً فضائل

میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مسلم ہے اور فقہاءِ کرام کے یہاں بھی صلاۃ الاوابین کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلی بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيمابينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة" قال أبوعيسی: وقد روی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من صلی بعد المغرب عشرين ركعة بنی الله له بيتا فی الجنة".

(ترمذی شریف: ۹۸/۱، باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب۔ وکذا رواه ابن ماجة: ۸۱، باب ماجاء فی الست الرکعات بعد المغرب۔ وکذا رواه الطبرانی فی الکبیر: ۱۳۹/۱۹۔ والأوسط: ۸۳۱/۳۳۰/۲، من اسمه أحمد وقال: لم يروهذا الحديث عن يحيی بن أبی كثير الاعمر بن عبد الله تفرد به زيد بن الحباب۔ وكذا رواه ابن خزيمة: ۱۱۹۵/۵۸۸/۱، باب فضل التطوع بين المغرب والعشاء، المكتب الاسلامی۔ وقال الأعظمی: إسناده ضعيف۔ وكذا رواه أبويعلی فی مسنده: ۵۸۸۷/۲۷۵/۱۲۔ وكذا رواه المنذری فی الترغيب و الترهيب: ۴۰۴/۱، الترغيب فی الصلاة بين المغرب والعشاء)

حضرت مولانا شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فسمی هذه الصلاة بصلاة الأوابين فی عرف الناس ولم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضًا ضعيف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱۰۱/۱، فیصل)

اعلاء السنن میں ہے:

قلت: إخراج ابن خزيمة له فی "صحيحه" يدل على أنه ثقه عنده ويؤيده ما قال فی تهذيب التهذيب (۲۹۱/۵) وأما عبد الله (هوابن عبد الرحمن بن ثابت بن الصامت) فلم أر فيه جرحًا ولاتعديلاً، لكن إخراج ابن خزيمة له فی صحيحه يدل على أنه عنده ثقة، وجعل العلامة الحافظ السيوطی كل ما فی صحيح ابن خزيمة صحيحًا كما فی كنز العمال (۳/۱) فعلی هذا يكون الحديث صحيحًا وهومقتضی موضوع صحيح ابن خزيمة أيضًا وإن كان عند البخاری والترمذی ضعيفًا، فإن الاختلاف غير مضر فافهم.

(اعلاء السنن: ۱۹/۷، باب النوافل والسنن، ادارة القرآن)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن عماربن ياسر قال: رأيت عماربن ياسر رضی الله تعالیٰ عنه يصلی بعد المغرب ست

ركعات وقال: رأيت حبيبى رسول الله ﷺ يصلى بعد المغرب ست ركعات وقال: "من صلى بعد المغرب ست ركعات غفرت له ذنوبه وإن كانت مثل زبد البحر". رواه الطبرانى فى الثلاثة وقال:تفرد به صالح بن قطن البخارى قلت:ولم أجد من ترجمه۔

(مجمع الزوائد:۲/ ۲۳۰،باب الصلاة قبل المغرب وبعدها)

طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن يحيى قال حدثنا صالح بن قطن البخارى قال: حدثنا عثمان بن محمد بن عماربن ياسرقال: حدثنى أبى عن جدى قال رأيت عماربن ياسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلى بعد المغرب ست ركعات الخ. لايروى هذا الحديث عن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلابهذا الإسناد تفرد به صالح بن قطن. (رواه الطبرانى فى الأوسط:۸/ ۱۲۰/ ۷۲۴۱، مكتبة المعارف رياض)

لسان المیزان میں ہے:

له حديث فى صلاة عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ست ركعات بعد المغرب، وهوغريب لأنه تفرد به وأورده ابن الجوزى فى العلل وقال فى إسناده مجاهيل.

(لسان الميزان:۲/ ۲۹۵/ ۳۸۸۰ المطبوعات الاسلامى)

وذكره المنذرى فى الترغيب والترهيب:

وقال صالح هذا لايحضرنى الآن فيه جرح ولاتعديل.

(الترغيب والترهيب:۱/ ۴۰۴، الترغيب فى الصلاة بين المغرب والعشاء،بيروت)

فیض القدیر میں ہے:

"من صلى ست ركعات بعد المغرب قبل أن يتكلم غفرله ذنوب خمسين سنة". رواه ابن نصرفى الصلاة عن ابن عمربن الخطاب وفيه محمد بن غزوان قال فى الميزان:عن أبى زرعة منكر الحديث وعن ابن حبان:يقلب الأخباروير فع الموقوف۔ (فيض القدير:۶/ ۱۹۸)

الترغیب والترہیب میں ہے:

وروى عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وهذا الحديث الذى أشارإليه الترمذى. ورواه ابن ماجة من رواية يعقوب بن الوليد المدائنى عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة، ويعقوب كذبه أحمد و غيره۔

(الترغيب والترهيب: ۱/ ۴۰۴، الترغيب فى الصلاة بين المغرب والعشاء)

ترمذی شریف میں ہے:

قال أبوعيسى وقد روى عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی ﷺ قال: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتا فى الجنة".

(ترمذی شریف: ۹۸/۱، باب ما جاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب)

وروى محمد بن المنكدر مرسلاً: من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها صلاة الأوابين.

فیض القدیر میں ہے:

من صلى مابين المغرب والعشاء فإنها فى رواية فإن ذلك صلاة فى رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ (الاسراء: ۲۵) ابن نصر فى كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارك فى الرقائق.

(فیض القدیر: ۱۹۷/٦/ ۸۸۰٤ـ وكذا فى الاستذكار: ۲/ ٤۰ـ والتمهيد: ۲۳/۱۹ـ والتيسير شرح الجامع الصغير: ۸۲۷/۲)

علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث الباب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم يصح فيها حديث أى فى فضل الست والأربع والعشرين مع كثرة الأحاديث الواردة فيها، فإنها لاتخلوعن ضعيف أومجهول،وتجد هذه الروايات مجموعة فى شرح المنتقى وبعضها فى زوائد الهيثمى ولكن بضم بعضها إلى بعض يقوى حالها،وبالأخص فى باب الفضائل فإنه واسع وفضل الله أوسع وحديث الباب ضعيف والعمل به مع ضعفه.

(معارف السنن: ۱۱٤/٤، النوافل بعدالمغرب وتحقيق صلاة الأوابين،سعيد)

حیاۃ الصحابہ میں ہے:

أخرج ابن زنجويه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:إن الملائكة لتحف بالذين يصلون بين المغرب والعشاء وهى صلاة الأوابين، كذا فى الكنز: ۱۹۳/٤.

(حياة الصحابة:۳۷٦/۳، الاهتمام بالنوافل بين المغرب والعشاء، المكتبة التجارية)

لفظ "الأوابين" کا استعمال:

فیض القدیر میں ہے:

من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها فى رواية فإن ذلك صلاة فى رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى: ﴿فإنه كان للأوابين غفورًا﴾ (الاسراء:۲۵) ابن نصر فى كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضًا ابن المبارك فى الرقائق.

(فيض القدير: ۱۹۷/٦/ ۸۸۰٤ـ وكذا فى الاستذكار: ۲/ ٤۰ـ والتمهيد: ۲۳/۱۹ـ والتيسير شرح الجامع الصغير: ۸۲۷/۲)

شرح بلوغ المرام میں ہے:

ما بين المغرب والعشاء و يقولون: الصلاة فى هذا الوقت هى صلاة الأوابين.

(شرح بلوغ المرام: ١/٢٦٨ للشيخ عطيه سالم)

مرقات شرح مشکاۃ میں ہے:

قال ابن الملك عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الصلاة بين المغرب والعشاء صلاة الأوابين، رواه الترمذى. (مرقات شرح مشكاة: ٤/٢٨٣، باب السنن وفضائلها)

معارف السنن میں ہے:

قال الشيخ: التنفل بعد صلاة المغرب بست ركعات يسمى بصلاة الأوّابين فى عرف الناس، ولعله أراد رحمه الله أنه لم يثبت تسميتها صلاة الأوابين فى رواية وإن قد اشتهرت بها فى العرف، والأمر كذلك،فقد ورد فى حديث زيد بن أرقم عند أحمد و مسلم وترمذى وابن أبى شيبة وغيرها تسمية صلاة الضحى بصلاة الأوابين فقال صلی اللہ علیہ وسلم: صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال من الضحى، وفى تفسير القرطبى عن عون العقيلى قال: الأوّابون هم الذين يصلون صلاة الضحى وعزاه فى "شرح المنتقى" إلى الأصبهانى فى الترغيب عن عون غير أنه قال: سميت الصلاة ما بين المغرب والعشاء فى رواية مرسلة بصلاة الأوابين أيضًا ففى شرح المنتقى فى باب ما جاء فى الصلاة بين العشائين: روى عن محمد بن المنكدر أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال: إنها صلاة الأوابين وفى الحلبى الكبير عن المبسوط من حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين وتلا: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ وكذلك فى فتح القدير لكن لم أقف على مخرجه مع استقراء،ولابد له من أصل وإن كان ضعيفًا من جهة السند، فإذن لامانع من أن تكون هذه أيضًا صلاة الأوابين كما كانت صلاة الضحى الأوابين، وتسميتها فى الصحيح بها لاينافى تسمية غيرها بها كما يقوله شارح المنتقى ثم رأيت فى "قيام الليل" لابن نضر عن محمد بن المنكدر وأبى حازم تسميتها بصلاة الأوابين، وكذلك مرفوعًا عن ابن المنكدر بإسناد ثابت، ولعله ما أشار إليه صاحب (المنتقى) وكذا رواه عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفًا عليه.

(معارف السنن: ٤/١١٣، تحقيق صلاة الأوابين،سعيد)

مذاہبِ اربعہ میں "صلاۃ الأوابین" کا ثبوت:

مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب ست ركعات بعد المغرب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين" وتلا قوله تعالىٰ: ﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾ (الاسراء:۲۵)۔۔۔۔۔۔

(امداد الفتاح:۴۲۹ فصل فی بیان النوافل بیروت)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

وإن تنفل بعدها (بعد المغرب) بست ركعات فحسن أى مستحب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات الخ. رواه ابن خزيمة فى صحيحه والترمذى۔۔۔۔۔

(الثمر الدانی ۹۲ باب النوافل و السنن، بیروت)

مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو الاقناع میں ہے:

وصلاة الأوابين وتسمى صلاة الغفلة لغفلة الناس عنها بسبب عشاء أونوم أونحو ذلك، وهى عشرون ركعة بين المغرب والعشاء وأقلها ركعتان لحديث الترمذى.

(الاقناع: ۱۷۸/۱۔ وكذا فى اعانة الطالبين: ۱۵۱/۱۔ واسنى المطالب: ۲۱۷/۳۔ وحواشى الشروانى: ۱۱/۲)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

ويستحب التنفل بين المغرب والعشاء لماروى عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى هذه الآية ﴿تتجافى جنوبهم عن المضاجع﴾ الآية، قال: كانوا ينتفلون ما بين المغرب والعشاء يصلون، رواه أبوداؤد عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن رسول الله ﷺ قال: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتًا فى الجنة". قال أبوعيسى هذا حديث غريب۔ والله اعلم.

(المغنی: ۷۷۴/۱، التنفل بين العشاءين، دارالكتب العربية، بيروت)

قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم:

سوال: کسی نے نفل کی دو رکعت کی نیت کی اور قاعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف چلا گیا پھر چوتھی بھی ملا دی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی نے دو رکعت کی نیت کی یا چار کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ پر نہیں بیٹھا سہواً کھڑا ہو گیا تو واپس آئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے، اور اگر تیسری رکعت کے بعد یاد آیا تو چوتھی رکعت ملا کر نماز پوری کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔

شامی میں ہے:

(قوله والأصل أن كل شفع صلاة) أى فلايلزمه بتحريمة النفل أكثر من ركعتين وإن نوى أكثر منهما، وهو ظاهر الرواية عن أصحابنا بحر (قوله أوترك قعود أول) لأن كون كل شفع صلاة عليحدة يقتضى افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هو قول محمد وهو القياس. لكن عندهما لما قام إلى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلاة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الأخيرة هى الفرض وهو الاستحسان وعليه فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغى الجواز اعتبارًا بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه لأنه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الأخيرة، لأن التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها.

(شامی: ۲/۳۲، باب النوافل، سعید۔ و كذا فى مراقى الفلاح: ۱۴۹، فصل فى النوافل، مكة المكرمة)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن لم ينو أربعًا وقام إلى الثالثة يعود إجماعًا وتفسد إن يعد كذا فى البرجندى.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۴)

احسن الفتاوی میں ہے:

استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی، اور ترکِ واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہو گیا۔

(احسن الفتاوی: ۳/۴۶۳)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۷/۴۲۵، باب سجود السہو، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر کی سنت وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے پڑھ لے تو سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز استحباب کے خلاف ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے سنت ادا کرلے تو ادا ہوجائے گی، البتہ اذان کے بعد فرض سے پہلے ادا کرنا افضل اور بہتر ہے وجہ یہ ہے کہ سننِ قبلیہ فرائض کا مقدمہ ہیں تاکہ فرائض خشوع اور توجہ کے ساتھ کامل طور پر ادا ہوسکے اسی وجہ سے فرائض اور سنن کے درمیان فقہاء کلامِ دنیوی سے منع کرتے ہیں لہذا اذان کے بعد ادا کرنا چاہئے تاہم اذان سے پہلے بھی درست ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلى أربعًا بعد أن تزول الشمس قبل الظهر فقال: إنها ساعة تفتح فيها أبوب السماء وأحب أن يصعد لى فيها عمل صالح. (رواه الترمذى: ۱/۱۰۸۔ وكذا فى الشامى: ۲/۱۳۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۸۸، قديمى)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصلاة المسنونة فوقت جملتها وقت المكتوبة لأنها توابع للمكتوبات فكانت تابعة لها فى الوقت. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸٤، سعيد)

شامی میں ہے:

ثم اختلف فى الأفضل بعد ركعتى الفجر قال الحلوانى رحمہ اللہ تعالیٰ: ركعتا المغرب ثم التى بعد الظهر بخلاف التى قبلها لأنها قيل: هى للفصل بين الأذان والإقامة.

(شامى: ۲/۱٤، سعيد۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۸۸، قديمى)۔ واللہ اعلم۔

دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم:

سوال: دوسرے کو استخارہ کے لئے کہنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دو یا زیادہ سے کرائے تو کس کی رائے کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: استخارہ کا معنی خیر طلب کرنا ہے اور دعا کے لئے دوسرے کو کہہ سکتے ہیں تو طلبِ خیر بھی دعا ہے اس کے لئے بھی کہنا درست ہے، نیز جن سے قبولیتِ دعا کی زیادہ امید ہوتی ہے ان سے بھی دعا کی درخواست کی

جاتی ہے، اور اگر چند آدمیوں سے کرایا تو جس کی رائے پر عمل کریگا اسی میں خیر ہوگی ان شاء اللہ۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

قوله يعلمنا الاستخارة أى صلاة الاستخارة ودعائها وهى طلب الخيرة من قولك اختاره الله وفى النهاية: خار الله لك أى أعطاك ما هو خير لك وهو فى لسان العرب على معان منها سوال الفعل والتقدير اطلب منك الخير فيما هممت به.

(عمدة القارى: ۵/۵۲۲، دار الحديث ملتان)

فتاوی مہمہ میں ہے:

النوع السادس: التوسل إلى الله عزوجل بدعاء الرجل الصالح الذى ترجى إجابته فإن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم كانوا يسألون النبى صلی اللہ علیہ وسلم أن يدعو الله لهم بدعاء عام ودعاء خاص ففى الصحيحين من حديث أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً دخل يوم الجمعة والنبى صلی اللہ علیہ وسلم يخطب فقال: يارسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا فرفع النبى صلی اللہ علیہ وسلم يديه وقال: "اللّٰهم أغثنا ثلاث مرات فما نزل من منبره إلا والمطر يتحادر من لحيته وبقى المطر أسبوعًا كاملاً الخ (الصحيح البخارى: ۱/۱۳۷) وهناك عدة وقائع سأل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم النبى صلی اللہ علیہ وسلم أن يدعو لهم على وجه الخصوص ومن ذلك أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم ذكر أن فى أمته سبعين ألفًا يدخلون الجنة بغير حساب ولاعذاب الخ، فقام عكاشة بن محصن وقال: يارسول الله ادع الله أن يجعلنى منهم فقال: أنت منهم وأيضًا من التوسل الجائز أن يطلب الإنسان من شخص ترجى إجابته أن يدعو الله تعالىٰ له.....

(الفتاوى المهمة للشيخ محمد صالح العثيمين: ص ۵۹ ـ ومجموعة فتاوى ورسائل ابن عثيمين ۲/۲۶۶)

امداد الاحکام میں ہے:

دونوں میں خیر ہے جس پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ وہ دونوں شقیں جائز ہوں۔ واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/۶۱۶، فصل فی السنن والنوافل)

استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم:

سوال: استخارہ تین مرتبہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: استخارہ میں اصل دل کا رجحان ہے اگر خیر کی طرف میلان ایک مرتبہ میں ہوگیا تو ایک مرتبہ بھی

درست ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی نہیں ہوا تو سات مرتبہ کرلینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر إلى الذى يسبق إلى قلبك فإن الخير فيه.

(أخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة: ١٦١)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله ومنها ركعتا الاستخارة وفى البخارى فليستخر ربه سبعًا.

(طحطاوی علی الدر ١/٢٨٨۔ وكذا فى امداد الفتاح: ٤٤٠، فصل فى تحية المسجد، بيروت۔ وكذا فى شرح منية المصلى: ٤٣١، سهيل)

شامی میں ہے:

ينبغى أن يكررها سبعًا. (شامی: ٢/٢٧، باب النوافل، سعيد)

مرقات میں ہے:

قيل ويمضى بعد الاستخارة لما ينشرح له صدره انشراحًا خاليًا عن هدى النفس فإن لم ينشرح لشىء فالذى يظهر أنه يكرر الصلاة حتى يظهر له الخير قيل إلى سبع مرات.

(مرقاة شرح مشكاة: ٣/٢٠٩)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی حقانیہ: ٣/٢٦٣، باب السنن والنوافل)۔ واللہ اعلم۔

دعاءِ استخارہ میں "خرلی واخترلی" میں فرق:

سوال: دعاء استخارہ میں "خِرلی واخترلی" میں کیا فرق ہے؟

الجواب: "اللّٰھم خرلی" یعنی اے اللہ میرے لئے خیر کا فیصلہ فرمادیجئے اور "واخترلی" یعنی اس کو میرے لئے چن لیجئے۔

عن أبى بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى ﷺ كان إذا أراد أمرًا قال: "اللّٰهم خرلى واخترلى" هذا حديث غريب وهو ضعيف عند أهل الحديث.

(ترمذی شریف: ٢/١٩١، أبواب الدعوات)

تاج العروس میں ہے:

خار الله لك فى الأمر جعل لك ما فيه من الخير. (تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

ومنه دعاء الاستخارة "اللّٰهم خرلى" أى اخترلى أصلح الأمرين واجعل الخيرة فيه.

(لسان العرب:٤/٢٥٩)

"واخترلی" کے بارے میں ملاحظہ ہو:

تاج العروس میں ہے:

وبالمختار أى اخترما شئت. (تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

والاختيار: الاصطفاء وكذلك التخير. (لسان العرب:٤/٢٥٩)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

خرلى واخترلى أى اجعل أمرى خيرًا وألهمنى فعله واختر لى الأصلح.

(مجمع بحار الأنوار:٢/١٣١)

علامہ وحید الزمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لغات الحدیث میں ذکر فرمایا:

"خرلی واخترلی" میرا کام بھلا کردے اور جو میرے حق میں بہتر ہو وہی میرے لئے اختیار کر۔ (لغات الحدیث:۱/۱۵۶، باب الخاء مع الیاء، آرام باغ کراچی)

القاموس الوحید میں ہے:

مخصوص نماز کے بعد خدا سے یہ دعا کرنا کہ اس کے لئے فلاں معاملہ میں جو بات باعثِ خیر ہو اس کی رہنمائی فرمائے، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دعا منقول ہے: "اللّٰهم خرلى واخترلى".

والله اعلم. (القاموس الوحید:۱/۴۸۹، حسینیہ دیوبند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من قام إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر"﴾

(رواه البخاری)

باب.....﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

باب.....﴿۱۰﴾

نمازِ تراویح کا بیان

نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم:

سوال: تراویح مطلق نیت سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یا تراویح کی نیت ضروری ہے؟

الجواب: اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق نیت کافی ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک مطلق نیت کافی نہیں ہے لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ تراویح کی نیت کرے یا صرف سنت کی یا قیام اللیل کی تاکہ اختلاف سے نکل جائے اور بالاتفاق صحیح ادا ہو جائے۔

درمختار میں ہے:

وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط، وفى الشامى: (قوله وكفى الخ) أى بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أوسنة أوعدد (قوله على المعتمد) أى من قولين مصححين وإنما اعتمد هذا لما فى البحرمن أنه ظاهر الرواية وجعله فى المحيط قول عامة المشايخ ورجحه فى الفتح ونسبه إلى المحققين (قوله إذ تعيينها الخ) لأن السنة ماواظب عليها النبى ﷺ فى محل مخصوص فإذا أوقعها المصلى فيه فقد فعل الفعل المسمى سنة والنبى ﷺ لم يكن ينوى السنة بل الصلاة لله تعالىٰ وتمام تحقيقه فى الفتح (قوله والتعيين) أى بالنية أحوط لاختلاف الصحيح بحر.

(الدرالمختارمع الشامى: ۱/۴۱۷، سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

قوله: (ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح) وأما فى السنة والتراويح فظاهر الرواية مافى الكتاب كما فى الذخيرة والتجنيس وجعله فى الهداية هوالصحيح وفى المحيط أنه قول عامة المشايخ وفى منية المفتى وخزانة الفتاوى أنه المختار ورجحه فى فتح

القدير ونسبه إلى المحققين بأن معنى السنة كون النافلة مواظبًا عليها من النبى ﷺ بعد الفريضة المعينة أوقبلها وذكر قاضيخان فى فتاواه فى فصل التراويح اختلاف المشايخ فى السنن والتراويح والصحيح أنها لاتتأدى بنية الصلاة وبنية التطوع لأنها صلاة مخصوصة فتجب مراعاة الصفة للخروج عن العهدة وذلك بأن ينوى السنة أو متابعة النبى ﷺ، وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى ويعين قال بعضهم: يحتاج لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة.فقداختلف التصحيح فلذا قال فى منية المصلى: والاحتياط فى التراويح أن ينوى التراويح أوسنة الوقت أوقيام الليل.

(البحرالرائق: ۲۷۸/۱، كوئٹہ۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۶۵/۱۔ وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۸۱/۱۔ والبزازية على هامش الهندية: ۲۹/۴۔ وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱۹۴/۱)

سعایہ میں ہے:

فالحاصل أنه اختلف التصحيح فى هذه المسئلة فلهذا ذكرجم غفيرمن أصحابنا منهم صاحب السراجية وصاحب المنية وصاحب الظهيرية وابن الهمام وغيرهم أن الاحتياط أن لايكتفى بمطلق النية بل ينوى السنة أومتابعة الرسول ﷺ وفى فتاوى العلامة قاسم بن قطلوبغا فالاحتياط أن ينوى التراويح أوسنة الوقت فإنه أبعد عن الخلاف انتهى. والله اعلم. (السعاية: ۱۰۲/۲، سهيل)

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک حافظ صاحب ایک مسجد میں ۱۰ اور دوسری مسجد میں ۱۰ رکعات تراویح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک مسجد میں دس رکعات اور دوسری مسجد میں دس رکعات پڑھانا جائز ہے اور تراویح کی سنت ادا ہو جائے گی، ہاں ہر ایک مسجد میں ۲۰ رکعات پڑھائے تو دوسری مسجد والوں کی سنت ادا نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إمام يصلى التراويح فى مسجدين فى كل مسجد على الكمال لايجوز كذا فى محيط السرخسى والفتوى على ذلك كذا فى المضمرات والأفضل أن يصلى التراويح بإمام

واحد فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة فإن انصرف على تسليمة لايستحب ذلك في الصحيح وجازت التراويح بإمامين على هذا الوجه.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶، فصل في التراويح، بلوچستان)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد وإن في المسجدين اختلف فيه، حكى عن أبي بكر الاسكاف أنه لايجوز يعني لايجوز تراويح أهل المسجد الثاني واختاره أبو الليث.

(شرح منية المصلي: ۴۰۸، سهيل)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

امام دوجگہ تراویح پڑھائے تو تراویح ہوجاتی ہے اور اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھادے تو مفتی بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والوں کی تراویح نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۸۸، دارالاشاعت مکمل ومدلل)

ایک حافظ کا تراویح میں دوجگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: اگر ایک حافظ نے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن سنایا پھر دوسرا قرآن شروع کیا تو اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدیوں کی سنت ادا ہوجائے گی اور امام صاحب کو بھی فضیلت کا ثواب مل جائے گا۔

درمختار میں ہے:

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثًا أفضل.

(الدرالمختار: ۲/۴۶، باب النوافل۔ وكذا في البحر الرائق: ۲/۶۸، باب الوتر والنوافل، الماجدية)

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو آیا تراویح سنت ختم مذکورہ ان دونوں کے لئے ادا ہوگی یا نہیں اور ثواب پائیں گے یا نہیں؟

الجواب: ادا ہوگی خزانۃ الروایات میں ہے:

قد روى بعض أهل العلم عن كنز الفتاوى: رجل أم قومًا في التراويح وختم فيها ثم أم قومًا

آخرین له ثواب الفضيلة ولهم ثواب الختم، بعض اہلِ علم نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی تو اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ختم کا۔ واللہ اعلم، (حرره الراجي عفو ربه القوي أبو الحسنات محمد عبد الحي).

(مجموعۃ الفتاوی:۱/ ۲۷۸، کتاب الصلاۃ، آرام باغ کراچی)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۷/ ۳۱۵، فصل ثالث تراویح قرآن ختم کرنے کا بیان مبوب ومرتب۔ امداد الاحکام:۱/ ۶۲۶، فصل فی التراویح۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/ ۲۷۴، مسائل تراویح)۔ واللہ اعلم۔

امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب اگر تراویح کی نماز پڑھانے سے انکار کردے کہ میں ہمیشہ سے دوسری جگہ پڑھاتا ہوں آپ کے لئے دوسری انتظام کردوں گا تو اس پر جبر ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر امام کہے میں ہی پڑھاؤں گا تو یہ اس کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: امامِ راتب تراویح کا زیادہ حقدار ہے، لیکن اگر امام صاحب کو دوسری جگہ پڑھانا ہے تو مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اہلِ مسجد امام صاحب سے تراویح پڑھانے کا مطالبہ کریں تو امام صاحب کو مان لینا چاہئے کیوں کہ یہ بھی امامت ہی کی ایک قسم ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقًا.

(الدر المختار:۱/ ۵۵۹، سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظِ قرآن ہے اور زید بھی حافظِ قرآن ہے وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں تراویح پڑھانے کا حق مجھ ہی کو ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب بکر امام مقرر ہوگیا تو تراویح کا حق بھی اسی کو ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/ ۲۸۲، دارالاشاعت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے اگر امام نہ پڑھا سکے یا اجازت دیدے تو دوسرے حافظ کو سپرد کردینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/ ۴۲۵)

داڑھی منڈوانے والے کی امامتِ تراویح کا حکم:

سوال: داڑھی منڈوانے والے کی امامت تراویح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: داڑھی منڈوانے والا شریعت کی نگاہ فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیک صالح امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا چاہئے ہاں اگر میسر نہ ہو اور ہٹانے پر بھی قدرت نہیں ہے تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ امام کے پیچھے پڑھ لے۔

(دلائل کی تفصیل ''باب الامامت'' کے تحت گذر گئی وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔ واللہ اعلم۔

سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب کسی مسجد میں ۴۰ سال تراویح پڑھاتے ہیں بڑے با اخلاق اور لوگوں کے خیر خواہ ہیں اور کفن دفن وغیرہ کاموں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور بہت سارے مصلی حضرات ان کے شاگرد بھی ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی سنت کے مطابق نہیں رکھتے ہیں کتراتے ہیں تو اب کیا کرنا چاہئے اگر ان کو تراویح پڑھانے سے علیحدہ کردیا جائے تو مصلیوں میں انتشار کا خوف ہے لہذا کوئی حل بتائیں؟

الجواب: سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح مکروہ ہے، صورتِ مسئولہ میں حافظ صاحب دوسرے امور میں متبعِ شریعت ہے اور بڑے با اخلاق ہے تو داڑھی ایک قبضہ رکھنا بھی تو شریعت ہی کا حکم ہے اور آنحضور ﷺ کی دائمی سنت ہے لہذا حافظ صاحب سے کہا جائے کہ سنت کے مطابق رکھیں اور ایک قبضہ سے قبل نہ کتروائیں، اس سے حافظ کا اتباعِ شریعت میں اضافہ ہوگا اور حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوگا اور مصلی حضرات کی محبت و ہمدردی میں اضافہ ہوگا۔

اگر حافظ صاحب کو یہ بات منظور نہ ہو تو رہا کردیا جائے اس لئے کہ شریعت کا معاملہ مقدم ہے نیز دیگر نیکی طاعات کے قبیل سے ہے اور امامتِ تراویح عبادات کے قبیل سے ہے جو طاعات پر مقدم ہے اور تمام مصلی حضرات کی عظیم عبادت اس سے وابستہ ہے۔ دلائل ''باب الامامت'' میں گذر گئے۔ واللہ اعلم۔

نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہوکر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے رمضان المبارک میں امام کی اقتداء کی یہ سوچا کہ یہ تراویح ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نفل کی جماعت تھی تو تراویح کی رکعات ہوئی یا نہیں؟ اور نہ ہوئی تو ''لزم النفل بالشروع'' کے تحت اس کی قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور کی تراویح صحیح نہیں ہوئی، البتہ نفل نماز ہوگئی اور چونکہ نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، لہٰذا قضاء واجب نہیں ہے، ہاں تراویح دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت باقی ہو تو شرکت کرلے ورنہ انفراداً پڑھ لے، ہاں رات گذرنے کے بعد گذشتہ رات کی قضاء نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

إذا صلى التراويح مقتديًا بمن يصلى مكتوبة أو نافلة غير التراويح اختلف المشايخ منهم من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف فى النية،من قال من المشايخ إن التراويح لا تتأدى إلا بنيتها يجب أن يقول بعدم صحة الاقتداء هاهنا لما كانت لاتتأدى إلابنيتها لاتتأدى بنية الإمام وهى تخالف نيته ومن قال بأنها تتأدى من غير نيتها بل بنية مطلقة يجب أن يقول بصحة الاقتداء هاهنا ومنهم من قال لايصح قال القاضى الإمام أبو على النسفى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وهو الأظهر والأصح. (الفتاوى التاتارخانية: ١/٦٦٧)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح مقتديًا بمن يصلى مكتوبة أو وترًا أو نافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء به لأنه مكروه مخالف لعمل السلف.

(الفتاوى الهندية: ١/١١٧ـ وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٢٣٦ـ وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٤/٢٩)

بدائع الصنائع میں ہے:

فقد قال أصحابنا إذا شرع فى التطوع يلزمه المعنى فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ١/٢٩٠ـ وكذا فى الشامى: ٢/٢٩،سعيد)

نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے عشاء کے بعد تراویح اور وتر پڑھی پھر یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی تو اب تراویح اور وتر کا اعادہ ہے یا نہیں ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تراویح کا اعادہ ضروری ہے وتر کا اعادہ لازم نہیں وجہ یہ ہے کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور وتر تابع نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلاطهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لأنها تبع للعشاء هذا عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى فإن الوتر غير تابع للعشاء فى الوقت عنده والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلايعتد بما أدى قبل العشاء. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية:۱/۱۱۵،فصل فى التراويح،بلوچستان۔ وكذا فى تبيين الحقائق:۱/۱۷۸،باب الوتر والنوافل،امدادية ملتان)

عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: اگر کوئی آدمی رمضان میں مسجد میں آیا اور تراویح کی نماز ہورہی تھی اور اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو کیا وہ جماعتِ تراویح میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کے لئے جماعتِ تراویح میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے پہلے فرض نماز پڑھے پھر شرکت کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر وفى الشامية: (بعد صلاة العشاء) قدر لفظ صلاة إشارة إلى أن المراد بالعشاء صلاة لا وقتها وإلى ما فى النهر من أن المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لايصح وهو الأصح، وكذا بنائها على سنتها كما فى الخلاصة. والله اعلم. (الدرالمختار مع رد المحتار:۲/۴۴،باب الوتر والنوافل،سعيد۔ وكذا فى الفتاوى الهندية:۱/۱۱۵،فصل فى التراويح۔ و تبيين الحقائق:۱/۱۷۸،باب الوتر والنوافل)

تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شخص جماعت میں شریک نہیں وہ قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دیتا ہے اگر امام لقمہ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر امام نے لقمہ لیا تو امام اور تمام مقتدی حضرات کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أخذ الإمام بفتح من ليس فى صلاته كما فيه عن القنية. (شامى:۱/۶۲۲،باب ما يفسد الصلاة،سعيد)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولوفتح على المصلى رجل ليس فى الصلاة فأخذ المصلى بفتحه تفسد صلاته.

(خلاصة الفتاوى: ۱/۱۲۱، رشيديه)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: لوكان الإمام يقرأ القرآن وخلفه مقتد يسمعه لاعن القلب بل بالنظر فى المصحف ويفتح إمامه من المصحف ويأخذ الإمام فتحه كما جرى فى بعض البلاد فى صلاة التراويح هل تفسد صلاتهما أم لا؟

الاستبشار: تفسد صلاتهما لأن التلقن من الغير فى الصلاة مفسد ولهذا إذا كان الفاتح خارجًا من الصلاة والإمام المستفتح فى الصلاة تفسد صلاة المستفتح لأنه تلقن من الغير صرح به الزيلعى. (فتاوى اللكنوى: ص ۲۷۷، مايتعلق بمايفسدالصلاة، دارابن حزم)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۳/۵۲۴)۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: بخاری شریف میں روایت ہے کہ ذکوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مصحف میں دیکھ کر امامت فرمائی کیا اس طرح جائز ہے؟

الجواب: مذہب احناف کے مطابق قراءت من المصحف مفسدِ صلاۃ ہے چاہے فرض ہو یا نفل یا تراویح سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کا جواب:

حضرت ذکوان مصحف سے امامت کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے مراجعت کرتے تھے اور اس کو نماز میں دہراتے تھے۔

ملاحظہ شرح منیۃ المصلی میں ہے:

روى أن ذكوان مولى عائشة رضى الله تعالى عنها كان يؤم بها فى شهر رمضان من المصحف، قلنا إن صح فهو محمول على أنه كان يراجعه قبيل الصلاة ليكون بذكره أقرب.

(شرح منية المصلى: ۴۴۷ فصل فيما يفسد الصلاة۔ وكذا فى تبيين الحقائق: ۱/۱۵۹، باب يفسد الصلاة وما يكره فيها، امدادية ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما حديث ذكوان فيحمل أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ومن كان من أهل الفتوى من الصحابة لم يعلموا بذلك وهذا هو الظاهر بدليل أن هذا الصنيع مكروه بلا خلاف و يحتمل أن يكون قول الراوى كان يؤم الناس فى رمضان و كان يقرأ من المصحف إخباراً عن حالتين مختلفتين أى كان يؤم الناس فى رمضان، و كان يقرأ من المصحف فى غير حالة الصلاة إشعاراً منه أنه لم يكن يقرأ القرآن ظاهره فكان يؤم ببعض سور من القرآن دون أن يختم و كان يستظهر كل يوم ورد كل ليلة ليعلم أن قراءة جميع القرآن فى قيام رمضان ليست بفرض.

(بدائع الصنائع: ۱/۲۳۶، فصل بيان ما يفسد الصلاة، سعيد)

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصحف میں دیکھ کر امامت کرنے سے منع فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو کنز العمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نهانا أمير المؤمنين عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن نؤم الناس فى المصحف و نهانا أن يؤمنا إلاالمحتلم. ابن أبى داؤد.

(كنز العمال: ۸/۲۶۳/۲۲۸۳۷، فصل فى آداب الامام۔ و كذا ذكره الامام السيوطى رحمہ اللہ تعالیٰ فى جامع الأحاديث: ۲۸/۴۹۲/۳۱۵۶۰، مسند عمر بن الخطاب۔ و كذا فى البحر الرائق ۲/۱۰، باب ما يفسد الصلاة، الماجدية)

المصاحف میں ہے:

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن عامر بن إبراهيم عن أبيه عامر بن إبراهيم قال: سمعت نهشل بن سعيد يحدث عن الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "نهانا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن نؤم الناس فى المصحف ونهانا أن يؤمنا إلاالمحتلم. والله اعلم.

(المصاحف لابن أبى داؤد: ۲/۳۹۴/۶۵۵)

تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تراویح میں تھک جائے تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نمازِ تراویح بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدًا لايستحب بغيرعذرواختلفوا فى الجوازقال بعضهم: يجوزوهوالصحيح. (الفتاوى الهندية:١/١١٨، فصل فى التراويح)

امدادالفتاح میں ہے:

وقال قاضى خان فى أداء التراويح قاعدًا: اتفقوا على أنه لايستحب بغيرعذر واختلفوا فى الجواز قال بعضهم: لايجوزبغيرعذر وقال بعضهم: يجوزله أداء التراويح قاعدًا بغير عذر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم وفى الخلاصة: وأما صلاة التراويح قاعدًا من غير عذراختلف المشايخ فيه والأصح أنه يجوز. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ٤٤٦، فصل فى صلاة النفل جالسًا، بيروت كذا فى الشامى: ٢/١٥، باب النوافل، سعيد)

تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم:

سوال: ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنا جو تجوید کو جاننے کے باوجود بہت تیزی سے قرآن پڑھتا ہے اور تجوید کی رعایت بھی نہیں کرتا، چہ حکم دارد؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر حافظ بہت تیزی سے پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور لحنِ جلی کرتا ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، اور لحن خفی کرتا ہے تو نماز فاسد تو نہیں ہوگی مگر مکروہ ضرور ہوگی، نیز قرآن مجید کو بے پرواہی اور بغیر تجوید کی رعایت کے پڑھنا سخت گناہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

ولاينبغى للقوم أن يقدموا فى التراويح الخوشخوان (اچھی آواز والا) ولكن يقدموا الدرستخوان (صحیح پڑھنے والا) فإن الإمام إذاكان يقرأ بصوت حسن يشغل عن الخشوع والتدبروالتفكروكذا لوكان الإمام لحاناً لابأس بأن يترك مسجده.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٢٣٨، فصل فى مقدارالقراءة فى التراويح۔ وكذا فى شرح منية المصلى: ٤٠٧، سهيل۔ وكذا فى الفتاوى الهندية۔ وعلى هامشه قال: قوله: الخوشخوان معناه حسن الصوت والدرستخوان صحيح القراءة ١/١١٦)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جمال القرآن میں ہے: تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ لحن دو قسم کا ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جیسے الحمد کی جگہ الھمد پڑھ دیا، ش کی جگہ س پڑھ دیا بڑی ح

کی جگہ چھوٹی ھ پڑھ دی یا ذال کی جگہ زاء پڑھ دیا ص کی جگہ س پڑھ دیا ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ (جمال القرآن)

لہٰذا اس طرح پڑھنے والا امامت کے لائق نہیں ہے اسے لازم ہے کہ پہلے قرآن صحیح پڑھنا سیکھے تب امامت کرائے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۳۵۱، باب الامامۃ)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جب امام کی قراءت صاف اور صحیح نہیں ہے اور مقتدیوں کو سمجھ میں نہیں آتا تو ان کے لئے امامت کرنا درست نہیں، مقتدیوں کو چاہئے کہ کسی ایسے امام کا انتظام کریں جو قرآن شریف صاف اور صحیح پڑھے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۱۸۸)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۶۹۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۹، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہوجائے گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى التراويح، قال بعضهم: يحتاج لأن كل شفع منها صلاة على حدة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۲۳۷، فصل فى نية التراويح)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة إن قعد فى كل ركعتين يجوز عند الكل وإن لم يقعد فى كل ركعتين وقعد فى آخرها ففى الاستحسان على القول الصحيح يجزيه عن تسليمة واحدة كذا فى السراج الوهاج وهكذا فى فتاوى قاضيخان.

(الفتاوى الهندية:۱/۱۱۹ فصل فى التراويح۔ وكذا فى شرح منية المصلى:۴۰۵، سهيل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۳۵۴)

تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب: نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے رمضان اور غیر رمضان کی تخصیص نہیں ہاں ایک دو آدمی کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی تو بلا کراہت جائز ہے اور تین میں اختلاف ہے، علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اصح قول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے اور چار یا زیادہ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها وعن شمس الأئمة أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أمّ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی صلاة اللیل وصح أنه ﷺ أمّ أنسًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقًا.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۳۸۶، باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔ وکذا فی المبسوط للإمام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۷۶، باب صلاة الکسوف، إدارة القرآن۔ وخلاصة الفتاوی: ۱/۱۵۴، رشیدیة)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة ثم إن کان ذلك أحیانًا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحًا غیر مکروه، وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لأنه خلاف المتوارث، قلت: ویؤیده أیضا ما فی البدائع من قوله: إن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلافی قیام رمضان. فإن نفی السنیة لایستلزم الکراهة، نعم إن کان مع المواظبة کان بدعة فیکره وفی حاشیة البحر للخیر الرملی والنفل بالجماعة غیر مستحب لأنه لم تفعله الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی غیر رمضان وهو کالصریح فی أنها کراهة تنزیه تأمل.

(شامی: ۲/۴۸ باب النوافل، سعید)

لیکن مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بغیر دعوت کے چار سے زیادہ آدمیوں کے اجتماع کی گنجائش تحریر فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولى من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى،ل أن الأول أقرب إلى اللغة وأشبه بها دون الثاني. والله اعلم.

(إعلاء السنن:۷/۹۳ باب كراهة الجماعة في النوافل،إدارة القرآن كراچی)

تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ تراویح میں دو رکعت فاسد ہوگئی پھر پوری جماعت نے دوسری رات میں ۲۲ رکعت پڑھی تو اس طرح قضا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز قضا کی نیت سے دو رکعت زائد پڑھی اس میں جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نمازِ تراویح جب فاسد ہو جائے تو دوسرے دن جماعت کے ساتھ قضاء کرنا مکروہ ہے نیز جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی ختمِ قرآن میں شامل نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو قاضی خان میں ہے:

وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۲۳۶، فصل في وقت التراويح)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضاء کرنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۲۸۶، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)

قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم:

سوال: تراویح میں تیسری رکعت کے لئے بغیر قعدہ کے کھڑا ہوگیا اور واپس نہیں آیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام تیسری رکعت سے واپس نہیں آیا اور تین پر سلام پھیر دیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی دوبارہ پڑھ لے، اور اگر چوتھی رکعت ملالی تو صرف دو رکعت تراویح شمار ہوگی یعنی پہلا شفعہ صحیح نہیں ہوگا اس میں جو قراءت کی گئی اس کا اعادہ کرلیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال: إن تذکر فی القیام ینبغی أی یعود ویقعد ویسلّم وإن تذکر بعد ماسجد للثالثة فإن أضاف إلیها رکعة أخری کانت هذه الأربع عن تسلیمة واحدة.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۸ فصل فی التراویح)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن صلی ثلاث رکعات بتسلیمة واحدة فهو علی وجهین إما إن قعد فی الثانیة أولم یقعد فإن قعد جاز عن تسلیمة واحدة ویجب علیه قضاء رکعتین لأنه شرع فی الشفع الثانی بعد إکمال الشفع الأول فإذا أفسد الشفع الثانی بترك الرابعة کان علیه قضاء رکعتین، وإن لم یقعد فی الثانیة ساهیًا أوعامدًا لاشك أن فی القیاس وهوقول محمد وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ، وإحدی الروایتین عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ تفسد صلاته ویلزمه قضاء رکعتین لاغیر، وأما فی الاستحسان هل تفسد صلاته فی قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وأبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اختلفوا فیه قال بعضهم تفسد ولایجزئ عن شیء وقال بعضهم تجزئ عن تسلیمة واحدة وجه من قول أنه لا یجوز عن شیء وهو الصحیح أنه ترك القعدة المشروعة وهی القعدة علی رأس الثانیة والقعدة علی رأس الثالثة غیر مشروعة فی التطوع فصار کأنه لم یقعد أصلاً فلایجوز.

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۲۴۰ فصل فی السهو)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فیه لایعتد بما قرأ فیه ویعید القراءة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائزة وقال بعضهم یعتد بها کذا فی الجوهرة النیرة. واللہ اعلم۔

(فتاوی هندیة: ۱/۱۱۸ فصل فی التراویح)

چار رکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم:

سوال: اگر چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تو تراویح ہوئی یا نہیں؟ اور کون سے شفعہ کی قراءت صحیح ہے اور کون سے شفعہ کی تلاوت کی قضاء کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اصح قول کے مطابق قعدۂ اولیٰ نہ کرنے کی وجہ سے پہلا شفعہ فاسد ہوگیا، لہذا تلاوت بھی صحیح نہیں ہوئی، البتہ دوسرا شفعہ اور تلاوت دونوں صحیح ہیں صرف پہلے کی قضاء لازم ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وقال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى والشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى في التراويح تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني وقد أتمّها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/ ٢٤٠، فصل في السهو، رشيدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الجائزة وقال بعضهم يعتد بها كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ١/ ١١٨، فصل في التراويح)

نیز ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ٣/ ٦٧، باب الوتر والنوافل، الماجديه- وحاشية تبيين الحقائق: ١/ ١٧٩ باب الوتر والنوافل، امداديه ملتان)۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شافعی مقتدی قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیتا ہے اور حنفی امام اس لقمہ سے اپنی غلطی کی اصلاح کرتا ہے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مذہب احناف میں یہ عمل مفسدِ نماز ہے جبکہ حنفی مقتدی لقمہ دے اور شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو روضۃ الطالبین میں ہے:

ولو صلى على وجه لا يصححه والشافعي يصححه فعند القفال لا يصح الاقتداء الشافعي به، وعند أبي حامد يصح اعتبارًا باعتقاد المأموم.

(روضة الطالبين: ١/ ٣٤٧، باب صفة الأئمة، المكتب الإسلامي)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

اشترط الحنفية والشافعية أن تكون صلاة الإمام صحيحة في مذهب المأموم. فلو صلى حنفي خلف شافعي سال منه دم ولم يتوضأ بعده أو صلى شافعي خلف حنفي لمس امرأة مثلاً

فصلاة المأموم باطلة لأنه يرى بطلان صلاة إمامه وأما ماكان شرطًا فى صحة الاقتداء فالعبرة فيه بمذهب المأموم. (الفقه الإسلامى وأدلته:۲/ ۱۸۰،دارالفكر)

شامی میں ہے:

قلت: وهذا بناء على أن العبرة لرأى المقتدى وهو الأصح وقيل لرأى الإمام وعليه جماعة قوله: إن تيقن المراعاة لم يكره:أى المراعاة فى الفرائض من شروط وأركان فى تلك الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع، إنما اختلف فى الكراهة وفى رسالة الاهتداء فى الاقتداء لملاعلى القارى: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط فى موضع الخلاف وإلا لا. والله اعلم۔ (شامی: ۱/ ۵۶۳،باب الإمامة،سعيد)

تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں:

سوال: تراویح کے بعد تہجد ہے یا نہیں یا تراویح تہجد کے قائم مقام ہے؟

جواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں تراویح تہجد کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، تہجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے علیحدہ پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبى سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ فى رمضان فقالت: ماكان رسول الله ﷺ يزيد فى رمضان ولافى غيره على إحدى عشرة ركعة يصلى أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثًا..... (رواه البخارى: ۱/ ۱۵۴، باب قيام النبى ﷺ بالليل فى رمضان وغيره)

محدثین میں سے امام مسلم، امام مالک، امام عبدالرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحب بلوغ المرام، صاحب مشکاۃ ان تمام نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے لیکن تراویح کے باب میں نہیں۔

لامع الدراری میں ہے:

ومما ينبغى التنبيه له أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا لم تذكر هنا إلا ماكانت عادته فى صلاته بالليل وكان دوامه عليها فأما ماوقع أحيانًا ونادرًا كصلاته بالقوم فى رمضان ليالى فغير معترض به نفيًا

ولاإثباتًا وذلك كثير في الكلام قوله في رمضان ولافي غيره: أي في صلاته المعتادة المعروفة بالتهجد وصلاة الليل لاأنه لم يزد على ذلك أبدًا.

حاشیہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهذا أيضًا ظاهر أن التراويح صلاة مختصة برمضان والسوال كان عن صلاة تعم رمضان وغيره. (لامع الدراري: ۲/۱۸۶، باب قيام النبي ﷺ في رمضان وفي غيره)

فتح الباری میں ہے:

وفي الحديث دلالة على أن صلاته كانت متساوية في جميع السنة.

(فتح الباري: ۳/۳۳، باب قيام النبي ﷺ، دارنشرالكتب الإسلامية)

عمدۃ القاری میں ہے:

ذكر مايستفاد منه فيه أن عمله ﷺ كان ديمة في شهر رمضان وغيره وأنه كان إذا عمل عملاً أثبته ودوام عليه. (عمدة القاري: ۵/۴۹۵، باب قيام النبي ﷺ، دارالحديث ملتان)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

تہجد الگ نماز ہے جو کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی عبادت ہے تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۰، لدھیانوی)

اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ:

تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ نمازیں ہیں؟ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں صرف دونوں کی صفت اور وقت میں فرق ہے نماز ایک ہے۔ ہاں تراویح کی ۲۰ رکعت کے حضرت شاہ صاحب قائل ہیں۔

العرف الشذی علی الترمذی میں مذکور ہے:

ولم يثبت في رواية من الروايات أنه عليه السلام صلى التراويح والتهجّد على حدة في رمضان، بل طوّل التراويح، وبين التراويح والتهجد في عهده لم يكن فرق في الرّكعات بل في الوقت والصّفة أي التراويح تكون بالجماعة في المسجد بخلاف التهجد، وإن الشروع في

التراويح يكون فى أوّل الليل وفى التهجد فى آخر الليل،نعم ثبت عن بعض التابعين الجمع بين التراويح والتهجد.....

فإنه لم يثبت عنه عليه السلام ولا عن الصحابة جمعهم بين التراويح والتهجد. وأمّا ما فى مؤطا مالك أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يصلى التراويح آخر الليل فمراده أنه إذا لم يصل مع الجماعة أوّل الليل. (العرف الشذی علی الترمذی:۱/۱۶۶،دیوبند)

فیض الباری میں ہے:

وهما متحدان عند الشافعية: فإن صلاها قبل النوم سميت صلاة الليل وإن صلاها بعد ما استيقظ من نومه سميت تهجدًا، فالفرق بينهما وصفىّ، وكذا الوتر عندهم، فالوتر والتهجد وصلاة الليل كلها عندهم متحدة مصداقًا، ومتباينة مفهومًا وقلنا أما الفرق بين صلاة الليل والتهجد فكما ذكرتم، لكنّ الوتر صلاة مستقلّة. (فیض الباری:۲/۴۰۷)

دیگر اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

جمہور کے نزدیک تراویح کی نماز تہجد سے الگ اور مستقل نماز ہے اس پر کافی دلائل موجود ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی طرف کی گئی، مثلاً سننِ نسائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

قال رسول الله "إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه.

(سنن نسائی:۱/۳۰۸)

اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يرغب فى قيام رمضان من غير أن يأمرهم بعزيمة.

(مسلم شریف:۱/۲۵۹)

اور صلاۃ اللیل میں نماز کی نسبت رات کی طرف کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ہر رات کے ساتھ خاص ہے اسی طرح قیام رمضان کا مطلب ایسی نماز جو رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے اور صلاۃ اللیل یا تہجد رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس لئے یہ قیام رمضان سے الگ نماز ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد میں فرق کا ایک قرینہ اختلافِ وقت ہے، دونوں نمازوں کے وقتوں میں اختلاف ہے، تہجد کا وقت نیند سے اٹھنے کے بعد ہے اور تہجد کا اصل معنی یہی ہے: نیند سے بیدار ہونا، لہٰذا تہجد اسی نماز کو کہیں گے

جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جائے۔

علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ومن الليل فاسهر بعد نومة يا محمد بالقرآن نافلة لك خالصة لك دون أمتك، والتهجد التقيظ والسهر بعد نومة من الليل. (تفسیر طبری: ۱/۹۵، دار المعرفة، بیروت لبنان)

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے:

فإن التهجّد ما كان بعد نوم، قاله علقمة والأسود وإبراهيم النخعي وغيرواحد، وهو معروف في لغة العرب، وكذلك ثبتت الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه كان يتهجد بعد نومه.

(تفسیر ابن کثیر: ۳/۶۱۔ ومثله في روح المعاني: ۱۵/۱۳۸)

لسان العرب میں ہے:

وأما التهجد فهو القائم إلى الصلاة من النوم. (لسان العرب: ۳/۴۳۱، بیروت)

وفي الصحيح للإمام مسلم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كنا نعد له سواكه وطهوره فيبعثه الله ماشاء أن يبعثه من الليل فيتسوك..... (مسلم شریف: ۱/۲۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے برعکس تراویح شروع کرنے کا وقت مستحب اول اللیل ہے اور یہی امت کا تعامل ہے، اس کے متعلق المغنی لابن قدامۃ میں مذکور ہے:

وقيل لأحمد نؤخر القيام يعني في التراويح إلى آخر الليل، قال: لا، سنة المسلمين أحب إليّ. (المغنی: ۱/۸۰۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

جب دونوں نمازوں کا وقتِ مستحب الگ الگ ہے تو دونوں کو الگ الگ نمازیں شمار کریں گے۔

(۳) آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں صلاۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کے لئے کبھی اجتماع نہ ہوا اور نہ آپ نے کبھی باجماعت صلاۃ اللیل ادا کرنے کی ترغیب دی، خلفاءِ راشدین اور بعد کے زمانے میں بھی صلوۃ اللیل باجماعت پڑھنے کا رواج نہ تھا اس کے برخلاف آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح کی جماعت بھی کرائی، اور دوسروں کو تراویح باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی تحسین بھی فرمائی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں تراویح کی نماز باجماعت شروع کرائی اور یہ معمول اب تک تمام مساجد میں جاری ہے۔

أخرج البخاري برواية عائشة أمّ المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول الله ﷺ صلى ذات ليلة في المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة، فلم يخرج إليهم رسول الله ﷺ فلما أصبح قال: لقد رأيت الذي صنعتم ولم

يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن يفرض عليكم، وذلك في رمضان.

(بخاری شریف: ۱/۱۵۲)

وأخرج عبد الرزاق بسنده عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد دنا فروع الفجر، وكان القيام على عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثلاثه وعشرين ركعة. (مصنف عبد الرزاق: ٤/٢٦١، ٢٥٢٠)

(۴) تہجد کی مشروعیت قرآن کریم سے ہوئی:

قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الليل فتهجّد به نافلة لك﴾.

وقال تعالىٰ: ﴿يايها المزمل قم الليل إلا قليلاً نصفه أو انقص منه قليلاً﴾.

اور تراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

قال عليه الصلاة والسلام: وسننت لكم قيامه. (نسائی شریف: ۱/۳۰۸)

اگر کوئی کہے کہ سنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کا عملی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا، تو مشروعیت تراویح کی حدیث سے نہ ہوئی؟

الجواب: آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بصورتِ تقابل یہ ارشاد فرمایا:

إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم، وسننت لكم قيامه.

حالانکہ صوم کا عملی طریقہ بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی بتلایا۔

(۵) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا اور تراویح کا مدینہ منورہ میں۔

(۶) آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کبھی پوری رات تہجد نہیں پڑھی۔

مسلم میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا في حديث طويل، قالت: ولا أعلم نبي الله صلی اللہ علیہ وسلم قرأ القرآن كله في ليلة ولا صلى ليلة إلى الصبح. (مسلم شریف: ۱/۲۵۶)

اس کے برخلاف تراویح سے متعلق حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تین متفرق راتوں میں صحابہ کے ساتھ تراویح باجماعت پڑھی ہے اور ان میں سے تیسری رات میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح کے لئے اپنے گھر والوں کو بھی جمع کیا اور اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے۔

ابوداود میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صمنا مع رسول اللہ ﷺ رمضان فلم یقم بنا شیئًا من الشهر حتی بقی سبع، فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل، فلما کانت السادسة لم یقم بنا، فلما کانت الخامسة قام بنا حتی ذهب شطر اللیل فلما کانت الثالثة جمع أهله ونساءه والناس فقام بنا حتی خشینا أن یفوتنا الفلاح قال: قلت: ما الفلاح قال السحور.

(أبو داؤد: ۱/۱۹۵، قیام شهر رمضان۔ ونسائی ۱/۲۳۸، قیام شهر رمضان۔ وابن ماجة: ۱/۹۴، قیام شهر رمضان)

(۷) تمام فقہی مکاتبِ فکر کے محدثین وفقہاء کا یہی طرزِ عمل چلا آرہا ہے کہ وہ صلاۃ اللیل اور تہجد وغیرہ پر الگ ابواب وفصول قائم کرتے ہیں اور قیامِ رمضان اور تراویح کے الگ، حتی کہ بہت سے محدثین سے قیامِ رمضان کا ذکر کتاب الصوم میں کیا ہے مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف میں، اور علامہ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں امام ترمذی نے سنن الترمذی میں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۸) مسلم شریف کی روایت کے مطابق تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہوگئی جب کہ تراویح میں نسخ واقع نہیں ہوا۔

مسلم میں ہے:

عن سعد بن هشام فیما سأل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا یقول: فقلت أنبئینی عن قیام رسول اللہ ﷺ فقالت: ألست تقرء یاأیها المزمل، قلت: بلی قالت: فإن اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی أول هذه السورة فقام نبی اللہ ﷺ و أصحابه حولاً وأمسك اللہ خاتمتها اثنی عشر شهرا فی السماء حتی أنزل اللہ فی آخر هذه السورة التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضة.

(مسلم شریف: ۱/۲۵۶)

(۹) مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا فرق کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ نمازِ تہجد پہلے فرض تھی اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت والا خطرہ نہ رہا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح پر دوام نہ فرمانیکی حکمت خشیتِ فرضیت بیان فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تراویح تہجد سے الگ کوئی نماز ہے، کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے ہی منسوخ کرکے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو مطمئن کردیا گیا تھا۔

(احسن الفتاوی: ۳/۵۳۲)

(۱۰) ایک فرق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد کو ہر روز آخرِ شب میں پڑھا ہے، چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے:

ثم قلت فأی حین کان یقوم من اللیل، قالت: کان إذا سمع الصارخ.

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ:۳۵۴)

قوله: إذا سمع الصارخ. (بخاری: ۱/۱۵۲۔ ومسلم شریف: ۱/۲۵۵ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

قوله: تراویح اول لیل میں پڑھا ہے۔ هذا الحدیث قد مرّ ذکره. (نسائی:۱/۲۳۸)

پھر احادیث کی روشنی میں بھی ان دونوں نمازوں کا الگ ہونا ثابت ہے، کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح پڑھ کر پھر اور کوئی نماز پڑھی یعنی تہجد، نیز صحابہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔

(۱) أخرج أبو داود بسنده عن قیس بن طلق قال: زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان و أمسی عندنا و أفطر، ثم قام بنا تلك اللیلة و أوتر بنا ثم انحدر إلی مسجده فصلی بأصحابه حتی إذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال: أوتر بأصحابك فإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول: لا وتران فی لیلة. (أبو داؤد:۱/۲۰۳)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول لوگوں کے ساتھ موافقِ فعل رسول اللہ ﷺ کے اول وقت میں تراویح ادا کی، اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھی۔ (فتاوی رشیدیہ:۳۶۱)

صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ نمازیں ہیں۔

وفی المؤطا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: والتی تنامون أفضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل. (مؤطا: ۹۸)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس سے اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جائے تو بعید نہیں کیونکہ اس قول کے معنی یہ ہے کہ جو نماز کہ تم اس سے سو رہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو تم پڑھتے ہو یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ (فتاوی رشیدیہ:۳۶۰)

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتداءِ شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے، اور بوقتِ سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔ (احسن الفتاوی:۳/۵۳۲)

قلت: وقد ذكره الحافظ فی مقدمة الفتح فی ترجمة أبی عبد الله رحمہ اللہ تعالیٰ:

وقال الحاكم أبوعبد الله ﴿ الحافظ أخبرنی محمد بن خالد ثنا مقسم بن سعيد قال: كان محمد بن إسماعيل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ إذا كان أول ليلة من شهر رمضان، يجتمع إليه أصحابه فيصلی بهم ويقرأ فی كل ركعة عشرين آية، وكذلك إلى أن يختم القرآن، وكان يقرأ فی السحر ما بين النصف إلى الثلث من القرآن فيختم عند السحر فی كل ثلاث ليال.

(هدی الساری:۴۸۱)

(۳) احسن الفتاوی میں ہے:

فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

ثم التراويح وهی عشرون ركعة يقوم بها فی رمضان فی جماعة ويوتر بعدها فی جماعة، فإن كان له تهجد جعل الوتر بعده. (المقنع:۱۸۴)۔ (احسن الفتاوی ۳:۵۳۲)

یہ عبارت "المبدع شرح المقنع:۲/۲۴۵" پر مذکور ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فتاوی رشیدیہ میں ہے: تراویح میں بالسر و بالجہر دونوں طرح پڑھنا درست ہے، کوئی بالجہر پڑھے تو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے (ص ۳۳۷) اس کے بعد حمید اللہ مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ لکھتے ہیں: ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہو رہا ہے تو یہ سنتِ مردہ کے حکم میں ہے پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے، پس اولیٰ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا جن میں قراءت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہو جیسے فجر، عشاء، مغرب، خواہ تراویح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ تراویح میں بالجہر بسملہ پڑھی جائے بنیتِ احیائے سنت تو کیا مستحقِ ثواب ۱۰۰ شہیدوں کا ہوگا؟ اور کیا فرض نمازوں کا بھی یہی حکم ہوگا؟ بینوا توجروا!

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق بسم اللہ جہراً پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے چاہے تراویح ہو یا فرض نمازیں ہوں، پورے قرآن میں صرف ایک مرتبہ تراویح میں کسی سورت کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ سراً پڑھ لے۔

فقہاء کی عبارات اور فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور احیاءِ سنت میں سو شہیدوں کا ثواب ملنا اس

حدیث کی تحقیق ابواب الحدیث گذر گئی۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مروجہ بدعتِ قبیحہ کو مٹایا اور اس کی جگہ اصل سنت کا رواج دیا تو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا، گویا یہاں سنت کے مقابل میں بدعت ہے اور مسئلہ مذکورہ میں یعنی تسمیہ جھراً یا سراً پڑھنا اس میں دونوں جانب احادیث ہیں البتہ سراً پڑھنے کی احادیث کثیر اور اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نوّر اللہ مرقدہ) کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جھراً خلافِ اولیٰ ہے اس کی وجہ سے مسجد میں اختلاف اور جھگڑا نہیں کرنا چاہئے پہلے سمجھانا چاہئے نہ مانے تو اعتراض نہ کرے اس لئے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وتسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة لأنه ﷺ كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم وهي آية واحدة من القرآن وأنزلت للفصل بين السور ويسن الإسرار بها للآثار الواردة بذلك. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح: ص ۲۶۰، ۲۶۲، قديمي)

الدرالمختار میں ہے:

وسمي غير المؤتم بلفظ البسملة سرا في أول كل ركعة ولو جهرية وفي الشامية: (قوله سرًا في أول كل ركعة) كذا في بعض النسخ وسقط سرًا من بعضها ولابد منه، قال في الكفاية عن المجتبى: والثالث أنه لايجهر بها في الصلاة عندنا.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/ ۴۹۰، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سرّ اپڑھنا چاہئے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاقِ نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ امام من القراء خارجِ صلاۃ میں ہے نہ صلاۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماءِ احناف کو پایا ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۶۴، ۲۶۵ مدلل ومکمل)

نیز ملاحظہ ہو: (وفتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۸۰ باب التراویح)۔ مجموعہ رسائل اللکھنوی (أحكام القنطرة في أحكام البسملة): ۱/ ۱۷، ادارۃ القرآن۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۹۹، ۳۰۱، جامعہ فاروقیہ۔ وامداد الفتاوی: ۱/ ۲۲۸، ۲۳۰، فصل فی التجوید۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۶۳۰، فصل فی التراویح)۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قد صرحوا أن ختم القرآن بجميع أجزاءه في التراويح مرة سنة مؤكدة حتى لوترك آية منه لم يخرج عن العهدة،وقد ثبت أن البسملة أيضًا آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لوقرأ تمام القرآن في التراويح ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السورسوى ما في سورة النمل لم يخرج عن عهدة السنية ولوقرأها الإمام سراً خرج عن العهدة لكم لم يخرج المقتدون عن العهدة. (مجموعة رسائل اللكهنوي: "أحكام القنطرة في أحكام البسملة": ۱/۱۰۳، امدادية)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتیین: جلد دوم ص ۳۶۱ فصل فی التراویح، دارالاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۳۰۰، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے سے تراویح صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تراویح سنتِ مؤکدہ اور اعلیٰ ہے اور نفل ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی اقتداء ادنیٰ کے پیچھے درست نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

منحۃ الخالق میں ہے:

أقول حيث صرح قاضيخان بأن الصحيح أنه إذا صلى التراويح مقتديًا بمتنفل بغيرها لايجوزبناء على أن السنة لاتتأدى بنية التطوع يكون ذلك تصحيحًا لعدم جواز اقتداء مصلى التراويح بالمفترض لأن معنى أن السنة لاتتأدى بنية التطوع أنها لابد لها من التعيين والإمام غيرمعين للتراويح سواء كان مصليًا نفلاً أوفرضًا فلا تصح نية التراويح من المقتدى وقد صرح بذلك العلامة قاسم في فتاواه ضمن رسالة فقال: (فصل) إذا صلى التراويح مقتديًا بمن يصلى المكتوبة أووتراً أونافلة غير التراويح اختلفوا فيه من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف في النية ومن قال من المشايخ أن التراويح لاتتأدى إلابنيتها فلا تتأدى بنية الإمام وهى بخلاف نيته ومن قال منهم أنها تتأدى بمطلق النية ينبغى أن يقول هنا أنه يصح والأصح أنه لايصح الاقتداء. (منحة الخالق حاشية البحرالرائق: ۱/۳۶۵، باب الامامة، الماجدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلى التراويح مقتديًا بمن يصلى مكتوبة أووترًا أونافلة الأصح أنه لايصح

الاقتداء به لأنه مكروه مخالف لعمل السلف. (الفتاوى الهندية: ١/١٧٧ـ وكذا في ردالمحتار: ١/٥٩٠، سعيد ـ والطحطاوى على الدرالمختار: ١/٢٩٦ـ وبدائع الصنائع: ١/٢٨٨ـ والفتاوى الهندية: ٤/٢٩، الثالث في التراويح)۔ **واللہ اعلم۔**

۸رکعت تراویح کا حکم:

سوال: هل يجوز أن نصلى صلاة التراويح ٨ ركعة فقط أم لا؟ ولماذا؟

الجواب: مسئلة عدد ركعات التراويح قد صنّف فيها العلماء قديمًا وحديثًا من صغير وكبير وتعرّضوا لها تعرّضًا وافيًا بإطناب وإيجاز، وذكرت المسئلة في جميع الكتب الفقهية والفتاوى، ولايسع المقام التفصيل فأقتصرهنا على ذكربعضه المهم:

التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة واظب عليها الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم إلى يومنا هذا، فلايجوز الاقتصارعلى ثماني ركعات.

حجة من زعم أن التراويح ٨ ركعة:

(١) أخرج البخارى عن أبى سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كيف كان صلاة رسول الله ﷺ في رمضان، فقالت: ماكان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولافي غيره على إحدى عشرة ركعة يصلى أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثًا. (الصحيح البخارى:١/١٥٤)

دل هذا الحديث على أنه كان يصلى ٨ ركعة صلاة التراويح و ٣ وترًا.

والجواب عن هذا:

(١) ليس المراد بالحديث المذكوربيان عدد ركعات التراويح ولايعلم بيان عدده منه،لأن فيه أنه عليه السلام كان يصلى أربعًا أربعًا والتراويح لاتصلى أربعًا أربعًا بل مثنى مثنى.

(٢) الحديث المذكورفيه بيان قيام الليل وهوالتهجد لاالتراويح لأن لفظ الحديث: "ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولافي غيره يدل على أن السؤال المعروض إنماكان عن صلاة تصلى دائمًا وهي التهجد لا التراويح، وإنما خص رمضان بالذكرلما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يجتهد في رمضان ما لايجتهد في غيره فظن السائل أنه كان يزيد في

رمضان فی التهجد أيضًا كغيره من الصلوات فقالت: لا ما كان يزيد على ٨ فى التهجد لا فى رمضان ولا فى غيره.

ويدل على ماقلنا أيضا صنيع أكثر المحدثين أنهم لم يذكروا الحديث المذكور فى أبواب التراويح مثل الإمام محمد بن نصر المروزى له كتاب مسمى بـ "قيام الليل" فبوّب فى كتابه هذا "باب عدد الركعات التى يقوم بها الإمام للناس فى رمضان" وذكر فيه عدّة أحاديث، لكن لم يذكر حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا المذكور لا صريحًا ولا إشارةً بل ذكروا الحديث المذكور فى أبواب قيام الليل.

وأراد من زعم أن التراويح ٨ ركعة الاستدلال ببعض الآثار مثل ماجاء فى المؤطا بسند مالك عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال أمر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أبىّ بن كعب و تميما الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن يقوم للناس بإحدى عشرة ركعة. (مؤطا الامام مالك:٩٥)

وقد أجاب العلماء والمحدثون عن هذا الاستدلال بوجوه كثيرة بكل بسط و تفصيل لايسعه المقام.

فليراجع: اعلاء السنن: ٧/٨٤۔ وفتح البارى:٤/٢١٩۔واحسن الفتاوى:٣/٥٣٤.

وأما كون صلاة التراويح عشرون ركعة فقد ثبت بحجج كثيرة لايصح الإنكار عنها،مثل:

(١) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر. أخرجه ابن أبى شيبة فى مصنفه۔ والبغوى فى معجمه۔ والطبرانى فى الكبير۔والبيهقى فى سننه۔ (التعليق الحسن:٢/٥٦)۔ (وفى إسناده إبراهيم بن عثمان وفيه كلام)

(٢) قال عليه الصلاة والسلام: عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنواجذ. (رواه احمد وابو داؤد والترمذى وابن ماجة)

وما ثبت من عمل الخلفاء الراشدين المهديّين رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثل التراويح ٢٠ ركعة نتبعه بقول النبى صلی اللہ علیہ وسلم وأمره بقوله عليكم بسنتى الخ.

(٣) عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرين ركعة والوتر. رواه البيهقى فى المعرفة وصحّحه السبكى فى شرح المنهاج. (التعليق الحسن:٢/٢٥٤)

(٤) عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبىّ بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ يصلى بالناس فى رمضان

بالمدينة عشرين ركعة يوتر بثلاث. أخرجه أبوبكربن أبي شيبة في مصنفه وإسناده قوى مرسل۔

(آثار السنن: ۲/۵۵)

(۵) عن أبي الحسناء أن على ابن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمر رجلاً يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة. رواه البيهقي في سننه وضعّفه۔ (كنز العمال: ٤/٢٨٤)

(٦) عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. رواه مالك وإسناده قوى مرسل۔ (بيهقي: ٢/٢٩٦)

(۷) عن نافع عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان ابن أبي مليكة يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة. (مصنف ابن أبي شيبة:واسناده حسن:٥/٢٢٣)

(۸) قال عطاء: أدركت الناس وهم يصلون في زمان عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث.

(مصنف ابن أبي شيبة:واسناده حسن: ٥/٢٢٤)

(۹) قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث.

(قيام الليل للمروزي:ص ٩١)

(۱۰) قال الأعمش: كان عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (قيام الليل:ص ٩٠)

(تلك عشرة كاملة)

فهذا المأثور عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم والخلفاء الراشدين رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم أحق أن يتبع وهذا بالقبول أليق والقلب إليه أميل وعن الخطأ أبعد. والله اعلم.

(ملخّص من احسن الفتاوی: ٣/٥٢٨_٥٤٥)

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب:

سوال: غیر مقلدین حضرات آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور ان کے دلائل میں سے ایک دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جو مختلف کتبِ احادیث میں مذکور ہے اور خاص طور پر موطا کی روایت لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھنی چاہئے۔

مؤطا امام مالک کی روایت ملاحظہ ہو:

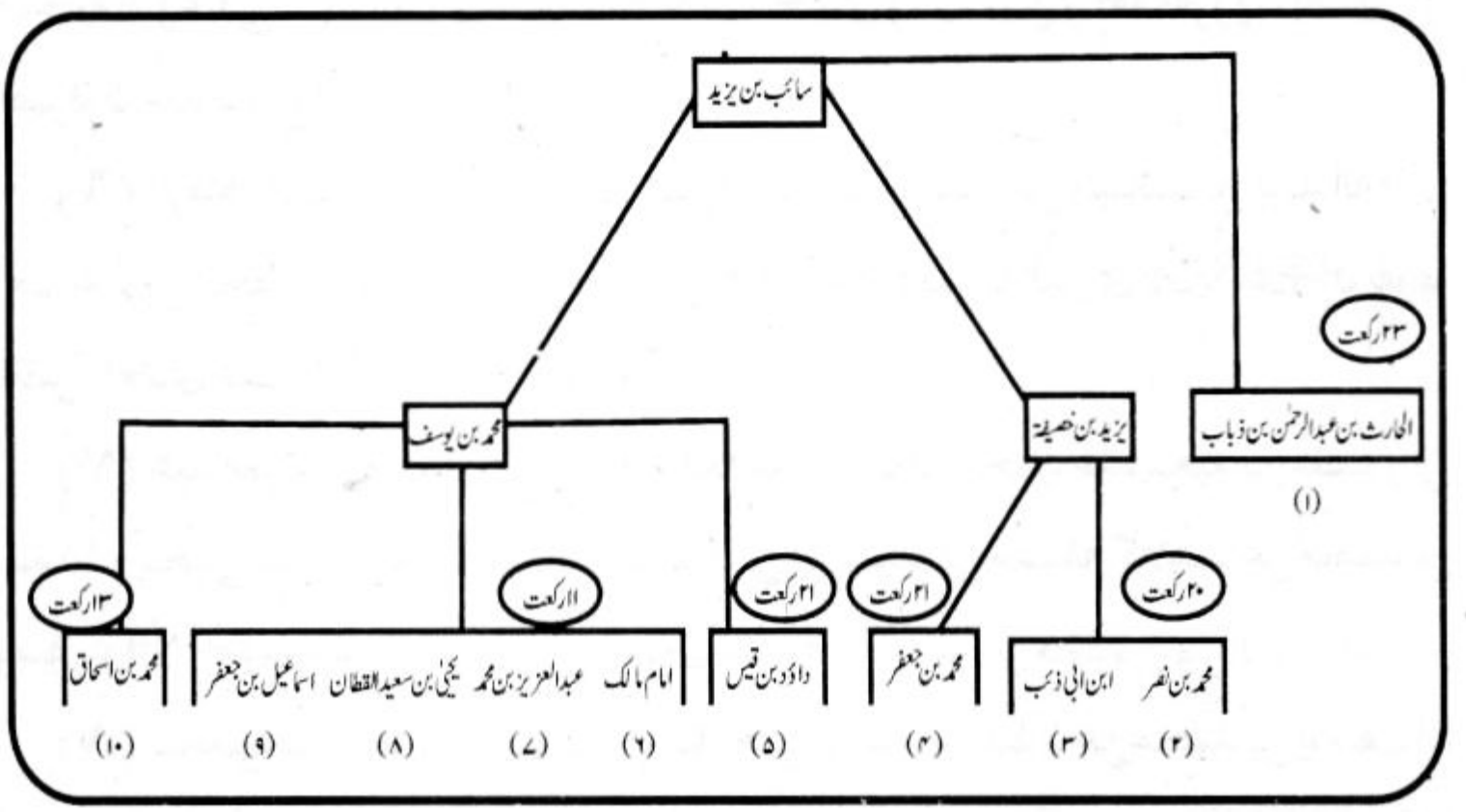
مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنه قال: "أمر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أبيّ بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتميما الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة.

(رواه امام مالك فى المؤطا: ٩٨)

اس روایت میں ۸ رکعت تراویح اور تین وتر گیارہ ہوگئیں، اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: (۱) حارث بن عبدالرحمٰن (۲) یزید بن خصیفہ ان دونوں طرق میں بلا اختلاف ۲۰ کا ذکر ہے (۳) محمد بن یوسف ان کے شاگردوں کا باہمی اختلاف ہے۔

نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:



(۱) الحارث بن عبد الرحمن: عبد الرزق عن الأسلمى عن الحارث بن عبد الرحمن ابن أبى ذباب عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد دنا فروع الفجر، وكا ن القيام على عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثلاثة وعشرين ركعة.

(مصنف عبد الرزاق: ٢/٢٦١، باب قيام رمضان، ادارة القرآن)

(۲) محمد بن نصر: وما حمله عليه فى الحديثين صحيح بدليل ماروى محمد بن

نصرمن رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنهم كانوا يقومون فى رمضان بعشرين ركعة فى زمن عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى:٨/٢٤٥)

(٣) ابن أبى ذئب:ابن أبى ذئب عن يزيد بن خصيفة: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى شهر رمضان بعشرين ركعة.

(السنن الكبرى للبيهقى:٢/٤٩٦،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان)

(٤) محمد بن جعفر:محمد بن جعفر حدثنى يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "كنا نقوم فى زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرين ركعة والوتر.

(السنن الصغير للبيهقى:١/٢٣٥، باب قيام شهر رمضان،دارالفكر)

(٥) داؤد بن قيس:عبدالرزاق عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس فى رمضان على أبىّ بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلى تميم الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ على إحدى وعشرين ركعة،يقرؤون بالمئين و ينصرفون عند فروع الفجر. (مصنف عبد الرزاق:٤/٣٦٠، إدارة القرآن)

(٦) الإمام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ: مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنه قال: "أمر عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أبىّ بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتميما الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة. (رواه الامام مالك فى المؤطا:٩٨)

(٧) عبد العزيزبن محمد:أن مالكاً قد تابعه عبد العزيزبنُ محمد عند سعيد بن منصورفى سننه ويحيى بن سعيد القطان عند أبى بكربن أبى شيبة فى مصنفه كلاهما عن محمد بن يوسف وقالا إحدى عشرة. (تحفة الأحوذى:٢/٣٤٩، باب ما جاء فى قيام شهر رمضان)

(٨) يحيى بن سعيد القطان: حدثنا يحيى بن سعيد القطان عن محمد بن يوسف أن السائب أخبره أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس على أبىّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتميم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فكانا يصليان إحدى عشرة ركعة، يقرآن بالمئين يعنى فى رمضان.

(المصنف لابن أبى شيبة:٥/٢٢٠، فى صلاة رمضان)

(٩) إسماعيل بن جعفر:حدثنا على حدثنا إسماعيل حدثنا محمد بن يوسف بن عبد الله بن يزيد الكندى عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنهم كانوا يقومون فى زمن عمر بن الخطاب بإحدى عشرة ركعة يقرؤون فى الركعة بالمأتين..... (حديث اسماعيل بن جعفر:١/٤٥٣/٤٣٧)

(۱۰) محمد بن إسحاق: وأخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق محمد بن إسحاق: حدثنی محمد بن یوسف عن جده السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا نصلی فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان ثلاث عشرة رکعة.

(تحفة الأحوذی: ۲/۳٤۹، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان)

اس روایت کے بارے میں محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

یہ روایت مضطرب ہے اور جب تک کسی ایک طریق کو اصول وقواعد کے مطابق ترجیح یا تطبیق حاصل نہ ہوگی تب تک اس کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔

قدمائے محققین نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں: چنانچہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ کو راوی کا وہم بتایا ہے اور تطبیق بھی دی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم رہا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لئے گیارہ کے بجائے اکیس رکعتیں کردی گئی ہوں۔ (تحفۃ الاحوذی:۲/۷۴) اور زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تطبیق کو ترجیح دی ہے نیز امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس طرح جمع فرمایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار:ص۱۹۱۔وزرقانی شرح موطا:۱/۲۱۵)

نیز حضرت سائب بن یزید کے شاگردوں میں سے (۱) عبدالرحمٰن ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں اور (۲) یزید بن خصیفہ کے دو شاگرد بھی ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں صرف اختلاف (۳) محمد بن یوسف کے شاگردوں میں ہے لہٰذا اب عبدالرحمٰن اور یزید بن خصیفہ کی روایت کو زیادہ قابلِ وثوق مان کر محمد بن یوسف کی روایت پر ترجیح دی جائے۔ یا محمد بن یوسف کی روایت کے اس طریق کو قابل اعتماد سمجھا جائے جو یزید اور عبدالرحمٰن کے ساتھ متفق ہیں یعنی داؤد بن قیس والا طریق اور دوسروں پر ترجیح دی جائے یا محمد بن یوسف کے تمام طرق میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تطبیق دی جائے تاکہ یزید اور عبدالرحمٰن کی روایات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

بہرحال یہ روایات ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(ملخص از رسالہ ۱۱ رکعات تراویح مناظرہ ۱، ز مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی:۷،۹ آرام باغ کراچی)

ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

الاستذکار میں ہے:

(وفی حدیث مالك عن محمد بن یوسف عن السائب إحدی عشرة رکعة) وغیر مالك رحمہ اللہ تعالیٰ یخالفه فیقول فی موضع إحدی عشرة رکعة "إحدی وعشرین" ولا أعلم أحدًا قال فی هذا الحدیث إحدی عشرة رکعة غیر مالك. واللہ أعلم.

إلا أنه يحتمل أن يكون القيام فى أول ما عمل به عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بإحدى عشرة ركعة ثم خفف عليهم طول القيام ونقلهم إلى إحدى وعشرين ركعة يخففون فيها القراءة يزيدون فى الركوع والسجود إلا أن الأغلب عندى فى إحدى عشرة ركعة الوهم.

(الاستذكار: ٢/٦٨، باب ما جاء فى قيام رمضان، دارالكتب العلمية)

مؤطا کے حاشیہ میں ہے:

قال الزرقانى رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا وهم مع أن الجمع بالاحتمال الذى ذكره قريب، وبه جمع البيهقى رحمہ اللہ تعالیٰ، وقوله "انفرد به مالك رحمہ اللہ تعالیٰ" ليس كما قال بل رواه سعيد بن منصور من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال: إحدى عشرة ركعة.

قلت: لكن قال العينى رحمہ اللہ تعالیٰ: روى فى المصنَّف عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس فى رمضان على أبى بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتميم الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ على إحدى وعشرين ركعة الحديث، وروى الحارث بن عبد الرحمن عن السائب بن يزيد قال: كان القيام على عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بثلث وعشرين ركعة، وروى محمد بن نصر فى قيام الليل من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: إنهم كانوا يقومون فى عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرين ركعة انتهى، والاختلاف هذا محمول على اختلاف الوتر.

(حاشية مؤطا الإمام مالك: برقم ٢ ص ٩٨، ميرمحمد كتب خانه كراچى)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

ويمكن الجمع بين الروايتين، فانهم كانوا يقومون بإحدى عشرة ركعة، ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث. والله أعلم.

(السنن الكبرى للبيهقى: ٢/٢٩٦، باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان، دارالمعرفة بيروت)

اوجز المسالک میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قلت: والظاهر عندى ما رجحه ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ، لأن جل الروايات نص فى أنها كانت عشرين ركعة، لكن الوهم عندى فيه عن محمد بن يوسف، لأن نسبة الوهم إلى الإمام أبعد من النسبة إليهم، ويؤيده رواية سعيد بن منصور، وقد روى يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد: أنهم كانوا يقومون فى عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعشرين ركعة ذكره في البذل. (أوجز المسالك: ۲/۵۲۸،باب ماجاء في قيام رمضان)

اعلاء السنن میں ہے:

والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ في شهر رمضان بعشرين ركعة". أخرجه البيهقي وسنده صحيح وعزاه الحافظ في الفتح الى مالك أيضًا (٤:٢١٩) فإن له شواهد كثيرة صحيحة۔ (اعلاء السنن: ۷/۸٤، باب التراويح)

یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق:

التعلیق الحسن میں ہے:

قلت: رجال إسناده كلهم ثقات **(ثم ذكر الرواة واحدًا بعد واحدٍ) وقال في آخره: قلت: هذا الأثر قد صحح إسناده غير واحد من الحفاظ كالنووي رحمہ اللہ تعالیٰ في الخلاصة وابن العراقي رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح التقرين والسيوطي رحمہ اللہ تعالیٰ في المصابيح.** (الحاوي للفتاوي:۱/٤۱۷)۔

(آثار السنن:۲۵۱،رقم الحاشية:۲۸۳، باب في التراويح بعشرين ركعات۔و شرح المهذب:٤/۳۲،دارالفكر)

یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے؟

الجواب: سب سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی زبانی یزید بن خصیفہ کے متعلق سنئے:

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں ہے:

يزيد بن خصيفه ما أعلم إلا خيرًا. (كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل:۲/٤۹۰/۳۲۳۲)

وقال الذهبي في سير أعلام النبلاء:

وثقه يحيى بن معين، وقال ابن سعد: كان ثبتًا، عابدًا، ناسكًا كثير الحديث.

قلت: توفي بعدا لثلا ثين ومئة. (سير أعلام النبلاء: ٦/۱۵۸)

وقال المزّي: قال أبوبكر الأثرم عن أحمد بن حنبل وأبو حاتم والنسائي: ثقة.

وقال أبوعبيد الآجري عن أبي داؤد: قال أحمد: منكر الحديث وقال أحمد بن سعد بن أبي مريم: عن يحيى بن معين: ثقة حجة. (تهذيب الكمال في أسماء الرجل:۳۲/۱۷۳)

خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توثیق مذکور ہے تو پھر دوسرے حضرات کا ان سے منکر الحدیث نقل کرنا درست نہیں جبکہ نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ، ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

محقق الدکتور بشار عواد معروف ''منکر الحدیث'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

هذا شيء لم يثبت عن أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فيما أرى، والله أعلم فقد تقدم قول الأثرم عنه، وفي العلل لابنه عبد الله، أنه قال: ما أعلم إلا خيرًا (۲/۳۵) وهو توثيق واضح. (تهذيب الكمال: ۳۲/۱۷۳، حاشية: ۱۷۳)۔ یا منکر الحدیث قلیل الروایۃ کے معنی میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: امامتِ تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا درست نہیں، اگر پہلے لینے کی نیت نہیں کی اور اتفاقاً لوگوں نے کچھ دے دیا تو اس کا لینا جائز ہے، علمائے دیوبند کا یہی فتویٰ ہے۔

شامی میں ہے:

وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وأن الآخذ والمعطي آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لا يجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة وعللوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة كما أوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الإجارة الفاسدة إن شاء الله تعالى. (شامی: ۲/۷۳، سعید)

بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ امامت پر اجرت ہے کیونکہ صرف قرآن کریم سنانا مقصود نہیں بلکہ امامت کے ضمن میں قرآن سنانا مقصود ہے تو یہ امامت مسنونہ پر اجرت ہے جیسے کوئی کسی کو جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھانے اور اس میں سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کے لئے کہہ دے تو یہ امامت اور اجرت جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے، نیز تراویح کے امام کی شکل وصورت کا لحاظ رکھنا کہ داڑھی پوری ہو، شلوار و پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامت مقصود ہے صرف قرآن سنانے کے لئے ہوتا تو یہ شرائط نہ ہوتے۔ نیز بظاہر اجرت بھی نہیں کیونکہ کوئی کچھ دیتے ہیں اور کوئی کچھ، کوئی کم ہدیہ پیش کرتے ہیں اور کوئی زیادہ، اجرت تو وہ ہے جو معروف یا مشروط ہو یہاں دینے کا عرف تو ہے لیکن مقدار میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

اس کی نظیر حدیث شریف میں ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً من كلاب سأل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن عسب الفحل فنهاه فقال: يارسول الله إنا نطرق الفحل فنكرم فرخص له فی الكرامة. وقال الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقد رخص قوم فی قبول الكرامة على ذلك.

(رواه الترمذی وقال:هذاحديث حسن:۱/۲۴۰،باب ما جاء فی كراهية عسب الفحل)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اجرت ممنوع ہے لیکن اکراماً جو ہدیہ دیا جائے اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی فریدیہ میں ہے:

حافظ کا ختم تراویح میں رقم اور اجرت لینا اجرت علی الامامت ہے علی التلاوت نہیں۔

سوال: حفاظ تراویح میں ختم کرنے کے بعد جو رقم وغیرہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: فقہاءِ کرام نے تلاوت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن ہمارے بلاد میں حفاظ تلاوت بھی کرتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، تو ان کی رقوم کو صرف تلاوت کا معاوضہ ٹھہرانا اور امامت سے خاموش رہنا بلا وجہ ہے اور اگر صرف تلاوت کو ملحوظ کیا جائے تو تلاوت سے کوئی تراویح خالی نہیں تو مطلق تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہوگا۔ بہر حال حافظ کی اس رقم پر انکار کرنا ہندی مسئلہ ہے حنفی نہیں ہے، یہ اجرت علی الامامت ہے نہ علی محض التلاوۃ۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی فریدیہ:۱/۶۰۷، مسائل شتی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من نسی صلاۃ أو نام عنها فکفارتها أن یصلیها إذا ذکرها"﴾

(رواہ مسلم)

باب.....﴿۱۱﴾

قضاء الفوائت

باب.....﴿۱۱﴾

قضا نمازوں کا بیان

تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم:

سوال: تہجد کے وقت تہجد پڑھنا بہتر ہے یا قضائے عمری بہتر ہے؟ جبکہ وقت تہجد کا ہے اور قضا کی اہمیت ہے۔

الجواب: قضائے عمری پڑھنا بہتر ہے، ہاں تہجد بھی ساتھ میں پڑھ لے تو نور علی نور ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولٰی وأهم من النوافل إلاسنن المفروضة وصلاة الضحی و صلاة التسبيح والصلاة التی رويت فيها الأخبار أی كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب. (شامی: ۲/ ۷٤، باب قضاء الفوائت، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وفی الحجة: والاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاالسنن المفروضه.....

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۲۵ ـ وكذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲٤۳، قديمی)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے، اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۳۴۴، دارالاشاعت۔ واحسن الفتاوی ۴/ ۱۹)

نماز فجر باجماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم:

سوال: نماز فجر فاسد ہوگئی قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے تو جماعت کے ساتھ قضا کرتے وقت جہر کریں گے یا نہیں؟

الجواب: اگر جماعت کے ساتھ جہری نماز کی قضا کریں تو جہراً قراءت کرنا ضروری ہے اور اگر انفرادی طور پر ہو تو جہر اور اخفاء میں اختیار ہے لیکن جہر بہتر ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان كيفية قضاء هذه الصلوات فالأصل أن كل صلاة ثبت وجوبها فى الوقت وفاتت عن وقتها أنه يعتبر فى كيفية قضائها وقت الوجوب وتقضى على الصفة التى فاتت عن وقتها.

(بدائع الصنائع: ۱/۲۴۷، فصل فى بيان حكم الصلاة إذا فسدت او فاتت عن وقتها، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وجهر الإمام بقراءة الفجر وأولىي العشائين ولو قضاء لفعله ذلك فى القضاء.

(امداد الفتاح: ص ۲۷۸، فصل فى واجبات الصلاة۔ وكذا فى الدر المختار: ۱/۵۳۲، فصل فى القراءة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمنفرد بفرض مخير فيما يجهر فإن شاء جهر لأنه إمام نفسه وجهره أفضل ليكون الأداء على هيئة الجماعة، وظاهرة، ولو قضاء نهارًا وهو ما فى الكافى وغيره. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۲۵۴، فى واجبات الصلاة۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت)

مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم:

سوال: اگر امام کی عصر کی نماز فاسد ہوئی مغرب کے وقت لوگ آئے اور امام کو بتلایا تو اب جماعت کے ساتھ مسجد میں عصر کی نماز کی قضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ امرِ عام کی وجہ سے قضا کرنا ہے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو کہ قضا کے بعد وقتیہ بھی پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

(ولا فيما يقضى من الفوائت فى مسجد) لأن فيه تشويشًا وتغليظًا، وفى الشامى: (قوله لأن فيه تشويشًا) إنما يظهر أن لو كان الأذان لجماعة وفى الإمداد أنه إذا كان التفويت لأمر عام فالأذان فى المسجد لا يكره لإنتفاء العلة كفعله ليلة التعريس.....

(الدر المختار مع الشامى: ۱/۳۹۱، مطلب فى اذان الجوق، سعيد كمپنى)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الترتيب بين الفائتة والوقتية وبين الفوائت مستحق كذا في الكافي حتى لايجوز أداء الوقتية قبل قضاء الفائتة كذا في محيط للسرخسي. والله اعلم. (الفتاوى الهندية:١/١٢١)

حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: ایک شخص حنفی ہے اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی حرم پہنچا تو عصر کی نماز ہو رہی تھی وہ صاحب ترتیب بھی نہیں ہے تو کیا وہ عصر کی نماز میں شرکت کریگا یا عصر چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھے گا؟

الجواب: سفر اور عذر کی وجہ سے عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھ سکتے ہیں لیکن صورتِ مسئولہ میں عصر کی تقدیم ظہر پر درست نہیں جبکہ ظہر کی ادا کا وقت ہے لہٰذا عصر پڑھ کر بلا وجہ ظہر قضا نہ کرے۔

ملاحظہ ہو تنویر الابصار میں ہے:

الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم. وفي الشامي: (قوله أداء وقضاء) الواو بمعنى أو مانعة الخلو، فيشمل ثلاث صور: ما إذا كان الكل قضاء أو البعض قضاء والبعض أداء أو الكل أداء كالعشاء مع الوتر ودخل فيه الجمعة، فإن الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم. (تنوير الأبصار مع الشامي:٢/٦٥، باب قضاء الفوائت)

شامی میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية، واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون.

(شامی:١/٣٥٩،سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولايجوز اقتداء المفترض بالمفترض الآخر عند اختلاف الفرضين بأن كان أحدهما يصلي الظهر والآخر يصلي العصر. والله اعلم۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/٨٩)

نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ظہر کی نماز اول وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ وقت کے اندر اس کو حیض آ گیا تو اب اس نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں عورت پر نمازِ ظہر کی قضا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوبِ قضا کا تعلق آخری وقت سے ہے اور آخری وقت میں حائضہ تھی۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

والمعتبر فيه آخر الوقت أى المعتبر فى وجوب الأربع أو الركعتين آخر الوقت فإن كان آخر الوقت مسافرًا وجب عليه ركعتان وإن كان مقيمًا وجب عليه الأربع، لأنه المعتبر فى السببية عند عدم الأداء فى أول الوقت، ولهذا لو بلغ الصبي أو أسلم الكافر أو أفاق المجنون أو طهرت الحائض أو النفساء فى آخر الوقت تجب عليهم الصلاة وبعكسه لو حاضت أو جن أو نفست فيه لم تجب عليهم لفقد الأهلية عند وجود السبب.

(تبيين الحقائق: ۱/۲۱۵، باب صلاة المسافر)

درمختار میں ہے:

قوله والمعتبر فى تغيير الفرض أى من قصر إلى إتمام وبالعكس قوله وهو أى آخر الوقت قدر ما يسع التحريمة كذا فى الشرنبلالية والبحر والنهر والحاصل أن السبب هو الجزء الذى يتصل به الأداء أو الجزء الأخير إن لم يؤد قبله وإن لم يؤد حتى خرج الوقت فالسبب هو كل الوقت. قال فى البحر: وفائدة إضافته إلى الجزء الأخير اعتبار حال المكلف فيه، فلو بلغ الصبي أو أسلم كافر أو أفاق مجنون، أو طهرت الحائض أو النفساء فى آخره لزمتهم الصلاة ولو كان الصبي قد صلاها فى أوله و بعكسه لو جن أو حاضت أو نفست فيه لفقد الأهلية عند وجود السبب. (الدر المختار: ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۱۳۷، باب المسافر، كوئته ـ وحاشية تبيين الحقائق: ۱/۲۱۵)۔ واللہ اعلم۔

قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم:

سوال: قضاء شدہ نمازیں دس تھیں لیکن پڑھتے پڑھتے چار رہ گئیں تو اب وہ صاحبِ ترتیب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور اصح یہ ہے کہ جب تک تمام نمازیں ادا نہ کرلیں ترتیب لوٹ کر نہیں آئے گی جب سب ادا کرلے تو پھر سے صاحبِ ترتیب ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

(عاد الترتيب عند البعض وهو الأظهر) خلاف ما اختاره شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ

وفخر الإسلام رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وصاحب المحيط رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وقاضيخان رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وصاحب المغنى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ والكافى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وغيرهم وما استدل به عن محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فيه نظر فالأصح أن الترتيب إذا سقط لايعود كماء نجس دخل عليه ماء جار حتى سال ثم عاد قليلاً لم يعد نجسًا، فلذا صحح فى الكافى أنه لايعود. (فتح القدير: ١/٤٩٣، باب قضاء الفوائت، دار الفكر)

شرح نقایہ میں ہے:

ومتى سقطت الترتيب لايعود فى أصح الروايات حتى لوترك صلاة شهرووقضاها إلاصلاة ثم صلى الوقتية ذاكرًا لهاجاز. (شرح النقاية: ١/٢٥٦)

امداد الفتاح میں ہے:

ولم يعد الترتيب بين الفوائت التى كانت كثيرة بعودها إلى القلة بقضاء بعضها كذا فى الكنز لأن الساقط قد تلاشى فلايحتمل العود فى أصح الروايتين، قال أبوحفص الكبير رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: وعليه الفتوى وهو اختيار شمس الأئمة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وفخر الإسلام رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وقاضيخان رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وصاحب المحيط رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ والمغنى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وغيرهم وفى المجتبى وهو الأصح، وقال بعضهم يعود الترتيب ولكن علمت أن الأكثر على أنه لايعود الترتيب فأتبعناه خصوصًا وقد قال الزيلعى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: ولادلالة فيما استدل به صاحب الهداية على عود الترتيب.

(امداد الفتاح: ٨٤٩، الساقط لايعود۔ وكذا فى النهر الفائق: ١/٣٨١۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١/١٢٢۔ وكذا فى البحر الرائق: ٢/٨٦، باب قضاء الفوائت۔ وكذا فى الجوهرة النيرة: ١/٨٠)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب بہت سی نمازیں یعنی چھ یا اس سے زیادہ نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی تو اصح یہ ہے کہ ترتیب عود نہیں کرتی یہی معتمد ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۳۵۴، قضا نمازوں کو پڑھنے کا بیان)

کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ذمہ بہت زیادہ قضا نمازیں ہیں جنکا پڑھنا بے حد دشوار ہے اگر وہ بجائے سنتوں کے قضا نماز پڑھ لیا کرے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاءِ فوائت کی اہمیت اگر چہ زیادہ ہے تب بھی فقہاء نے سننِ رواتب کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھے اور نفل کی جگہ فوائت پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولىٰ وأهم من النوافل إلا السنن المفروضة.

(شامي: ٢/٧٤، سعيد۔ وكذا في الهندية: ١/١٢٥۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٤٣، قديمي)

احسن الفتاوی میں ہے:

قضاء نمازیں پڑھنے کے لئے سنتِ مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں بلکہ حضراتِ فقہاء نوافلِ ماثورہ مثل چاشت، اوابین اور صلاۃ التسبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کے پیشِ نظر موت سے قبل نمازوں سے سبکدوشی کی توقع ہو اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آرہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح دینا لازم ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۱۹)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ قضاءِ فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سننِ مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم ديوبند: ٤/٣٤٤)

۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسقط میں خارجی اباضی کے پیچھے ۲۳ سال نمازیں پڑھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ سری نماز میں سورت نہیں ملاتے، اب ۲۳ سال کی سری نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ۲۳ سالہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن كان تركه الواجب عمدًا أثم ووجب عليه إعادة الصلاة تغليظًا عليه لجبر نقصها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل تكون الثانية فهي المسقطة فإن لم يعدها حتى خرج الوقت سقطت عنه مع كراهة التحريم هذا هو المعتمد.

(مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي: ٤٦٢، باب سجود السهو، قديمي)

عالمگیری میں ہے:

وتجب قراء ة الفاتحة وضم السورة أوما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فى الأوليين بعد الفاتحة كذا فى النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۱)

شامی میں ہے:

إن تيقنَ المراعاة لم يكره أى المراعاة فى الفرائض من شروط وأركان فى تلك الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر. (شامی: ۱/۵۶۳، سعید)

امدادالفتاوی میں ہے: (اقتداء بغیر مقلد)۔

شامی کی عبارت کے بعد لکھا ہے کہ مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ واللہ اعلم۔ (امدادالفتاوی: ۱/۲۵۰)

عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم:

سوال: کسی نے عمداً نماز ترک کردی اس پر قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمہور کے نزدیک قضا واجب ہے بعض ظاہریہ کا اس میں اختلاف ہے۔

قال ابن حزم فى المحلى:

"فإذا نسى أحدكم صلاة أو نام عنها فليصلها إذا ذكرها" وأما من تعمد ترك الصلاة حتى خرج وقتها فهذا لايقدر على قضائها أبدًا فليكثر من فعل الخير وصلاة التطوع ليثقل ميزانه يوم القيامة وليتب وليستغفر الله عزوجل وقال أبو حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ومالك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ والشافعى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ يقضيها بعد خروج الوقت..... (المحلى: ۲/۲۳۵)

بداية المجتهد میں ہے:

وأما تاركها عمدًا حتى خرج الوقت فإن الجمهور على أنه آثم وأن القضاء عليه واجب، وذهب بعض أهل الظاهر إلى أنه لايقضى فإنه آثم وأحد من ذهب إلى ذلك أبو محمد بن حزم وسبب اختلافهم اختلافهم فى شيئين: أحدهما فى جواز القياس فى الشرع، والثانى فى قياس العامد على الناسى، إذا سلم جواز القياس فمن رأى أنه وجب القضاء على الناسى الذى قد عذره الشرع فى أشياء كثيرة فالمعتمد أحرى أن يجب عليه لأنه غير معذور أوجب القضاء عليه ومن رأى أن الناسى والعامد ضدان والأضداد لايقاس بعضها على بعض إذ أحكامها مختلفة وإنما تقاس الأشباه، لم يجز قياس العامد على الناسى، والحق فى هذا أنه إذا جعل الوجوب من باب التغليظ كان القياس سائغًا، وأما ان جعل من باب الرفق بالناسى

والعذرله وأن لايفوته ذلك الخير فالعامد فى هذا ضد الناسى والقياس غيرسائغ لأن الناسى معذورو العامد غيرمعذور.

والأصل أن القضاء لايجب بأمر الأداء وإنما يجب بأمرمجدد على ماقال المتكلمون لأن القاضى قد فاته وهو الوقت إذاكان شرطاً من شروط صحة والتأخيرعن الوقت فى قياس التقديم عليه لكن قد ورد الأثربالناسى والنائم وتردد العامد بين أن يكون شبيهًا أوغيرشبيه والله الموفق للحق. (بداية المجتهد:۱/۱۳۲)

وتعقب ابن عبد البر كلام ابن حزم فأجاب عنه وأنكرعليه أشد الإنكارفهذا بعض ما احتج به عبد البرفى كتابه الاستذكار:

(۱) وهوأن رسول الله ﷺ لم يصل هو ولا أصحابه يوم الخندق صلاة الظهروالعصر حتى غربت الشمس لشغله بما نصبه المشركون له من الحرب ولم يكن يومئذٍ ناسيًا ولانائمًا ولاكانت بين المسلمين والمشركين يومئذٍ حرب قائمة ملتحمة، وصلى رسول الله ﷺ الظهروالعصرفى الليل.

(۲) ودليل آخروهوأن رسول الله ﷺ قال بالمدينة لأصحابه يوم انصرافه من الخندق "لايصلين أحدكم العصرإلا فى بنى قريظة فخرجوا متبادرين وصلى بعضهم العصرفى طريق بنى قريظة خوفًا من خروج وقتها المعهود ولم يصلها بعضهم إلا فى بنى قريظة بعد غروب الشمس فلم يعنف رسول الله ﷺ إحدى الطائفتين وكلهم غيرناس ولانائم وقد أخّربعضهم الصلاة حتى خرج وقتها ثم صلاها وقد علم رسول الله ﷺ ذلك فلم يقل لهم أن الصلاة لاتصلى إلافى وقتها ولاتقضى بعد خروج وقتها.

(۳) ودليل آخروهوقوله ﷺ سيكون بعدى أمراء يؤخّرون الصلاة عن ميقاتها قالوا أفنصليها معهم قال نعم. (وأتى بسنده الصحيح).

وقال: وفى هذا الحديث أن رسول الله ﷺ أباح الصلاة بعد خروج ميقاتهاولم يقل إن الصلاة لاتصلى إلافى وقتها. والأحاديث فى تأخيرالأمراء الصلاة حتى يخرج وقتهاكثيرة جدًا وقد كان الأمراء من بنى امية أو أكثرهم يصلون الجمعة عند الغروب.

(الإستذكار: ۱/۳۰۳،۳۰۴،بيروت)

وتمسك الجمهور أيضًا بهذه الوجوه:

(۱) ما يستفاد من قوله ﷺ المذكور أعنى "من نسى صلاة أونام عنها فليصليها إذا ذكرها لاكفارة لها إلا ذلك".

(الف) فيكون من باب التنبيه بالأدنى على الأعلى لأنه إذ أوجب القضاء على الناسى مع سقوط الإثم والحرج عنه فالعامد أولى.

(باء) لأنه لغفلته عنها بجهله وعدمه كالناسى ومتى ذكرتركه لها لزمه قضائها.

(جيم) والكفاره إنما تكون من الذنب والنائم والناسى لاذنب له وإنما الذنب للعامد.

(إكمال المعلم:۲/۶۷۱)

واستضعف إبن حجر رحمه الله تعالى فى الفتح هذه الوجوه ورجّح الوجه الثانى:

وهوما يستفاد من قوله ﷺ :"فدين الله أحق أن يقضى" فالمعتمد قد خوطب بالصلاة ووجب عليه تأديتها فصارت ديناً عليه والدين لايسقط إلا بأدائه. (فتح البارى:۲/۷۱)

(۲) تمسكوا أيضا بقياس تارك الصلاة عامدا على تارك الصوم عامدا:

فقال ابن عبد البر رحمه الله تعالى:

وسوى الله تعالى فى حكمه على لسان نبيه ﷺ بين حكم الصلاة الموقوتة والصيام الموقوت فى شهررمضان بأن كل واحد منهما يقضى بعد خروج وقته.

فنص على النائم والناسى فى الصلاة لما وصفنا ونص على المريض والمسافرفى الصوم، وأجمعت الأمّة ونقلت الكافة فيمن لم يصم رمضان عامدًا وهومؤمن بفرضه وإنما تركه أشرًا وبطرًا تعمد ذلك ثم تاب عنه أن على قضائه فكذلك من ترك الصلاة عامدًا.....

وإذاكان النائم والناسى للصلاة وهما معذوران بقضائها بعد خروج وقتهاكان المعتمد لتركها المأثوم فى فعله ذلك أولىٰ بأن لايسقط عنه فرض الصلاة وأن يحكم عليه بالإتيان بها.

(الاستذكار:۱/۳۰۱)

ومن شرائط التوبة أداء حقوق الله وحقوق العباد الواجبة على المكلف فمن ترك الصلاة ثم يتوب فعليه أن يقضى الصلاة المتروكة لإتمام توبته وتكميل استغفاره. والله اعلم.

سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: سنتوں کی قضا ثابت ہے یانہیں؟

الجواب: سنتوں کی قضانہیں ہے مگر فجر کی سنت جب فرض کے ساتھ قضاء کرے زوال سے پہلے اور ظہر کی سنتِ قبلیہ فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں ان دونوں کے علاوہ اور سنتوں کی قضاء ثابت نہیں۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: عرسنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فلم نستيقظ حتى طلعت الشمس ثم دعا بماء فتوضأ ثم سجد سجدتين ثم أقيمت الصلاة فصلى الغداة.

(رواه مسلم: ۱/۲۳۸، باب قضاء الصلاة الفائتة)

ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (راه ابن ماجه: ۸۰، باب من فاتته الأربع قبل الظهر)

تبیین الحقائق میں ہے:

لم تقض سنة الفجر إلا تبعًا للفرض إذا فاتت مع الفرض وقضاها مع الجماعة أو وحده لأن القياس فی السنة أن لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض وهو ماروی أنه عليه الصلاة والسلام قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس فيبقى ماروا ه على الأصل وفيما بعد الزوال اختلف المشايخ وأما غيرها من السنن فلا تقضى وحدها بعد الوقت واختلفوا فی قضائها تبعًا للفرض، وقضى اللتى قبل الظهر فی وقته أی وقت الظهر قبل شفعه أی قبل الركعتين اللتين بعد الفرض وهذا عند محمد رحمه الله تعالیٰ وعندهما يبدأ بالركعتين ثم يقضى الأربع والله اعلم.

(تبيين الحقائق: ۱/۱۸۳، باب ادراك الفريضة، امدادية۔ وكذا فی مجمع الأنهر باب ادراك الفريضة۔ وكذا فی الهداية: ۱/۱۵۲، باب ادراك الفريضة۔ وكذا فی امداد الفتاوی: ۱/۳۳۷، باب قضاء الفوائت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"إذا لم يدر أزاد أم نقص فليسجد سجدتين وهو جالس"﴾

(مصنف ابن أبی شیبة)

باب.....﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

باب.....﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی بعض آیات مکرر پڑھ لیں تو سجدۂ سہو واجب ہے یا اعادۂ صلاۃ ہے؟

الجواب: اگر تکرارِ فاتحہ سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر عمداً ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے لیکن کتنی تکرار موجبِ سہو یا سببِ اعادہ ہے تو شامی میں اکثر فاتحہ اور طحطاوی میں بعض کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ بعض سے اکثر یعنی نصف سے زائد مراد لیا جائے اس میں آسانی ہے لہٰذا اگر نصف سے زائد کو سہواً مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور قصداً کیا تو اعادہ واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

ولو كرر الفاتحة أوبعضها فى إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو.

(طحطاوى على مراقى الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو، قديمى)

شامی میں ہے:

قوله وكذا ترك تكريرها: فلوقرأها فى ركعتين من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما فى الذخيرة وغيرها، وكذا لوقرا أكثرها ثم أعادها كما فى الظهيرية. (شامى: ١/ ٤٦٠، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے الحمد دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/ ۳۶۴، مجددیہ)

سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی کسی ایک آیت کا تکرار نماز میں کرلیا تو کیا سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سورۃ فاتحہ کے کسی ایک آیت کے تکرار سے نماز صحیح ہے سجدہ سہو واجب نہیں، ہاں اکثر فاتحہ کی تکرار موجب سجدۂ سہو ہے، اس قول میں آسانی ہے لہٰذا ایک آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

(قوله وكذا ترك تكريرها) فلو قرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتاخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها، وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (رد المحتار: ١/ ٤٦٠، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ولو قرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة كذا في الذخيرة وغيرها وقراءة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراءتها مرتين كما في الظهيرية. (البحر الرائق: ٢/ ٩٤، كوئٹه)

عمدۃ الفقہ میں مذکور ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/ ۳۶۴، مجددیہ)

دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز میں واجب چھوٹ گیا پھر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدۂ سہو کرے گا یا نماز کا اعادہ کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر نماز کے بعد اسی جگہ پر بیٹھا ہے اور بات چیت بھی نہیں کی یعنی مفسدِ صلاۃ کوئی امر پیش نہیں آیا تو سجدۂ سہو کرلے نماز درست ہوجائے گی، لیکن اگر مفسدِ صلاۃ کوئی کام کرلیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويًا للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسي السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامي: (قوله لبطلان التحريمة) أي بالتحول أو التكلم، وقيل لا يقطع بالتحول مالم يتكلم أو يخرج من المسجد كما في الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسي السهو) وهي مالو كان عليه سهوية فقط ففي هذه كلها إذا سلم ناسيًا لما عليه كله

أولما سوى السهوية لايعد سلامه قاطعًا، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذى تذكره (قوله مادام فى المسجد) أى وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجد كله فى حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة، وأما إذا كان فى الصحراء فإن تذكر قبل أن يجاوز الصفوف من خلفه أويمينه أويساره عاد إلى قضاء ماعليه،لأن ذلك الموضع ملحق بالمسجد، وإن مشى أمامه فالأصح اعتبارموضع سجوده أوسترته إن كان له سترة بين يديه كما فى البدائع والفتح فى البدائع من أن السجود لايسقط بالسلام ولوعمدًا إلا إذا فعل فعلاً يمنعه من البناء بأن تكلم أوقهقه أوأحدث عمدًا أو خرج من المسجد أوصرف وجهه عن القبلة وهوذاكرله لأنه فات محله وهوتحريمة الصلاة فسقط ضرورة فوات محله.

(الدر المختارمع الشامى:۲/۹۱، باب سجود السهو،سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:٤٧٦، باب سجود السهو،قديمى۔ بهشتى زيور ۲/۱۶۰۔ احسن الفتاوى:٤/٤٦)۔ واللہ اعلم۔

حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، پہلی، تیسری اور چوتھی میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إن قرأ (التشهد) فى قيام الأولى قبل الفاتحة أوفى الثانية بعد السورة أوفى الأخريين مطلقًا لا سهو عليه وإن قرأ فى الأوليين بعد الفاتحة والسورة أوفى الثانية قبل الفاتحة وجب عليه السجود لأنه أخّر واجبًا. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٤٦١، باب سجود السهو۔ وكذا فى تبيين الحقائق: ١/١٩٣۔ وشرح منية المصلى: ٤٦٠۔ والفتاوى الهندية: ١/١٢٧)

قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: کسی نے التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تشہد کی جگہ فاتحہ یا قراءت کرلی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روى عن أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ في الواقعات الناطفية وذكرهناك إذا بدأ في موضع التشهد بالقراءة ثم تشهد فعليه السهو. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱۲۷۱، الباب الثاني عشر في سجود السهو۔ وكذا في امداد الفتاح: ۵۱۰، باب سجود السهو، بيروت۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٦١، باب سجود السهو، قديمي۔ فتاوى رحيميه: ۲٤۲/۱)

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟

سوال: اگر کسی حافظ نے نمازِ تراویح میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تکرارِ فاتحہ ضمِ سورت کے بعد ہے لہذا سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهو وقيل يلزمه.

(شرح منية المصلي: ٤٦٠، سهيل)

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو قرأ فيهما الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة ساهيًا لم يجب عليه سهو وصار كأنه قرأ سورة طويلة. والله اعلم.

(الجوهرة النيرة: ۹۲، باب سجود السهو، امدادية ملتان۔ وكذا في الفتاوى الهنديّة: ۱۲٦/۱۔ وفتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱۲۱/۱۔ والدرالمختار: ٤۲۹/۱، سعيد)

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سننِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں بھول سے درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ سننِ مؤکدہ میں جمعہ کی بعد والی چار رکعت کا حکم مختلف ہے چونکہ ان چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا لازم نہیں اس لئے اگر درود شریف قعدۂ اولیٰ میں پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايصلى على النبى ﷺ فى القعدة الأولىٰ فى الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لو صلى ناسيًا فعليه السهو، وقيل لا (وفى الشامية) أقول: قال فى البحر فى باب صفة الصلاة إن ما ذكر مسلم فيما قبل الظهر لما صرحوا به من أنه لاتبطل شفعة الشفيع بالانتقال إلى الشفع الثانى منها، ولو أفسدها قضى أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها، وأما الأربع بعد الجمعة فغير مسلم فإنها كغيرها من السنن، فإنهم لم يثبتوا لها تلك الأحكام المذكورة ومثله فى الحلية وهذا مؤيد لما بحثه الشرنبلالى من جوازها بتسليمتين لعذر (قوله وقيل لا) قال فى البحر: ولايخفى ما فيه، والظاهر الأول. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامى: ۲/۱۶، باب الوتر والنوافل، سعيد۔ وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۲۵۱، واجبات الصلاة، قديمى۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷، سجود السهو۔ وأحسن الفتاوى: ۴/۲۹، باب سجود السهو)

سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: منفرد اگر سری نماز میں جہر سے دو آیتیں یا تین آیتیں پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں اور اگر امام ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں منفرد پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔ ہاں امام نے تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جہر سے پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر فى موضعه والمخافتة فى موضعها من الواجبات واختلفت الرواية فى المقدار والأصح قدر ما تجوز به الصلاة فى الفصلين لأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه وعن الكثير يمكن إلى قوله وهذا فى حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة.

(الهداية: ۱/۱۵۸۔ وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/۱۲۔ وكذا فى شرح العناية على الهداية: ۱/۵۰۵۔ والشامى: ۲/۱۸، باب سجود السهو، سعيد)

درمختار میں ہے:

ولو قرأ آية طويلة فى الركعتين فالأصح الصحة اتفاقًا لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبى وفى الشامى: (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ

المكتفي بالآية أولى. قال في البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراءته قارئًا عرفًا وفي التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لو قرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أو يعدلها فلاتكون قراءته أقل من ثلاث آيات وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون..... والله اعلم.

(الدرالمختارمع الشامي:۱/۵۳۷، فصل في القراءة)

مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سہواً یعنی بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۂ امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لايلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط إن سلم في الأولى مقارنًا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به، وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

(الدرالمختارمع الشامي:۱/۵۵۹، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي:۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولايسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكرًا لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكرًا له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلما معًا لايلزمه لأن سهوه سهو المقتدى

وسهو المقتدى متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضى مافاته ثم يسجد للسهو فى آخر صلاته. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ١/١٧٦، سعيد)

پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی تین رکعت فوت ہوگئی امام کے سلام کے بعد ادا کرتا ہے تو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہیں ملائی اس کے بعد دونوں رکعتوں میں سورت ملائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق جو پہلی رکعت ادا کرتا ہے اس میں ضم سورت ضروری ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سہواً ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے اور نماز درست ہوجائے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

(قوله ويقضى أول صلاته فى حق قراءة الخ) هذا قول محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ كما فى مبسوط السرخسى، وعليه اقتصر فى الخلاصة وشرح الطحاوى والاسبيجابى والفتح والدرر والبحر وغيرهم وذكر الخلاف كذلك فى السراج لكن فى صلاة الجلابى أن هذا قولهما وتمامه فى شرح إسماعيل. وفى الفيض عن المستصفى: لو أدركه فى ركعة الرباعى يقضى ركعتين بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة، وظاه ركلامهم اعتماد قول محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ. (رد المحتار: ١/٥٩٦، احكام المسبوق، سعيد)

ردالمحتار میں ہے:

(قوله فى الأوليين) تنازع فيه قراءة وضم فى قول المصنف قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة لأن الواجب فى الأوليين كل منهما فافهم.

(رد المحتار: ١/٤٥٩، باب الواجبات ـ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١/٧١، الفصل الثانى فى واجبات الصلاة)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولايجب السجود إلابترك واجب أوتأخيره أو تأخير ركن أوتقديمه أوتكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفى الحقيقة وجوبه بشىء واحد وهو ترك الواجب، كذا فى الكافى. والله اعلم. (الفتاوى الهندية: ١/١٢٦)

فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کردی پھر یاد آنے پر چھوڑ دی تو نماز کا کیا حکم ہے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض کی تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے سورت ملانا خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے، البتہ اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن كانت تلك الصلاة فريضة ثلاثية أورباعية فهو مخير فيما بعدالأوليين والقراءة أفضل وإن قرأ يقرأ الفاتحة فحسب ولايزيدعليها شيئًا لمافى البخارى من حديث أبى قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ "أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يقرأ فى الظهر فى الأوليين بأم القرآن وسورتين وفى الركعتين الأخريين بأم الكتاب" الحديث. فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهيًا فى أظهر الروايات لايجب عليه سجود السهو لأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقدير والتقييد بالفاتحة مسنون لا أن الاقتصار عليها واجب. (شرح منية المصلى: ص ۳۳۱، سهيل اكيدمى)

شامی میں ہے:

وهل يكره فى الأخريين؟ المختار لا أى لايكره تحريمًا بل تنزيهًا لأنه خلاف السنة وفى البحر عن فخر الإسلام أن السورة مشروعة فى الأخريين نفلاً، وفى الذخيرة: أنه المختار، وفى المحيط: وهو الأصح. والظاهر أن المراد بقوله نفلاً الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافى كونه خلاف الأولى كما أفاده فى الحلية. والله اعلم.

(شامى: ۱/۴۵۹، واجبات الصلاة، سعيد)

سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہو تو تکرارِ سہو کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو کرنے کے بعد التحیات کی جگہ سورتِ فاتحہ پڑھنے لگا تو کیا دوبارہ سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہے بلکہ پہلا کافی ہے تکرارِ سہو مشروع نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وإن تكرر ترك الواجب حتى لايجب عليه أكثر من سجدتين.

(تبيين الحقائق: ۱/۱۹۱، باب سجود السهو، امداديه ملتان)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو سهى في صلاته مرارًا يكفيه سجدتان. (خلاصة الفتاوى: ۱/۱۷۳، رشيدية)

شامی میں ہے:

(قوله وإن تكرر) حتى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهوًا لايلزمه إلا سجدتان بحر، لأن تكراره غير مشروع، سيأتي أن المسبوق يتابع إمامه فيه ثم إذا قام لقضاء مافاته فسها فيه يسجد أيضًا فقد تكرر، وأجاب في البدائع بأن المسبوق فيما يقضي كالمنفرد فهما صلاتان حكمًا وإن كانت التحريمة واحدة. (شامي: ۲/۸۰، باب سجود السهو، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

الخامس أنه لايتكرر الوجوب بترك أكثر من واجب حتى لو ترك جميع الواجبات ساهياً فإنه لايلزمه أكثر من سجدتين لأنه تأخير عن زمان العلة وهو وقت وقوع السهو مع أن الأحكام الشرعية لا تزدحم على محلها فعلم أنه لايتكرر إذ الشرع لم يرد به وسيأتي أن المسبوق يتابع إمامه في سجود السهو ثم قام إلى القضاء وسها فإنه يسجد ثانيًا فقد تكرر سجود السهو وأجاب عنه في البدائع بأن التكرار في صلاة واحدة غير مشروع وهما صلاتان حكمًا وإن كانت التحريمة واحدة لأن المسبوق فيما يقضي كالمنفرد وعلله في المحيط بأن السجدة المتقدمة لاترفع النقصان المتأخر، فأما السجدة المتأخرة فإنها ترفع النقصان المتقدم.

(البحر الرائق: ۲/۹۹، باب سجود السهو، الماجديه)

بحر کی عبارتِ مذکورہ سے شبہ ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد کچھ نقصان ہوا تو جابر نہ ہوگا کیونکہ علت حکم سے مؤخر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ علت حکم پر مقدم ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ نماز گویا ایک ہی فعل ہے تو ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہونا چاہئے اور اگرچہ علت مؤخر ہے لیکن علتِ متقارنہ ہونے کی وجہ سے اگلے حکم کو بھی متضمن ہے۔

پھر دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ محیط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو اگلے نقصان کا جابر ہے لیکن پچھلے کا نہیں تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسبوق کے لئے ہے یعنی مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں اتباع کرے گا پھر اپنی نماز میں کوئی غلطی کرے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا اور یہ اس وجہ سے کہ مسبوق کی نماز حکماً ایک نہیں ہے علیحدہ ہے یعنی امام کے ساتھ مقتدی ہونے کی بنا پر سجدۂ سہو کرے گا اور بعد میں منفرد ہونے کی بنا پر۔

بہشتی زیور میں ہے:

سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (بہشتی زیور: ۲/۴۰۸۔ وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۶۴، باب سجود السہو، قدیمی)

قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قعدہ میں تشہد پڑھ لیا پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن قرأ بعد التشهد فإن كان فى الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وإن كان فى الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له فى الدعاء والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۶۱، باب سجود السہو، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الہندیۃ: ۱/۱۲۷)

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو کر واپس آنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص چوتھی رکعت میں بیٹھا تشہد بھی پڑھ لیا پھر کھڑا ہو گیا یاد آیا تو واپس بیٹھ گیا اب دوبارہ تشہد پڑھے یا سجدۂ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ تشہد نہ پڑھے پہلا کافی ہے، ہاں سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن قعد فى الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم وسجد للسهو، وفى الشامى: قوله عاد وسلم أى عاد للجلوس لما مر أن ما دون الركعة محل للفرض وفيه إشارة إلى أنه لا يعيد التشهد وبه صرح فى البحر. (الدر المختار مع الشامى: ۲/۸۷، باب سجود السهو، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن قعد الجلوس الأخيرة قدر التشهد ثم قام ولو عمدًا وقرأ وركع عاد للجلوس لأن

مادون الركعة بمحل الفرض وسلم وسجد للسهو لتأخير السلام. والله اعلم.

(مراقی الفلاح: ۱۸۰، باب سجود السهو، مكة المكرمة۔ وكذا في البحر الرائق: ۹۳/۲، باب سجود السهو۔ وكذا في عمدة الفقه: ۳۶۹/۲۔ وكذا في شرح منية المصلي: ۴۶۳، سهيل۔ وكذا في فتاوى محمودية: ۴۲۹/۷، باب سجود السهو، جامعه فاروقيه)

سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص سجدۂ سہو بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر لیا اور سینہ بھی قبلہ سے پھیر لیا اب سجدۂ سہو کرسکتا ہے یا اعادہ کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرلے نماز درست ہوجائے گی اعادہ ضروری نہیں لیکن مسجد سے نکل جانے کے بعد اعادہ ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويًا للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسي السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامية: (قوله لبطلان التحريمة) أي بالتحول أو التكلم، وقليل لايقطع بالتحول ما لم يتكلم أو يخرج من المسجد كما في الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسي السهو) وهي ما لو كان عليه سهوية فقط ففي هذه كلها إذا سلم ناسيًا لما عليه كله أو لما سوى السهوية لايعد سلامه قاطعًا، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذي تذكره (قوله مادام في المسجد) أي وإن تحول عن القبلة استحسانًا لأن المسجد كله في حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامي: ۹۱/۲، باب سجود السهو، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۷۶، باب سجود السهو، قديمي۔ وكذا في شرح العناية على هامش فتح القدير: ۵۱۶/۱، باب سجود السهو، دارالفكر۔ وكذا في احسن الفتاوى: ۴۶/۴۔ وبهشتي زيور: ۱۶۰/۲)

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم:

سوال: مقتدی کا تشہد پورے ہونے سے پہلے امام سجدۂ سہو کرنے لگا تو مقتدی کیا کرے؟ پورا کرے یا اتباع کرے فی الفور؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدی تشہد جلدی سے پورا کر لے پھر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو جائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ فی الفور اتباع کر لے لیکن اس میں ترکِ واجب لازم آتا ہے اور تشہد پورا کرنے میں صرف تاخیر ہے جو اخف البلیتین ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کر لے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

تنبيه: من الواجب متابعة المقتدى إمامه فى الأركان الفعلية أما لو قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يتمّ المقتدى التشهد فإنه يتمّ ثم يقوم لأن التشهد واجب وإن لم يتمّ وقام للمتابعة جاز وكذا لو سلم فى القعدة الأخيرة قبل أن يتمّه بخلاف ما إذا رفع رأسه قبل التسبيح أو سلّم قبل الصلاة عليه ﷺ فإنه يتابعه، والحاصل أن متابعة الإمام فى الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب آخر لا ينبغى أن يفوت ذلك الواجب بل يأتى به ثم يتابع لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وأنما يؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوت الواجب بالكلية فكان الإتيان بالواجبين مع تأخير أحدهما أولى من ترك أحدهما بالكلية بخلاف ما إذا عارضها سنه لأن ترك السنة أخف من تأخير الواجب. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۲۵۶، فصل فى واجبات الصلاة، قديمى۔ وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۷۰، فى تحقيق متابعة إمام۔ وكذا فى شرح منية المصلى: ۲۹۶ سهيل)

مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی کسی ظہر میں تین رکعت فوت ہوئیں جب ادا کرتا ہے تو پہلی پر قعدہ نہیں کیا دو رکعت پر قعدہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فوت شدہ رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت پر بیٹھ جائے پھر دو رکعات پڑھ کر اخیری رکعت پر قعدہ کرے اس طرح نماز پوری کرے، لیکن اگر کسی نے پہلی پر قعدہ نہیں کیا اور امام کے بعد دوسری پر قعدہ کیا تو بھی استحساناً جائز اور درست ہے نہ سجدۂ سہو لازم اور نہ اعادہ۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جندبًا ومسروقًا أدركا ركعة يعنى من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق فى الثانية والثالثة وقام جندب فى الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلك فأتيا ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ **فقال كل قد أصاب أوقال كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق.** رواه الطبرانی فی الكبير بأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفی هذه الطريق جابر الجعفی والأكثر علی تضعيفه۔

(مجمع الزوائد: ۲/۸۶، باب فيما يدرك مع الإمام وما فاته، دار الفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ فی الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد فی أوليهما لأنها ثنائية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً وولم يلزمه سجود السهو لو سهواً لكونها أولىٰ من وجه.

(شرح منية المصلی: ۴۶۸، فصل فی سجود السهو، سهيل۔ وكذا فی الدر المختار مع الشامی: ۱/۵۲۳، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أو بعضها وحكمه أنه يقضی أول صلاته فی حق القراءة وآخرها فی حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعل المقتدی۔ وكذا فی الشامی: ۱/۵۹۷، باب الامامة، سعيد)

سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کوئی نمازی سورت ملانا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو واپس آنا ضروری ہے یا رکوع پورے کرکے آخر میں سجدہ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں واپس آنا چاہئے اور سورت ملانے کے بعد رکوع دوبارہ کرلے، لیکن اگر واپس نہیں آیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولو ترك السورة فتذكرها فی الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود فأنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع، وعليه السهو لأنه بقراءة السورة وقعت فرضًا فيرتفض الركوع حتی لو لم يعده فسدت صلاته.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۶۰، باب سجود السهو۔ وكذا فی الشامی: ۲/۸۵، باب سجود السهو۔ وكذا فی الفتاوی الهندية: ۱/۱۲۶)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد مااستتم قائمًا اختلف التصحيح فی فساد صلا ته وأرجحهما عدم الفساد لأن غاية ما في الرکوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة وهووإن كان لايحل لكنه بالصحة لايحل وقال صاحب البحروالحق عدم الفساد.

(مراقی الفلاح:۱۷۹، باب سجود السهو، مكة المكرمة)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ چھوڑ کر قیام کی طرف چلا گیا پھر دوبارہ آ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی حالانکہ فقہاء نے فرض سے واجب کی طرف لوٹنے کو منع فرمایا لیکن لوٹ آیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی، تو صورتِ مسئولہ میں بھی فقہاء نے رکوع سے لوٹنے کو فرمایا تا کہ جو واجب چھوٹ گیا تھا اس کی تلافی کر لے اور جب نہیں لوٹا تو بدرجۂ اولیٰ نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ رکوع سے نہ لوٹنا تو اخف ہے بنسبت اس کے جس میں قیام سے قعدہ کی طرف لوٹنا پایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں رکوع سے واپس نہ آنے کی صورت میں بھی سجدہ سہو کافی ہوگا اور نماز درست ہے، اگرچہ بعض مفتی حضرات نے فرمایا کہ نہ لوٹنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۴/۲۳۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ اعلم۔

بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صاحبِ درمختار نے مفسدِ صلاۃ کہا ہے لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولوظن الإمام السهووسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد. وفی الشامی: وفی الفيض: وقيل لاتفسد وبه يفتى وفی البحرعن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث رحمہ اللہ تعالیٰ: فی زماننا لاتفسد لأن الجهل فی القراء غالب. والله اعلم.

(الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۹۹، سعيد)

ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ظہر کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کا کچھ حصہ جہراً پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ یاد رہے اس نے پہلی دو رکعتوں میں سری قراءت کی ہے۔

الجواب: امام کے لئے جہری نماز میں جہر واجب ہے اسی طرح سری نماز میں سراً قراءت کرنا واجب ہے، لہٰذا سری کی جگہ تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اور اگر منفرد ہے تو اس کو جہر کی جگہ سر کا اختیار ہے لیکن سر کی جگہ جہر کرنے کا اختیار نہیں لہٰذا اس کے لئے بھی یہی حکم ہے یعنی تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظاہر الروایہ کے مطابق منفرد پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

والحاصل أن الجهر في الجهرية لايجب على المنفرد اتفاقًا وإنما الخلاف في وجوب الإخفاء عليه في السرية، وظاهر الرواية عدم الوجوب كماصرح بذلك في التتارخانية عن المحيط، وكذا في الذخيرة وشروح الهداية كالنهاية والكفاية والعناية ومعراج الدراية. وصرحوا بأن وجوب السهو عليه إذاجهر فيما يخافت رواية النوادر، فعلى ظاهر الرواية لاسهو على المنفرد إذاجهر فيما يخافت فيه وإنما هو على الإمام فقط.

(شامي: ۲/۱۸، باب سجود السهو، سعيد)

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر قدرما تجوز به الصلاة يجب سجود السهو عليه وهو أى التقدير بمقدار ما تجوز به الصلاة هو الأصح وإلا فلايجب.

(شرح منية المصلي: ۱/۴۵۷، سهيل۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۸۔ والدرالمختار: ۱/۵۳۳۔ والهداية: ۱/۱۵۷۔ ومجمع الأنهر: ۱/۱۰۲)

ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر في موضعه والمخافتة في موضعها من الواجبات واختلفت الرواية في المقدار والأصح قدرما تجوز به الصلاة في الفصلين لأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه وعن الكثير يمكن إلى قوله وهذا في حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة. والله اعلم.

(الهداية: ۱/۱۵۸۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۱۲۔ وكذا في شرح العناية على الهداية: ۱/۵۰۵)

تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار:

سوال: تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: ایک آیت کی مقدار جس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے، تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اور تین چھوٹی آیات کی مقدار ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو قرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقًا لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبي وفي الشامي: (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى المكتفى بالآية أولى. قال في البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراءته قارئًا عرفًا وفي التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لو قرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أو يعدلها فلا تكون قراءته أقل من ثلاث آيات وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون..... والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/۵۳۷، فصل في القراءة۔ وفي فتح القدير: ۱/۳۳۲، دارالفكر۔ ومجمع الأنهر: ۱/۱۰۴۔ وشرح منية المصلي: ۱/۲۷۸، سهيل۔ وبدائع الصنائع: ۱/۱۱۲، سعيد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿"قرأ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: النجم بمکة فسجد فیها وسجد معه"﴾

(بخاری ومسلم)

باب.....﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

باب.....﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ لی لیکن سجدہ نہیں کیا تین آیات پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا اب وہ کیا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب یاد آیا اس وقت فوراً سجدۂ تلاوت کرلے نماز درست ہوجائے گی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزئ عنها أیضًا سجودها أی سجود الصلاة إذا لم ینقطع فور التلاوة وانقطاعه أن یقرأ أکثر من آیتین بعد آیة سجدة التلاوة وبالإجماع وقال شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ: لاینقطع الفور ما لم یقرأ أکثر من ثلاث آیات وقال الکمال: إن قول شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ هو الروایة إذا انقطع فور التلاوة صارت دینًا فلا بد من فعلها بنیة فیأتی لها بسجود أو رکوع خاص. (مراقی الفلاح: ۱۸۵، باب سجود التلاوة، مکة المکرمة)

اگر دوسرے کسی رکن میں یاد آیا تب بھی فوراً ادا کرلے اور اس رکن کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو تذکر المصلی فی رکوعه أو سجوده أنه ترک سجدة صلبیة أو تلاویة فانحط من رکوعه بلا رفع أو رفع من سجوده فسجدها عقب التذکر أعادهما أی الرکوع والسجود ندبًا لسقوطه بالنسیان وسجد للسهو. وفی الشامی: قید بالرکوع أو السجود لأنه لو تذکر السجدة فی القعدة الأخیرة فسجدها أعاد القعدة نهر، قوله لسقوطه أی سقوط وجوب الإعادة المبنی علی وجوب الترتیب، فإن الترتیب فیما شرع مکرر من أفعال الصلاة واجب، یأثم بترکه عمدًا ویسقط بالنسیان وینجبر بسجود السهو. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/۶۱۲، باب الاستخلاف، سعید)

سورۂ صٓ کے سجدہ کی تحقیق:

سوال: سورۂ صٓ کا سجدہ لفظ ﴿أناب﴾ پر ہے یا ﴿حسن مآب﴾ پر اگر کسی نے ﴿حسن مآب﴾ کی جگہ ﴿أناب﴾ پر سجدہ کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سورۂ صٓ کا سجدہ ﴿حسن مآب﴾ پر ہے اگر کسی نے ﴿أناب﴾ پر کرلیا تو بھی ایک قول کے مطابق ادا ہوجائے گا، اور سورۂ صٓ کے علاوہ دیگر جگہوں پر لفظ سجدہ سے قبل سجدہ کیا تو دوسرا سجدہ لازم ہوگا اور سجدۂ سہو بھی لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

نقول نحن نسجد ذلك شكرًا لما أنعم الله على داؤد عليه الصلاة والسلام بالغفران والوعد بالزلفى وحسن المآب ولهذا لايسجد عندنا عقيب قوله وأناب بل عقيب قوله مآب.

(بدائع الصنائع: ۱/۲۸۷، سعيد كمپنى)

مراقی الفلاح میں ہے:

وصٓ ﴿وظن داؤد إنما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعًا وأناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنا لزلفى وحسن مآب﴾ وهذا هو الأولى مما قال الزيلعى تجب عند قوله تعالى: ﴿وخر راكعًا وأناب﴾ وعند بعضهم عند قوله تعالى: ﴿وحسن مآب﴾.

(مراقى الفلاح: ۱۸٤، باب سجود التلاوة، مكة المكرمة)

شامی میں ہے:

(قوله من كل واحد حرفًا) لما تقدم أن الموجب للسجدة تلاوة أكثر الآية مع حرف السجدة والظاهر أن المراد بالحرف الكلمة ويكون الحرف الحقيقى مفهومًا بالأولى.

(شامى: ۲/۱۱۸، باب سجود التلاوة، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايجب السجود إلابترك واجب أوتأخيره أوتأخير ركن أوتقديمه أوتكراره أوتغير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفى الحقيقة وجوبه بشىء واحد وهوترك الواجب كذا فى الكافى. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲٦)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت حسن مآب پر کیا جائے اناب پر سجدہ کرنا خلافِ احتیاط ہے۔ شامی میں ہے: وفی صٓ عند حسن مآب فهو أولىٰ من قول الزيلعي عند و أناب. (شامی: ۱/ ۷۱۶) صورتِ مسئولہ میں اناب پر سجدہ کیا گیا ہے خلافِ احتیاط ہوا لیکن اعادہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۴۱۹۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۴۷۱ باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ)

سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم:

سوال: سواری پر سوار آدمی اگر سجدہ کی آیت پڑھتا رہے تو متعدد سجدے ہیں یا صرف ایک؟

الجواب: سواری پر آیتِ سجدہ کی تکرار سے اگر نماز میں ہے تو صرف ایک سجدہ واجب ہے اور نماز میں نہیں ہے تو متعدد سجدے واجب ہیں اسی طرح سمندری جہاز میں بھی تکرارِ آیتِ سجدہ سے متعدد سجدے لازم ہوں گے اگر چہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک واجب ہے لیکن اُس زمانہ میں سمندری جہاز ہوا سے چلتے تھے اور موجودہ دور میں مشین وغیرہ کے ذریعہ ملاح چلاتے ہیں لہذا جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے متعدد واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وانتقاله من غصن إلى آخر وسبحه في نهر أو حوض تبديل فتجب أخرى بخلاف زوايا مسجد وبيت وسفينة سائرة وفعل قليل كأكل لقمتين وقيام ورد سلام وكذا دابة يصلى عليها لأن الصلاة تجمع الأماكن ولولم يصل تتكرر. وفي الشامي: (قوله لولم يصل تتكرر) لأن سيرها مضاف إليه حتى يجب عليه ضمان ما أتلفت بخلاف سير السفينة.

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۱۱۵، باب سجود التلاوة، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولايتبدل مجلس التلاوة والسماع بسير سفينة كما لو كانت واقفة لأن سير السفينة لايضاف إليه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٩٦، باب سجود التلاوة، وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ١/ ٣٢٨)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

إذا كررها مصليًا أما إذا كررها خارج الصلاة تكرر الوجوب لأن سير الدابة يضاف إلى راكبها. والله اعلم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٩٦، باب سجود التلاوة، قديمي)

ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم:

سوال: ریڈیو سے آیتِ سجدہ سنی تو سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر تلاوت کو کسی آلہ مثلاً کسیٹ، سیڈی یا ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں محفوظ کرلیا تھا وہ تلاوت ریڈیو پر نشر کی جارہی ہے تو سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے، اور اگر قاری تلاوت کررہا ہے اور اس نے آیتِ سجدہ پڑھی تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، خلاصہ یہ ہے اصل تلاوت سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے نقل یا عکس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولاتجب بسماعها من الصدى وهو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحارى ونحوها، الأولى قول بعضهم الصوت الذى يسمعه المصوت عقب صياحه راجعًا إليه من جبل أوبناء مرتفع فإنه لاإجابة في الصدى إنما هومحاكاة.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٤٨٦، باب سجود التلاوة،قديمى)

نظام الفتاوی میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ، گراموفون وغیرہ جن میں متکلم کی آواز بعینہٖ نہیں آتی بلکہ متکلم کی آواز کی نقل آتی ہے صدائے باز گشت وغیرہ میں آتی ہے، تو اس کی تلاوت کی بنا پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ریڈیو میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر و آواز ٹیپ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے پس اگر ایسا ہو نے کا ظنِ غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔

ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس کی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہٖ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اس کے اعتبار سے عمل کرے۔ (منتخب نظام الفتاوی: ۱/۷۲، اسلامک فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۷/۴۷۲، باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/۶۵)۔ واللہ اعلم۔

نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی چھوٹے نابالغ بچے نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو سامع پر سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر سمجھدار بچہ ہے تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے ورنہ صبی غیر ممیّز کی

تلاوت سے سامع پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وذكر شيخ الإسلام إذ لايجب السجود بالسماع من مجنون أو نائم أو طير، لأن السبب سماع تلاوة صحيحة وصحت التلاوة بالتمييز ولم يوجد.

(امداد الفتاح: ۵۳۱، باب سجود التلاوة، بيروت)

فتح القدیر میں ہے:

وهذا التعليل يفيد التفصيل فى الصبى فليكن هو المعتبر إن كان له تمييز وجب بالسماع منه وإلا فلا. والله اعلم. (فتح القدير: ۲/۱۵، باب سجود التلاوة، دارالفكر۔ واحسن الفتاوى: ۴/۶۰)

آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے وہ الفاظ پڑھے جن میں سجدہ کا ذکر ہے لیکن پوری آیت نہیں پڑھی مثلاً ﴿خر راكعًا وأناب﴾ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں آیتِ سجدہ کا اکثر حصہ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں لہٰذا ﴿خر راكعًا وأناب﴾ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو قرأ آية السجدة إلاالحرف الذى فى آخرها لايسجد ولو قرأ الحرف الذى يسجد فيه وحده لايسجد إلاأن يقرأ أكثر آية السجدة بحرف السجدة. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۲، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة۔ وكذا فى امداد الفتاح: ۵۲۸، باب سجود التلاوة، بيروت۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۴۸۱، قديمى)

نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ اُسی آیت کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھی پھر سجدہ کرلیا اس کے بعد دوبارہ وہی آیت پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلا کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو تلاها فی رکعة فسجدها ثم أعادها فی تلك الرکعة لاتجب ثانیًا کذا فی محیط السرخسی، المصلی إذا قرأ آیة السجدة فی الأولی ثم أعادها فی الرکعة الثانیة وسجد للأولی لیس علیه أن یسجدها وهو الأصح کذا فی الخلاصة.

(الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۳۵، سجود التلاوة۔ وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/ ۱۸۷، مسائل السجدات، الرشیدیه)

بہشتی زیور میں ہے:

اگر نماز میں سجدہ کی ایک ہی آیت کو کئی دفعہ پڑھے تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کرلیا پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(بہشتی زیور: ۴۴، دوسرا حصہ سجدۂ تلاوت کا بیان، دارالاشاعت)

مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک ہی جگہ میں بیٹھا ہے اور مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سن رہا ہے تو کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ مختلف آیاتِ سجدہ مختلف لوگوں سے سن رہا ہے اسوجہ سے ہر آیت پر الگ سجدہ واجب ہوگا تو جتنی آیتیں سنے گا ان کے مطابق سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الأصل أنه لایتکرر الوجوب إلا بأحد أمور ثلاثة: اختلاف التلاوة أو السماع أو المجلس أما الأولان: فالمراد بهما اختلاف المتلو والمسموع حتی لو تلا سجدات القرآن کلها أو سمعها فی مجلس أو مجالس وجبت کلها قوله بشرط اتحاد الآیة والمجلس أی بأن یکون المکرر آیة واحدة فی مجلس واحد، فلو تلا آیتین فی مجلس واحد أو آیة واحدة فی مجلسین فلا تداخل ولم یشترط اتحاد السماع لأنه إنما یکون باتحاد المسموع فینبغی عند اشتراط اتحاد الآیة. (شامی: ۲/ ۱۱۴، باب سجود التلاوة، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله بشرط اتحاد الآیة) أما لو قرأ القرآن کله فی مجلس واحد لزمه أربع عشرة سجدة لأن المجلس لایجعل الکلمات المختلفة الجنس بمنزلة کلام واحد.

(حاشیة الطحطاوی علی الدر: ۱/ ۳۲۷، باب سجود التلاوة۔ وکذا فی الجوهرة النیرة: ۹۷)

تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے آیتِ سجدہ مسجد کے اندر سنی پھر وہی آیت صحنِ مسجد میں سنی اور صحن خارجِ مسجد ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صحنِ مسجد مسجد سے خارج ہے لہذا تبدیلِ مجلس کی وجہ سے دو سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو تبدل مجلس السامع دون التالی يتكرر الوجوب عليه.

(الفتاوى الهندية: ١/ ١٣٤، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أجمعوا على أنه إذا اختلف مجلس السامع في غير الصلاة واتحد مجلس التالي يتكرر الوجوب على السامع بتكرر التلاوة. والله اعلم۔

(فتاوى قاضيخان: ١/ ٧٧۔ وكذا في فتاوى السراجية على هامش قاضيخان: ١/ ٧٨۔ وكذا في الهداية: ١/ ١٥٧۔ والبحر الرائق: ٢/ ١٢٦)

اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر مسجد کا صحن خارج نہ ہو بلکہ دونوں مسجد ہی ہو تو اب کتنے سجدے لازم ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اتحادِ مکان کی وجہ سے ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

امداد الفتاح میں ہے:

ولا يتبدل مجلس السماع والتلاوة بزوايا البيت الصغير كذا في البرهان وفي التتار خانية ولو قرأها في زوايا المسجد الجامع يكفيه سجدة واحدة وقد جزم قاضيخان حيث قال: ولا يتكرر الوجوب لو انتقل من زاوية البيت أو المسجد إلى زاوية إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لا يتكرر الوجوب، وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يصير كمكان واحد ولا يتكرر الوجوب، انتهى. والله اعلم. (امداد الفتاح: ٥٤٠، بيروت۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/ ١٣٤)

امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم:

سوال: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام کی نیت مقتدی کی طرف سے کافی ہونا چاہئے جیسے مسافر امام سفر والی نماز یا مقیم اقامت والی نماز کی نیت کرلے تو مقتدیوں کے لئے کافی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی تو مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوگی اور تمام کا سجدہ ادا ہوجائے گا، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ جہری نماز میں مستقل سجدہ کرکے ادا کرنا چاہئے تاکہ جاہل عوام پر کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔

ملاحظہ ہو منحۃ الخالق میں ہے:

(قوله وفي القنية ولو نواها في الركوع الخ) قال في النهر وينبغي حمله على الجهرية، قلت: لعل وجهه والله أعلم ما يأتي عن القنية أيضًا أن الركوع أولى في صلاة المخافتة و علله في التتار خانية بقوله لئلا يلتبس الأمر على القوم فإنه يفيد أنه لايلزم القوم نيتها في الركوع لأنه لاعلم لهم بتلاوته وإلا لم يحصل عليهم التباس بخلاف الجهرية.

(منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ٢ /١٢٣، باب سجود التلاوة)

مراقی الفلاح میں ہے میں ہے:

ويجزىء عنها أي عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نوها أي نوى أداءها فيه نص عليه محمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ لأن معنى التعظيم فيهما واحد وينبغي ذلك للإمام مع كثرة القوم أو حال المخافتة حتى لايؤدي إلى التخليط وفي الطحطاوي: قوله وينبغي ذلك للإمام ان يجعلها في ركوع الصلاة إن كانت سرية.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ٤٨٦، باب سجود التلاوة، قديمي۔ والشامي: ٢/١١٢، باب سجود التلاوة۔ والفتاوى الهندية: ١/١٣٤)

احسن الفتاوی میں ہے:

راجح یہ ہے کہ رکوع میں امام کی نیت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ٤/٥٩۔ وکفایت المفتی: ٣/٤١٥، دارالاشاعت)

سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی سے سجدۂ تلاوت رہ جائے تو اس کا فدیہ دے گا یا نہیں؟

الجواب: احتیاطاً سجدۂ تلاوت کا فدیہ دیدیا جائے تو درست ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا رواية فی سجدة التلاوة أنه يجب أو لايجب كما فی الحجة والصحيح أنه لايجب كما فی الصوفية إسمعيل. (شامی: ۲/۷۳، باب قضاء الفوائت، سعید۔ وكذا فی البحرالرائق: ۲/۹۱، كوئٹة)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے:

سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدے کے بدلے میں پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (جواہر الفقہ: ۱/۳۹۳، مسائل فدیہ نماز و روزہ وغیرہ، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم:

سوال: سجدۂ تلاوت خارج الصلاۃ رکوع میں کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگرچہ بعض حضرات نے رکوع میں ادا کرنے کو درست قرار دیا ہے لیکن محققین کے نزدیک رکوع میں ادا کرنا درست نہیں، اس لئے کہ رکوع مستقل کوئی عبادت نہیں۔ البتہ فتاوی ہندیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے لئے جائز ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتؤدى بركوع وسجود غير ركوع الصلاة وسجودها فی الصلاة وكذا فی خارجها ينوب عنها الركوع فی ظاهر المروى بزازية لها أى للتلاوة. وفی الشامیؒ: قوله وكذا فی خارجها الخ: هذا ضعيف لما قدمناه عن البدائع من أنه لايجزئ لاقياسًا ولااستحسانًا وما عزاه إلى البزازية تبع فيه صاحب النهروهو خلل فی النقل لأن الذى رأيته فی نسختين من البزازية هكذا والله اعلم. (الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۱۱، باب سجود التلاوة۔ وكذا فی البدائع الصنائع: ۱/۱۸۹، سعید۔ والفتاوی الهندية: ۱/۱۳۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماءً واجعل سجودك أخفض من ركوعك"﴾

(السنن الکبریٰ)

باب.....﴿۱۴﴾

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

باب.....۱۴

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب تک قیام پر قدرت ہو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جو حضرات قیام وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں ان کو اول حکم بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ہے، کرسی پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر قیام پر قدرت ہو اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے بلکہ قیام اس وجہ سے ساقط ہوتا ہے کہ اصل مقصود نماز میں سجدہ ہے اور قیام ورکوع اس کے لئے وسیلہ ہے اور اسی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے سجدہ کے سقوط کے وقت کیونکہ قعود مشابہ بالسجود ہے اور اقرب الی الارض ہے حتی الامکان حصول مقصد کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اور کرسی پر نماز پڑھنے سے یہ افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مریض کے لئے زمین پر بیٹھنا انتہائی تکلیف دہ ہو اور سجدے سے بھی عاجز ہو تو پھر بحالتِ مجبوری اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن آج کل اس مسئلہ میں بظاہر بہت بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ نیز اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) نماز غایت تذلل اور عاجزی کا نام ہے جیسا کہ الاشباہ میں مذکور ہے: "وهي التذلل والخضوع على أبلغ الوجوه". (الاشباه والنظائر: ۱/۱۵٤) اور کرسی پر اپنی شان کا اظہار ہے اگرچہ ارادہ نہ ہو۔

(۲) اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا چاہئے جس طرح بادشاہ کے سامنے۔ یعنی اپنی عاجزی کا اعتراف اور فقیر حقیر کی طرح۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے: "فقم بين يديه قيامك بين يدي بعض ملوك الزمان"۔ (احياء علوم الدين: ۱/۱۷۲) اور کرسی میں یہ بات نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسان کے ضعف کو تسلیم کیا ہے، اور اس کے مختلف حالات بیان کئے ہیں کہ معذور ہو بیٹھ کر پڑھے اور صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے بیٹھے اور زمین پر بیٹھے جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا حکم ہے: "صل على الأرض".

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲/٤۳۵)

(۳) زمانۂ نبوی اور خیر القرون میں سے کسی بھی زمانہ میں کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملتا کہ اس قسم کا ثبوت ہو، معذور و مریض اس وقت بھی تھے اور کرسی بھی اسوقت موجود تھی جیسا کہ مسلم اول، وابوداؤد اول کی روایت میں کرسی کا تذکرہ آتا ہے اس کے باوجود نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مساجد میں کرسیوں کو رکھا جائے؟ اس لئے کہ یہ دستور ہو چکا ہے اور کرسی کو دیکھ کر ذرا سی بات پر جرأت ہوتی ہے اور کرسی پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور محض سستی کی وجہ سے کرسیوں پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں سستی کرنے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے اور مذمت فرمائی ہے۔ قال الله تعالى: ﴿وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالى يرآءون الناس ولايذكرون الله إلا قليلا﴾ (سورة النساء:الآية:١٤٢) موجودہ دور میں جبکہ نفاذِ شریعت کا ہتھیار مسلمانوں کے پاس چند گنی چنی عبادات کے علاوہ کچھ نہیں اور ان میں بھی صوم و حج تو سال میں ایک مرتبہ اسی طرح زکاۃ بھی اور یہ دونوں بھی مخصوص افراد کے ساتھ کلی طور پر نہیں۔ کلی طور پر جو حاوی ہے وہ فقط نماز ہے اگر اس کو بھی اس طرح ضائع کر دیا تو مسلمانوں کے لئے بڑی دردناک وافسوس کی بات ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابربن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن رسول الله ﷺ عاد مريضًا فرأه يصلى على وسادة فأخذها فرمى بها فأخذ عودًا ليصلى عليه فأخذه فرمى به وقال: صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك أخفض من ركوعك". (السنن الكبرى للبيهقي: ٢/٤٣٥)

طحطاوی میں ہے:

إذا تعذرعلى المريض كل القيام أو تعسر كل القيام بوجود ألم شديد كدوران رأس ووجع ضرس أوشقيقة أو رمد كما فى القهستانى وسواء حدث ذلك فى الصلاة أوقبلها كما فى "النقاية" وقيده بالشديد لأنه إن لحقه نوع من المشقة لم يجز ترك القيام كما فى "مسكين" أوخاف بأن غلب فى ظنه بتجربة سابقة أوإخبار طبيب مسلم حاذق صلى قاعدًا بركوع وسجود ويقعد كيف شاء أى كيف تيسر له بغير ضرر من تربع أوغيره فى الأصح من غير كراهة كذا روى عن الإمام للعذر، وإن تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستندًا صلى قاعدًا بالإيماء وجعل إيماءه برأسه للسجود أخفض من إيمائه للركوع وكذا لو عجز عن السجود وقدر على الركوع يومى بهما لأن النبى ﷺ عاد مريضًا فرأه يصلى على وسادة فأخذها فرمى بها الخ (صلى قاعدًا بإيماء) أوقائمًا به والأول أفضل لأنه أشبه بالسجود

ولكونه أقرب إلى الأرض وهو المقصود كذا في "التبيين".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:١/٢٣٤، قديمي)

شامی میں ہے:

(وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطًا بل تعذر السجود كافٍ) نقله في "البحر" عن "البدائع" وغيرها وفي "الذخيرة": رجل بحلقه خراج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة يصلي قاعدًا يومي ولو صلى قائمًا بركوع وقعد وأومأ بالسجود أجزأه، والأول أفضل لأن القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما بل ليكونا وسيلتين إلى السجود.

(شامي:٢/٩٧، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

إذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدًا يركع ويسجد كذا في الهداية وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدًا بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع كذا في فتاوى قاضيخان، ثم إذا صلى المريض قاعداً كيف يقعد الأصح أن يقعد كيف يتيسر عليه هكذا في "السراج الوهاج" وهو الصحيح، هكذا في "العيني" وإذا لم يقدر على القعود مستويًا وقدر متكئًا أو مستندًا إلى حائط أو إنسان يجب أن يصلي متكئًا أو مستندًا كذا في "الذخيرة". (الفتاوى الهندية:١/١٣٦)

کفایت المفتی میں مذکور ہے ''کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم'':

سوال کا ماحصل حسب ذیل درج ہے:

پیٹ میں بے چینی سی معلوم ہوتی ہے اور زمین پر نماز پڑھنا بہت دشوار معلوم ہو رہا ہے تو کیا کرسی پر بیٹھ کر سامنے ٹیبل پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سر جھکانا جائز نہیں الا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے، زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کر لیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے۔ (کفایت المفتی:۳/۴۲۲، دارالاشاعت)

احسن الفتاوی میں مذکور ہے ''کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا'':

الجواب: بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی

قدرت ہوتو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی، فقط، واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۴/۵۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ضروری تنبیہ:

آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کردی حالانکہ وہی لوگ اسی حالت میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہوکر ادھر ادھر کی باتیں کرلیا کرتے ہیں (آج کل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے والے حضرات جو اپنی دکانوں میں کئی کئی گھنٹے کھڑے رہتے ہیں) ان کو اس بات کی نہایت احتیاط کرنی چاہئے اور جو فرض وواجب نمازیں قیام وغیرہ پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی ہوں انھیں لوٹانا فرض وواجب ہے۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۲۰۴، مجددیہ)

سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم:

سوال: ایک آدمی قیام کرسکتا ہے مگر سجدہ میں جانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن نیچے بیٹھ کر پاؤں پھیلا کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لئے کونسی ہیئت پر نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب: اگر یہ شخص سجدے پر قادر نہیں تو قیام اس سے ساقط ہے تاوقتیکہ صحتمند ہوجائے لہذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرکے نماز ادا کرے اس لئے کہ قیام وسیلہ ہے سجدہ کے لئے اور جب سجدہ نہ رہا تو قیام ساقط ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

وأما إذا كان قادرًا على القيام وعاجزًا عن الركوع والسجود فإنه يصلي قاعدًا بإيماء وسقط عنه القيام لأن هذا القيام ليس بركن لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لايعقبه سجود لايكون ركنًا ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر. (المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۲۱۳، باب صلاۃ المریض، ادارۃ القرآن)

تبیین الحقائق میں ہے:

(وإن تعذر الركوع والسجود لاالقيام أومأ قاعدًا) وقال زفر رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ: يصلي قائمًا بالإيماء لأن القيام ركن فلايسقط بالعجز عن أداء ركن آخر، ولنا

أن المقصود الخضوع والخشوع لله تعالىٰ وإنما حصل ذلك بالركوع والسجود والقيام وسيلة إلى السجود فلايجب بدونه، وهذا لأن التواضع يوجد في الركوع ونهايته توجد في السجود ولهذا لو سجد لغير الله تعالىٰ يكفر والقيام وسيلة إلى السجود فصار تبعًا له فسقط بسقوطه..... والله اعلم.

(تبيين الحقائق: ۱/۲۰۲، باب صلاة المريض۔ وكذا في العناية شرح الهداية: ۲/۶، باب صلاة المريض على هامش فتح القدير۔ والجوهرة النيرة: ۱/۹۶، باب صلاة المريض۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۶، باب صلاة المريض)

میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: جو شخص معذور ہو کرسی پر نماز پڑھتا ہے اگر وہ سامنے میز رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص ایسا مریض یا معذور ہو کہ بیٹھنا بھی مشکل ہے اور کرسی پر نماز پڑھتا ہے تو میز وغیرہ پر سجدہ کرے تو درست ہے لیکن سامنے تختہ رکھنا ضروری نہیں ہے سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے، اور میز پر سجدہ کرے وہ بھی اشارہ میں شمار ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايرفع إلى وجهه شيئًا يسجد عليه فإنه يكره تحريمًا. وفي الشامي: (قوله فإنه يكره تحريمًا) قال في البحر: واستدل لكراهة في المحيط بنهيه عليه الصلاة والسلام عنه وهو يدل على كراهة التحريم وتبعه في النهر، أقول: هذا محمول على ما إذا كان يحمل إلى وجهه شيئًا يسجد عليه بخلاف ما إذا كان موضوعًا على الأرض يدل عليه ما في الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة في الأول ثم قال: فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح أن أم سلمة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله ﷺ من ذلك، فإن سفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة في الموضوع على الأرض المرتفع ثم رأيت القهستاني صرح ذلك. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۹۸، باب صلاة المريض۔ وكذا في الهداية: ۱/۱۳۶، باب صلاة المريض)

کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے:

سوال: معذور آدمی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے میز رکھ کر سجدہ کر سکتا ہو تو میز پر سجدہ ضروری ہے یا نہیں؟ بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ میز رکھنا ضروری ہے۔

مثلاً ملاحظہ ہو: (فتاوی بینات:۲/۳۹۰۔واحسن الفتاوی:۴/۵۴)۔

الجواب: معذور آدمی جب کرسی پر نماز پڑھتا ہو تو سامنے میز رکھنا ضروری نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے تحقق کے لئے پیشانی، دونوں ہاتھوں میں سے ایک، دونوں گھٹنوں میں سے ایک اور پاؤں کی انگلیوں میں ایک انگلی کا زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اس کے بغیر سجدہ محقق نہ ہوگا اور کرسی میز پر سجدہ کرنے میں یہ چیزیں نہیں ہوسکتی لہذا معذور آدمی رکوع، سجدہ اشارہ سے کرے میز رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة والأنف مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ظاهر من الأرض، فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجدة وإلى ذلك أشار في الفتاوى الصغرى حيث قال: وضع القدمين على الأرض حالة السجود فرض فإن وضع أحدهما دون الأخرى يجوز.....

(امداد الفتاح:ص ۲۵۶، بیروت)

درمختار میں ہے:

ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع أصبع واحدة منهما شرط،وفي الشامي:وأفاد أنه لولم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ماقدمناه آنفًا عن البحر.

(الدرالمختار مع الشامي:۱/۴۴۷،بحث الركوع والسجود،سعيد۔وكذا في حاشية الطحاوي على الدرالمختار: ۱/۲۲۱)

نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سواری پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سجدہ کے لئے اشارہ فرمایا جبکہ پالان پر پیشانی رکھنا ممکن تھا اس کے باوجود آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ سے سجدہ فرمایا تو میز کا سامنے ہونا اور پالان کا ہونا دونوں برابر ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

كان عبد الله بن دينار يصلي في السفر على راحلته أينما توجّهت به يؤمي، وذكر عبدالله أن النبي ﷺ كان يفعله.

عن عامر بن ربيعة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأيت رسول الله ﷺ وهو على الراحلة يسبح يؤمي برأسه قبل أي وجه توجه، ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلك في الصلاة المكتوبة.

(بخاری شریف:۱/۱۴۸)

مذکورہ بالا حدیث پر اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو نفل کا واقعہ ہے نہ کہ فرض نماز کا، تو جواب یہ ہے کہ نفل نماز

میں قدرت علی القیام کے باوجود قعود جائز ہے لیکن پھر بھی سجدہ پر قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درالمختار میں ہے:

ویتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا لامضطجعًا إلابعذر. وفی الشامية: قوله لامضطجعًا وكذا لوشرع منحنيًا قريبًا من الركوع لايصح، بحر، وماذكرمن عدم صحة التنفل مضطجعًا عندنا بدون عذر، نقله فی البحرعن الأكمل فی شرحه على المشارق. وصرّح به فی النتف، وقال الكمال فی الفتح: لا أعلم الجوازفی مذهبنا وإنما يسوغ فی الفرض حالة العجز عن القعود. والله اعلم. (الدرمع الشامی:۲/۳۶، سعيد)

لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص معذور ہوا اور لیٹ کر نماز پڑھتا ہو تو پیر قبلہ کی طرف کرے گا یا کروٹ پر لیٹ کر پیر قبلہ سے ہٹائے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معذور شخص لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرلے اور پیروں کو ہلکے سے موڑ دے تاکہ قبلہ کی طرف نہ رہے، اور یہ طریقہ کروٹ لیٹ پر کر نماز پڑھنے سے افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن تعذرالقعود ولوحكمًا أومأ مستلقيًا على ظهره ورجلاه نحوالقبلة غيرأنه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل إلى القبلة ويرفع رأسه يسيرًا ليصيروجهه إليها أوعلى جنبه الأيمن أوالأيسرو وجهه إليها والأول أفضل على المعتمد.

وفی الشامی: (قوله ويرفع رأسه يسيرًا) أی يجعل وسادة تحت رأسه لأن حقيقة الاستلقاء تمنع الأصحاء عن الإيماء. فكيف بالمرضى بحر، (قوله والأول أفضل) لأن المستلقی يقع إيمائه إلى القبلة والمضطجع يقع منحرفًا عنها بحرقوله على المعتمد بأن الاستلقاء هو ما فی مشاهير الكتب والمشهورمن الروايات. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/۹۹، باب صلاة المريض، سعيد۔ وكذا فی الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۷، باب صلاة المريض۔ وبهشتی زیورحصه دوم ٤٦)

معذور کا شرعی حکم:

سوال: ایک شخص کو خروجِ ریح کا عارضہ ہے وضوء کے بعد ۵ منٹ سے زیادہ اس کا وضوء نہیں رہتا اور وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم معلوم کرے اور قرآن کی تلاوت سنن ونوافل وغیرہ ادا کرے چند سالوں سے علاج معالجہ بھی کیا لیکن مفید ثابت نہیں ہوا لہٰذا اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گذر جائے کہ خروجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کر کے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اس وضو سے فرض، سنن ونوافل، تلاوتِ قرآن، اداء، قضاء جو دل چاہے پڑھتا رہے خروجِ ریح ناقض وضو نہیں ہوگا، وقت کا نکلنا اس کے حق میں ناقض وضو ہے، ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے۔

اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گذر جائے یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گذر جائے گا تو یہ شخص معذور نہ رہے گا اور کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گذرے کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کر سکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے، خروجِ ریاح اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۴۶، باب صلاۃ المریض، جامعہ فاروقیہ۔ وبہشتی زیور ۴/۷ کتاب الطہارۃ)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن فاطمة بنت أبی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا أتت النبی ﷺ فقالت إنی أحیض الشهر والشهرین فقال رسول الله ﷺ إن ذلك لیس بحیض وإنما ذلك عرق من ذلك فإذا أقبل الحیض فدعی الصلاة وإذا أدبر فاغتسلی لطهر ثم توضئی عند كل صلاة.

(شرح معانی الآثار: ۱/۸۰، باب المستحاضة کیف تطهر للصلاة)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور شخص ہر نماز کے وقت وضو کرے گا۔

درمختار میں ہے:

وصاحب عذر من به سلسل بول لایمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ریح إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لایجد فی جمیع وقتها زمنًا یتوضأ ویصلی فیه

خالیًا عن الحدث ولو حکمًا لأن الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت حقیقة لأنه الانقطاع الکامل ونحوه لکل فرض، اللام للوقت کما فی لدلوك الشمس ثم یصلی به فیه فرضًا ونفلاً فإذا خرج الوقت بطل وفی الشامی: (قوله أو نفلات ریح) هو من لایملك جمع مقعدته لاسترخاء فیها نهر. (قوله ولو حکمًا) أی ولو کان الاستیعاب حکمًا بأن انقطع العذر فی زمن یسیر لایمکنه فیه الوضوء والصلاة فلا یشترط الاستیعاب الحقیقی فی حق الابتداء کما حققه فی الفتح والدرر (قوله اللام للوقت) أی فالمعنی لوقت کل صلاة بقرینة قوله بعده فإذا خرج الوقت بطل فلایجب لکل صلاة قال فی الإمداد: وفی شرح مختصر الطحاوی: روی أبو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ عن هشام بن عروة عن أبیه عن عاشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة بنت أبی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا "توضئی لوقت کل صلاة".

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/۶ ۳۰۰، أحکام المعذور، سعید۔ و کذا فی امداد الفتاح: ۱۵۲۔۱۵۴، بیروت۔ و حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۴۹، قدیمی۔ و کذا فی المبسوط: باب المسح علی الخفین، ادارة المعارف۔ و فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: فصل المستحاضة ومن به سلسل بول۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۴۲، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہٰذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ اعلم۔

معذور شخص کی نماز کا حکم:

سوال: (۱) میرا ہاتھ کٹ گیا میں نے زخم کو صاف کیا یہاں تک کہ مجھے اطمینان ہوگیا کہ زخم خشک ہوگیا اور خون بالکل نہیں پھر میں نے وضو کیا اور زخم خشک ہونے کے بعد اس پر پلستر لگایا پھر میں جمعہ کے لئے گیا پھر دو گھنٹے کے بعد پلستر نکالا تو اس پر کچھ خون کے اثرات نظر آئے کیا میرا جمعہ صحیح ہوا؟

(۲) کیا یہ صحیح ہوتا کہ زخم صاف کر کے اس پر پلستر لگا کر مسح کر لیتا؟ کیا زخم سے خون کا بند ہونا ضروری ہے ایسے موقع پر آدمی کیا کرے؟

(۳) میں نے قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن زخم پر خون کے اثرات کی وجہ سے میرا وضو نہ تھا جب بھی ٹیشو سے زخم کو پونچھتا تو ٹیشو پر خون کے اثرات نظر آتے لہٰذا میں نے کاغذ کی مدد سے قرآن غلاف سے نکالا اور بغیر

ہاتھ لگائے پڑھنا شروع کیا اور اوراق کو قلم کے ذریعہ پلٹا کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

(۴) مجھے کچھ ہدایات کرے تاکہ آئندہ ایسا مسئلہ پیش آئے تو کیا کیا جائے؟

الجواب: زخم کی پٹی پر خون لگے لیکن باہر ظاہر نہ ہو یعنی بہنے والا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لہٰذا صورتِ مسئولہ (۱) میں زخم صاف کر کے اس کو دھو کر وضوء کرنے کے بعد پٹی لگائی پھر دو گھنٹے کے بعد خون کے اثرات پلستر پٹی پر لگے چونکہ یہ دمِ سائل کے حکم میں نہیں ہے اور نہ باہر ظاہر ہوئے لہٰذا وضو باقی تھا اور جمعہ کی نماز درست ہوگئی۔

(۲) خون کو دھویا گیا لہٰذا پٹی لگانے کے بعد مسح درست ہے اور ایسے موقع پر جب خون نکل آیا پھر اس کو دھولیا اور صاف کرلیا پھر پلستر پٹی لگادی تو نماز وغیرہ سب درست ہے جب تک خون باہر نظر نہ آئے وضو باقی رہتا ہے اور عام طور پر جب پلستر پٹی دبا کر زخم پر لگادے تو خون بند ہوجاتا ہے اثرات پٹی پر لگے وہ مضر نہیں ہاں دوسری نماز کا وقت آجائے اور خون اندر زیادہ نظر آنے لگے تو پٹی نکال کر پھر صاف کرے اور وضو کرلے پھر پٹی لگالے۔

(۳) زخم پر پٹی نہیں ہے اور خون کے اثرات نظر آتے ہیں اس کو بار بار ٹیشو سے پونچھا تو دیکھا جائے گا اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرے اور اتنا ہوجائے کہ اگر نہ پونچھتے تو یقیناً زخم کے منہ سے بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ گیا اور آپ کا قرآن پڑھنا بغیر چھوئے اور صفحات کو قلم سے پلٹنا درست ہے، بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرنے سے بہنے کے بقدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا قرآن کو ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

(۴) پھر اگر آئندہ اس قسم کا عذر پیش آجائے مثلاً زخم سے خون رستا رہتا ہے تو بہتر تو یہ ہے کہ پلستر پٹی لگالے تو انشاء اللہ بند ہوجائے گا اور پٹی پر اثرات لگے جب تک زیادہ نظر نہ آئے مضر نہیں وضو باقی ہے اور اگر زیادہ رستا رہتا ہے اور ایک نماز کا پورا وقت اسی طرح نکل جائے کہ نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو آپ معذور کے حکم میں ہے لہٰذا آئندہ وقت میں ایک مرتبہ وضو کرے تو کافی ہے جب تک وقت باقی ہے آپ کا وضو بھی باقی سمجھا جائے گا اور وقت نکل جائے تو دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرے اسی طرح کرے جب تک یہ عذر باقی ہے۔

شامی میں ہے:

(قوله لو مسح الدم كلما خرج الخ) وكذا إذا وضع عليه قطنًا أو شيئًا آخر حتى ينشف ثم وضعه ثانيًا وثالثًا فإنه يجمع جميع مانشف فإن كان بحيث لو تركه سال نقض وإنما يعرف هذا بالاجتهاد وغالب الظن وكذا لو ألقى عليه رمادًا أو ترابًا ثم ظهر ثانيًا فتربه ثم وثم فإنه يجمع قالوا وإنما يجمع إذا كان في مجلس واحد مرة بعد أخرى فلو في

مجالس فلا، تاترخانية، ومثله فى البحر.

أقول: وعليه فما يخرج من الجرح الذى ينزّ دائمًا وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوى باجتماعه ويسيل عن محله فإذا نشفه أوربطه بخرقة وصار كلما خرج منه شيء تشرّبته الخرقة ينظر إن كان ما تشرّبته الخرقة فى ذلك المجلس شيئًا فشيئًا بحيث لو ترك واجتمع أسال بنفسه نقض وإلا لا ولايجمع ما فى مجلس آخروفى ذلك توسعة عظيمة لأصحاب القروح ولصاحب كىّ الحمصة فاغتنم هذه الفائدة. (شامى:۱/۱۳۵،سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن كان رأس الجرح مبتلا بالدم لايعيد شيئًا منها هكذا فى المحيط ولو كانت جراحة فربطها فابتل ذلك الرباط إن نفذ البلل إلى الخارج نقض الوضوء وإلا فلا، ولو كان الرباط ذاطاقين فنفذ البعض دون البعض ينتقض الوضوء كذا فىّ التتارخانية فى نواقض الوضوء.

(الفتاوى الهندية:۱/۳۶)

وإنما يمسح إذا لم يقدر على غسل ما تحتها ومسحه بأن تضرر بإصابة الماء أو حلها هكذا فى شرح الوقاية وإن كان يضره الغسل بالماء البارد ولايضره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحارهكذا فى شرح الجامع الصغير لقاضيخان. (الفتاوى الهندية:۱/۳۵)

شامی میں ہے:

(قوله ولوشد الخ) قال فى البدائع ولو ألقى على الجرح الرماد أو التراب فتشرّب أوربط عليه رباطًا فابتل الرباط ونفذ قالوا يكون حدثًا لأنه سائل وكذا لو كان الرباط ذاطاقين فنفذ إلى أحدهما لما قلنا، قال فى الفتح: ويجب أن يكون معناه إذاكان بحيث لولا الرباط سال، لأن القميص لوتردد على الجرح فابتل لاينجس مالم يكن كذلك لأنه ليس بحدث أى وإن فحش كما فى المنية. (شامى:۱/۱۳۹، سعيد)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله فابتل الرباط ونفذ) ولولم ينفذ من الرباط لاينتقض، من السندى انتهى.

(تقريراتِ الرافعى على هامش الشامى: ۱/۱۹، سعيد)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہٰذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگرچہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: اعتكفت مع رسول الله ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي.

(رواه البخاري: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذى والودى ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. والله اعلم.

(عمدة القاري: ۳/۱۳۰، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دارالحديث ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"إن الصلاة أول ما فرضت ركعتين فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر"﴾

(مسلم)

باب.....﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

باب.....﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

ابتداءِ سفرِ شرعی کی حد:

سوال: مسافتِ شرعی کا شمار گھر سے ہوتا ہے یا حدودِ شہر سے؟

الجواب: شہر کے آخری مکان سے سفر کی مسافتِ شرعی شروع ہوگی، اس سے پہلے سفرِ شرعی شروع نہیں ہوتا اگرچہ گھر سے نکل جائے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن أبی حرب بن أبی الأسود الدیلی أن علیًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما خرج إلی البصرة رأی خصًا فقال: لولا هذا الخص لصلینا رکعتین فقلت: ماخصًا؟ قال: بیت من قصب.

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۵۲۹، باب المسافر متی یقصر اذا خرج مسافراً)

ہدایہ میں ہے:

وإذا فارق المسافر بیوت المصر صلی رکعتین لأن الإقامة تتعلق بدخولها فیتعلق السفر بالخروج عنها وفیه الأثر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا.

(الهدایة: ۱/۱۶۶، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: من خرج من عمارة موضع إقامته، أراد بالعمارة مایشمل بیوت الأخبیة لأن بها عمارة موضعها، قال فی الإمداد: فیشترط مفارقتها ولو متفرقة وإن نزلوا علی ماء أو محتطب یعتبر مفارقته کذا فی مجمع الروایات. واللہ اعلم.

(الشامی: ۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، وفتاوی محمودیه: ۷/۴۷۶، باب صلاة المسافر)

شہر بہت کشادہ ہو تو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر پر چلا جائے اور جس شہر سے سفر کر کے گیا وہ شہر بہت بڑا ہے جیسے بمبئی کراچی وغیرہ تو واپسی پر اس کا سفر کب ختم ہوگا جب شہر میں داخل ہو جائے یا گھر آجائے اور سفر کب شروع ہوگا گھر سے نکلنے پر یا شہر سے نکلنے پر؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شہر میں داخل ہونے سے شخص مذکور کا سفر شرعی ختم ہو جائے گا، اور شہر کا آخری مکان تجاوز کرنے سے سفر شرعی شروع ہوگا۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرجنا مع علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلنا له: ألا تصلي أربعًا؟ قال: حتى ندخلها. (مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۵۳۰، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافرا)

نیز مذکور ہے:

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي أن عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما خرج إلى البصرة رأى خصًا فقال: لولا هذا الخص لصلينا ركعتين فقلت: ماخصًا؟ قال: بيت من قصب.

(مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۵۲۹، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافرا)

کتاب الحجۃ میں ہے:

قال أبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ: لا يقصر الذي يريد السفر الصلاة حتى يخرج من بيوت القرية فيجعلها خلف ظهره ولا يبقى شيء أمامه ولا يتمها حتى يدخل البيوت فيجعل بعضها خلف ظهره فإذا دخلها أو دخل شيئًا منها أتم الصلاة. والله اعلم. (كتاب الحجة: ۱/ ۱۷۱-۱۷۲)

آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم:

سوال: آج کل بعض جگہوں پر آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جاتی ہیں تو اس حالت میں سفر کا اعتبار کہاں سے ہوگا؟ کیا اپنی بستی سے یا دوسری متصل بستی سے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوسری بستی اگرچہ متصل ہے لیکن دونوں کے نام علیحدہ ہیں اور دونوں کی

حدود بھی الگ الگ مقرر ہیں تو دونوں مستقل آبادیاں شمار ہوں گی اور سفرِ شرعی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی سے تجاوز کرے، اور اگر اس طور پر اتصال ہو چکا ہے کہ حکومت کی جانب سے ایک کر دیا ہو اور دوسری بستی پہلی کے لئے بطور محلّہ استعمال ہوتی ہو تو یہ شہر کا جز ہے لہذا اب اس سے تجاوز کرنے پر سفرِ شرعی کے احکام جاری ہوں گے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر. وفي الشامي: ويشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولو سكنها أهل البلدة في جميع السنة.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الهداية: ۱/۱۶۶۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲۸۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۴۲۳، باب صلاة المسافر، قديمي۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۳۶۔ والفقه الاسلامي وادلته: ۳۲۴، دار الفكر)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگرچہ متصل ہو مگر دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں حکومت اور کارپوریشن یعنیٰ (میونسپلٹی۔ نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی، اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی یعنی شہر کے حدود تجاوز کرے، اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۳۶۴۔ واحسن الفتاوی: ۴/۴۷۔ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۲، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم:

سوال: (الف) کسی شخص نے ہندوستان میں شادی کی اور اس کی بیوی وہیں پر رہتی ہے اس نے افریقہ میں بھی شادی کی اور یہ افریقہ میں رہتی ہے تو کیا دونوں اس کے لئے وطن اصلی ہوں گے؟ کیا وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں؟ (ب) اگر کسی کے پاس دو ملکوں کے پاسپورٹ ہیں تو اس کی وجہ سے دونوں وطن شمار ہوں گے؟

الجواب: شریعت کی نگاہ میں وطن اصلی ایک سے زائد بھی ہوسکتے ہیں، اگر کسی نے چار عورتوں سے شادی کی اور چاروں علیحدہ شہر یا وطن میں ہیں اور وہ شخص چاروں کے پاس وقتاً فوقتاً جاتا رہتا ہے تو اس کے حق میں چار وطن اصلی ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ (الف) میں شخصِ مذکور کے لئے ہندوستان اور افریقہ دونوں وطن اصلی ہیں۔

(ب) شریعت کی نگاہ میں کسی شخص کا ملک کا فقط پاسپورٹ حاصل کرلینا وطنِ اصلی ہونے کی دلیل نہیں ہے، جب تک اس میں مستقل رہائش اختیار نہ کرلے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدًا أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نية أهله الخروج منها وإن كان هو ينتقل من أهل إلى أهل في السنة حتى أنه لو خرج مسافرًا من بلدة فيها أهله ودخله في أي بلدة من البلاد التي فيها أهله فيصير مقيمًا من غير نية الإقامة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينتقل أهله بل استحدث أهلاً أيضًا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول وكل منهما وطن أصلي له. وقال الطحطاوي: وكذا لو استحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. والله اعلم.

(مراقي الفلاح مع الطحطاوي: ص ٤٢٩، باب صلاة المسافر، قديمي ـ البحر الرائق: ۲/۱۳٦، كوئتة ـ والفتاوى السراجية: ص ۱۲، باب صلاة المسافر ـ والشامي: ۲/۱۳۱، سعيد)

واپسی میں ایرپورٹ پر قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر سے واپس آیا اور وہ ایرپورٹ میں ہے اور وہ (newtown) نیوٹاؤن میں رہتا ہے تو کیا وہ ایرپورٹ میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: مسافر قصر کرے گا جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہوجائے یا ۱۵، دن اقامت کی نیت نہ کرلے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور ایرپورٹ میں قصر کرے گا کیوں کہ ایرپورٹ (newtown) نیوٹاؤن سے خارج ہے اور الگ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علی بن ربيعة الأسدی قال: خرجنا مع علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلناله: أتصلي أربعا؟ قال: حتى ندخلها. (مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۵۳۰، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا)

عالمگیری میں ہے:

وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو الإقامة فيه سواء دخله بنية الاختيار أو دخله لقضاء الحاجة كذا في الجوهرة النيرة. والله أعلم۔ (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۲)

مسافتِ قصر کی مقدار:

سوال: مذہب احناف کے مطابق کتنی مسافت طے کرنے پر احکام سفر وابستہ ہوں گے؟

الجواب: مذہب احناف میں ظاہر الروایہ کے مطابق مسافت کی مقدار تین دن درمیانی رفتار سے چلنا ہے، علاوہ ازیں فرسخ ومیل وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو: (مراقی الفلاح: ص ۱۶۲، بیروت۔ والہدایۃ: ۱/ ۱۶۵۔ والفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۳۸، وغیرہ)۔

البتہ موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی سہولت اور آسانی کی غرض سے علمائے متأخرین نے فرسخ ومیل کا اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ تعیینِ فرسخ میں بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً: ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱ وغیرہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہیں۔

پھر مفتی بہ قول میں بھی مختلف اقوال ہیں: مثلاً بعض علماء نے ۱۸ فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (الشامی: ۲/ ۱۲۳، سعید۔ الفتاوی التاتارخانیۃ: ۲/ ۲۔ شرح منیۃ المصلی: ص ۵۳۵، سہیل۔ عمدۃ القاری: ۵/ ۳۸۵۔ حاشیۃ الدرر علی الغرر: ۱/ ۸۱۔ وغیرہ)۔

اس کے مقابل بعض دوسرے حضرات نے ۱۵ فرسخ والے قول پر فتوی نقل کیا ہے، جو ائمہ خوارزم کا مفتی بہ قول ہے۔

ملاحظہ ہو: (الشامی: ۲/ ۱۲۳، سعید۔ بدائع الصنائع: ۱/ ۹۳، سعید۔ البحر الرائق: ۲/ ۱۲۹، کوئٹہ۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۴۲۱۔ وغیرہ)۔

ہمارے اکابر سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں: مثلاً حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۲۴ میل۔ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا

عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے ۳۶ میل انگریزی۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۴۸ میل۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے ۴۵ میل (یعنی ۱۵ فرسخ جو ائمہ خورزم کا مفتی بہ قول ہے) منقول ہیں۔

نیز اکثر اکابر حضرات سے ۴۸ میل منقول ہیں وہ بھی ۴۵ میل شرعی کو انگریزی میں منتقل کرنے کی وجہ سے ہے پھر ۴۸ میل انگریزی سے حساب لگا کر ۷۸ کلومیٹر بنائے، اسی وجہ سے ۷۸ والا قول مشہور ہے۔

لیکن اگر ۴۵ میل شرعی کو انگریزی میں منتقل نہ کریں تو جدید حساب کے اعتبار سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ خوارزم کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جس کو ہمارے اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہیں، مسافت قصر کی مقدار ۱۵ فرسخ، یعنی ۴۵ میل شرعی بحساب ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہے۔

یہ قول اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کے قول کے قریب بھی ہے، اور اس میں آسانی بھی ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں: اعلاء السنن میں ہے:

عن عبدالرحمن بن أبي بكر عن أبيه "أن رسول الله ﷺ وقت في المسح على الخفين ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، وللمقيم يوم وليلة" رواه ابن حبان في صحيحه (زيلعي: ۸۷/۱، وقال الطحاوي في معاني الآثار (۱۵۰/۱): قد تواترت الآثار عن رسول الله ﷺ في المسح على الخفين للمسافر ثلاثة أيام ولياليها، وللمقيم يوم وليلة.

(اعلاء السنن: ۲۶۹/۷/ ۱۹۷۰، باب مسافت القصر، ادارۃ القرآن)

دوسری جگہ مذکور ہے:

وفي البحر عن المجتبى: فتوى أكثر أئمه خوارزم على خمسة عشر فرسخًا قلت: وهذا أقرب إلى ماعلقه البخاري ونصه كان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقصران ويفطران في أربعة برد وهو ستة عشر فرسخًا. (اعلاء السنن: ۲۸۳/۷، ادارۃ القرآن کراچی)

بدائع الصنائع میں ہے:

واختلفوا في التقدير قال أصحابنا: مسير ثلاثة أيام سير الإبل ومشي الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات وروى عن أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ يومان وأكثر الثالث، وكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ وابن سماعة عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخًا وجعل لكل يوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل وقال مالك

رحمہ اللہ تعالیٰ: أربعة برد كل بريد اثناعشر ميلاً واختلفت أقوال الشافعي فيه قيل ستة وأربعون ميلاً وهو قريب من قول بعض مسايخنالأن العادة أن القافلة لاتقطع فی یوم أكثرمن خمسة فراسخ. (بدائع الصنائع: ۱/۹۳، بیان مایصیربه المقیم مسافرًا، سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وأشارالمصنف رحمہ اللہ تعالیٰ إلى أنه لااعتباربالفه راسخ وهو الصحيح وفی النهاية الفتوى على اعتبارثمانية عشرفرسخًا وفی المجتبى: فتوى أكثرأئمه خوارزم على خمسة عشرفرسخًا. (البحرالرائق:۲/۱۲۹،باب المسافر،الماجدیة)

شامی میں ہے:

قوله: ولااعتبار بالفراسخ على المذهب، لأن المذكورفی ظاهرالرواية اعتبارثلاثة أيام كمافی الحلية وقال فی الهداية: هو الصحيح احترازًا عن قول عامة المشايخ من تقديرها بالفراسخ، ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثانی لأنه الأوسط، وفی المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث، وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق فی السهل والجبل والبر والبحر بخلاف المراحل، معراج.

(الشامی: ۲/۱۲۳، باب صلاة المسافر، سعید۔ وکذافی حاشیة الدرر للعلامة الشرنبلالی: ۱/۱۳۲، باب المسافر۔ وکذافی معارف السنن: ٤/٤٧٣، تحقیق مسافت القصر، سعید)

جواہر الفقہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

راجح اور صحیح مذہب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافتِ سفرِ شرعی ہے۔

اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت یہی ہے۔ اور مشایخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافتِ قصر قراردی، عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے، اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبی

اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے.....۔

ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوار گذار نہیں ہیں اس لئے علمائے ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کردی ہے۔

نیز محققین علمائے ہندوستان نے ۴۸ میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے۔ اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر بآسانی طے کرسکتا ہے، اور فقہائے حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتوی ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جو دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یا أهل مكة لاتقصروا الصلاة فی أدنی من أربعة برد من مكة إلى عسفان.

(رواه الدارقطنی: ۱/۳۸۷، باب قدر المسافة التی تقصرفی مثلها صلاة، القاهرة)

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک راوی ضعیف ہے۔

(جواہر الفقہ: ''اوزانِ شرعیہ'': ۱/۴۳۵، مسافتِ سفر کی تحقیق، دارالعلوم کراچی)

ایضاح المسائل میں ہے:

۴۵ میل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو میٹروں کے حساب سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر مسافتِ سفر بنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔

(ایضاح المسائل: ص ۶۸، سفرِ شرعی کی مسافت پر سیر حاصل تحقیقی بحث، از مفتی شبیر احمد قاسمی، نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتین: ۱/۲۶۳، دارالاشاعت۔ والمقاییس والمقادیر عندالعرب: ص ۹۰، تالیف: الشهیدة نسیبة محمد فتحی الحریری، دارالمعارف دیوبند)۔ واللہ اعلم۔

بلانیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک آمی روشنی سے جوہانسبرگ جانے کے لئے نکلا وہاں پہنچ کر اس کا ارادہ لوڈیم جانے کا ہوا اب یہ مسافر ہوگا یا مقیم؟ کیوں کہ ہر ایک مسافت مقدارِ سفر سے کم ہے جب کی دونوں کا مجموعہ مسافتِ شرعی کے برابر ہے۔

الجواب: ابتداء سفر میں بیک وقت مسافتِ شرعی کی نیت ہوتو قصر کرے گا ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص مقیم ہوگا نہ کہ مسافر۔ ہاں واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنيابلاقصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرًا. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.

(الدرالمختار مع الشامي: ۲/ ۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذافي الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۳۳۰)

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبدًا ولو طاف الدنياجميعها بأن كان طالب آبق أوغريم أونحو ذلك. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، صلاة المسافر۔ وكذافي امدادالفتاوى: ۱/ ۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدم عزم مسافتِ قصر۔

واللہ اعلم۔

سفر کا ارادہ ترک کردیا تو واپسی میں قصر کا حکم:

سوال: کوئی شخص جو ہانسبرگ سے ڈربن کے لئے روانہ ہوا جب ۵۰ کلومیٹر سفر کرچکا تو آگے جانے کا ارادہ ترک کردیا اب واپسی میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافتِ شرعی طے نہ کرنے کی وجہ سے واپسی میں قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فيتم بمجرد نية العود لعدم استحكام السفر. وفي الشامي: أي ولو في المفازة وقياسه أن لايحل فطره في رمضان ولو بينه وبين بلده يومان لأنه يقبل النقض قبل استحكامه إذ لم يتم علة فكانت الإقامة نقضًا للسفر العارض لاابتداء علة للاتمام أفاده في الفتح..... أقول: ويظهر لي في الجواب أن العلة في الحقيقة هي المشقة وأقيم السفر مقامها ولكن لاتثبت علتها إلا بشرط ابتداء وشرط بقاء فالأول مفارقة البيوت قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام، والثاني استكمال

السفر ثلاثة أيام،فإذا وجد الشرط الأول ثبت حكمها ابتداء فلذا يقصر بمجرد مفارقة العمران ناوِيًا ولايدوم إلابالشرط الثانى فهوشرط لاستحكامها علة فإذا عزم على ترك السفرقبل تمامه بطل بقاؤها علة لقبولها النقض قبل الاستحكام..... والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۱۲٤، باب صلاة المسافر، سعيد، والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، صلاة المسافر)

مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص گھر سے نکلا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک کم مسافت والا اور دوسرا غالبًا شرعی مسافت والا، مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کیا تو ۴۸ کلومیٹر کے بعد قصر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر منزل مقصود جانے کا ارادہ ہے اور غالب گمان کے مطابق مسافتِ شرعی ہے تو ۴۸ کلومیٹر کے بعد قصر کرے گا ورنہ اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان أحدهم مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عندنا هكذا فى فتاوى قاضيخان وإن سلك الأقصر يتم. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، صلاة المسافر، وكذافى خلاصة الفتاوى: ۱/۱۹۸، والبحرالرائق: ۲/۱۲۹)

سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر راستہ میں قصر نہیں کیا اس کے خیال میں کم مسافت ہونے کی وجہ سے بعد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر تھی تو اعادہ لازم ہے نہیں؟ نیز واپسی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے اور وقت کے اندر اعادہ واجب ہے۔ اور واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد فى الثانية صح وإلا لا أى وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلًا كالفجر وصار آثمًا لتأخير السلام.

(البحرالرائق: ۲/۱۳۰، كوئتة، وكذافى الهداية مع الفتح: ۲/۳۲، دارالفكر، والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹)

وفى الشامى: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(شامى: ۲/۱۲۸)

وفی البحر الرائق: أمافی الرجوع فإن كانت مدة سفرقصروا.

(البحرالرائق: ۱۲۸/۲۔ وكذافی الشامی: ۱۲۲/۲، سعید۔ والطحطاوی علی الدرالمحتار: ۳۳۰/۱)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر قعدۂ درمیانی میں بیٹھا ہے تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی اعادہ فرض نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴۵۲/۴)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر دو رکعت پر قعدہ کر کے بھول کر کھڑے ہو گئے اور چار رکعت پوری کر لی تو فرض ادا ہو گیا لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گذر جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۵۱۱/۷، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا:

سوال: اگر حنفی مسافر عمداً اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حنفی مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولكنه أساء لوعامدًا لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لايحل كماحرره القهستانی، وكذا صرح فی البحر بتأثيمه فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(شامی: ۱۲۸/۲، باب صلاۃ المسافر، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزيمة عندنا فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض فی محله وهو الجلوس علی الركعتين وتصير الأخريان نافلة له مع الكراهة..... (مراقی الفلاح: ص ۱۶۴، باب صلاۃ المسافر، بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگر چہ سجدۂ سہو بھی کر لیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ: ۵۱/۳۔ واحسن الفتاوی: ۷۷/۴)

وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ڈربن کار ہنے والا ہے، اور لینس میں مقیم ہے، نیز سامان وغیرہ بھی لینس میں ہے، لیکن لینس وطنِ اصلی نہیں وطنِ اقامت ہے پھر سفر کر کے وائٹ ریور چلا گیا اور واپسی میں لینس میں صرف ۵ دن قیام کا ارادہ ہے تو ان ۵ دنوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مطلق سفر سے وطنِ اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ اور دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سامان وغیرہ ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا بلکہ جب واپس آئے گا تو اتمام ہی کرے گا۔ موجودہ زمانہ میں حضرت مفتی رشید صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب اور حضرت مفتی فرید صاحب اور بعض دوسرے حضرات نے آسانی کی خاطر اسی پر فتوی دیا ہیں۔

ملاحظہ ہو، البحر الرائق میں ہے:

وفی المحیط ولو کان له أهل بالکوفة وأهل بالبصرة فمات أهل بالبصرة وبقی له دورو عقار بالبصرة قیل البصرة لاتبقی وطنًا له لأنها إنما کانت وطنًا بالأهل لابالعقار ألاتری أنه لوتأهل ببلدة لم یکن له فیها عقار صارت وطناً له وقیل تبقی وطناً له لأنها کانت وطناً له بالأهل والدار جمیعًا فبزوال أحدهما لایرتفع الوطن کوطن الإقامة یبقی ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر.

(البحر الرائق: ۲/۱۳۶، باب المسافر، الماجدیة۔ وکذافی مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر: ۱/۱۶۴، باب صلاة المسافر۔ بحواله محیط السرخسی)

بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ینتقض بالوطن الأصلی وینتقض بالسفر أیضًا لأن توطنه فیٔ هذا المقام لیس للقرار ولکن لحاجة فإذا سافر منه یستدل به علی قضاء حاجته فصار معرضًا عن التوطن به فصار ناقضًا له دلالة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۴، مطلب فی ان الاوطان ثلاثة، سعید)

بحر اور بدائع کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامان وہاں پڑا ہے اور وطن اقامت سے اعراض کا ارادہ بھی نہیں ہے تو محض سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوگا۔

خیر الفتاوی میں ہے:

مستقل وطنِ اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ (خیر الفتاوی: ۲/ ۶۸۷)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن الفتاوی "رسالہ وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال" ۴/ ۹۸-۱۱۰، باب صلاۃ المسافر)۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی طرف سفر کرنے سے دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے ائیر پورٹ میں مغرب کی نماز پڑھ لی اور جہاز مغرب کی طرف اڑا اور دوبارہ سورج نظر آنے لگا پھر غائب ہوا تو کیا دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب: باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔ قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود قلت: على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه فی النهر تبعًا للشافعية بان صلوٰة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها اداءً وما فی الحديث خصوصية على رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما يعطيه قوله عليه الصلوٰة والسلام انه كان فی طاعتك وطاعة رسولك. قلت: ويلزم على الاول بطلان صوم من افطر قبل ردها و بطلان صلاة المغرب لوسلمنا عود الوقت بعودها للكل. رد المحتار: ۱/ ۳۶۰۔

(احسن الفتاوی ۴/ ۶۹)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احترامًا للوقت وموافقة للمسلمين، وہ نماز پڑھے اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

حالتِ حیض میں سفر کا حکم:

سوال: ایک عورت جو ھانسبرگ سے حائضہ تھی ڈربن پہنچی تو پاک ہوگئی ڈربن میں تین دن قیام ہے وہاں قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر احکام کے اعتبار سے کالعدم ہے یعنی اس کا شمار نہیں ہے لہذا حائضہ عورت ڈربن کے قیام میں پاک ہوکر اتمام کرے گی، البتہ واپسی میں قصر کرے گی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح كصبي بلغ بخلاف كافر أسلم (قوله: تتم في الصحيح) كذا في الظهيرية قال ط: وكانه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامي: ۲/۱۳۵، باب صلاة المسافر- وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۳۷- وشرح منية المصلي: ص ۵۴۲، سهيل اكيدمي)

وفي البحر الرائق: أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا.

(البحر الرائق: ۲/۱۲۸- وكذا في الشامي: ۲/۱۲۲، سعيد- والطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۳۰)

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: چار منزل جانے کی نیت سے چلی لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گذریں تب بھی وہ مسافر نہیں ہے۔ اب نہا دھو کر پوری چار رکعتیں پڑھے۔ (بہشتی زیور دوسرا حصہ: ص ۴۹)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/۸۷- وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۱۴)۔ واللہ اعلم۔

بلا نیت سفر کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں: زید نے سفر کیا ایک جگہ (الف) کا جو کہ اپنے گھر سے ۶۰ کلو میٹر ہے اور ارادہ اسی جگہ کا تھا یہاں سے پھر کسی وجہ سے ایک اور جگہ (ب) کا سفر کیا جو کہ (الف) سے ۴۰ کلومیٹر ہے مگر جب (ب) پر پہنچا تو ارادہ یہی کا تھا کہ (ب) پر دو گھنٹے ٹھیر کر پھر (الف) جگہ آ کر گھر چلا جاؤں گا۔ تو کیا (ب) پر قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز جب واپسی میں جگہ اول (الف) پر آئے تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید جگہ (ب) پر اتمام کرے گا اس وجہ سے کہ جگہ (الف) سے

جگہ (ب) ۴۰ کلومیٹر ہے جو شرعی مسافت سے کم ہے، اور واپسی میں گھر آتے وقت مجموعہ ۱۰۰ کلومیٹر بنتا ہے لہٰذا جگہ (الف) پر قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرًا. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱۲۲/۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ۳۳۰/۱۔ والبحر الرائق: ۱۲۹/۲۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۴۲)

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لايتم أبدًا ولو طاف الدنيا جميعًا بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱۳۹، صلاة المسافر۔ وكذا في امداد الفتاوى: ۳۹۹/۱، عدم قصر در قطع مسافت سفر بصورت عدم عزم مسافت قصر)۔

شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم:

سوال: اگر شوہر سسرال چلا جائے اور بیوی اپنے میکے والدین کے ہاں جائے تو قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب: شوہر نے شادی کے بعد اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کرلی تو اب یہ ان کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوگا، اور یہاں اتمام کریں گے، اگر خود شوہر تو اس شہر میں نہیں رہتا مگر بیوی وغیرہ کی مستقل سکونت وہیں ہو تو بھی یہ شخص اتمام کرے گا، اور اگر شادی کے بعد رخصتی ہوگئی اور شوہر بیوی کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو اب اگر شوہر سسرال جائے اور بیوی میکا جائے تو اگر پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو قصر کریں گے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ محض شادی کرنے سے اتمام کا حکم عائد نہیں ہوگا جب تک اس کو وطن نہ بنالے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا جاوز عمران مصره إن كان ذلك وطنًا أصليًا بأن كان مولده وسكن فيه أو لم يكن مولده ولكنه تأهل به وجعله دارًا.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱۶۵/۱، باب صلاة المسافر۔ وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۹۸/۱، رشيديه)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محض شادی کرنے سے ہی سسرال وطنِ اصلی بن جائے گا اور آدمی وہاں مقیم ہوگا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حدیث ملاحظہ ہو مسند احمد میں ہے:

حدثنا أبو سعيد يعني مولى بني هاشم حدثناعكرمة بن إبراهيم الباهلي حدثنا عبد الله بن عبدالرحمٰن بن أبي ذباب عن أبيه أن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلى بمنى أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال: ياايها الناس إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم..... (مسنداحمد:۱/۳۵۱)

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ دیگر بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض اہل مکہ میں رہتے تھے اس وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتمام فرمایا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولو كان له أهل ببلدة فاستحدث في بلدة أخرى أهلاً آخر كان كل واحد منهما وطنًا أصليًا له روى أنه كان لعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعًا. (كفاية شرح هداية:۲/۱۷)

محض شادی کرنا اتمام کے لئے کافی ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ میں شادی فرمائی تھی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر قصر فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قال حدثني يحيى بن أبي إسحاق سمعت أنسًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: خرجنا مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة قلت: أقمتم بمكة شيء قال: أقمنا بها عشرًا. (رواه البخاري:۱/۱۴۷)

کفایہ میں ہے:

ألا ترى أن مكة كانت وطنًا أصليًا لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم لما هاجر منها إلى المدينة بأهله وتوطن ثمة انتقض وطنه بمكة حتى قال عليه الصلاة والسلام عام حجة الوداع أتموا صلاتكم ياأهل مكة فإنا قوم سفر. (كفاية:۲/۱۷)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا

شرط ہے.....اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں بھی ان کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا، بلکہ اہل کا وہاں تزوج کے بعد مکہ میں رکھنا سبب تھا۔ (امدادالاحکام:۱/۶۹۶)

نیز اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فهذا الحديث لايصح لانه منقطع وفى رواته من لايحتج به. والله اعلم.

(فتح الباری:۲/۵۷۰،باب یقصر اذاخرج من موضعه)

شادی کے بعد لڑکی میکے میں صرف دس دن کے لئے آئے تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی لڑکی کا نکاح کسی ایسے شہر میں ہوجائے جو لڑکی کے والدین سے ۸۱ کلومیٹر سے زائد کی مسافت پر ہو اور وہ لڑکی والدین کے ہاں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: شادی کے بعد لڑکی نے اپنے سسرال کو وطنِ اصلی بنالیا اور وہیں پر سکونت اختیار کرلی پھر اپنے میکے میں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والوطن الأصلى هووطن الإنسان فى بلدته أوبلدة أخرى اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهوأن يتوطن فى بلدة أخرى وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا حتى لودخله مسافرًا لايتم.

(البحر الرائق: ۲/۱۳۶، باب المسافر، الماجدية۔ وكذافى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۴۲۹، باب صلاة المسافر، قديمى۔ وكذافى شرح منية المصلى: ص ۵۴۱، سهيل اكيدمى)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالتِ سفر وہاں قصر کریں گے۔ **بدليل قصره ﷺ وأهله بمكة.** (امدادالاحکام:۱/۷۱۹،فصل فی صلاۃ المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۳۔ واسلامی فقہ از مولانا مجیب اللہ ندوی:۱/۲۹۵۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۸۳۔ وبہشتی زیور:۲/۵۰)۔ واللہ اعلم۔

شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی اور جگہ رہتا ہے اور بیوی کو کسی دوسری جگہ رکھا ہے اس شخص کی آمد و رفت اکثر بیوی کے ہاں رہتی ہے تو اس آمد و رفت میں اگر ۱۵ دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شوہر اس آمد و رفت میں بیوی کے ہاں اتمام کرے گا، اس لئے کہ یہ اس کا وطنِ اصلی ہے، اور وطنِ اصلی ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسافر بلدة له فيهاأهل صارمقيمًا نوى الإقامة أولا.

(الفتاوى السراجية: ص ۱۲، آرام باغ كراچی، باب صلاة المسافر)

البحر الرائق میں ہے:

قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله لأنه لولم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلًا فی بلدة أخرى فإن الأول لم يبطل ويتم فيها. (البحر الرائق: ۲/۱۳۶، باب المسافر، الماجدية)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلًا أيضًا ببلدة أخرى فلايبطل وطنه الأول وكل منها وطن أصل له. وفی الطحطاوی: وكذا لواسحدث أهلًا فی ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی: ص ۴۲۹، قديمی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۱/۷۱۹، فصل فی صلاۃ المریض والمسافر، دارالعلوم کراچی)۔ واللہ اعلم۔

مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کرے گا:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے، البتہ بعض دیگر کتب میں عدم قراءت والا قول مرقوم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدی فی بقية صلاته إذا كان مدركًا، أی لايجب عليه لأنه شفع أخير

فی حقه ومن مشائخنا من قال: ذكرفی الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۷، صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافرأتم المقيم منفردًا لأنه التزم الموافقة فی الركعتين فصار كالمسبوق فی التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفردًا فيقرأ وقيل: لايقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة. (شرح النقاية:۱/۲۸٤، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فی الأصح) وقال الحلوانی: يقرأ، قهستانی. (طحطاوی علی الدر:۱/۳۳۵)

دوسرے قول کے دلائل ملاحظہ ہو: (فتاوى قاضی خان على هامش الهندية:۱/۱٦۹۔والهندية: ۱/۱٤۳۔ والشامی:۲/۱۲۹،سعيد۔والبحرالرائق:۲/۱۳۵۔وهدايه مع الفتح: ۲/٤۰)۔ واللہ اعلم۔

مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی مسافر نے شافعی مسافر کی ظہر کی نماز میں اقتداء کر لی، شافعی نے اتمام کیا تو حنفی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے حنفی کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ شافعی کے نزدیک ۲ پڑھنا رخصت ہے اور ۴ کی بھی اجازت ہے۔

لیکن عام فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے تو اس قول کی روشنی میں مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقتدی کے مذہب کے اعتبار کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی کے نزدیک امام فرائض کو پورا کردے اور مفسدات کا ارتکاب نہ کرے اگر مقتدی کے مذہب میں ترک واجبات کرے تو یہ اقتداء اور صحتِ نماز کے لئے کافی ہے، صورتِ مسئولہ میں بھی فرائض کی ادائیگی ہوئی ہاں نفل کا خلط فرض کے ساتھ لازم آیا جو ترک فرائض کے ذیل میں نہیں آتا لہذا نماز صحیح ہوگئی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زيد يقول: صلى بنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنى أربع ركعات فقيل فی ذلك لعبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمنى ركعتين وصليت مع أبی بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنى ركعتين وصليت مع

عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنی رکعتین فلیت حظی من أربع رکعات رکعتان مقبلتان.

(رواہ البخاری: ۱/۱۴۷/۱۰۷۳،باب الصلاۃ بمنی،فیصل)

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

قال شیخنا (مولانا أنورشاہ الکشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ): والحق أنه لاعبرة لرأی المأموم بل للإمام حیث توارثت عن السلف والقدماء کلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفین لهم فی الفروع. فالصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم والتابعون رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا أئمة المتبوعین کانوا یصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء فی الفروع مع کثرة الاختلاف والتباین فی آرائهم واقوالهم،ولم ینقل عن أحد منهم نکیر أوخلاف فی ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردین کانوا یتبعون مذاهبهم إن کانوا أهل مذهب أویتبعون أهل المذاهب إن کانوا مقلدین لهم. (معارف السنن:۱/۱۶۰،سعید)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے۔ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فیها والاقتداء فی جنس هذه المسائل یجوز من واحد لآخر کما فی الدرالمختار عند تعدید الواجبات فصرح فی ضمنه أن المتابعة تصح عندنا فی الاجتهادیات کلها وأوضحه الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ونقله الحافظ ابن تیمیة رحمہ اللہ تعالیٰ عن الأئمة الأربعة قلت:فهذا باب عندنا وسیع وقد قدمنا الکلام فیه مبسوطًا ویدل علیه أن الخلیفة هارون الرشید افتصد مرة فقام إلی الصلاة ولم یتوضأ فاقتدی به أبو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وماذلك إلالیکون الاقتداء جائزًا ولولاذلك لماکان أبویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لیقتدی به فإنه أورع من ذلك..... (فیض الباری علی صحیح البخاری:۲/۳۹۶،باب الصلاۃ،بمنی المکتبة العزیزیة)

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے:"بقوله أن یتقن المراعات لم یکره أوعدمها لم یصح وان شك کره" اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے:"بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققین جنحوا إلیه وقواعد المذهب شاهدة علیه الخ" البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مأول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے،تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ

کے میسر ہو: ومبنی التأویل ما نقله فی رد المحتارعن حاشیة الرملی علی الأشباه الذی یمیل إلیه خاطری القول بعدم الکراهة إذا لم یتحقق منه مفسد. ووجه التقیید ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں کما فی رد المحتار أی المراعات فی الفرائض من شروط وأرکان فی تلك الصلاة وإن لم یراع فی الواجبات والسنن کما هو ظاهر سیاق کلام البحر وظاهر کلام شرح المنیة أیضا حیث قال وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منه ما یفسد الصلاة علی اعتقاد المقتدی علیه الإجماع إنما اختلف فی الکراهة.

قلت: فی التمثیل بالشافعی الذی الأصل فیه عدم التعصب والله اعلم.

(امداد الفتاوی ۱/۲۵۱)

مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم:

سوال: اگر مسافر نے مقیم کے پیچھے چار رکعت پڑھ لی، اور امام کی نماز فاسد ہوگئی پھر مسافر اپنی نماز پڑھے گا تو چار پڑھے گا یا دو پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی نماز فاسد ہوجانے کی وجہ سے مسافر اگر تنہا پڑھے تو دو رکعت پڑھے گا۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر. (شامی: ۲/۱۳۰، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدی مسافر بمقیم أتم أربعًا وإن أفسده یصلی رکعتین.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۲، باب صلاة المسافر۔ وکذافی بدائع الصنائع: ۱/۹۳، سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے بوجہ متابعتِ امام، اور اگر اس کو فاسد کردیا یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اب اگر اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتداء کرلے تو دو رکعتیں پڑھے کیوں کہ جس وجہ سے چار لازم ہوئی تھیں وہ وجہ زائل ہوگئی اور اگر پھر مقیم کی اقتداء کی تو چار پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۴۲۲، مسافر کی نماز کا بیان، کراچی۔ وکذافی فتاوی رحیمیہ: ۵/۱۳)

واپسی میں مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اسپرنگ سے لینس ایسے راستہ سے پہنچا جس میں مسافتِ شرعی طے نہیں ہوئی تو لینس میں اس نے قصر نہیں کیا لیکن واپسی دوسرے راستہ سے ہوئی جو مسافتِ شرعی کے بقدر ہے تو واپسی میں قصر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال فی البحر: وعلی هذا قالوا: أمیر خرج مع جیشه فی طلب العدو ولم یعلم أین یدرکهم فإنه یتم وإن طالت المدة أو المکث، أما فی الرجوع فإن کانت مدة سفر قصر. والله اعلم.

(شامی: ۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدر: ۱/۳۳۰۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲۸)

وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے:

سوال: ایک شخص کئی سال سے مدرسہ میں مقیم ہے، اور شروع میں دو تین ہفتے کے بعد گھر جاتا تھا اور اب ہر ہفتہ جاتا ہے اس کا گھر روشنی میں ہے ظاہر ہے کہ روشنی کا رہنے والا یہاں مسافر نہیں ہے وہ کسی کام سے ایک دن کے لئے ڈربن گیا اور واپس آیا اب گھر جانے سے پہلے وہ مسافر ہوگا یا مقیم؟

الجواب: سفرشرعی طے کرنے والا شخص مسافر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں داخل ہوجائے یا کسی جگہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کرلے تو پھر اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یومًا أو أکثر کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۹، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: حتی یدخل موضع مقامه إن سار مدة السفر أی إنما یدوم علی القصر إلی الدخول إن سار ثلاثة أیام. (شامی: ۲/۱۲۴، باب صلاة المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتح القدیر: ۲/۳۴، دار الفکر۔ والبحر الرائق: ۲/۱۳۱، الماجدیة)۔ والله اعلم۔

مقیم امام نماز توڑ دے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی مقیم امام نے رکعتِ ثانیہ کے قعدہ میں قصداً نماز توڑ دی اب مسافر دو رکعت پڑھے یا سابقہ تحریمہ کی وجہ سے چار پڑھے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے فرض نماز کی اقتداء کی تھی تو دو رکعت پڑھے گا، اور اگر نفل کی نیت سے اقتداء کی تھی تو چار پڑھے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعًا وإن أفسده يصلي ركعتين بخلاف مالو اقتدى به بنية النفل ثم أفسد حيث يلزم الأربع كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ١/١٤٢، باب صلاة المسافر)

البحر الرائق میں ہے:

فلو أفسده صلى ركعتين لزواله بخلاف مالو اقتدى بالمقيم في فرضه ينوى النفل حيث يصلي أربعًا إذا أفسده لأنه التزم أداء صلاة الإمام وهنا لم يقصد سوى إسقاط فرضه. والله اعلم. (البحر الرائق: ٢/١٣٤، باب المسافر، الماجدية۔ و كذا في الشامي: ٢/١٣٠)

وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہو تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی آدمی نے کسی ملک کا سفر کیا وہاں چھ ماہ مقیم رہا پھر دوسری جگہ کا سفر کیا جو تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دور ہے اس کے بعد جب وہ پہلی جگہ پر لوٹا صرف پانچ دن رہنے کی نیت سے تو قصر کرے گا یا اتمام؟ اور امام بنے تو کیا کرے گا؟

الجواب: وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے، جب کہ سامان وغیرہ کچھ نہ ہو اور واپسی کا ارادہ بھی نہ ہو، لہذا صورتِ مسئولہ جب دوبارہ لوٹے اور ۱۵ دن سے کم کی نیت ہے تو قصر کرے گا اگر امام بنے تب بھی قصر لازم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي وينتقض بالسفر أيضًا لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضًا عن التوطن به فصار ناقضًا له دلالة. (بدائع الصنائع: ١/١٠٤، مطلب في ان الاوطان ثلاثة، سعيد)

شامی میں ہے:

قوله وبانشاء السفر أی منه و كذا من غيره إذا لم يمر فيه عليه قبل سير مدة السفر قال فی الفتح: أن السفر الناقض لوطن الإقامة ماليس فيه مرور على وطن الإقامة أوما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر، أقول: ويوضح ذلك ما فی الكافی والتتارخانية: خراسانی قدم بغداد ليقيم بها نصف شهر وأفاد أن انشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال فی البدائع: لو أقام خراسانی بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلى مكة فقبل أن يسير ثلاثة أيام عاد إلى الكوفة لحاجة فإنه يقصر لأن وطنه قد بطل بالسفر. والله اعلم.

(شامی: ۲/۱۳۲، باب صلاۃ المسافر، سعید)

مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک مسافر شخص مسجد میں آیا اور غالب گمان کے موافق امام کی اقتداء میں ظہر کی چار رکعت کی نیت کرلی بعد میں معلوم ہوا کہ امام بھی مسافر ہے، اب نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: تعدادِ رکعت میں غلطی نماز کے منافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسافر مقتدی کی نماز مسافر امام کے پیچھے صحیح ہوگئی۔ ہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ امام کا حال معلوم نہیں پھر کیسے نماز صحیح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ضروری نہیں بلکہ درمیان میں یا نماز کے بعد متصل معلوم ہونا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذا فی شرح الوقاية، حتى لو نواها خمس ركعات وقعد على رأس الرابعة أجزأه وتلغو نية الخمس كذا فی شرح منية المصلی لابن أمير الحاج.

(الفتاوی الهندية: ۱/۶۶۔ وشرح منية المصلی: ص ۵۴۳، سهيل۔ وشرح النقاية: ۱/۱۴۷)

الدرالمختار میں ہے:

وندب للإمام أن يقول أتموا صلاتكم فإنی مسافر، هذا يخالف الخانية وغيرها أن العلم بحال الإمام شرط لكن فی حاشية الهداية للهندی الشرط العلم بحاله فی الجملة لا فی حال الابتداء وفی الشامی: قوله ان العلم ثم وجه المخالفة أنه إذا كان يشترط لصحة الاقتداء العلم بحال الإمام من كونه مسافرًا أو مقيمًا لايكون لقول الإمام أتموا صلاتكم فائدة لأن المتبادر أن الشرط لابد من وجوده فی الابتداء واتفاقهم على استحباب قول الإمام ذلك

لرفع التوهم ينافى اشتراط العلم بحاله فى الابتداء قوله لكن أورد ذلك سوالاً فى النهاية والسراج والتتارخانية ثم أجابوا بما يرجع إلى ذلك الجواب وحاصله: تسليم اشتراط العلم بحال الإمام ولكن لايلزم كونه فى الابتداء فحيث لم يعلموا ابتداء بحاله كان الاخبار مندوبًا وحينئذٍ فلامخالفة فافهم والحاصل أنه يشترط العلم بحال الإمام إذاصلى بهم ركعتين فى موضع الإقامة وإلا فلا. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۲۹،سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله فى الجملة أى فى الابتداء أو الانتهاء وعليه يحمل مافى الخانية. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۱/۳۳۵)

مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا کہ میں مسافر ہوں تو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا پھر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز پوری کرلے، اور اگر سجدہ کے بعد یاد آیا تو چار رکعت پوری کرے اخیری دو رکعت ظہر کی سنت ہوگی، اور بہرصورت سجدۂ سہو واجب ہوگا تأخیر سلام کی وجہ سے۔ اور اگر قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو نماز فاسد ہوگئی از سرِ نو قصر کرنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

مسافر صلى الظهر ركعتين وقام إلى الثالثة ناسيًا بعد ماقعد قدر التشهد ثم تذكر ذلك فى قيام الثالثة أوفى ركوعها فإنه يعود ويقعد، وإن تذكر بعد ماقيدالثالثة بالسجدة يتم صلاته أربعاً وكانت الثالثة والرابعة له سنة الظهر، وإن لم يكن قعدعلى رأس الركعتين إن تذكر فى قيام الثالثة عاد، وإن لم يعد حتى قيدها بالسجدة فسدت صلاته. والله اعلم.

(الفتاوى التتارخانية:۲/۳،ادارة القرآن۔ وكذافى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۱۶۸)

وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہوجاتا ہے:

سوال: کسی شخص کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) تھا وہاں سے بیلفور (Balfour) منتقل ہوگیا اور اس کو وطن بنالیا، شادی کے بعد دوبارہ بینونی (Benoni) مع اہل وعیال واپس آگئے اور صرف بینونی

(Benoni) کووطنِ اصلی بنالیا تواب بیلفور (Balfour) جانے پر یہ شخص مسافر رہے گا یا مقیم؟

الجواب: وطنِ اصلی کو چھوڑ کر دوسرا وطنِ اصلی بنالیا جائے تو پہلا وطنِ اصلی باطل ہوجاتا ہے لہٰذا اب سائل کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) شمار ہوگا۔ بیلفور (Balfour) وطنِ اصلی نہیں رہا وہاں جانے پر مسافر شمار ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

الوطن الأصلی هوموطن ولادته أوتأهله أوتوطنه ويبطل بمثله إذالميبق له بالأول أهل. وفی الشامی:قوله أوتوطنه أی عزم على القرارفيه وعدم الارتحال وإن لمريتأهل، فلوكان له أبوان ببلد غيرمولده وهوبالغ ولمريتأهل به فليس ذلك وطنًا له إلا إذا عزم على القرارفيه وترك الوطن الذی كان له قبله شرح منية.قوله ويبطل بمثله،سواء كان بينهما مسيرة سفر أولا، ولا خلاف فی ذلك كما فی المحيط قهستانی. والله اعلم.

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۳۱/۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذافی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص ۴۲۹، باب صلاة المسافر، قديمی۔ وكذافی الفتاوی الهندية: ۱۴۲/۱)

والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا پھر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا جہاں ملازمت وغیرہ کرتا ہے۔ اب اس شخص کے لئے درست ہے کہ ملازمت کی جگہ کو وطنِ اصلی قرار دیکر پہلے وطنِ اصلی میں اپنے آپ کو مسافر شمار کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سائل جب مع اپنے اہل وعیال اور سامان کے ملازمت کی جگہ منتقل ہوگیا اور وہیں رہنے کا ارادہ بھی کرلیا تو جائے ملازمت اس کے لئے وطنِ اصلی بن گیا اب پہلی جگہ آئے تو مسافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ صرف والدین کا ہونا وطنِ اصلی کے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافرفدخل وطنه الأول قصرلأنه لم يبق وطنًا له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعدالهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين.

(هداية:۱۶۷/۱)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلی ینتقض بمثله لاغیروهوأن یتوطن الإنسان فی بلدة أخری وینقل الأهل إلیها من بلدته فیخرج الأول من أن یکون وطنًا أصلیًا له حتی لودخل فیه مسافرًا لاتصیر صلاته أربعًا وأصله أن رسول اللّٰه ﷺ والمهاجرین من أصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنہم کانوا من أهل مکة وکان لهم بها أوطان أصلیة ثم لماهاجروا وتوطنوابالمدینة وجعلوهادارًا لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلی بمکة حتی کانوا إذا أتوا مکة یصلون صلاة المسافرین حتی قال النبی ﷺ حین صلی بهم أتموا یا أهل مکة صلاتکم فإناقوم سفر. واللّٰه اعلم.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۲۔والبحرالرائق ۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدیة:)

کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے:

سوال: ایک شخص مع اپنے اہل وعیال کے جائے ملازمت منتقل ہوگیا ہے لیکن والدین دوسری جگہ مقیم ہیں یہ شخص والدین کے وطن کو بھی اپنا وطنِ اصلی قرار دیتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور نے جائے ملازمت کو اپنا وطنِ اصلی نہیں بنایا بلکہ صرف اقامت کی نیت ہے اور والدین کی جائے اقامت کو وطنِ اصلی قرار دیتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیوں کہ وطنِ اصلی وطنِ اقامت سے باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں کو وطنِ اصلی شمار کرتا ہے تو کچھ شرائط ہیں: مثلاً دوسری جگہ شادی کی ہو اور بیوی وہیں مقیم ہو یا دونوں جگہ گھر ہو اور سامان وغیرہ بھی موجود ہو نیز رہنے کا بھی عزم ہو منتقل نہ ہوگیا ہو وغیرہ۔

تاہم مسئلہ کی ظاہری شکل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شخصِ مذکور کے لئے جائے ملازمت وطنِ اصلی کے درجہ میں ہے، اور والدین کی جگہ وطنِ اصلی نہیں کیوں کہ صرف والدین کا ہونا وطن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلی یجوزأن یکون واحدًا أو أکثرمن ذلك بأن کان له أهل ودار فی بلدتین أو أکثرولمریکن من نیته الخروج منها. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳،سعید)

ہدایہ میں ہے:

ومن کان له وطن فانتقل منه واستوطن غیره ثم سافرفدخل وطنه الأول قصرلأنه لم یبق وطنًا له ألا تری أنه علیه الصلاة والسلام بعدالهجرة عد نفسه بمکة من المسافرین.

(هدایة: ۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلی ینتقض بمثله لاغیر وهو أن یتوطن الإنسان فی بلدة أخری وینقل الأهل إلیها من بلدته فیخرج الأول من أن یکون وطنًا أصلیًا له حتی لو دخل فیه مسافرًا لاتصیر صلاته أربعًا وأصله أن رسول اللّٰه ﷺ والمهاجرین من أصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنہم کانوا من أهل مکة وکان لهم بها أوطان أصلیة ثم لماهاجروا وتوطنوا بالمدینة وجعلوها دارًا لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلی بمکة حتی کانوا إذا أتوا مکة یصلون صلاة المسافرین حتی قال النبی ﷺ حین صلی بهم أتموا یا أهل مکة صلاتکم فإناقوم سفر.

(بدائع الصنائع: ۱۰۳/۱، سعید۔ وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱۴۲/۱۔ والبحرالرائق: ۱۳۶/۲، باب المسافر، الماجدیة)

امدادالاحکام میں ہے:

نصوصِ فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) وطنِ اصلی وہ ہے جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو۔

(۲) جب کسی دوسرے مقام میں توطن کا ارادہ ہو تو بدونِ نقلِ اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔

(۳) وطنِ اصلی متعدد ہو سکتے ہیں حتی کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں اور ہر بیوی کو اسی کے شہر رکھے تو اس شخص کے چار وطن اصلی ہو جائیں گے۔

(۴) جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا۔

(۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (امدادالاحکام: ۶۹۵/۱، فصل فی صلاۃ المسافر، کراچی)

خلاصہ: ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر اہل وعیال کے کسی جگہ کو وطنِ اصلی کہے تو بظاہر وہ وطنِ اصلی نہیں ہوگا۔ اور والدین کا شمار اہل میں نہیں ہے، بلکہ اہل سے مراد بیوی بچے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ۹۰ کلومیٹر اپنے شہر کے اردگرد سفر کرے مثلاً لینیشیا، ایلدورادو پارک، ڈکسینا تو کیا وہ قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں چونکہ لینیشیا اور ڈکسینا کو ایک ہی بستی شمار کرتے ہیں اس وجہ سے قصر نہیں کرے گا

اس کا سفر حدودِ شہر میں ہوا اور مسافرِ شرعی اس وقت شمار ہوگا جب کہ سفرِ شرعی کی نیت سے حدودِ شہر تجاوز کر جائے؟

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهوماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فى حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض فى الصحيح. والله اعلم.

(فتاوی شامی: ۱۲۱/۲، سعید۔ وکذافی شرح منیة المصلی: ص ۵۳۷، سهیل۔ والبحرالرائق: ۱۲۸/۲، الماجدیة۔ وفتح القدیر: ۳٤/۲، دارالفکر۔ واحسن الفتاوی: ۷۳/٤)

مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو کا حکم:

سوال: مسافر امام نے غلطی سے چار رکعتیں پڑھادی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق مسافر کے لئے قصر واجب ہے اتمام کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر قعدۂ اولیٰ کیا ہے تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر عمداً کیا ہے تو سخت گنہگار ہے اور وقت میں اعادہ واجب ہے۔ بہرصورت مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد فى الثانية صح وإلا لا أى وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفل كالفجر وصار آثمًا لتأخير السلام.

(البحرالرائق: ۱۳۰/۲، وکذافی الهدایة مع الفتح: ۳۲/۲، دارالفکر۔ والفتاوی الهندیة: ۱۳۹/۱)

درمختار میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فى القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامدًا لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبير افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لايحل كما حرره القهستانى. وفى الشامى: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱۲۸/۲، سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مسافر شرعی کے لئے اتمام جائز نہیں ہے بلکہ صلاۃ رباعی کو دو پڑھنا ضروری ہے، اگر مسافر نے اتمام کیا ہے

تو اس کا فرض ادا ہو گیا لیکن یہ مکروہ ہے اور سجدۂ سہو واجب ہے اگر عمداً ایسا کیا ہے تو گنہگار ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا، اگر امام نے حالتِ امامت میں اتمام کیا ہے اور مقیم مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں بھی امام کا اقتداء کیا ہے تو مقتدیوں کی نماز فرض نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۵۰۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بالکل سیدھے راستے پر گاڑی چلاتا ہے اور زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی مثلاً کیپ ٹاؤن کے راستے پر ہے اور گاڑی اپنے طور پر چلتی ہے تو کیا یہ شخص نفل نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاء نے سواری چلاتے ہوئے شہر سے باہر نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اگرچہ کوڑا ہاتھ میں پکڑ کر جانور کو ڈراتا اور چھوتا ہو اور ان تمام امور کو عملِ قلیل میں شمار کیا ہیں، لہٰذا اس صورت پر قیاس کرتے ہوئے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹرنگ پکڑ کر نوافل پڑھ سکتا ہے، ہاں دونوں ہاتھ استعمال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی عملِ کثیر پائے جانے کی وجہ سے۔

نیز اس بات کا خیال رہے کہ راستہ کھلا ہوا ہو اور گاڑیوں کی آمد ورفت کثرت سے نہ ہوں ورنہ تسبیحات پر اکتفاء کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جان کی حفاظت نوافل سے بھی بڑھ کر ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويتنفل المقيم نص على المتوهم فالمسافر من باب أولى راكبًا خارج المصر محل القصر فائدته شمول خارج القرية وخارج الأخبية، انتهى، حلبى.

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار ۱۰/ ۲۹۳)

(ويتنفل أى جازله التنفل) لأن الصلاة خير موضوع فلو اشترط مايشق من نحو النزول يلزم الانقطاع عن الخير قال فى المبسوط لو لم يكن فى التنفل على الدابة من المنفعة إلا حفظ اللسان من فضول الكلام لكان كافياً فى جوازه (بل ندب له) لفعله ﷺ كثيرًا وإذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يصنع شيئًا كثيرًا (وإذا حرك) أشار به إلى أن تسييره لا يضر إذا كان بعمل قليل وهو المعتمد.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٤٠٥، فى الصلاة على الدابة، قديمى)

شامی میں ہے:

إذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يكن كثيرًا. قلت: ويدل له أيضًا ما فى

الذخيرة: إن كانت تنساق بنفسها ليس له سوقها وإلا فلوساقها هل تفسد؟ قال: إن كان معه سوط فهيبها به ونخسها لاتفسدصلاته. والله اعلم.

(شامی:۲/۳۹،سعید۔و كذافي الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۳)

سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

سوال: ہم اکثر سفر میں ہوتے ہیں اور سامان وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے اور راستہ میں گاڑی روکنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا تو کیا جمع بین الصلاتین کر سکتے ہیں؟ چونکہ دوسرے مذہب میں جائز ہے۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق جمع بین الصلاتین حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ ہاں جمع صوری جائز ہے وہ اس طرح کہ مثلِ اول کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثانی کے اول میں عصر پڑھ لے تو ایک قول کے موافق درست ہے یا مثلِ ثانی کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثالث کے اول میں عصر پڑھ لے تو دوسرے قول کے مطابق جمع صوری ہو جائے گی۔ اسی طرح مغرب وعشاء بھی یعنی غروبِ شفق سے قبل مغرب پڑھ لے اور غروبِ شفق کے بعد عشاء پڑھ لے تو یہ درست ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم يجمع بينهما فإذا زاغت صلى الظهر ثم ركب.

(رواه البخاری: ۱/۱۵۰/۱۱۰۰، باب يؤخرالظهرالى العصراذاارتحل قبل ان تزيغ الشمس)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنامع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتى إذاكنا ببعض الطريق استصرخ على زوجته بنت أبى عبيد فراح مسرعًا حتى غابت الشمس فنودى بالصلاة فلم ينزل حتى إذا أمسى فظننا أنه قد نسى فقلت الصلاة فسكت حتى إذا كادت الشفق أن يغيب نزل فصلى المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذاكنا نفعل مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا جد بنا السير.

(شرح معانی الآثار: ۱/۱۱۳، باب الجمع بين الصلاتين كيف هو)

فیض الباری میں ہے:

واعلم أن المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ إماجنح إلى الجمع صورة أوالجمع فعلًا على اصطلاحنا وقد مر أن عنوان تاخير صلاة إلى صلاة أقرب بنظر الحنفية ومذهب الحنفية أن

الجمع عندهم فعل فقط كماعرفت وقد مرمنى أن الجمع عندى محمول على اشتراك الوقت فإن المثل الأول للظهر خاصة والثالث للعصر كذلك والثانى مشترك يصلح لهما إلاأن المطلوب هوالفصل ويرتفع ذلك فى السفر والمرض.

(فيض البارى:٢/٤٠٠،باب الجمع بين الصلاتين)

درمختار میں ہے:

ولاجمع بين فرضين فى وقت بعذرسفرومطرخلافًا للشافعى ومارواه محمول على الجمع فعلاً لاوقتًا فإن جمع فسد لوقدم الفرض على وقته وحرم لوعكس أى أخرى عنه وإن صح بطريق القضاء. وفى الشامى: وقال أبوداود: ليس فى تقديم الوقت حديث قائم وقد أنكرت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا على من يقول بالجمع فى وقت واحد وفى الصحيحين عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والذى لاإله غيره ما صلى رسول الله ﷺ صلاة قط إلالوقتها إلاصلاتين جمع بين الظهروالعصربعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع ويكفى فى ذلك النصوص الواردة بتعيين الأوقات من الآيات والأخباروتمام ذلك فى المطولات كالزيلعى وشرح المنية. والله اعلم. (الدرالمختارمع الشامى:١/٣٨١،٣٨٢،سعيد)

جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟

سوال: مسافر کے لئے عندالشوافع جمع بین الصلاتین جائز ہے ایک شخص کا یہ اشکال ہے کہ پھر کیوں حنفی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؟ سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانتا اور یہ شخص سلفی قسم کا آدمی ہے۔

الجواب: تمام ائمہ کرام نے انتہائی دیانت اور امانت سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استنباط کیا اور جس مسئلہ کو دلائل ونصوص کی روشنی میں ثابت پایا اسے راجح قرار دیا اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو اسی امام کی پیروی کرے خواہشات پر نہ چلے ورنہ دین دین نہیں رہے گا، اتباع ہویٰ بن جائے گا، لہذا اس مسئلہ میں بھی حنفیہ نے دلائل اور نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں اس جانب کو ترجیح دی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے اور جہاں بھی جمع بین الصلاتین کی روایات پائی جاتی ہیں ان سے جمع حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ جمع صوری مراد ہے یعنی ایک نماز کو آخرِ وقت میں پڑھا اور دوسری نماز کو اولِ وقت میں پڑھا۔

چنانچہ ایسی روایات کو جمع حقیقی پر محمول کرنے سے بہت سے دلائل مانع ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

(۱) ﴿حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى﴾.

(۲) ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابًا موقوتًا﴾.

ان آیات کے ذیل میں مفسرین وعلمائے محققین نے یہی فرمایا ہے کہ ہر نماز کے لئے مستقل وقت ہے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا درست نہیں ہے۔

احادیث ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۳) قال سمعت أبا عمرو الشيباني يقول حدثنا صاحب هذه الدار وأشار إلى دار عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: سألت النبي صلی اللہ علیہ وسلم أي العمل أحب إلى الله قال: الصلاة على وقتها. (رواه البخاري: ۱/۷۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا اللہ جل جلالہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مارأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى صلاة لغير ميقاتها إلا صلاتين جمع بين المغرب والعشاء (بالمزدلفة) وصلى الفجر (يومئذٍ) قبل ميقاتها.

(بخاری شریف: ۱/۲۲۸)

جمع صوری کے دلائل:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومما يدل على تعيين حمل حديث الباب على الجمع الصوري ماأخرجه النسائي عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ "صليت مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جميعًا والمغرب والعشاء جميعًا أخر الظهر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء" فهذا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوي حديث الباب قد صرح بأن مارواه من الجمع المذكور هو الجمع الصوري.

(نیل الاوطار: ۳/۲۳۰، باب جمع المقیم لمطر أو غیرہ)

اس کی تائید میں ایک اور روایت نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ومما يؤيد ذلك مارواه الشيخان عن عمرو بن دينار أنه قال: "ياأبا الشعثاء أظنه أخر الظهر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء؟ قال: وأنا أظنه، وأبو الشعثاء هو راوي الحديث عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما تقدم. (نیل الاوطار: ۳/۲۳۰، باب جمع المقیم لمطر أو غیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جمع صوری کے قائل تھے ورنہ ان کی روایتوں میں تعارض

ہوجائے گا اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں فرمایا۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

نفی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلق الجمع وحصره فی جمع المزدلفة مع أنه ممن روی حدیث الجمع بالمدینة کماتقدم، وهویدل علی أن الجمع الواقع بالمدینه صوری، ولو کان جمعًا حقیقیًا لتعارض روایتاه. (نیل الاوطار:۳/ ۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأو غیره)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ جو شافعی المسلک ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ جمع صوری کا رجحان زیادہ قوی ہے۔

قال الحافظ أیضًا: ویقوی ماذکرمن الجمع الصوری أن طرق الحدیث کلها لیس فیها تعرض لوقت الجمع،فاماأن یحمل علی مطلقها فیستلزم إخراج الصلاة عن وقتها المحدود بغیر عذر واماأن یحمل علی صفة مخصوصة لایستلزم الإخراج ویجمع بین متفرق الأحادیث، فالجمع الصوری أولی واللّٰه أعلم. (نیل الاوطار:۳/ ۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأو غیره)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع صوری کو جمع سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه کان إذا أراد أن یجمع بین الصلاتین فی السفرأخرالظهرإلی آخر وقتها وصلاها وصلی العصرفی أول وقتها ویصلی المغرب فی آخروقتها ویصلی العشاء فی أول وقتها،ویقول هکذاکان رسول اللّٰه ﷺ یجمع بین الصلاتین فی السفر.

(مجمع الزوائد: ۲/ ۱۶۳،دارالفکر)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں جمع صوری فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال:أقبلنا مع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی إذاکنا ببعض الطریق استصرخ علی زوجته بنت أبی عبید فراح مسرعًا حتی غابت الشمس فنودی بالصلاة فلمرینزل حتی إذا أمسی فظننا أنه قد نسی فقلت الصلاة فسکت حتی إذاکادت الشفق أن یغیب نزل فصلی

المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذا كنا نفعل مع رسول الله ﷺ إذا جد بنا السير. (شرح معانی الآثار:۱/۱۲۱،باب الجمع بین الصلاتین کیف هو)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

واستدل الحنفية على عدم جواز الجمع حقيقة فى غير عرفات والمزدلفة بقوله تعالىٰ: ﴿حافظوا على الصلوات﴾ أى أوردوها فى أوقاتها وبقوله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على مؤمنين كتابًا موقوتًا﴾ أى لها وقت معين له ابتداء لايجوز التقدم عليه وانتهاء لايجوز التأخر عنه، وحملوا الرويات التى فيها الجمع فى السفر على الجمع الصورى لأنه صلى الله عليه وسلم صلى أول الصلاة فى آخر وقتها وثانيها فى أول وقتها لئلا يعارض خبر الواحد الآية القطعية". (بذل المجهود فی حل ابی داؤد:۶/۲۸۳،المکتبة الامدادیة)

نیز محدثین میں سے بھی کئی حضرات نے جمع حقیقی کا صراحۃً انکار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدثنا يزيد بن هارون عن هشام عن الحسن ومحمد قالا: مانعلم من السنة الجمع بين الصلاتين فى حضر ولافى سفر إلا بين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع. والله اعلم. (مصنف ابن ابی شیبة:۲/۴۵۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا إِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَسْعَوْا إِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ﴾

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

﴿"من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة"﴾

(مصنفِ ابن أبی شیبة)

باب.....﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

باب.....﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم:

سوال: جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے تقریر کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

پھر بعض جگہوں میں سنتوں کے لئے خطبہ سے پہلے وقت دیا جاتا ہے اور بعض جگہوں میں تقریر کے دوران لوگ سنتیں پڑھتے ہیں ان میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب: نمازی حضرات کی رضامندی سے اذانِ اول کے بعد خطبہ اور نماز سے پہلے تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطیب کے خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

كان أبوهريرة رضي الله تعالى عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه فى ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم قال محمد صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم ثم يقول فى بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. (المستدرك للحاكم: ۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اسی طرح علامہ زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن دینی مجالس کے قیام کا مشورہ دیتے ہوئے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے درجِ ذیل حضرات سے ان مجالس کا جواز نقل فرمایا ہے:

"**قد روى ابن أبى شيبة جواز ذلك عن السائب رضي الله تعالى عنه وعبد الله بن بسر رضي الله تعالى عنه وابن عمر رضي الله تعالى عنه وأبى هريرة رضي الله تعالى عنه**". (اتحاف سادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ۳/۲۷۷)

نیز ہمارے زمانہ میں دین سے دوری ہے اور مسائل علمیہ جاننے اور مجالس علمیہ میں آنے کا شوق نہیں رہا ہے اس لئے لوگوں تک دین کی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جمعہ سے پہلے تقریر بے حد مفید ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب استفسار کیا گیا کہ لوگ عربی زبان سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں ان کے نفع کے لئے اردو زبان میں خطبہ کا ترجمہ کیسا ہے؟

حضرت نے جواب رقم فرمایا:

اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریاتِ دینیہ بیان کردے۔ (کفایت المفتی:۳/۲۱۴)

نیز ملاحظہ ہو: (امدادالاحکام:۱/۲۷۷،خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔وفتاوی محمودیہ:۸/۲۵۶،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی رحیمیہ:۱/۲۶۴)۔

سنتوں کے لئے خطبہ سے قبل الگ وقت مناسب ہے، درمیانِ تقریر سنتیں پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ خود سنتیں پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔دوم یہ کہ یہ بات خلافِ ادب بھی ہے کہ اجتماعی دینی بات کو نہ سنا جائے اور کسی انفرادی عمل میں مشغول ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متولی صاحبان جمعہ سے پہلے وعظ اور بیان پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی خطبہ عربی میں ہوتا تھا، لہٰذا وعظ کہنے کی ضرورت بھی نہیں اور یہ دین میں نیا طریقہ ہے؟ جب کہ یہ مسجد شہر میں سب سے بڑی ہے اور نمازی بھی زیادہ ہیں۔

الجواب: عربی خطبہ سے پہلے جو وعظ اور بیان ملکی زبان میں کیا جاتا ہے اس کا ثبوت صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے لہٰذا اس کو نیا طریقہ کہنا صحیح نہیں ہے۔اور ہم اس کو سنت نہیں بلکہ مصلحت سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں ہے:

أخبرنا أحمد بن سليمان الفقيه حدثنا إسماعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ ثم يقول في بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فاذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. هذا حديث صحيح ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم:۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن ممبر کے پاس کھڑے ہوکر

احادیث سے وعظ سنایا کرتے تھے پھر جب امام کے نکلنے کی آہٹ محسوس کرتے تو بیٹھ جاتے، حاکم نے اس روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوعات کبیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرزِ عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جمعہ کے خطبہ سے قبل وعظ کی اجازت چاہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً انکار کے بعد ایک دن کی اجازت دیدی اور فرمایا جمعہ کے لئے میرے نکلنے سے قبل وعظ کہدیا کریں۔

ملاحظہ ہو موضوعاتِ کبیر میں ہے:

وأخرج ابن عساكر رحمہ اللہ تعالیٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميمًا الدارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ استأذن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى القصص سنين، فأبى أن يأذن له،فاستأذن فى يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له ماتقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذلك الذبح ثم قال: عظ قبل أن أخرج فى الجمعة، فكان يفعل ذلك يومًا واحدًا فى الجمعة. (موضوعات کبیر:ص ۲۰،میرمحمد کتب خانہ کراچی)

(شاید پہلے انکار اس لئے کیا ہو کہ وعظ کی نوعیت معلوم نہیں تھی پھر جب حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کا حوالہ دیا تو اجازت دیدی)

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وعظ بجائے ایک دن کے دو دن نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شروع میں صرف جمعہ کے خطبہ سے قبل بیان تھا پھر جب اس کا فائدہ زیادہ محسوس ہوا تو ایک اور دن کا اضافہ کردیا۔

(مجموعة رسائل اللكنوى"اقامة الحجة على ان الاكثار فى التعبد ليس ببدعة:ص ۱۳)

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت موضوعاتِ کبیر سے نقل کرکے فرمایا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دی تھی۔

(فتاوی محمودیہ:۸/۲۵۴،۲۵۵،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (امدادالاحکام:۱/۲۷۷،خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔وفتاوی رحیمیہ:۱/۲۶۴۔وکفایت المفتی:۳/۲۱۴)۔ واللہ اعلم۔

قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: وینڈا سے تقریباً ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم ہے بلکہ گنے چنے لوگ وہاں مقیم ہیں اور ویسے غیر مسلموں کی کل آبادی ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور یہاں ایک گھر میں پانچ سات آدمی ملکر نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور نمازیں اپنے اوقات پر برابر ہوتی ہے، نیز وینڈا سے روزانہ لوگ بغرض تجارت قرب جوار میں آتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور ماہ کی آخری تاریخوں میں کچھ زیادہ مشغولیت کی بنا پر یہ حضرات اسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے خواہاں ہیں، البتہ اس گاؤں میں نہ مسجد ہے اور نہ جماعت خانہ تو کیا اس گھر میں نماز جمعہ صحیح ہے اور کیا چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قصبہ کی آبادی چونکہ ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور آسانی سے ضروریاتِ زندگی فراہم ہوسکتی ہے، لہذا نماز جمعہ ادا کرنا صحیح اور درست ہے مذہبِ احناف کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے ۴۰ افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰه ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین.

(رواه البخاری: ۱/۱۲۲/۸۸۲، باب الجمعة فی القری والمدن)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جواثی میں لوگ کثرت سے تجارت کرتے تھے گویا کہ تجارت کی منڈی تھی اور جہاں تجارت کثرت سے چلتی ہو اور تجار بہت زیادہ ہو یہ شہر ہونے کی علامت ہے اس وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قوله جواثی وهی قریة من قری البحرین وفی روایة عثمان شیخ أبی داؤد: قریة من قری عبدالقیس وقال أبوعبید البکری: وهی مدینة بالبحرین لعبدالقیس قال امرؤ القیس:

ورحنا كأنا من جواثی عشیة نعالی النعاج بین عدل ومحقب

یرید کأنا من تجار جواثی، لکثرة مامعهم من الصید، وأراد کثرة أمتعة تجار جواثی. قلت: کثرة الأمتعة تدل غالبًا علی کثرة التجار، وکثرة التجار تدل علی أن جواثی مدینة قطعًا، لأن القریه لایکون فیها تجار کثیرون غالبا عادة ومذهب أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ: لاتصح

الجمعة إلافی مصر جامع أوفی مصلی المصر، ولاتجوزفی القری ثم اختلف أصحابنا فی المصر الذی تجوزفیه الجمعة فعن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ هو کل موضع یکون فیه محترف، ویوجد فیه جمیع مایحتاج إلیه الناس من معاشیهم عادة وبه قاض یقیم الحدود، وقیل: إذا بلغ سکانه عشرة آلاف. (عمدة القاری:۵/۳۹/۸۹۲، باب الجمعة فی القری والمدن)

شامی میں ہے:

عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکك وأسواق ولهارساتیق وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهذاهو الصحیح. (شامی:۲/۱۳۷، باب الجمعة، سعید)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر، یا زائد۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۹۸، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۵۴، وامداد المفتین: جلد اول ص ۲۷۸، وامداد الاحکام:۱/۷۵۶)۔ واللہ اعلم۔

قصبہ اور اس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم:

سوال: زکریا پارک اور اس کیساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: زکریا پارک اور اس کے ساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں، بلکہ قائم کرنا ضروری ہوگا۔

کیوں کہ اس میں اکثر ضروریات پوری ہوجاتی ہیں، اور اس کی آبادی تین چار ہزار کے درمیان ہے، فقہائے کرام نے شہر اور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں:

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں:

وهذا تفسیر المصر الجامع وقداختلفوا فیه فعن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ مایجمع فیه مرافق أهله. وعن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کل موضع فیه أمیروقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود وهکذاروی الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب صلاته وفیه عن سفیان الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ المصر الجامع ما یعد الناس مصرًا عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ: هوماأقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام

وهو اختيار الزمخشري رحمہ اللہ تعالیٰ وعن أبي عبدالله البلخي رحمہ اللہ تعالیٰ أنه قال: أحسن ماسمعت أنه إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعوا فيه فهو مصر جامع وعن أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق و يرجع الناس إليه في ما وقعت لهم من الحوادث..... (البنایہ للعلامۃ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۹۸۲)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

(۱) جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں۔

(۲) جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

(۳) جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں۔

(۴) جس میں احکام شریعت اور حدود نافذ ہوتی ہوں۔

(۵) جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگوں کو جمع کیا جائے تو مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کررہی ہو۔

(۶) جس میں گلیاں کوچے اور بازار ہوں جس کی طرف لوگ بوقتِ ضرورت رجوع کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں۔ تاہم محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب شہر کی علامتیں ہیں جنھیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صواب دید کے موافق بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحاصل ان تفسير المصر محول على العرف واللغة.

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ: اگر دونوں گاؤں عرف میں ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ كما في الشامي: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. والله اعلم. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۵۶، مدلل ومکمل)

بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو تو جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق بڑے شہر یا قصبہ میں غیر مسلم زیادہ آباد ہیں اور مسلمان بہت کم ہے تو جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بڑے شہر یا قصبہ میں جہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا فرض اور ضروری ہے اگرچہ مسلمانوں کی آبادی کم ہوں اس لئے کہ احناف کے نزدیک ۴۰، افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله: والجماعة وهم ثلاثة أى شرط صحتهاأن يصلى مع الإمام ثلاثة فأكثر لاجماع العلماء على أنه لابد فيهامن الجماعة كما فى البدائع وإنما اختلفوا فى مقدارها فماذكره المصنف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قول أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ومحمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وقال أبويوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: اثنان سوى الإمام لأنهمامع الإمام ثلاثة وهى جمع مطلق ولهذا يتقدمهما الإمام ويصطفان خلفه ولهماأن الجمع المطلق شرط انعقاد الجمعة فى حق كل واحد منهم وشرط جواز صلاة كل واحد منهم ينبغى أن يكون سواه فيحصل هذاالشرط ثم يصلى ولايحصل هذا الشرط إلاإذاكان سوى الإمام ثلاثة.

(البحر الرائق: ۲/ ۱۵۰، باب صلاة الجمعة، الماجدية۔ وكذافى الشامى: ۲/ ۱۵۱، باب الجمعة، سعيد۔ وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۵۱۱، قديمى)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ ادا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۴۶، باب صلاۃ الجمعۃ، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۶۵، ۱۰۹، مدلل مکمل، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: جناب عالی ایک مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں: کیا جیل میں نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو بلکہ اجازت ہو تو جیل میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ باقی جیل میں عام لوگوں کے جانے پر پابندی انتظامی پابندی ہے جمعہ سے روکنے کے لئے نہیں ہے جیسے کسی قلعہ کے دروازہ کو دشمنی یا پرانی عادت کی وجہ سے بند کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والسابع الإذن العام فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أولعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لالمصلى وفى الشامية: والذى يضر إنما هومنع المصلين

لامنع العدو. (الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ و کذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۵۱۰، باب الجمعة، قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۱۸۳، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۱۲)۔ **واللہ اعلم۔**

فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مختلف فیکٹریوں میں جن میں باہر سے لوگ نہیں جاسکتے ہیں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اسکولوں اور کالیجوں میں بھی یہی صورتِ حال ہے لہٰذا ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فیکٹری، اسکول، کالیج وغیرہ ایسے شہر میں ہیں جس میں شرائطِ جمعہ پائے جاتے ہیں یا فناءِ شہر میں ہیں تو ان سب میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے۔ اور باہر سے لوگوں کا نہ آنا مانع نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والسابع الإذن العام فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قدیمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لالمصلی وفی الشامیة: والذی یضر إنما هو منع المصلین لامنع العدو. (الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ و کذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۵۱۰، باب الجمعة، قدیمی)

نیز مذکور ہے:

فلو دخل أمیر حصناً أو قصره وأغلق بابه وصلی بأصحابه لم تنعقد وفی الشامیة: قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لاتقام إلا فی محل واحد، أما لو تعدد فلا لأنه لایتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل (قوله لم تنعقد) یحمل ما إذا منع الناس فلا یضر إغلاقه لمنع عدو أو عادة کما مر ط. قلت: ویؤیده قول الکافی واجلس البوابین الخ فتأمل.

(الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کارخانہ میں جمعہ پڑھنا: یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے، نمازیوں کو روکنا مقصود نہیں، نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لہٰذا اذن عام نہ ہونا صحتِ جمعہ میں مخل نہیں، اس میں نماز جمعہ صحیح ہے۔

(احسن الفتاوی: ۴/۱۲۰، باب الجمعہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۸/۱۸۴،فیکٹری میں جمعہ،جامعہ فاروقیہ۔وامدادالفتاوی: ۱/۶۱۱۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۹۷)۔ واللہ اعلم۔

پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ہم نے جمعہ کی نماز ایک پارک میں پڑھی جو گراہمسٹون (Grahamstown) کی آبادی سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور ہے، اس پارک میں کوئی مسجد نہیں ہے البتہ ایک جماعت خانہ ہے جس میں تقریباً ۸۰ آدمیوں کی گنجائش ہے اس پارک میں دس پندرہ مزدور رہتے ہیں۔ کیا اس پارک میں ہماری نماز جمعہ درست ہوئی یا نہیں؟ جب کہ عام طور پر اس جگہ نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی۔

الجواب: مذہب احناف کے مطابق صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں ہے اور صورتِ مسئولہ میں پارک نہ شہر ہے اور نہ قصبہ بلکہ اطراف میں بھی کوئی بڑا شہر نہیں ہے لہٰذا اس پارک میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی عبدالرحمن قال: قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لاجمعة ولاتشریق إلافی مصرجامع. وعن الحارث عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لا جمعة ولا تشریق، ولاصلاة فطرولاأضحی إلافی مصر جامع أو مدینة عظیمة. (مصنف ابن ابی شیبة: ٤/٤٦، کتاب الصلاة، من قال لاجمعة)

وفی الهدایة: لا تجوز فی القری. (الهدایة:١/١٦٨)

شامی میں ہے:

عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکك وأسواق ولهارساتیق وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهذا هوالصحیح. (شامی:٢/١٣٧،باب الجمعة،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

جہاں بالکل آبادی ہی نہ ہو اور وہ جگہ کسی بڑی آبادی کے قریب نہ ہو وہاں بالاتفاق جمعہ صحیح نہیں ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۵۸،مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۸/۱۴۴،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: امریکہ کی بعض مساجد میں نماز جمعہ زوال سے قبل پڑھی جاتی ہے کیا یہ کسی مذہب کے مطابق ہے؟ اور کیا دوسرے مذہب والے اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق نیز دیگر مذاہب سوائے حنابلہ سب کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی افضل اور بہتر بعد الزوال ہے۔ اگر حنابلہ قبل الزوال ادا کریں تو دوسرے مذہب والے اقتداء نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

شروط صحة الجمعة: (١) وقت الظهر ولا تصح عند الجمهور غير الحنابلة قبله أى قبل وقت الزوال بدليل مواظبة النبى ﷺ على صلاة الجمعة إذا زالت الشمس قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "كان رسول الله ﷺ يصلى الجمعة حين تميل الشمس وعلى ذلك جرى الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم فمن بعدهم ولأن الجمعة والظهر فرضا وقت واحد فلم يختلف وقتهما كصلاة الحضر وصلاة السفر وقال الحنابلة: يجوز أداء الجمعة قبل الزوال ... وفعلها بعد الزوال أفضل. (الفقه الاسلامى وادلته: ٢/٢٧٢، دارالفكر۔ وكذا فى الفقه على مذاهب الاربعة: ١/٣٧٥، وقت الجمعة۔ ومنتهى الارادات مع شرحه: ٢/١٢۔ والمغنى لابن قدامة: ٣/١٥٩)

درمختار میں ہے:

وإنما تفسد لمخالفته فى الفروض وفى الشامى: وفى البحر المخالفة فيما هو من الأركان أو الشروط مفسدة لا فى غيرها. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامى: ١/٤٧٢، المراد بالمجتهد فيه، سعيد كمپنى)

کسی مسجد میں بدعات ہو رہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی ایسی مسجد میں جمعہ کے لئے بیٹھا جہاں بدعات ہو رہی ہیں تو کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہے۔ البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرے جہاں بدعات وخرافات نہ ہوں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا تعذر منعه ينتقل عنه إلى غيره للجمعة وغيرها وإن لم يقم الجمعة إلا هو تصلى معه.

(مراقى الفلاح: ص ۱۱۳، فصل فى الاحق بالامامة، مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الفاسق إذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم: يقتدى به فى الجمعة ولا تترك الجمعة بإمامته. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۶، من يصلح اماما لغيره)

وأيضًا: قال المرغينانى: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة وحاصله إن كان هو لا يكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة وإلا فلا هكذا فى التبيين والخلاصة.

(الفتاوى الهنية: ۱/۸۴، من يصلح امامًا لغيره)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۶۵)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: آدمی کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے یا چھوٹی مسجد میں یا جماعت خانہ میں؟

الجواب: جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے تاہم اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی نمازِ جمعہ ہوتی ہے تو وہاں پڑھنا بھی صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل فى بيته بصلاة أى تحسب بصلاة واحد وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة أى بالإضافة إلى صلاة فى بيته لا مطلقًا وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس مائة صلاة أى بالنسبة إلى مسجد الحى.....".

(مرقات شرح مشكاة: ۲/۲۲۸)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے یعنی ایک نماز کا حساب ہوگا اور محلّہ کی مسجد میں ۲۵ نمازیں یعنی گھر کی نماز کے مقابلہ میں مطلقاً نہیں۔ اور اس کی نماز جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازیں یعنی بنسبت ماقبل کے۔

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں باتفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک

تو اختلاف ائمہ سے بچ جائے گا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پائے گا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد بڑھے گا اور شوکت اسلام زیادہ ہوگی اس کے ساعی کو بھی ثواب ملے گا۔

(تفصیلی فتویٰ ملاحظہ ہو: مجموعۃ الفتاوی: ۱/۳۳۱، ۳۳۴، آرام باغ کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ: ۳/۶۶۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۶۲، دارالاشاعت۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۸، مجددیہ)۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم:

سوال: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانا پینا یا دکان کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا مسلک ہے؟ اور اس پر کسی نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟

الجواب: اکثر فقہاء اذانِ اول کے بعد ہر قسم کے معاملات ترک کرنے کے قائل ہیں، لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبِ فتاوی عتابی وغیرہ نے اذانِ ثانی جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے اس کو ترک معاملات میں معتبر قرار دیا ہیں احتیاط پہلے قول میں ہے، اور عند الضرورۃ دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

وقال صاحب الهداية: قيل: المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع هو الأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي ﷺ بين يدي المنبر، قلت: هو مذهب الطحاوي فإنه قال: هو المعتبر في وجوب السعي إلى الجمعة على المكلف، وفي حرمة البيع والشراء، وفي فتاوى العتابي: هو المختار، وبه قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ وأحمد رحمه الله تعالىٰ وأكثر الفقهاء الأمصار، ونص المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: أنه الصحيح. والله اعلم.

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ٥/٦٢، ٦٣، باب المشي الى الجمعة، دارالحديث ملتان۔ وكذافي الدرالمختار: ٢/١٦١، باب الجمعة، سعيد)

اذانِ ثانی کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اذان کا جواب دینا سنت ہے۔ اور جمعہ کی اذانِ ثانی بھی اذان ہونے میں برابر ہے لہٰذا اس کا جواب دینا بھی سنت ہوگا۔

کیوں کہ اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ممانعت ثابت کی جاوے، اور خطبہ کا سننا واجب ہے یہ مسلم ہے لیکن ابھی شروع ہی نہیں ہوا پھر استماع کیسے واجب ہوگا؟

عام طور پر فقہاء جو روایت نقل کرتے ہیں "إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام" یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ صحابی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے جب تک سنت کی کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔ أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة. اور اس مسئلہ میں مرفوع روایات موجود ہیں۔ نیز جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی اذانِ ثانی کا جواب دینا ثابت ہے، اس کے برخلاف محض خاموش بیٹھے رہنے اور جواب نہ دینے پر کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، فقال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، فقال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، فقال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وأنا، قال: أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، قال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وأنا، فلما أن قضى التأذين قال: يا أيها الناس إني سمعت رسول اللّٰه ﷺ على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم مني من مقالتي.

(رواه البخاري: ۱/۱۲۵/۹۰۴، باب يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء، فيصل)

دیگر عمومی احادیث میں جواب دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب عن عطاء بن يزيد الليثي عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن.

(رواه البخاري: ۱/۸۶/۶۰۳، باب مايقول اذا سمع المنادي۔ ومسلم: ۱/۱۶۶، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه۔ والترمذي: ۱/۵۱، باب مايقول اذا اذن المؤذن۔ وابن ماجة: ص ۵۳، باب مايقال اذا اذن المؤذن)

شامی میں ہے:

قوله إذا خرج الإمام هذا حديث ذكره في الهداية مرفوعًا لكن في الفتح أن رفعه غريب والمعروف كونه من كلام الزهري، وأخرج ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام.

والحاصل أن قول الصحابی حجة یجب تقلیده عندنا إذا لم ینفه شیء من السنة.

(شامی: ۲/۱۵۸،باب صلاۃالجمعة، سعید)

اگر حدیث کو مرفوع تسلیم کریں تب بھی اس میں ممانعت کلام دنیوی کی ہے نہ کہ کلام دینی کی اور اذان کا جواب دینا دینی کلام میں شامل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفی البحر عن العنایة والنهایة اختلف المشایخ علی قول الإمام فی الکلام قبل الخطبة فقیل: إنما یکره ما کان من جنس کلام الناس أماالتسبیح ونحوه فلا، وقیل: ذلك مکروه والأول أصح. ومن ثمة قال فی البرهان: وخروجه قاطع للکلام أی کلام الناس عند الإمام. فعلم بهذا أنه لاخلاف بینهم فی جواز غیر الدنیوی علی الأصح. ویحمل الکلام الوارد فی الأثر علی الدنیوی، ویشهد له ماأخرجه البخاری أن معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أجاب المؤذن بین یدیه.....

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱۸،باب صلاة الجمعة،قدیمی)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا درست ہے کیوں کہ کلام دنیوی مکروہ ہے نہ کہ کلام دینی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنمایکره الکلام الذی هومن کلام الناس،وأماالتسبیح واتباعه فلا، وقال بعضهم: کل ذلك، والأول أصح، کذافی مبسوط فخرالإسلام،وقال فی العون:المراد بالکلام إجابة المؤذن وأماغیره من الکلام فیکره إجماعًا، انتهی. وقال البرجندی: ذکرفی المصفی عن العون: أن المراد بالکلام فی هذین الوقتین أی بعدالفراغ من الخطبة قبل شروع الصلاة، وقبلها إجابة المؤذن أماغیره من الکلام فیکره إجماعًا، انتهی.

(فتاوی اللکنوی: ص ۳۵۰، ما یتعلق بالجمعة،بیروت)

معارف السنن میں ہے:

إنما یکره ماکان من کلام الناس، أماالتسبیح ونحوه من إجابة المؤذن فلایکره.

(معارف السنن:۴/۳۴۱،بحث جواب الاذان الذی بین یدی الخطیب،سعید کمپنی)

دوسری جگہ مذکور ہے:

قال الشيخ: الأولىٰ هو جواز الإجابة فإنه قدصرح فی حدیث البخاری.....

(معارف السنن: ٤/ ٣٨٣،سعيد)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (حضرت مولانا قاضی محمد رحمت اللہ صاحب راندیری کا رسالہ: "العطر العنبری فی حکم اجابة الاذان المنبری)"۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا:

سوال: جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان صرف اتنا وقت دیا جاتا ہے جس میں صرف دو رکعتیں پڑھی جاسکے پھر امام خطبہ شروع کردے تو مذہب احناف کے مطابق چار رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب اگر موقع نہ دے تو مختصر قراءت کے ساتھ چار رکعت مختصر پڑھ لے، اگر سنت کے درمیان خطبہ شروع ہوجائے تو پوری کرنے کی گنجائش ہے توڑنا نہیں چاہئے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وأفاد أنه لايكره الشروع قبل الخروج فيتم ماشرع فيه،ولو خطب الإمام من غير كراهة مطلقًا، إلا إذا كان فی نفل فإنه يتم شفعًا، ثم يقطع، ولو كان خروجه بعد القيام للثالثة أتم أيضًا لأنه وجب عليه الشفع الثانی بالقيام إليه،واختلف فی سنة الجمعة فقيل: يقطع على رأس الركعتين كالنفل المطلق،والصحيح أنه يتمها لأنه كصلاة واجدة واجبة بحر،ولكن يخفف القراءة در يعنی بقدر الواجب لإدراك الواجب، وهل يترك تسبيح الرّكوع والسجود والصلاة على البشير النذير فی القعود الأخير لأنها سنة والاستماع فرض يحرر.

(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:ص ٥١٨،قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: (الدرالمختار:٢/ ١٥٩،سعید کمپنی۔والبحرالرائق:٢/ ١٥٥۔وفتاوی محمودیہ: ٨/ ٢٧٧، مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ۔واحسن الفتاوی:٤/ ١٢١)۔ واللہ اعلم۔

خطیب منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عمومی طور پر عباراتِ فقہیہ اس بات پر دال ہیں کہ خطیب خطبہ سے پہلے سلام نہ کرے۔ مگر احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے، لہٰذا نفسِ مشروعیت کا انکار زیبا نہیں۔ ہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ترک اولیٰ ہے، ورنہ

خطیب کا سلام کرنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا صعد المنبر سلم" رواہ ابن ماجة:ص ۷۹، ورجاله ثقات الاابن لهيعة مختلف فيه حسن الحديث، وقد صححه السيوطی فی الجامع الصغير: (۹۳:۲)

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم إذادخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر يوجه إلى الناس فسلم عليهم.

رواه الطبرانی فی الاوسط: (مجمع الزوائد: ۱/۲۱۵، دارالفكر)

قال المؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی مجمع الزوائد: أيضًا وفيه عيسى بن عبداللّٰہ الأنصاری وهو ضعيف ذكره ابن حبان فی الثقات ولكن فی التلخيص الحبير (۱/۱۳۶): أورده ابن عدی فی ترجمة عيسى بن عبداللّٰہ الأنصاری وضعفه فالحديث ضعيف، ولكن مجموع أحاديث الباب يدل على أن الحديث له أصل،وهذه الطرق يقوی بعضها بعضًا، ودلالته على الباب ظاهرة، وكذا دلالة المراسيل أيضًا عليه. وفی البحر الرائق (۲/۱۶۸): فاستفيد منه (ای من قول البدائع) أنه لايسلم إذا صعد المنبر وروی أنه يسلم كما فی السراج الوهاج، قلت: والمختار عندی للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته،وباللّٰہ التوفيق.

(اعلاء السنن:۸/۸۲/۲۰۶۷،باب سلام الخطيب على المنبر)

شامی میں ہے:

قوله ترك السلام ومن الغريب مافی السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنه استدبرهم فی صعوده بحر. قلت: وعبارته فی الجوهرة ويروی أنه لابأس به لأنه استدبرهم فی صعوده. واللّٰہ اعلم. (شامی:۲/۱۵۰،باب صلاة الجمعة، سعيد)

درایت روایت کے موافق ہو تو اس کو لینا چاہئے:

سوال: فقہائے احناف نے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے یا نہیں کہ جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو تو اسی کو فتوی کے لئے اختیار کرنا چاہئے؟ مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ میں خطیب کا منبر پر سلام کرنا۔

الجواب: فقہاء کی تحریرات میں اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں کوئی فقہی مسئلہ حدیث کے موافق ہو تو اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے، یعنی فتوی کے لئے اسی روایت کو اختیار کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

قال فی شرح المنية: ولاينبغى أن يعدل عن الدراية إذا وافقتهارواية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان، ومثله ماذكرفى القنية من قوله:وقد شدد القاضى الصدرفى شرحه فى تعديل الأركان جميعها تشديدًا بليغًا فقال: وإكمال كل ركن واجب عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى. وعند أبى يوسف رحمه الله تعالى والشافعى رحمه الله تعالى فريضة، فيمكث فى الركوع والسجود وفى القومة بينهماحتى يطمئن كل عضومنه،هذا هوالواجب عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى حتى لوتركها أو شيئًا منهاساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان وأما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهورفى المذهب السنية وروى وجوبهما وهو الموافق للأدلة وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقد علمت قول تلميذه أنه الصواب.

(شامی: ۱/۴۶۴، مطلب لاینبغی ان یعدل عن الدرایة اذاوافقتهارواية، سعيد)

چند مثالیں ملاحظہ ہو:

(۱) تشہد میں مسبحہ سے اشارہ کرنا:

اس مسئلہ میں فقہائے احناف کے دوقول ہیں لیکن راجح اشارہ کرنے کا ہے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے:

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أخبرنا مالك أنا مسلم بن أبى مريم عن على بن عبد الرحمن المعاوى أنه قال: رأنى عبدالله بن عمرو أنا أعبث بالحصى فى الصلاة، فلما انصرفت نهانى وقال:اصنع كما كان رسول الله ﷺ يصنع، فقلت: كيف كان رسول الله ﷺ يصنع قال: كان رسول الله ﷺ إذا جلس فى الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشاربأ صبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمد رحمه الله تعالى: وبصنيع رسول الله ﷺ نأخذ وهوقول أبى حنيفة رحمه الله تعالى. (مؤطاللامام محمد:ص ۱۰۸)

وقال الشامى رحمه الله تعالى: وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبى ﷺ بالأحاديث الصحيحة، ولصحة نقله عن الأئمة الثلاثة.

(شامی:۱/۵۰۹، سعید۔و کذافی مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوى: ص ۲۶۹،قديمى۔وامدادالفتاح:ص ۲۹۹، بيروت)

(۲) ماءِ مشمس سے وضو کرنے میں دو قول ہیں علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا معتمد قول کراہت والا ہے اس لئے کہ حدیث وارد ہے۔

شامی میں ہے:

أقول: وقدمنا في مندوبات الوضوء عن الإمداد أن منهاأن لايكون بماء مشمس،وبه صرح في الحلية مستدلاً بماصح عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من النهي عنه، ولذاصرح في الفتح بكراهته، ومثله في البحر. وقال في معراج الدراية وفي القنية:وتكره الطهارة بالمشمس لقوله صلی اللہ علیہ وسلم لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حين سخنت الماء بالمشمس "لاتفعلي ياحميراء، فإنه يورث البرص"..... فقد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر. (شامي:۱/ ۱۸۰،باب المياه،سعيد)

واضح رہے کہ ماء مشمس والی حدیث ضعیف ہے اس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وهذاالحديث ضعيف باتفاق المحدثين وقدرواه البيهقي من طرق وبين ضعفها كلها.

(شرح المهذب:۱/ ۸۷،كتاب الطهارة،دارالفكر)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: الحديث المذكور لايحتج به،فقد رواه أبونعيم في الطب عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وقال: في إسناده خالد بن إسماعيل لايحتج به. وقال الدارقطني: متروك، ورواه الدارقطني من طريق آخرفيها الهيثم بن عدي كذاب. وأخرجه ابن حبان من طريق فيها وهب بن وهب وهو كذاب، وله طرق لايخلومن كذاب أومجهول.

(فتاوى اللكنوي:ص ۶۰،باب مايجوزبه التوضؤ ومالايجوزبه،بيروت)

(۳) خطیب کا منبر پر سلام کرنا:

کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام نہ کرے، البتہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا مشروعیت والا قول میرے نزدیک مختار ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: والمختارعندي للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته، وبالله التوفيق.

(اعلاء السنن:۸/ ۸۲/ ۲۰۶۷،باب سلام الخطيب على المنبر)

(۴) نفل کی جماعت مکروہ ہے مگر بغیر تداعی کے ہوتو مکروہ نہیں ہے، پھر تداعی کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں نیز فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ۴ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

لیکن حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصل چیز لوگوں کو اہتمام کے ساتھ بلانا ہے، اگر بلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ایسے ہی جمع ہو گئے تو کراہت نہیں ہے، کیوں کہ احادیث اس کے موافق ہیں۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔ چونکہ اتفاقاً جمع ہو گئے تھے، اس لئے مکروہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى. والله اعلم. (اعلاء السنن: ۹۳/۷، حكم الجماعة بالتداعي في غير المكتوبة، ادارة القرآن)

خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم:

سوال: مؤذن خطیب کو عصا دینے سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھتا ہے اور حاضرین کو ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مؤذن کا اس طرح کرنا درست نہیں ہے یہ طریقہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تھا اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ سلف سے اس طرح کرنا منقول ہے لہٰذا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

ابتدع بعض الناس أن يتكلموا بين يدى الخطيب بقوله تعالىٰ: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبى﴾ الآية، ويزيدون عليها انشودة طويلة، ثم إذا فرغ المؤذن الذى يؤذن بين يديه يقول: "إذا قلت لصاحبك والإمام يخطب يوم الجمعة: أنصت فقد لغوت" الحديث، ثم يقول بعد ذلك أنصتوا توجروا، وكل هذا بدعة لاداعى لها إليها ولالزوم لهاخصوصًا مايفعله ذلك المؤذن من الجهل بمعنى الحديث لأنه بأمر بالإنصات وعدم الكلام، ثم يتكلم هو بعده بقوله أنصتوا وعلى كل حال فالترقية بهذه الكيفية بدعة مكروهة فى نظر الحنفية وتركها أحوط على كل حال.

المالكية: قالوا: الترقية بدعة مكروهة لايجوز فعلها.

(الفقه على مذاهب الاربعة: ۱/۳۹۷، الترقية بين يدى الخطيب، دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامي وادلته: ۲/۲۹۶، الترقية بين يدى الخطيب "وهى بدعة مكروهة "دارالفكر۔ والدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۶۰، فى حكم الرقى بين يدى الخطيب، سعيد۔ والبحرالرائق: ۲/۱۵۶، باب صلاة الجمعة، الماجدية۔ وفتاوى اللكنوى: ص ۳۶۷، مايتعلق بالجمعة، بيروت)۔ **واللہ اعلم۔**

خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم:

سوال: خطیب خطبہ دیتے وقت بالکل سامنے متوجہ رہے گا یا دائیں بائیں التفات کرسکتا ہے؟

الجواب: خطیب کا دورانِ خطبہ سامنے متوجہ رہنا سنت ہے دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويكره التفاته يمينًا وشمالاً. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۵۱۴، قديمى)

شامی میں ہے:

تنبيه: مايفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عندالصلاة على النبى ﷺ فى الخطبة الثانية لم أره من ذكره والظاهر أنه بدعة ينبغى تركه لئلا يتوهم أنه سنة ثم رأيت فى منهاج النووى قال: ولايلتفت يمينًا وشمالاً فى شىء منها قال ابن حجر رحمه الله تعالى فى شرحه: لأن ذلك بدعة، ويؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنة أن يستقبل الناس بوجهه ويستدبر القبلة لأن النبى ﷺ كان يخطب هكذا.

(شامى: ۲/۹ باب صلاة الجمعة، سعيد۔ وكذافى الفقه السلامى وادلته: ۲/۲۹۱، سنن الخطبة ومكروهاتها، دارالفكر)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ ۱/۲۶۳، خطبہ پڑھنے کا طریقہ)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ میں خطیب حضرات دعا کرتے ہیں تو کیا سامعین کے لئے ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بغیر ہاتھ اٹھائے دل ہی دل میں آمین کہنا جائز اور درست ہے البتہ ہاتھ اٹھا کر زور سے آمین کہنا مکروہِ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وقال البقالی فی مختصرہ: وإذا شرع فی الدعاء لایجوز للقوم رفع الیدین ولاتأمین باللسان جهرًا فإن فعلوا ذلك أثموا وقیل: أساءوا ولاأثم علیهم، والصحیح هو الأول، وعلیه الفتوی. (شامی: ۱۷۲/۲، باب صلاة الجمعة، سعید۔ وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱۴۷/۱۔ والبحر الرائق: ۱۵۵/۲۔ وفتح القدیر: ۶۷/۲۔ ومجمع الأنهر: ۱۷۱/۱۔ وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۴۷/۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب خطیب مسلمانوں کے لئے خطبہ میں دعا کرے تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا زبان سے بول کر آمین کہنا جائز نہیں ہے، اور اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے دل میں مانگ سکتے ہیں یا آمین کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۱، ممنوعات ومکروہات خطبہ، مجددیہ)

خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفاء کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں قرآنِ کریم پڑھتے ہیں مثلاً سورۂ حجرات کا کچھ حصہ پہلے خطبہ میں اور کچھ حصہ دوسرے میں شرعاً اس کا کیا حکم؟ نیز دونوں خطبوں میں کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب: خطبہ میں قرآنِ کریم کا پڑھنا سنت ہے آپ ﷺ کا معمول تھا لیکن اس پر اکتفاء نہ کریں بلکہ شہادتیں اور مسلمانوں کے لئے دعا ہو، آنحضرت ﷺ پر درود اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ ہو ان پر ترضی ہو وغیرہ یہ سب چیزیں مستحب ہیں، نیز عام طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لوگ بدظن ہیں لہٰذا ان کا بھی تذکرہ کیا جائے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن عن اخت لعمرة قالت: أخذت قٓ والقرآن المجید من فی رسول اللّٰه ﷺ یوم الجمعة وهو یقرأ بها علی المنبر فی کل جمعة وفیه عن أم هشام بنت حارثة بن النعمان قالت: ماأخذت قٓ والقرآن المجید إلاعن لسان رسول اللّٰه ﷺ یقرؤها کل یوم الجمعة علی المنبر إذا خطب الناس. (مسلم شریف: ۲۸۶/۱)

مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن بداءته بحمد اللّٰه بعد التعوذ فی نفسه سرًا والثناء علیه بما هو أهله سبحانه وتعالیٰ

والشهادتان والصلاة على النبى ﷺ والعظة بالزجر عن المعاصى والتخويف والتحذير لما يوجب مقت الله تعالىٰ وعقابه سبحانه وتعالىٰ والتذكير بما به النجاة وقراءة آية من القرآن لما روى أنه ﷺ: قرأ فى خطبته واتقوا يومًا ترجعون فيه إلى الله ويسن إعادة الحمد وإعادة الثناء وإعادة الصلاة على النبى ﷺ كائنة تلك الإعادة فى ابتداء الخطبة الثانية وذكر الخلفاء الراشدين رضی اللہ تعالیٰ عنہم مستحسن بذلك جرى التوارث ويسن الدعاء فيها أى الخطبة الثانية للمؤمنين والمؤمنات مكان الوعظ بالاستغفار لهم.

(مراقى الفلاح مع نورالايضاح: ص ۱۹۳، باب الجمعة، مكة المكرمة)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۲/۱٤۸، سعید۔ وامدادالفتاح: ص ٥٦٥، بیروت)

خطبۃ الجمعہ میں ہے:

قراءۃ القرآن فی الخطبۃ سنت ہے یہی راجح قول ہے پھراس کی مقدار کیا ہے؟ اس میں ۱۳ اقوال ہیں، اور احناف کے نزدیک کم ازکم تین آیات قصار یا ایک آیت طویلہ پڑھے۔ (خطبۃ الجمعۃ واحکامہا الفقہیۃ: ص ۱۴۱)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/۱۴٦)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم:

سوال: شریعت کا کیا حکم ہے عصا کے متعلق جمعہ کے دن خطبہ کے لئے کیا واجب ہے یا فرض یا سنت؟ کیا عصا نہ پکڑنے والا کافر ہو جائے گا؟

الجواب: فقہائے کرام نے لکھا ہے اگر کوئی شہر تلوار سے فتح ہوا ہو تو اس میں امام کو چاہئے کہ تلوار بائیں ہاتھ میں لے اور اس پر ٹیک لگا کر خطبہ دے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أى بالسيف ليريهم أنها فتحت بالسيف فإذا رجعتم عن الإسلام فذلك باقى فى أيدى المسلمين يقاتلونكم حتى ترجعوا إلى الإسلام، درر. (شامی: ۲/۱٦۲، سعید)

یعنی لوگوں کو یہ دکھائے کہ یہ شہر تلوار سے فتح ہوا ہے اگر تم نے اسلام کو چھوڑا تو مسلمانوں کے ہاتھ میں اب بھی تلوار باقی ہے تم سے لڑ کر تم کو اسلام کی طرف لوٹائیں گے۔

اور اگر کوئی شہر یا ملک بزورِ شمسیر فتح نہیں کیا گیا بلکہ دعوت وتبلیغ یا صلح سے فتح ہوا ہو تو وہاں عصا کے سہارے خطبہ دیا جائے۔ مگر یہ عمل نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ ایک مستحب عمل ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ

لوگوں کی فرضیت اور لازم ہونے کا عقیدہ وابستہ نہ ہو۔ اگر لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو پھر اس کو چھوڑنا چاہئے۔

علامہ طیبی نے شرح مشکاۃ میں لکھا ہے کہ مستحب عمل پر اصرار کرنے سے بدعت بن جاتا ہے پھر جو شخص عصا چھوڑنے والے کو کافر کہتا ہے وہ سخت گنہگار اور عاصی ہے اس کو توبہ کرنی چاہئے کسی مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا سخت گناہ ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔ فی الدر: ویکرہ أن یتکیء علی قوس أوعصا. وفی الشامی: نقل القهستانی: عن المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام. (امداد الاحکام: ۱/۵۹۷، کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۷۰، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۴۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چاہئے کہ اکثر وبیشتر عصا نہ پکڑے، ہاں عوام کے عقیدے کی اصلاح کے بعد مستحب پر عمل کرتے ہوئے گاہے گاہے عصا ہاتھ میں لیا کریں۔ واللہ اعلم۔

خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا:

سوال: اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ مذہب احناف کے مطابق سنت ہے، لہٰذا خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وسن خطبتان للتوارث إلی وقتنا وبین الجلوس بین الخطبتین جلسة خفیفة وظاهر الروایة مقدار ثلاث آیات. وفی الطحطاوی: وهو المذهب در، وترکها مسیء فی الأصح لأنها سنة قهستانی لماروی أن النبی ﷺ کان یخطب قائمًا خطبة واحدة فلما أسن جعلها خطبتین بینهما جلسة خفیفة، وفیه دلیل علی أنها للاستراحة لا شرط.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۵۱۶، قدیمی۔ وکذا فی الدر المختار: ۲/۲۴۸، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلاف سنت ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۰۱، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

خطیب کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ میں آیتِ کریمہ غلط پڑھتا ہے تو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آیتِ کریمہ میں فحش غلطی کرے تو پرچی کے ذریعہ سے اصلاح فرمادیں تاکہ فحش غلطی دور ہو۔ اگرچہ خطبہ کے وقت ہر قسم کا کلام ممنوع ہے (جیسا کہ نماز میں بھی ہر قسم کا کلام ممنوع ہے لیکن لقمہ کی گنجائش ہے) نیز ایک قول کے مطابق صرف کلام دنیوی منع ہے دینی کلام کی ممانعت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(وفتحه على إمامه جائز) لماروى أنه ﷺ قرأ فى الصلاة سورة المؤمنين فترك كلمة فلما فرغ قال: ألم يكن فيكم أبيّ؟ قال: بلى قال: هلافتحت عليّ؟ قال: ظننت أنها نسخت فقال رسول الله ﷺ: لو نسخت لأعلمتكم وقال: إذا استطعمك الإمام فأطعمه أى إذا استفتحك الإمام فافتح عليه، والصحيح أنه ينوى الفتح دون التلاوة لأن الفتح مرخص فيه.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص ٣٣٤،باب مايفسدالصلاة، قديمى)

شامی میں ہے:

قوله ولا كلام أى من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلايكره وهو الأصح كما فى النهاية والعناية وذكره الزيلعى أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالكلام مكروه تحريمًا بأقسامه كما فى البدائع. (شامی:۲/۱۵۸،سعید)

فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنمايكره الكلام الذى هومن كلام الناس، وأماالتسبيح واتباعه فلا، وقال بعضهم: كل ذلك، والأول أصح، كذا فى مبسوط فخرالإسلام. والله اعلم.

(فتاوى اللكنوى: ص ٣٥٠، ما يتعلق بالجمعة،بيروت)

غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم:

سوال: خطبہ عربی میں دینا واجب ہے یا سنت اگر کوئی شخص غیر عربی میں خطبہ دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: خطبہ عربی زبان میں دینا سنتِ مؤکدہ اور ضروری ہے۔ کسی اور زبان میں دینا مکروہِ تحریمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول پوری زندگی عربی زبان میں خطبہ دینے کا تھا۔

حالانکہ وہ مشرق ومغرب میں پھیلے، عجمی ممالک کو فتح کیا اور وہیں پر خطبے دئے، لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کا خطبہ غیر عربی میں دیا ہو۔ بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ خطبہ تذکیر اور نصیحت ہے لہٰذا سامعین کی زبان میں ہونا چاہئے۔ مگر ان کو سوچنا چاہئے کہ خطبہ ذکر ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے مراد محدثین اور مفسرین کے نزدیک خطبہ جمعہ ہی ہے۔

نیز ایک حدیث میں بھی خطبہ کو ذکر فرمایا گیا ہے:

فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر.

(بخاری شریف: ۱/۱۲۱/۸۷۱، باب فضل الجمعة)

یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ خطبہ نماز اور اذان کی طرح ذکر ہے تو جس طرح نماز اور اذان کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اسی طرح خطبہ کا بھی عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے:

وأما كونها عربية فلاستمرار أهل الإسلام في المشارق والمغارب به مع أن في كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين.

(مصفی شرح مؤطا: ص ۱۵٤ باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر)

یعنی خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام مشرق ومغرب میں یہی طریقہ جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سامعین اور مخاطب عجمی ہوا کرتے تھے لہٰذا عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین کی پابندی ضروری ہے۔

نیز علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی غیر عربی میں مکروہِ تحریمی فرمایا ہے:

فإنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فيكون مكروهًا تحريمًا.

(عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، رقم الحاشية ۲، المجيدي كانفور)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامي وادلته: ۲/۲۸۹، دارالفكر۔ اتحاف السادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ۳/۳۲٦۔ والانصاف في معرفة الراجح من الخلاف: ۲/۳۸۷۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/۹۰، دارالاشاعت۔ وامداد الاحكام: ۱/۷۳۲)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۸/۲۱۵-۲۳۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وجواہر الفقہ "الاعجوبة فی عربیة خطبة العروبة" ۱/۳۴۷، مکتبة دارالعلوم کراچی۔ ومجموعة الفتاوی لکھنوی: ۱/۳۵۹، آرام باغ کراچی)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام نہ لینا:

سوال: خطبہ میں جب خلفائے راشدین کا تذکرہ آتا ہے تو عام طور پر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام کیوں نہیں ذکر کرتے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ذکر کریں اور یوں کہیں ابوبکر بن ابی قحافہ تو تکرارِ کنیت کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اور اگر کنیت کو چھوڑ کر صرف نام پر اکتفاء کریں مثلاً عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' تو چونکہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے تعریف مکمل نہیں ہوتی، اس وجہ سے فقط ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی واحدی میں ہے:

سوال: ماالوجه فی ترك نسبة الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلى أبيه فی الخطبة كما ينسب سائر الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم إلى آبائهم؟

الجواب: والوجه فيه أمر لفظی وهو أن الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وإن كان اسمه عبدالله لكنه اشتهر بكنية أبی بكر وكذلك والده رضی اللہ تعالیٰ عنہ وإن كان اسمه عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لكنه كان مشهوراً بكنية أبی قحافة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلو نسب الكنية إلى الكنية مع تكرار لفظ الأب لأدى ذلك إلى الثقل فی اللفظ كما يشهد به الذوق السليم.

ولو نسب الاسم إلى الاسم لم يحصل التعريف المطلوب لعدم الشهرة بالاسم فأقيم الوصف المشهور بالصديق مقام النسبة لأن الغرض هو التعريف وهو كما يحصل بذكر النسبة فكذلك يتحقق بذكر الوصف المذكور، وأما سائر الخلفاء رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين فالفاروق وذو النورين كانا مشهورين باسمائهما كآبائهما فليس هناك كنية أصلاً فنسب الاسم إلى الاسم وأن المرتضى كرم الله وجهه فإن والده كان مشهوراً بالكنية لكنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان مشتهراً باسمه فلو يتحقق انتساب الكنية إلى الكنية المؤدى إلى الثقل بل انتساب الاسم إلى

الکنیة ولاتقل فیه. واللہ اعلم. (فتاوی واحدی:ص ۲۳۵)

خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ لوگ ان کے بارے میں بدظنی کا شکار ہیں۔ ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پہلے لوگوں کو مانوس کرے، پھر آہستہ خطبہ میں تذکرہ شروع کرے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

ہر زمانہ میں مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے مبارکہ اور ان کے لئے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلکِ اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کافی تھا جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہلِ سنت ہونے کی مدعی ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت کا دعوی کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست ان کی زبان وقلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلکِ اہل سنت میں کسی صحابی کے بارے میں ذرا سی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور الحاد میں روافض ہی کی راہ پر چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بناتِ مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بغض ہے، اس لئے ان فتنوں کی تردید کے پیشِ نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بناتِ مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب وفضائل کا ذکر اور ان کے لئے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہئے، اس سے حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے، فقط واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۴/۱۴۶، باب الجمعۃ والعیدین)

فتاوی فریدیہ میں ہے:

نہ اصرار مناسب ہے اور نہ انکار زیبا ہے خصوصاً جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بہت سے

لوگ بدظنی کا شکار ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی فریدیہ:۳/۱۸۸،فصل فی الجمعۃ)

ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم:

سوال: جب ریڈیو پر جمعہ کا خطبہ نشر کیا جارہا ہو تو استماع واجب ہے نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر اگر خطیب کی آواز کو براہِ راست نشر کیا جارہا ہے تو جن پر جمعہ واجب ہے ان کے لئے خطبہ کی جگہ آکر سننا بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر آواز کو ٹیپ کیا گیا تھا اس کو نشر کیا جارہا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی النهر عن البدائع يكره الكلام حال الخطبة، و كذا كل عمل يشغله عن سماعها من قراءة قرآن أو صلاة أو تسبيح أو كتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت، فی شرح الزاهدی يكره لمستمع الخطبة مايكره فی الصلاة من أكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلك، وفی الخلاصة كل ماحرم فی الصلاة حرم حال الخطبة ولو أمرًا بمعروف، وفی السيد استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب والذائی كالقريب.

(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص ۵۱۹، قديمی۔ و كذافی امدادالفتاح: ص ۵۶۹، واجبات الجمعة، بيروت)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریڈیو، اس میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر وآواز ٹیپ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے، پس اگر ایسا ہونے کا ظن غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔ ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اسی کے اعتبار سے عمل کرے۔

(نظام الفتاوی: ۱/۷۲، كتاب الصلاة، فقه اكيڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۷/۴۷۲،مبوب ومرتب۔ وجدید فقہی مسائل:۱/۱۷۱،نعیمیہ دیوبند۔ وآلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص۱۷۴)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھانا:

سوال: ایک شخص مسلسل کئی ہفتوں سے خطبہ پڑھ کر نمازِ جمعہ دوسرے شخص کو سپرد کرتا ہے یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے ہر جمعہ کو اس طرح کرنے سے

اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(لا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب لأنهما کشیء واحد) قوله لأنهماأی الخطبة والصلاة کشیء واحد لکونهما شرطًا ومشروطًا لاتتحقق المشروط بدون شرطه فالمناسب أن یکون فاعلهما واحد. (شامی: ۲/ ۱۶۲، باب صلاة الجمعة، سعید)

وفی الطحطاوی: (قوله: لاینبغی) الظاهر أن اختلافهما مکروه تنزیهًا.

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۳۴۸)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۲۱۵، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا مثلاً یہ کہنا صفیں سیدھی کرلیں یا پہلے مسجد کے اندر سے پُر کریں یا وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کے لئے نماز سے قبل یہ اعلان کرنا کہ صفیں درست کرلیں یا پہلے مسجد کو اندر سے پُر کرلیں یا مختصر مسئلہ بیان کردینا جائز ہے، طویل وعظ درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فاذا أتم أی الإمام الخطبة أقیمت بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلاة ویکره الفصل بأمر الدنیاذکره العینی اما بنهی عن منکر أو أمر بمعروف فلا وکذا الوضوء حتی لو طال الفصل استأنف الخطبة.

(شامی: ۲/ ۱۶۲، باب صلاة الجمعة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے طویل وعظ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ۴/ ۱۲۲، باب الجمعة والعیدین)

خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ اتنا لمبا پڑھنا کہ نماز کی قراءت اس کے مقابلہ میں چوتھائی نہ ہو ائمہ اربعہ کے مذہب کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب: ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خطبہ کو مختصر کرنا اور نماز کو طویل کرنا سنت ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلافِ سنت ہے، اور یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے، جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن واصل بن حیان قال: قال أبووائل خطبناعمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فأوجز وأبلغ فلمانزل قلنا یا أباالیقظان لقد أبلغت وأوجزت فلو کنت تنفست فقال: إنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إن طول صلاۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فأطیلوا الصلاۃ وأقصروا الخطبۃ وإن من البیان سحرًا. (رواہ مسلم: ۱/۲۸۶، کتاب الجمعۃ)

وعن جابربن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت أصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوات فکانت صلاتہ قصدًا وخطبتہ قصدًا. (رواہ مسلم: ۱/۲۸۴، کتاب الجمعۃ)

بدائع الصنائع میں ہے:

واما سنن الخطبۃ ومنہا أن لایطول الخطبۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمربتقصیر الخطبۃ وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: طولوا الصلاۃ وقصروا الخطبۃ وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ طول الصلاۃ وقصر الخطبۃ من فقہ الرجل.

(بدائع الصنائع: ۱/۲۶۳، سعید۔ وکذافی شامی: ۲/۱۴۸، باب صلاۃ الجمعۃ۔ والفتاوی الہندیۃ: ۱/۱۴۷)

شرح المہذب میں ہے:

ویستحب أن یقصر الخطبۃ لماروی عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ خطب وأوجز فقیل لہ لو کنت تنفست فقال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: الخ..... (شرح المہذب: ۴/۵۲۶)

مغنی میں ہے:

ویستحب تقصیر الخطبۃ لماروی عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:.....

(المغنی لابن قدامۃ الحنبلی: ۲/۱۵۵)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

مکروہات الخطبۃ عندالحنفیۃ والمالکیۃ: ہی ترک السنن المتقدمۃ ومن أہمہا تطویل الخطبۃ، ولیس ترک السنن المتقدمۃ عندالشافعیۃ والحنابلۃ مکروہاً علی اطلاقہ، بل منہ

ماهو مكروه،ومنه ماهو خلاف الأولى. والله اعلم.

(الفقه الاسلامی وادلته: ۲/۲۹۳، ۲۹۸، ۲۹۹۔ و کذافی الفقه علی مذاهب الاربعة: ۱/۳۹٤۔ و کذافی حاشیة الدسوقی: ۱/۵۹۸، فصل فی الجمعة، دارالفکر۔ ومذهب الحنابلة: ۲/۵۳۸)

احتیاط الظہر کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جائے گی یا نہیں؟ ادا نہ کرنے کے دلائل پیش کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق احتیاط الظہر نہیں پڑھنا چاہئے، صرف جمعہ پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

أقول وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضًا ومنشأجهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنماوضعهابعض المتأخرين عندالشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول أعنی اختيار صلاة الاربع بعدها مرويًا عن أبی حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ وصاحبيه رحمہما اللہ تعالیٰ حتی وقع لی أنی أفتيت مرارًا بعدم صلاتها خوفا علی اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض.

(البحرالرائق:۲/۱۳۹،باب صلاة الجمعة، الماجدية)

امدادالفتاح میں ہے:

تنبيه آخرفی بيان صلاة الاربع بعد الجمعة بنية آخر ظهر عليه: قال: الشيخ زين ما فی القنية من أمر مشايخ مرو بأداء أربع ركع بعد الجمعة حتمًا احتياطًا مبنی علی القول الضعيف المخالف للمذهب، وهومنع جوازتعدد الجمعة فليس الاحتياط فعلها لان الاحتياط العمل بأقوی الدليلين، وهواطلاق الجوازوفی المنع حرج وهومدفوع وفی فعل الأربع مفسدة عظيمة وهی اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست فرضاً لما يشاهدون من صلاة الظهرفيتكاسلون عن أداء الجمعة يعنی أواعتقادهم افتراض الجمعة والظهربعد الجمعة أيضًا، وقد شوهد الآن صلاتهابالجماعة والاقامة لها، ونيتهم فرض الظهر الحاضرإمامًا ومؤتمًا بغالب المساجد والخطيب إمامًا بعد إمامته بالجمعة والجماعة وهو ظاهر الشناعة.

(امدادالفتاح:ص۵۵۳، مطلب، الاحتياط هوالعمل باقوی الدليلين،بيروت)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر شرائط صحت موجود ہیں تب تو ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ظہر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہے، اس لئے ظہر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے۔

(امدادالاحکام: ۱/۷۲۵، فصل فی الجمعة، کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (شامی: ۲/۱۴۵۔ ۱۴۶، مطلب فی نیة آخر ظهر بعد صلاة الجمعة، سعید۔ وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۳۸، ۳۴۲۔ وکفایت المفتی: ۳/۲۱۵۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۳۹۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۳۴۶، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۴۰۳۔ وامدادالمفتین: ۲/۳۹۴، دارالاشاعت۔ وعمدة الفقه: کتاب الصلاة حصه دوم: ص ۴۴۲، المحددیة)۔ **واللہ اعلم۔**

جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات:

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد کتنی رکعت مسنون ہے؟ اور ان میں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کتنی ہیں؟

الجواب: عام طور پر کتبِ فقہ میں چار رکعت سنتِ مؤکدہ مذکور ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھ رکعت مروی ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں۔ اور کبیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ پہلے پڑھنی چاہئے اور دو بعد میں۔ البتہ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو رکعت پہلے پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور چھ رکعت کا ثبوت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، اس میں دو کا تذکرہ پہلے ہے۔ لہٰذا دو پہلے پڑھنے کی بھی اجازت ہے بلکہ کبھی کبھی اس پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ نیز "لایصلی صلاة مثلها" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے، نیز جمعہ خطبہ کی وجہ سے چار رکعت کے حکم میں ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا صلی أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعًا. وفی روایة له عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعًا، وفی روایة له عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان إذا صلی الجمعة انصرف فسجد سجدتين فی بيته ثم قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصنع ذلك.

(مسلم شریف: ۱/۲۸۸، فصل فی استحباب اربع رکعات)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی عبد الرحمن قال: قدم علينا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فكان يأمرنا أن نصلی

بعدالجمعة أربعًا فلما قدم علينا على رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمرنا أن نصلي ستًا، فأخذنا بقول علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتركنا قول عبد الله قال: كان يصلي ركعتين ثم أربعًا. وفي رواية له عن عطاء قال: كان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إذا صلى الجمعة صلى بعدها ست ركعات ركعتين ثم أربعًا وفي رواية له عن أبي بكر بن أبي موسى عن أبيه: كان يصلي بعد الجمعة ست ركعات.

(مصنف ابن ابی شیبة: ٤/١١٨/ ٥٤١٠، ٥٤١٣، المجلس العلمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روى عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يصلي قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعًا. وروى عن علي بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه أمر أن يصلي بعد الجمعة ركعتين ثم أربعًا.

وقال العلامة الشاه الكشميري رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح هذه الأحاديث: وأما بعد الجمعة فركعتان عند الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ وأربع عند أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ وست ركعات عند صاحبيه رحمہ اللہ تعالیٰ وفي الست طريقان والمختار عندي أن يأتي بالركعتين قبل الأربع لعمل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ في سنن أبي داود.

(ترمذی شریف مع العرف الشذی: ١/١١٦-١١٨، باب فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها)

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منية المصلي: ص ٣٨٨، فصل في السنن، سهيل- وكذا في معارف السنن: ٤/٤١١، بحث السنن قبل الجمعة وبعدها، سعيد- واعلاء السنن: ٧/١٣-١٥، باب النوافل والسنن، ادارة القرآن- وفتاوی محمودیہ: ٨/٣٤٤، مبوب ومرتب- وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ٥/١٣٦، دارالاشاعت- تعلیم الاسلام: ٤/١٤٨، مکمل، دارالاشاعت)- واللہ اعلم-

عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن نمازِ عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں عید کی نماز کے بعد جمعہ پڑھنا لازم وضروری ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ في العيدين وفي الجمعة

بسبح اسم ربك الأعلى وهل أتاك حديث الغاشية قال: وإذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد يقرأ بهما أيضًا في الصلاتين.

(رواه مسلم: ۱/۲۸۸۔ والنسائي: ۱/۲۱۰۔ وكذافي تفسير القرطبي: ۲۱/۱۰۷۔ وتفسير ابن كثير: ٤/٥٢٨)

احکام القرآن میں ہے:

لايسقط الجمعة كونهما في يوم واحدخلافًا لأحمد رحمہ اللہ تعالیٰ حين قال: إذا اجتمع عيد وجمعة سقط الجمعة لتتقدم العيد عليها واشتغال الناس به عنها وتعلق في ذلك بماروى أن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أذن في يوم العيدلأهل العوالي أن يتخلفوا عن الجمعة وقول الواحد من الصحابة ليس بحجة إذاخولف فيه ولم يجتمع معه عليه والأمر بالسعي متوجه يوم العيد كتوجهه في سائر الأيام. (احكام القرآن لابن العربي رحمہ اللہ تعالیٰ: ٥/٦٥)

ایک شکال اوراس کا جواب:

اشکال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ ملاحظہ ہوابن ماجہ میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اجتمع عيدان على عهدرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فصلى بالناس ثم قال: من شاء أن يأتي الجمعة فليأتها ومن شاء أن يتخلف فليتخلف. وفي رواية له عن زيدبن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال: من شاء أن يصلي فليصل وفي رواية له عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: قد اجتمع عيدان في يومكم هذا فمن شاء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون إن شاء الله تعالىٰ.

(ابن ماجه شريف:ص ۹۳،باب ماجاء اذااجتمع العيدان في يوم)

الجواب: (۱) اولاً تو یہ تمام احادیث ضعیف ہیں دکتور بشار عواد نے ابن ماجہ کی تعلیق میں ان کی تضعیف فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں جبارہ بن مغلس راوی ضعیف ہے،اوراس کے شیخ مندل بن علی العنزی بھی ضعیف ہے۔

(۲) زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے۔

(۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بقیہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(تعليق الدكتور بشار عواد على ابن ماجة: ۲/ ٤٥١/ ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، باب ماجاء فيما اذا اجتمع العيدان في يوم واحد، بيروت)

الجواب: (۲) یہ رخصت اور خطاب دیہات والوں کے لئے تھا جو مدینہ منورہ کے اردگرد سے نمازِ عید کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر دوبارہ جمعہ کے لئے جمع ہونے میں حرج تھا اس وجہ سے ان کو رخصت واجازت مرحمت فرمائی۔ کیوں کہ دیہات والوں پر ایسے بھی جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ اپنی بستی میں ظہر پڑھ لیں۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إنا مجمعون إن شاء الله تعالىٰ" ہم یعنی مدینہ منورہ میں رہنے والے تو جمعہ قائم کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

كان أهل القرى يجتمعون لصلاة العيدين مالايجتمعون لغيرهما، كما هو العادة، وكان في انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العيدحرج عليهم،فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلاة العيد نادى مناديه "من شاء منكم أن يصلي الجمعة فليصل، ومن شاء الرجوع فليرجع" وكان ذلك خطابًا لأهل القرى المجتمعين هناك، والقرينة على ذلك بانه قدصرح فيه بانامجمعون، والمراد من جمع المتكلم أهل المدينة بلاشك وفيه دلالة واضحة على أن الخطاب بقوله: "من شاء منكم أن يصلي" لأهل القرى دون اهل المدينة. عن ابن شهاب عن أبي عبيد مولى ابن أزهر أنه قال: شهدت العيد مع عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال: إنه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان، فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة فلينتظرها، ومن أحب أن يرجع فقد أذنت له. رواه مالك في موطائه: (ص ٦٣) وهذاالإسنادقدأخرجه البخاري: (ص ٢٦٧) في باب صوم يوم الفطر.

(اعلاء السنن: ۸/ ۹۲، ۹۳، باب اذااجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ٦/ ٥٦۔ ومعارف السنن: ٤/ ٤٣١۔ ٤٣٤، بحث عدم سقوط الجمعة عنداجتماع العيد والجمعة۔ واعلاء السنن: ۸/ ۹۲۔۹۸، باب اذااجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلىٰ"﴾

(رواه البخاری)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"زينوا أعيادكم بالتكبير"﴾

(المعجم الكبير)

عید مبارک **باب.....﴿۱۷﴾** عید مبارک

نمازِ عیدین کا بیان

باب.....﴿۱۷﴾

نمازِ عیدین کا بیان

عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: اگر نمازِ عید بجائے صحراء کے شہر کے میدان یا پارک میں ادا کی تو عیدگاہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عیدین کی نماز کو آبادی سے باہر نکل کر عیدگاہ یا میدان میں ادا کرنا سنت ہے، آنحضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجدِ نبوی کی فضیلت چھوڑ کر عیدگاہ میں پڑھنے کا اہتمام فرمایا، لہٰذا بلا کسی عذر کے مساجد میں عیدین کی نماز نہیں پڑھنا چاہئے خلافِ سنت ہے، ہاں شہر کے میدان یا پارک وغیرہ میں عیدین کی نماز پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی فأول شیء یبدأ به الصلاة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم.....

(رواه البخاری: ۱/۱۳۱/۹۴۶ باب الخروج الی المصلی بغیر منبر)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أن البروز إلی المصلی والخروج إلیه، ولایصلی فی المسجد إلا عن ضرورة، وروی ابن زیاد عن مالك رحمہ اللہ تعالیٰ قال: السنة الخروج إلی الجبانة إلا لأهل مکة ففی المسجد، وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ "فی الأم": بلغنا أن رسول الله ﷺ کان یخرج فی العیدین إلی المصلی بالمدینة وکذا من بعده إلامن عذر مطر ونحوه، وکذا عامة أهل البلدان إلا مکة، شرفها الله تعالیٰ. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۵/۱۷۱، باب الخروج الی المصلی، دارالحدیث ملتان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان میں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے۔ یہی آنحضور ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ تھا۔ نیز ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کھلے

میدان میں نمازِ عید ادا فرمائی اور سترہ کے لئے نیزہ سامنے گاڑ دیا گیا اس لئے کہ نہ دیوار تھی نہ چھت تھی۔

ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يغدو إلى المصلى فى يوم عيد والعنزة تحمل بين يديه فاذا بلغ المصلى نصبت بين يديه فيصلى إليها وذلك أن المصلى كان فضاء ليس فيه شيء يستتربه. (رواه ابن ماجه: ٩٢، باب ما جاء فى الحربة يوم العيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأخرج الطبرانى فى الكبير بضعف عن على رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الخروج إلى الجبان فى العيدين من السنة كذا فى جمع الفوائد: (١٠٧/١) وانجبر ضعفه بماله من الشواهد وفى الدر المختار والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة، وان وسعهم المسجد الجامع.

(اعلاء السنن: ٢١١٠/١١٢/٨، باب الخروج يوم الفطر والأضحى الى المصلى الا لعذر، ادارة القرآن۔ كذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٥٣١ باب أحكام العيدين، قديمى۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ٤٦٠۔ و فتاوى محمودیه: ٤٠٤/٨ باب العيدين، جامعه فاروقيه)

کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات:

(۱) یہ جگہ اکثر شہر سے باہر نہیں ہوتی؟

(۲) یہ جگہ وقف شدہ نہیں ہوتی؟

(۳) عید کی نماز ختم ہونے کے بعد وہاں سیاح اور عورتیں اور کبھی کبھی جانور گھومتے ہیں، بلکہ اس میں جانوروں کی نمائش ہوتی ہے اور ناجائز امور بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ میدان ناپاک بھی ہوجاتا ہے۔

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے جوابات:

زمانہ گذشتہ میں اس قسم کے اشکالات بعض مقامی حضرات نے تحریراً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی عبدالحی بسم اللہ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی خدمت میں پیش کئے تھے، تو ان دونوں حضرات نے مفصل جواب مرحمت فرمایا۔ جس کی نقل ہمارے پاس موجود تھی لہذا مناسب سمجھا کہ برکت کے طور پر اسی کا خلاصہ پیش کردیا جائے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی عبدالحی بسم اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

(۱) یہ صحیح ہے کہ عیدگاہ شہر سے باہر ہو مگر عیدگاہ وسط شہر میں ہو یا آجائے یا وسط شہر میں کوئی میدان برائے نمازِ عید تجویز کیا جائے اور وہاں باقاعدہ نمازِ عیدین کے لئے جو سنت باہر جانا ہے وہ ایسی حالت میں بھی ادا

ہوجائے گی اور نماز بطریق مسنون ادا شدہ یقیناً کہی جائے گی اور دلیل دیکھنا ہوتو: (وفاء الوفاء: ۳/ ۷۸۰)۔
نیز فتح الباری ملاحظہ فرمائیں:

وحكى ابن بطال عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقا بمسجد النبى ﷺ من ناحية جهة المشرق. انتهى، فان ثبت ما قال والا فيحتمل أن يكون المراد بالمسجد هنا المصلى المتخذ للعيدين والاستسقاء.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۳/ ۱۹۹، باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد، دار نشر الکتب الاسلامیۃ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی عیدگاہ بالکل شہر سے باہر نہیں تھی ایسی حالت میں متعین جگہ میں نمازِ عیدین ادا کرنا بلا شک وشبہ جائز ہے بلکہ بطریقِ مسنون صحیح ہے۔ کیونکہ جب گورمنٹ غیر مسلم ہے عُیدگاہ کے لئے جگہ دیتی نہیں یہ عمدہ میدان بلا اجرت برائے نماز عیدین مل رہا ہے تو کیوں موقع کو جانے دیا جائے ضرور وہاں متفقہ طور پر جا کر نمازِ عیدین ادا کی جائے۔ تا کہ شانِ اجتماعی مسلمانوں کی معلوم ہو اور غیر قوموں پر اثر بھی پڑے، ایسی حالت میں روکنے کی تجویز بلا وجہ اعتراض کر کے لگانا جائز اور درست نہیں۔

(۲) یوں کہنا کہ جگہ کا وقف ہونا صحتِ صلاۃ عید کے لئے شرط ہے غلط ہے کیونکہ نمازِ عید فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ سنتِ مؤکدہ فرماتے ہیں اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ واجب فرماتے ہیں جو صحیح ہے اور مفتی بہ ہے، اور ظاہر ہے کہ جب نمازِ فرض عین کے لئے جگہ کا وقف ہونا ضروری نہیں: **لقول رسول الله ﷺ "جعلت لى الأرض كلها مسجدًا** (مشکوۃ: ۵۴) تو پھر دیگر نماز کے لئے کیسے شرط اور ضروری ہوگی علاوہ ازیں عام طور پر تمام فقہاء احناف بالا جماع وبالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ سوائے خطبہ کے نمازِ عیدین کے لئے بھی وہی تمام شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہے، ملاحظہ: شامی مع درمختار ۲/ ۱۶۶، بحر شرح کنز ۲/ ۱۴۰، ہدایہ اولین وغیرہم۔ اور شرائطِ جمعہ کے لئے علاوہ چند شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر یعنی شہر ہو یا فناء مصر ہو صاحب بحر شارح کنز جلد ثانی میں فرماتے ہیں: **أو مصلاه أى مصلى المصر لأنه من توابعه فكان فى حكمه والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز فى جميع أفنية المصر.**

(البحر الرائق: ۲/ ۱۴۰ باب الجمعۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ فناء مصر کے ہر ایک میں جس طرح جمعہ صحیح ہے عید بھی صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فناء کا وقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ **والفناء فى اللغة سعة أمام البيوت وقيل ما امتد من جوانبه كذا فى المغرب** (البحر الرائق: ۲/ ۱۴۰) علاوہ ازیں فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ قلعہ وغیرہ میں اگر اذنِ عام ہو تو پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ: (شامی مع درمختار ۲/ ومراقی الفلاح وغیرہ)۔ ایسی حالت میں صحتِ نمازعید کے لئے جگہ کا وقف ضروری قرار دینا اور عوام کو ادائیگی سنتِ مؤکدہ سے روکنا جائز اور درست نہیں۔ شریعت نے جس چیز کو ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اپنے من گھڑت طریقہ سے ضروری قرار دینا شریعت پر جسارت اور انتہائی درجہ کی جسارت ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتی۔

(۳) احناف کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ناپاک شدہ زمیں سوکھ جائے تو وہ جگہ برائے نماز پاک ہوجاتی ہے اور وہاں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت جائز اور درست ہے: **وتطهر الأرض ببيبسها وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها، وفي الشامي: قوله ببيبسها لما في سنن أبي داؤد باب طهور الأرض إذا يبست وقوله أي جفافها المراد به ذهاب الندوة.** (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۳۱۱ باب الأنجاس،سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وجفت جازت الصلاة عليها،قوله وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح طهرت وجازت الصلاة عليها لقوله ﷺ: أيما أرض جفت فقد زكت. (مراقی الفلاح مع نور الإیضاح: ٦٥ باب الأنجاس والطهارة عنها،مكة المكرمة)

ایسی حالت میں یوں کہنا کہ وہاں جانوروں کی نمائش ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے صحیح نہیں، سوکھ جانے سے برائے نماز جگہ پاک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ: احقر الوریٰ اسمٰعیل بن محمد بسم اللہ۔

(جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت ۱۴/ رمضان ۱۳۷۸ھ، ۲۴/ مارچ ۱۹۵۹ء۔ الجواب صحیح عبدالغفور غفرلہ وعبدالحی بسم اللہ عفی عنہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اقول وباللہ التوفیق مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کا جواب در بارہ عیدگاہ بالکل صحیح اور کافی وافی ہے پھر مفتی صاحب موصوف نے زیادہ وضاحت اور مکمل ثبوت پیش فرمادیا اس کے بعد کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں، صرف ایک مختصر عبارت علامہ ابن قیم کی زادالمعاد سے نقل کرتا ہوں: **كان ﷺ يصلي العيدين في المصلى وهو المصلى الذي على باب المدينة الشرقي وهو المصلى الذي يوضع فيه محمل الحاج، ولم يصل العيد بمسجده الا مرة واحدة أصابهم المطر فصلى بهم العيد في المسجد.**

(رواه أبو داؤد وابن ماجه كذا في زاد المعاد ١/ ٤٤١ فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في العيدين، مؤسسة الرسالة)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو روایت بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ نقل کی ہے اس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کہیں شہر سے دور نہیں تھی بلکہ مدینہ طیبہ کے دروازہ شرقی کے متصل واقع تھی جو اس وقت تو زمانہ دراز سے وسط شہر میں آ گئی ہے لہذا عہدِ نبوی میں اگر وسط شہر میں نہیں تو بالکل شہر سے متصل ضرور تھی۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ ایک ایسا میدان تھا جس میں حجاج کے اونٹ بیٹھتے اور ان کے شغوف رکھے جاتے تھے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ زمین نمازِ عید کے لئے وقف نہیں تھی۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے تمام عمر نمازِ عید ایسی مسجد چھوڑ کر اس میدان میں ادا فرمائی صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے۔

امورِ مذکورہ بالا میں مخالفت کرنے والوں کے سب سوالوں کے جوابات ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عیدین کی نماز کو مسجد میں پڑھنا درست نہیں سمجھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دارالعلوم کراچی، ۶/ رمضان ۱۳۷۹ھ، ۴/ مارچ ۱۹۶۰ء۔

مذکورہ بالا ان اکابر حضرات کے فتاویٰ کے بعد مزید کسی قسم کی تفصیل کی چنداں حاجت وضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم اگر کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو تو ملاحظہ ہو:

("خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: ۱/ ۱۸۱-۱۸۸") پر علامہ سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کے جائے وقوع کے بارے میں مکمل تحقیق فرمائی ہے۔

نیز دیگر اکابر کے مختلف فتاویٰ بھی موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ احسن الفتاوی، حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب مدظلہ جن کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں رسالہ "عیدگاہ کی سنیت" از حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ ۲۹-۴۱۔ واللہ اعلم۔

نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: کیا نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں پڑھ سکتے ہیں جہاں جمعہ نہیں پڑھ سکتے شرائطِ جمعہ مفقود ہونے کی وجہ سے؟

الجواب: نمازِ جمعہ وعیدین شہر اور بڑی بستی میں پڑھی جاسکتی ہے۔ چھوٹے دیہات میں پڑھنا جائز اور درست نہیں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هوشرط وجوب الجمعة وجوازها فهوشرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصروالجماعة والوقت إلا الخطبة و كذا المصر لما رويناعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: لاجمعة ولاتشريق ولافطرولاأضحى إلافی مصر جامع والمراد من لفظ الفطروالأضحى صلاة العيدين ولأنها ماثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلافی الأمصار. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۵،شرائط العیدین،سعید)

مبسوط میں ہے:

والحاصل أنه يشترط لصلاة العيد مايشترط لصلاة الجمعة إلاالخطبة فانها من شرائط الجمعة وليست من شرائط العيد ولهذاكانت الخطبة فی الجمعة قبل الصلاة وفی العيد بعدهالانهاخطبة تذكيروتعليم لمايحتاج إليه فی الوقت فلم تكن من شرائط الصلاة كالخطبة بعرفات والخطبة يوم الجمعة بمنزلة شطرالصلاة.....

(المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۳۷،باب صلاۃ العیدین،ادارۃ القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: (البحرالرائق:۲/۱۵۷،الماجدیۃ۔وکذافی مجمع الانہرشرح ملتقی الابحر:شرائط صلاۃ العیدین۔وتبیین الحقائق:۱/۲۲۳،باب صلاۃ العیدین،امدادیہ ملتان۔والموسوعۃ الفقہیۃ:حکم وجوب الجمعۃ علی اھل القری)۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم:

سوال: جب صحیح احادیث کی روشنی میں عورتیں عیدگاہ جاتی تھیں تو ساؤتھ افریقہ میں مسلمانوں کی عورتیں کیوں عیدگاہ نہیں جاتی؟

الجواب: زمانہ نبوی میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں نیز دیگر نمازوں کے لئے بھی نکلنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے متأخرین علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کے لئے عیدگاہ یا مساجد جانا ممنوع ہے۔اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ''ابواب الامامۃ فصل دوم جماعت کے احکام'' کے تحت گذر چکی وہاں ملاحظہ فرمالیں۔واللہ اعلم۔

احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں عیدگاہ کی حیثیت:

سوال: عیدگاہ (مصلی) کی کیا حیثیت ہے احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا تھا

نیز ائمہ اربعہ کے ہاں بھی عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

عیدگاہ احادیث کی روشنی میں:

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ثم کان رسول اللّٰہ ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلیٰ.....

(رواہ البخاری:باب الخروج الی المصلی بغیرمنبر۔وباب الزکاۃ علی الاقارب)

سنن ابی داؤد میں ہے:

عن بکربن مبشر الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت أغدومع أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ إلی المصلی.

یوم الفطرویوم الأضحی..... (سنن ابی داؤد:باب اذالم یخرج الامام للعیدمن یومہ یخرج من الغد۔وسنن النسائی:باب استقبال الامام الناس بوجھہ فی الخطبۃ)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ ﷺ کان یغدوإلی المصلی فی یوم عید.

(سنن ابن ماجہ:باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید)

نیز ملاحظہ ہو: (مؤطاامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ: باب ترک الصلاۃ قبل العیدین وبعدھما۔والمستدرک علی الصحیحین: کتاب صلاۃ العیدین۔ومصنف ابن ابی شیبۃ: باب فی الطعام یوم الفطرقبل ان یخرج الی المصلی۔ ومصنف عبدالرزاق: کتاب صلاۃ العیدین۔ المعجم الاوسط: رقم ۷۵۲۲۔ المعجم الکبیر: رقم ۱۱٦٤۸۔ صحیح ابن خزیمۃ: باب الخروج الی المصلی لصلاۃ العیدین۔صحیح ابن حبان: ذکر ما یستحب للامام سوال رعیتہ الصدقۃ علی الفقراء اذا علم الحاجۃ بھم)

مذہبِ احناف:

درمختار میں ہے:

ماشیًا إلی الجبانۃ وھی المصلی العام والخروج إلیھا أی الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وإن وسعھم المسجدالجامع ھو الصحیح. (الدرالمختار:باب العیدین)

نیز ملاحظہ ہو: (الهداية:باب صلاة العيدين۔بدائع الصنائع:فصل صلاة العيدين۔و درر الحكام شرح غرر الاحكام:باب صلاة العيدين۔و البحر الرائق:باب صلاة العيدين۔و الفتاوى الهندية:الباب السابع عشر في صلاة العيدين۔ملتقى الابحر:باب صلاة العيدين)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو مدونہ میں ہے:

وقال مالك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: لايصلى فى العيدين فى موضعين ولايصلون فى مسجدهم، ولكن يخرجون كماخرج النبى ﷺ قال ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب قال: "كان رسول الله ﷺ يخرج إلى المصلى ثم استن بذلك أهل الأمصار". (المدونة:كتاب الصلاة صلاة العيدن)

نیز ملاحظہ ہو: (المدخل: فصل فى خروج الامام الى صلاة العيدين۔التاج والاكليل لمختصر الخليل: فصل فى حكم صلاة العيدين۔مواهب الجليل فى شرح مختصر الخليل:فصل صلاة العيدين۔و حاشية الدسوقى على الشرح الكبير: فصل فى احكام صلاة العيد)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

والسنة أن يصلى صلاة العيد فى المصلى إذاكان مسجد البلد ضيقًا لماروى أن النبى ﷺ "كان يخرج إلى المصلى" ولأن الناس يكثرون فى صلاة العيد فاذاكان المسجد ضيقًا تأذوا قال الشافعى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: فان كان المسجد واسعًا فصلى فى الصحراء لابأس به وإن كان ضيقًا فصلى فيه ولم يخرج إلى الصحراء كرهت وان لم يكن عذر وضاق المسجد فلا خلاف ان الخروج إلى الصحراء أفضل وإن اتسع المسجد ولم يكن عذر فوجهان (أصحهما) وهو المنصوص فى الأم وبه قطع المصنف وجمهور العراقيين والبغوى وغيرهم أن صلا تهافى المسجد أفضل (والثانى) وهو الأصح عند جماعة من الخراسانين وقطع به جماعة منهم أن صلا تهافى الصحراء أفضل "لأن النبى ﷺ واظب عليها فى الصحراء.

(شرح المهذب: ٥/ ٤، ٥،باب صلاة العيدين،دار الفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (اسنى المطالب: فصل صلاة العيدين۔و نهاية المحتاج الى شرح المنهاج: باب صلاة العيدين۔مغنى المحتاج: باب صلاة العيدين۔الغرر البهية:باب صلاة العيد۔حاشية قليوبى:باب صلاة العيدين)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

السنة أن يصلى العيد فى المصلى أمر بذلك على رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستحسنه الأوزاعى وأصحاب الرأى وهوقول ابن المنذر ولناأن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يخرج إلى المصلى ويدع مسجده وكذلك الخلفاء بعده ولايترك النبى صلی اللہ علیہ وسلم الأفضل مع قربه ويتكلف فعل الناقص مع بعده ولايشرع لأمته ترك الفضائل ولأننا قد أمرنا باتباع النبى صلی اللہ علیہ وسلم والاقتداء به ولايجوز ان يكون المأموربه هوالناقص والمنهى عنه هوالكامل ولمرينقل عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم أنه صلى العيد بمسجده وضيقه وكان النبى صلی اللہ علیہ وسلم يصلى فى المصلى مع شرف مسجده.....

(المغنی لابن قدامة الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ: باب صلاة العیدین، مسئلة ان یصلی العید فی المصلی)

نیز ملاحظہ ہو: (کشاف القناع عن متن الاقناع: باب صلاة العیدین۔ الفروع: باب صلاة العیدین)۔ **واللہ اعلم۔**

عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ اگر عیدین کی تکبیرات چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر مقتدی مانوس اور سمجھدار ہوں تو سجدۂ سہو کر لینا چاہئے، ورنہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اگر واپس قیام میں آجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

قوله ولايأتى الإمام بسجودالسهو فى الجمعة والعيدين، أى والمأموم كذلك لانه تابع له، وظاهره كراهة الاتيان به فيها، والظاهر أنها تنزيهية لاتحريمية. قوله دفعًا للفتنة أى افتتان الناس وكثرة الهرج،قوله بكثرة الجماعة وأخذ العلامة الدانى من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضرجمع كثيرأما إذا لمريحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعى إلى الترك وهوالتشويش. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ٤٦٥، باب سجود السهو، قدیمی)

بدائع الصنائع میں ہے:

لوركع الإمام بعدفراغه من القراءة فى الركعة الأولىٰ فتذكرانه لمريكبرفانه يعود ويكبروقد انتقض ركوعه ولايعيد القراءة. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ١/ ٢٧٨، سعید)

نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خطبہ کے بعد کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز کے بعد دعا کا ثبوت بکثرت احادیث میں موجود ہے جس کا تذکرہ پہلے گذر چکا لہذا صورتِ مسئولہ میں نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست اور صحیح ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، لہذا نماز کے بعد دعا کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

مناجات بعد صلاۃ العید کے بارے میں روایات دستیاب ہوگئیں، وھی ھذہ: عن أم عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: کنا نؤمر أن نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکة ذلك الیوم وطھرته، أخرج البخاری فی صحیحه کذافی فتح الباری: ص ۳۸۶ ج ۲۔ وأخرج الترمذی عن أم عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنھا أن رسول اللہ ﷺ کان یخرج الأبکار والعواتق وذوات الخدر والحیض فی العیدین فأما الحیض فیعتزلن المصلی ویشھدن دعوة المسلمین، الحدیث ص: ۷۰، وقال الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ: حدیث ام عطیة حدیث حسن صحیح۔ اس حدیث میں دعا سے دعاءِ خطبہ مراد نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خطبہ میں صرف امام دعا کرتا ہے، سامعین دعا نہیں کرسکتے، اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں، اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اور ان کی دعا کے ساتھ دعا کرتیں، اور اس سے مردوں اور عورتوں سب کا دعا کرنا ثابت ہوتا ہے، اور یقیناً نماز سے پہلے تکبیر و دعا کا وقت نہیں، یقیناً نماز کے بعد ہی دعا کی جاتی تھی، اور ترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں ویشھدن دعوة المسلمین، کہ عورتیں مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں، اس لیے عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز و مستحب یقیناً ہے، استحباب و جواز کا انکار نہیں ہوسکتا۔ (امداد الاحکام: ۱/۷۴۲، فصل فی الجمعہ والعیدین، دار العلوم کراچی)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

نمازِ عید کے بعد دعا کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۸/۴۶۴، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/۱۱۵۔ وامداد الفتاوی: ۱/۴۰۷)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی یا دونوں تو تکبیراتِ زوائد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر پہلی رکعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کردی تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات کہے گا، اگر رکوع میں امام کو پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیرات کہنے کے بعد امام کو پالے گا تو حالتِ قیام میں ادا کرے ورنہ رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے کہے گا، اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام کے بعد جب اپنی نماز پڑھے گا تو قراءت کے بعد تکبیرات کہے اور اگر تشہد میں شامل ہوا تو امام کے طریقہ پر نماز پوری کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو أدرك المؤتم الإمام فی القيام بعد ماكبر كبر فی الحال. وفی الشامی: قوله فی القيام أی الذی قبل الركوع أما لو أدركه راكعًا فان غلب على ظنه ادراكه فی الركوع كبر قائمًا برأی نفسه ثم ركع والا ركع وكبر فی ركوعه ولا يرفع يديه لان الوضع على الركبتين سنة فی محله والرفع لا فی محله وان رفع الإمام رأسه سقط عنه مابقی من التكبير لئلا تفوته المتابعة ولو أدركه فی قيام الركوع لا يقضيها فيه لانه يقضی الركعة مع تكبيراتها، فتح وبدائع، قوله كبر فی الحال أی وإن كان الإمام قد شرع فی القراءة كما فی الحلية. ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير. (الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۷۳ـ ۱۷٤، باب العيدين، سعيد۔ وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص ٥٣٤، باب احكام العيدين، قديمی۔ وشرح منية المصلی: ص ٥٧٢، سهيل)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإذا أدرك الإمام فی صلاة العيد بعد ما تشهد الإمام قبل أن يسلم أو بعد ماسلم قبل أن يسجد للسهو أو بعدماسجد للسهو ولم يسلم الإمام فانه يقوم ويقضی صلاة العيد. والله اعلم.

(الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۵۱، فی صلاة العيدين)

شافعی امام کے پیچھے تکبیرات زوائد میں اتباع کا حکم:

سوال: حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد میں امام کی اتباع کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی اتباع واجب اور ضروری ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ کہے گا یعنی امام کی اتباع کرے گا ہاں مسبوق اپنی بقیہ نماز میں اپنے مذہب کی اتباع کرے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ولوزاد تابعه لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعته وترك رأيه برأى الإمام لقوله عليه الصلاة والسلام: "إنماجعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه" فمالم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبًا ولايظهر خطؤه فى المجتهدات. (شامى:٢/١٧٢،باب العيدين،سعيد)

قال فى الدر: ولوأدرك المؤتم الإمام فى القيام بعد ماكبر كبرفى الحال برأى نفسه لانه مسبوق. وفى الشامى:قوله برأى نفسه أى ولو كان إمامه شافعيًا كبرسبعًا فانه يكبر ثلاثًا.

(الدرالمختارمع الشامى:٢/١٧٤،باب العيدين)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قول محمد فى الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام فى صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فكبر الإمام غيرذلك اتبع الإمام إلا إذاكبر الإمام لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذٍ لايتابعه كذافى المحيط. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١/١٥١، صلاة العيدين۔ وكذافى بدائع الصنائع: ١/٢٧٧، سعيد۔وشرح منية المصلى:ص٥٧٢،سهيل)

امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم:

سوال: اگرکوئی امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیراتِ زوائد بھول گیا اور لوگوں کے لقمہ دینے پر واپس قیام کی طرف لوٹا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سابقہ رکوع پر اکتفاء کرلے تو نماز درست ہوگی۔لیکن اگر دوسرا رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوگئی بلکہ دوسرا رکوع کرنا چاہئے تاکہ نماز کی ترتیب صحیح ہوجائے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذكرفى كشف الأسرارأن الإمام إذا سهاعن التكبيرات حتى ركع فانه يعود إلى القيام بخلاف المسبوق. (الفتاوى الهندية:١/١٢٨،صلاة العيدين)

طحطاوی میں ہے:

واعادة الركوع لاتفسد أيضًا فلوأدركه رجل فى الركوع الثانى كان مدركًا لتلك الركعة.

(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:١/٢٨٢)

البحرالرائق میں ہے:

فان عاد إلى القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لان ركوعه قائم لم يرتفض.

(البحر الرائق: ۲/۴۳، كوئتة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر قیام کی طرف لوٹا تب بھی جائز ہے اور نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے لیکن رکوع کا اعادہ کرے قراءت کا نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۶۵، عیدین کے متفرق مسائل، المجددیہ)

عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا:

سوال: عید کے موقع پر مبارک بادی دینے کا ثبوت احادیث وخیر القرون سے ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کے موقع پر تقبل اللّٰه منا ومنك کہنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ عام لوگ اس کی جگہ عید مبارک کہتے ہیں وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول فرماتے ہیں تو اس کو بڑھاتے ہیں اور اس میں برکت دیتے ہیں قرآنِ کریم میں ہے: ﴿فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتًا حسنًا﴾ قبولیت کے ساتھ برکت لازم ہے۔

ملاحظہ ہو سنن کبریٰ میں ہے:

عن خالد بن معدان قال: لقيت واثلة بن الأسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ في يوم عيد فقلت: تقبل اللّٰه منا ومنك فقال: نعم تقبل اللّٰه مناومنك، قال واثلة رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقيت رسول اللّٰه ﷺ يوم عيد فقلت: تقبل اللّٰه منا ومنك قال: نعم تقبل اللّٰه مناومنك. عن أدهم مولى عمر بن عبدالعزيز رحمہ اللہ تعالیٰ قال كنا نقول لعمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ تعالیٰ في العيدين تقبل اللّٰه منا ومنك يا أمير المؤمنين فيرد علينا ولاينكر ذلك علينا.

(السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۳۱۹۔ وكذافي مجمع الزوائد: ۲/۲۰۶)

الجوہر النقی میں ہے:

قلت: في هذاالباب حديث جيد اغفله البيهقي وهو حديث محمدبن زياد قال: كنت مع أبي أمامة الباهلي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغيره من اصحاب النبي ﷺ فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل اللّٰه منا ومنك قال أحمدبن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ إسناده جيد.

(الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى: ۳/۳۱۹)

نیز کتبِ فقہ سے بھی اس کے استحباب کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وندب إظهار البشاشة وإكثار الصدقة والتختم والتهنية بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر. وفي الشامي: وإنما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن أبي حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ وأصحابه رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَىٰ وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارًا بأسانيد صحيحة عن الصحابة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمْ في فعل ذلك ثم قال: والتعامل في البلاد الشامية والمصرية "عيد مبارك عليك" ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لمابينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركًا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضًا. والله اعلم. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۶۹، صلاة العيدين، سعيد۔ وكذا في شرح منية المصلي: ۵۷۳، سهيل)

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک کہنا بدعت ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خوشی کے موقع پر مبارک باد دینا احادیث سے ثابت ہے، اور کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس نام بھی بالتعیین وارد ہو بلکہ عمومات حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہو سکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا عمومی احادیث جو خوشی ومسرت کے موقع پر وارد ہیں ان کے پیشِ نظر عیدین کے موقع پر بھی مبارک باد دینا یعنی عید مبارک کہنا جائز اور درست ہوگا جب کہ اس کو ضروری یا مسنون نہ سمجھے ہاں اگر رسم بن گئی ہو جیسے عام لوگ اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں تو پھر نہ کہنا مناسب ہے۔

خوشی کے وقت مبارک باد دینے کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شادی جو کہ خوشی کا وقت ہے "بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير" کہنا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال: "بارك الله وبارك عليك وجمع بينكما في خير".

(رواه الترمذي: ۱/۲۰۷، باب ماجاء للمتزوج۔ والبخاري: ۲/۷۷۴/۴۹۶۱، باب كيف يدعى للمتزوج)

(۲) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ذی الخلصہ کے بتکدہ کو توڑا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی اور دعا فرمائی۔ قال: "اللّٰهم بارك لأحمس فی خيلها ورجالها".

(مجمع الزوائد: ۲/۲۸۹، باب سجود الشكر، دار الفكر۔ والمعجم الكبير للطبرانی: ۲/۴۵۲/۲۲۴۷، حديث جرير)

(۳) بچے کی پیدائش کے وقت مبارک باد دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن السری بن يحيي أن رجلاً ممن كان يجالس الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ ولد له ابن فهنأه رجل فقال: ليهنك الفارس، فقال الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ: "وما يدريك أنه فارس لعله نجار لعله خياط" قال: فكيف أقول؟ قال: "قل جعله اللّٰه مباركًا عليك وعلى أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم". وعن عن حماد بن زيد قال: كان أيوب إذا هنأ رجلاً بمولود قال: "جعله اللّٰه مباركًا عليك وعلى امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم".

(رواهما الطبرانی فی الدعاء: ۲/۲۴، ۲۵/۸۷۰، ۸۷۱، باب كيف التهنئة بالمولود)

(۴) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبارک باد دی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن كعب بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن أبيه فی حديث طويل قال كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی دخلت المسجد فإذا برسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم جالس حوله الناس فقام الیّ طلحة بن عبيداللّٰه رضی اللہ تعالیٰ عنہ يهرول حتی صافحنی وهنّانی واللّٰه ماقام إليّ من المهاجرين غيره

(رواه البخاری: ۲/۶۳۶)

(۵) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا کہ مبارک مہینوں کے شروع میں مبارک باد دینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: أتاكم رمضان شهر مبارك رواه أحمد والنسائی. قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: (شهر مبارك) وظاهره الإخبار أی كثر خيره الحسی والمعنوی كما هو مشاهد فيه ويحتمل أن يكون دعاء أی جعله اللّٰه مباركًا علينا وعليكم وهو أصل فی التهنئة المتعارفة فی أول الشهور بالمباركة.

(المرقات المفاتيح: ۴/۲۳۵، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبة امداديه ملتان)

(۶) عیدین میں "تقبل اللّٰه منا ومنك" کا ثبوت تو یقیناً ہے اور تقبل کے معنی قبول کرنا جب اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو ایک حسنہ کا ثواب بڑھا دیتے ہیں اور برکت میں بھی نمو کا معنی پایا جاتا ہے، لہٰذا مبارک بادی

تقبل اللہ میں ضمناً شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیدین کے موقعہ پر عیدمبارک کہنا درست ہے جب کہ سنت اورضروری نہ سمجھا جائے، اور کہنے والے کومبتدع کہنا بھی درست نہیں، اور نہ کہنے والے پر کوئی نکیر بھی نہ کرے لیکن چونکہ اس نے ایک رسم کی شکل اختیار کرلی ہے لہٰذا اس کا نہ کرنا مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن دف بجانے کا حکم:

سوال: عید کے دن دف وغیرہ بجانا مباح ہے یا مکروہ یا ناجائز؟ اور دف کے علاوہ باجا وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت وارد ہے لہٰذا عید کے دن دف بجانے کی گنجائش ہے لیکن شرعی حدود کی پابندی لازم ہے یعنی جدید آلاتِ موسیقی کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی ﷺ فدخل حين بنی علیّ فجلس علی فراشی كمجلسك منی فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائی يوم بدر إذ قال احداهن وفينا نبی يعلم ما فی غد فقال دعی هذه وقولی بالذی كنت تقولين.

(رواه البخاری: ۲/۷۷۳/۴۹۵۳، باب ضرب الدف فی النكاح والوليمة، فيصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبی الحسين خالد المدنی قال: كنا بالمدينة يوم عاشوراء والجوارى يضربن بالدف ويتغنين فدخلنا على الربيع بنت معوذ فذكرنا ذلك لها فقالت دخل على رسول الله ﷺ صبيحة عرسی وعندی جاريتان تغنيان وتندبان..... (رواه ابن ماجة: ۱۳۶)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا يلزم من إباحة الضرب بالدف فی العرس ونحوه إباحة غيره من الآلات كالعود ونحوه، وسئل أبو يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدف: أتكرهه فی غير العرس مثل المرأة فی منزلها و الصبی؟ قال: فلا كراهة وأما الذی يجیء منه اللعب الفاحش والغناء فانی أكرهه.

(عمدة القاری: ۵/۱۵۸، باب الحراب والدرق يوم العيد، دارالحديث ملتان)

البحر الرائق میں ہے:

وفی الذخيرة وغيرها: لابأس بضرب الدف فی العرس والوليمة والأعياد وكذا لا بأس

بالغناء فی العرس والولیمة والأعیاد حیث لا فسق.

(البحرالرائق:۱۸۸/۷، کتاب الکراهیة فصل فی الأکل والشرب، کوئٹه)

امدادالاحکام میں ہے:

عیدالفطر کے دن کسی قدر لہوولعب کی اجازت ہے، غربال ودف سے گانا بھی جائز ہے بشرطیکہ گانے والا مرد یا عورت نہ ہو اور گانا بجانا قاعدۂ موسیقی پر نہ ہو اور دف یا غربال بھی قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے بلکہ ویسے ہی بلا قاعدہ بجایا جائے۔ (امدادالاحکام ۳۷۵/۴)

مزید ملاحظہ ہو: (شامی: ۵۵/۶، ۳۵۰، سعید۔ والفتاوی الهندیة:۳۵۲/۵۔ والمحیط البرهانی:۲۳۳/۵ کراهیة، الفصل الثامن عشر۔ وکفایت المفتی:۱۸۶/۹، حظر واباحت باب ۱۵)۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن قبرستان جانے کا حکم:

سوال: عید کے دن قبرستان جانا کیسا ہے؟

الجواب: عیدین کے دن قبرستان جانا درست ہے بلکہ علماء نے افضل ایام میں شمار فرمایا ہے اس لئے مستحب ہوگا۔ لیکن اس کو لازم اور سنت نہیں سمجھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأفضل أیام الزیارة أربعة وکذلك فی الأزمنة المتبرکة کعشر ذی الحجة والعیدین..... (الفتاوی الهندیة:۳۵۰/۵، فی زیارة القبور)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جمعہ یا ہفتہ یا پیر یا جمعرات کے دن زیارتِ قبور مستحب ہے سب سے افضل جمعہ کا دن اور صبح کا وقت ہے، شبِ برات میں اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں اور عیدین میں اور عشرۂ محرم میں بھی قبروں کی زیارت کرنا افضل ہے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ۵۳۸، زیارتِ قبور کا بیان، المجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۲۰۱/۹، عید کے دن زیارتِ قبور، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم:

سوال: ایک مولانا صاحب نے عید کی نماز حرمین میں پڑھی اور دوسرے دن ساؤتھ افریقہ آگئے یہاں دوسرے دن عید ہے تو مولانا صاحب عید کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ یا دوسرے کی اقتداء میں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مولانا صاحب ساؤتھ افریقہ میں نمازِ عید کی امامت نہیں کرسکتے ہاں دوسرے امام کی اقتداء میں پڑھنا درست ہے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ موافقت کے لئے پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھادی پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھادی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی۔

(فتوی محمودیہ ۸/ ۴۳۶، باب العیدین۔ وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۲۲۴، مسائل نماز عیدین، دارالاشاعت)

دوسری جگہ مذکور ہے:

سوال: ایک شخص مکہ سے روزہ افطار کرکے یا عید کی نماز ادا کرکے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزے سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے اب کیا کرے روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

جواب: احترامًا للوقت وموافقةً للمسلمين وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

بدائع الصنائع میں ہے:

أن النبي ﷺ صلى بالناس صلاة الخوف وجعل الناس طائفتين وصلى لكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه ولو جاز اقتداء المفترض خلف المتنفل لأتم الصلاة بالطائفة ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وافعال كثيرة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۳، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كان يكون متنفلاً والمقتدى مفترضًا أومعذورًا والمقتدى خاليًا منه.

(امداد الفتاح: ص ۳۳۳، شروط صحة الاقتداء، بیروت۔ وكذافي الدر المختار: ۱/ ۵۴۲، باب الامامة، سعید)

البتہ احسن الفتاوی میں امامت کا جواز مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی: ۴/ ۱۲۴۔ اور دلیل میں جو نظیر پیش فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال رمضان دیکھنے والے کی شہادت رد کردی گئی ہو تو بالاتفاق اس شخص پر تکمیل ثلاثین کے بعد بھی دوسروں کے ساتھ روزہ وعید لازم ہے لہٰذا ساؤتھ افریقہ آنے والے پر بھی دوبارہ عید لازم ہے تو امامت کرنا درست ہے لیکن احوط یہ ہے کہ امامت نہ کرے بصورتِ اقتداء نماز ادا کرے۔

لیکن یہ تبعاً ہے یعنی کبھی کبھی تبعاً رمضان کے روزے تو اکتیس ہو سکتے ہیں جیسے کسی نے چاند کی گواہی دی اور قبول نہیں ہوئی تو یہ اپنا روزہ رکھے گا اور پھر دوسرے دن سے لوگوں کے ساتھ رکھے گا اور ممکن ہے کہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں لیکن یہ تبعاً ہے اور عید کی نماز جب پڑھی تو لوگوں کو نہ پڑھائیں۔ واللہ اعلم۔

خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت:

سوال: عیدین کے پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث وآثار سے ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث اور آثار سے ملتا ہے، نیز فقہاء نے بھی مستحب فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن عبدالرزاق میں ہے:

عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أنه قال: يكبر الإمام يوم الفطر قبل أن يخطب تسعًا حين يريد القيام وسبعًا في عالجته على أن يفسر لي أحسن من هذا فلم يستطع فظننت أن قوله حين يريد القيام في الخطبة الآخرة. وفي طريق آخر عنه قال: السنة التكبير على المنبر يوم العيد يبدأ خطبته الأولىٰ بتسع تكبيرات قبل أن يخطب ويبدأ الآخرة بسبع.

(مصنف عبدالرزاق: ۳/ ۲۹۰۔ وكذا في مصنف ابن ابي شيبة: ۱/ ۲۵۲۔ وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳/ ۲۹۹۔ والسنن الصغرىٰ للبيهقي: ۱/ ۲۳۱۔ ومعرفة السنن والآثار: ۳/ ۴۹، ۵۰، باب السنة في الخطبة)

اعلاء السنن میں ہے:

قال أصحابنا الحنفية: ويستحب أن يستفتح (الخطبة) الأولىٰ (في العيدين) بتسع تكبيرات تترىٰ أي متتابعات، والثانية بسبع هو السنة، ولعلهم ذهبوا إلى عموم قوله ﷺ: "زينوا أعيادكم بالتكبير" وهو حديث حسن كما قد ذكرناه وإلى خصوص ما أخرجه الشافعي رحمه الله تعالىٰ في الأم: أخبرنا إبراهيم بن محمد عن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالله عن إبراهيم بن عبدالله عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال: السنة في التكبير يوم الأضحىٰ، و الفطر على المنبر قبل الخطبة أن يبتدئ الإمام قبل أن يخطب وهو قائم على المنبر بتسع تكبيرات تترىٰ لا يفصل بينها بكلام، ثم يخطب ثم يجلس جلسة ثم يقوم في الخطبة الثانية فيفتحها بسبع تكبيرات تترىٰ لا يفصل بينها بكلام ثم يخطب، قلت: ولكن الحديث

أخذ به الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، فلا أقل من أن یکون حسنًا عنده وقد تقدم ان قول التابعی. "السنة کذا" مرفوع مرسل عند بعضهم، فلابأس بالأخذ به فی فضائل الأعمال ویجوزاثبات الاستحباب بمثله.

قال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: أخبرنی من وثق به من أهل العلم من أهل المدینة قال: أخبرنی من سمع عمربن عبدالعزیزوهو خلیفة یوم فطرفظهرعلی المنبرفسلم ثم جلس ثم قال: إن شعائر هذا الیوم التکبیر، والتحمید، ثم کبرمرارًا اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر وللّٰه الحمد، ثم تشهد للخطبة ثم فصل بین التشهد بتکبیرة.

قلت: فهذه دلائل ماذهب إلیه أصحابناالحنفیة فی الباب.

(اعلاء السنن: ۸/۱۶۱،تکبیرات التشریق،ادارة القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: (الدرالمختار:۲/۱۷۵،سعید۔والبحرالرائق:۲/۱۶۲۔واحسن الفتاوی:۴/۱۲۷۔وفتاوی محمودیہ:۸/۴۵۴،مبوب ومرتب)۔ واللہ اعلم۔

عیدین کا خطبہ سننے کا حکم:

سوال: ایک شخص خطبہ عید کے وقت بیٹھا تھا پھر جب شروع ہوا تو چلا گیا اب اس شخص پر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کا خطبہ سنت ہے اور اس کے لئے بیٹھنا واجب نہیں ہے، لیکن پہلے سے بیٹھا ہو پھر شروع ہو جائے تو اب سننا واجب ہے۔ لہٰذا اٹھ کر چلے جانے پر گنہگار ہوگا اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال الشیخ: ولم أطلع علی روایة فقهیة فی هذاالباب أنه هل یجب الجلوس لاستماع هذه الخطبة أم لا؟ نعم، ذکرفی "الدرالمختار" فی باب الجمعة أنه یجب الاستماع لسائر الخطب، کخطبة النکاح وخطبة عید وختم علی المعتمد، لکن لایلزم منه وجوب الجلوس کما فی خطبة النکاح لایجب الجلوس لکن ان جلس یجب استماعه، والظاهرأن یقال: إنه لایجب الجلوس لخطبة العید کما لایجب نفس خطبة العید،ولکن إن جلس یجب استماعه، کما قالوا: إن من حضرالتلاوة یجب استماعه مع عدم وجوب الجلوس له،فان ظفرأحد بالروایة الفقهیة فی هذا الباب فلیخبرنا أویلحق بهذاالمقام.

فثبت أن التخلف عن خطبة العید جائز. وأماإذاجلس لهافیکره الکلام وترك الاستماع

لها، كما صرح به فى الدر. (اعلاء السنن: ٨/١٤٤، كيفية صلاة العيدين،ادارة القرآن)

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبدالله بن السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حضرت العيد مع رسول الله ﷺ فصلى بنا العيد ثم قال: قد قضينا الصلاة فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب.

(رواه ابن ماجة: ص ٩١، باب ماجاء فى انتظار الخطبة بعدالصلاة، قديمى۔ وابو داؤد: ١/١٦٣، باب الجلوس للخطبة، وقال: هذاحديث مرسل۔ والنسائى: ١/٢٣٣، باب التخييربين الجلوس للخطبة)

شراح حدیث نے بھی یہی تشریح فرمائی ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: (عون المعبود:٤/١٢۔وحاشية السندى على سنن النسائى:٣/٤٣۔وفتح البارى لابن رجب الحنبلى:٦/١٤٨)

امداد المفتین میں ہے:

خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن جب خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد المفتین: ١/٣٣٠، بحوالہ درمختار۔ وامداد الفتاوی: ١/٤٥٨۔ وفتاوی محمودیہ: ٨/٤٥٦، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوی: ٥/٣٥)

عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم:

سوال: عیدین میں مصافحہ اور معانقہ جائز ہے یا بدعت؟ اس کو روکنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے مکروہ بعض نے بدعت وغیرہ کہا ہے۔ لیکن واضح اور بے غبار بات یہ ہے کہ جو کام مسنون ومستحب نہ سمجھا جائے اس کے لئے نفسِ ثبوت کافی ہے یا یہ کہ نصوصِ شریعت سے متصادم نہ ہو جیسے تعویذات یا دم اس کے لئے مطلق ثبوت یا اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہونا کافی ہے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

بنابریں اگر مصافحہ ومعانقہ عیدین میں اظہارِ مسرت کا ذریعہ سمجھا جائے تو اس کے لئے خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت کافی ہے اور متعدد احادیث میں خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

بخاری شریف میں ہے:

(١) عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج النبى ﷺ فى النهار لايكلمنى ولا أكلمه حتى

إلى سوق بنى قينقاع فجلس بفناء بيت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: أثم لكع أثم لكع؟ فحبسته شيئًا فظننت أنها تلبسه سخابًا أو تغسله فجاء يشتد حتى عانقه وقبله فقال: أحبه وأحب من أحبه. (رواه البخارى:١/٢٨٥،ماذكرفى الاسواق۔ وأخرجه مسلم أيضًا فى فضائل الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظه: حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه فقال:.....

(رواه مسلم: ٢/٢٨٢، فضائل الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(٢) وأخرج البخارى فى قصة هجر عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن الزبير بسبب منعه اياها عن كثرة الصدقة وشفاعة المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الأسود إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: فى آخر الحديث فلما دخلوا دخل ابن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحجاب فاعتنق عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وطفق يناشدها ويبكى..... (رواه البخارى:٢/٨٩٧، كتاب الادب)

(٣) وأخرج الترمذى عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قدم زيد بن حارثة رضی اللہ تعالیٰ عنہ المدينة ورسول الله ﷺ فى بيته فأتاه فقرع الباب فقام إليه رسول الله ﷺ عريانًا يجر ثوبه والله مارأيته عرياناً قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذى:٢/١٠٢،المعانقة)

(٤) وأخرج أحمد فى مسنده بسنده عن عبدالله بن محمد انه سمع جابر بن عبدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: بلغنى حديث عن رجل سمعه من رسول الله ﷺ فاشتريت بعيرًا ثم شددت على رحلى فسرت إليه شهرًا حتى قدمت عليه الشام فاذا عبدالله بن أنيس فقلت للبواب قل له جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ على الباب فقال: ابن عبدالله قلت: نعم فخرج يطأ ثوبه فاعتنقنى واعتنقته..... (مسندالامام احمدبن حنبل: ٣/٤٩٥/١٦٤٦٥)

(٥) وعن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: بينما رسول الله ﷺ فى بيتى يومًا إذ قالت الخادم إن عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالسدة قالت: فقال لى قومى فتنحى لى عن أهل بيتى، قالت: قمت فتنحيت فى البيت قريبًا فدخل على رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ومعهما الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ والحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهما صبيان صغيران فاخذ الصبيين فوضعهما فى حجره فقبلهما قال: واعتنق عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ باحدى يديه وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا باليد الأخرى فقبل فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقبل عليًا.....

(مسندالامام احمد:٦/٢٩٦/٢٧٢٩٩۔ و٥/١٦٢/٢٢٠٥٧، حديث ابى ذرالغفارى رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(٦) وأخرج الترمذی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه فی قصة خروج النبی ﷺ من بيته فی ساعة لايخرج فيها ولقاء ه أبابكر رضی الله تعالیٰ عنه وعمر رضی الله تعالیٰ عنه..... وذهابهم إلى منزل أبی الهيثم بن التيهان الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه وأنه لم يكن حاضرًا فقال فيه: فلم يلبث أن جاء أبو الهيثم بقربة ثم جاء يلتزم النبی ﷺ. (رواه الترمذی: ٢/٦١، معيشة اصحاب النبی ﷺ)

(٧) وأخرج الطبرانی عن عون بن ابی جحيفة عن أبيه قال: لماقدم جعفر رضی الله تعالیٰ عنه من هجرة الحبشة تلقاه النبی ﷺ فعانقه وقبل مابين عينيه.

(مسندابی يعلى الموصلی: ٤/٤٤٣ـ ومجمع الزوائد: ٢/٢٢٩، دارالفكر)

(٨) وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان النبی ﷺ وأصحابه يسبحون فی غدير فقال النبی ﷺ ليسبح كل رجل منكم إلى صاحبه فسبح كل رجل منهم إلى صاحبه وبقی النبی ﷺ وأبوبكر رضی الله تعالیٰ عنه فسبح النبی ﷺ إلى أبی بكر حتى عانقه وقال: أناْ إلى صاحبی، أناْ إلى صاحبی. (مجمع الزوائد: ٨/٣٤٠ـ وطبرانی كبير ٩/٤٥٨)

(٩) عن عطاء بن أبی رباح رحمه الله تعالیٰ يقول: خرج أبوأيوب إلى عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه وهوبمصر يسأله عن حديث سمعه من رسول الله ﷺ ولم يبق أحد سمعه من رسول الله ﷺ غيره وغير عقبة رضی الله تعالیٰ عنه فلما قدم أتى إلى منزل سلمة بن مخلد الأنصاری وهوأمير مصر فاخبربه فجعل يخرج إليه فعانقه ثم قال: ما جاء بك يا أبا أيوب. فقال: حديث سمعته من رسول الله ﷺ لم يبق أحد سمعه من رسول الله ﷺ غيری وغير عقبة رضی الله تعالیٰ عنه فابعث من يدلنی على منزله فبعث معه من يدله على منزله فاخبر عقبة رضی الله تعالیٰ عنه به فعجل فخرج إليه فعانقه..... (مسندالحميدی: ١/١٨٩، حديث ابی ايوب الانصاری رضی الله تعالیٰ عنه)

(١٠) وعن عمروبن ميمون بن مهران يقول: كنت مع أبی ونحن نطوف بالكعبة فلقی أبی شيخ فعانقه..... (حلية الاولياء: ٤/٩٠، ميمون بن مهران)

(١١) وعن الحسن قال: خرج رسول الله ﷺ فلمارأه عثمان رضی الله تعالیٰ عنه عانقه فقال رسول الله ﷺ: قد عانقت أخی عثمان فمن كان له أخ فليعانقه.

(الجامع الكبيرللسيوطی: ١/رقم ١٥، كنزالعمال: رقم: ٣٦٢٤٠)

(١٢) وعن عبادة بن منصور قال: كان رجل منايقال له كابس بن ربيعة فرآه أنس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه فعانقه وبكى وقال: من أحب أن ينظرإلى رسول الله ﷺ فلينظرإلى

كابس بن ربيعة. (جامع الاحاديث: ٣٣/٢١٩/٣٦١٠٨، مسند انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(١٣) وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن الرجل من أهل الجنة يشتاق إلى أخيه فى اللّٰه فيؤتى بنجيبة من نجائب الجنة فيركبها إلى أخيه وبينه وبينه مسيرة ألف ألف عام بقدر مسير أحدكم فرسخًا أو فرسخين فيلقاه ويعانقه.

(جامع الاحاديث: ٢٩/٣٦٠ـ مسند علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، كنز العمال: رقم ٣٩٧٨٣)

ان تمام احادیث میں اظہارِ محبت کے لئے معانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز اظہارِ محبت ومسرت کے لئے مصافحہ بھی جائز ہے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ قبول ہوئی اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ مصافحہ کیا دوسرے حضرات کا مصافحہ نہ کرنا اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصافحہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بوقتِ خوشی ومسرت مصافحہ جائز ہے، لیکن مصافحہ نہ کرنے والے زیادہ تھے، جس سے معلوم ہوا کرنے کی گنجائش اور نہ کرنا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(١٤) عن عبدالله بن كعب بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن أبيه فى حديث طويل قال كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتى دخلت المسجد فاذا برسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم جالس حوله الناس فقام إلىّ طلحة بن عبيدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ يهرول حتى صافحنى وهنّانى واللّٰه ماقام إلىّ من المهاجرين غيره..... واللّٰه اعلم. (رواه البخارى: ٢/٦٣٦)

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ عام فتاوی میں مرقوم ہے کہ عیدین کے بعد یا نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے نیز ہمارے علماء نے اس پر زور بھی دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اگر عید کے دن مصافحہ ومعانقہ عید کی نماز کی وجہ سے کرتا ہو تو نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے، اور اگر عید کی خوشی کی وجہ سے ہو جیسا کہ معمول ہے کہ نماز کے بعد ایک دو دن تک لوگ کرتے ہیں تو پھر اگر سنت نہ سمجھے تو خوشی کے اظہار کے لئے گنجائش ہے لیکن لوگوں نے اس کو ایک رسم بنایا ہے لہذا اس کا ترک کرنا مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتداء ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعت مکروہہ ہے طریقہ روافض ہے، حنفیہ مالکیہ شافعیہ وغیرہ سب سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ماصافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنهامن سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ عن الشافعية أنها بدعة مکروهة لاأصل لها فی الشرع وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعذر ثانيًا ثم قال: وقال إبن الحاج من المالکية فی المدخل إنها من البدع، وموضع المصافحة فی الشرع إنما هوعند لقاء المسلم لأخيه لافی أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يعضها فينهی عن ذلك ويزجرفاعله لما أتی به من خلاف السنة ثم أطال فی ذلك فراجعه. ("الشامی:٦/٣٨١")۔ (فتاوی محمودیہ:٣/١٤٣،مبوب ومرتب)

فتاوی فریدیہ میں ہے:

گلے ملانے کو معانقہ کہا جاتا ہے جو کہ بذاتِ خود مسنون ہے البتہ اس کا کسی وقت سے مثلاً نمازِ عید کے بعد تخصیص کرنا مختلف فیہ ہے قیل مسنونۃ وقیل مباحۃ وقیل مکروہۃ پس احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے البتہ کرنے والے پر اشد انکار نہ کیا جائے۔ (فتاوی فریدیہ:١/٣٠٢)

فتاوی مفتی محمود میں ہے:

یہ عید کے روز نماز کے بعد معانقے اور مصافحے اور مبارک بادیاں سلف صالحین کے زمانے میں نہیں تھیں، اس لئے اس کا ترک ہی مناسب ہے۔ (فتاوی مفتی محمود:٢/٥٢٣)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی رشیدیہ: ص ١٤٧۔ وامداد الاحکام: ١/ ١٨٨۔ وامداد الفتاوی ١/ ٤٨١۔ واحسن الفتاوی: ١/ ٣٥٤۔ وفتاوی رحیمیہ: ١/ ٢٨٠)۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من دخل البیت دخل فی حسنة

وخرج من سیئة مغفورًا له"﴾

(المعجم الکبیر)

باب.....﴿۱۸﴾

مسائل شتی

باب.....﴿۱۸﴾

نماز کے متفرق مسائل

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟

الجواب: خانہ کعبہ میں آنحضور ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، لہذا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا مستحب ہو گا اگر کسی کو موقع ملے تو پڑھ لینا چاہئے لیکن آج کل خانہ کعبہ میں داخل ہونا دشوار ترین ہے اس وجہ سے حطیم کعبہ میں پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم بھی کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔

ملاحظہ ہو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی فضیلت:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب دخول الكعبة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: "من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفوراً له".

(رواه الطبراني في الكبير والبزار بنحوه، صحيح ابن خزيمة: ۲/۲۱٤۱۰، المكتب الاسلامي۔ مجمع الزوائد: ۳/۲۹۳، دار الفكر)

آنحضور ﷺ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريبًا من ثلاثة أذرع صلى يتوخى المكان الذي أخبره به بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلي في أي نواحي البيت شاء. (بخاری شریف ۱/۷۲/۵۰۰، فیصل)

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ دخل الكعبة وأسامة بن زيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان بن طلحة الحجبي رضی اللہ تعالیٰ عنہ فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً

رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین خرج ما صنع رسول الله ﷺ قال: جعل عمودًا عن يساره وعمودًا عن يمينه وثلاثة أعمدة وراء ه وكان البيت يومئذٍ على سته أعمدة ثم صلى.....

(بخاری شریف: ۱/۷۲/۴۹۹، باب الصلاة بين السوارى فى غير جماعة،فيصل)

حطیم کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: سألت النبى ﷺ عن الجدار أمن البيت هو؟ قال: نعم قلت: فما لهم لم يدخلوه فى البيت؟ قال: إن قومك قصرت بهم النفقة ولو أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر أن أدخل الجدار فى البيت. (بخاری شریف: ۱/۲۵۱)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كنت أحب أن أدخل البيت فأصلى فيه فأخذ رسول الله ﷺ بيدى فأدخلنى الحجر فقال يا عائشة إن قومك لما بنوا الكعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البيت فإذا أردت أن تصلين فى البيت فصلى فى الحجر فإنما هو قطعة من البيت.

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۱۴۱۳، باب استحباب الصلاة فى الحجر اذا لم يكن دخول الكعبة اذ بعض الحجر من البيت، المكتب الاسلامى)

بیت اللہ کے دروازے کے پاس بھی آنحضور ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل النبى ﷺ البيت فجئت فإذا هو قد خرج وإذا بلال قائم عند باب الكعبة قلت: يا بلال أين صلى النبى ﷺ فقال ههنا قال ثم خرج فصلى ركعتين بين الحجر والباب..... والله اعلم. (صحيح ابن خزيمة: ۲/۱۴۱۱، المكتب الاسلامى)

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا:

سوال: بعض مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر ۳۰ یا ۵۰ رکعت نوافل پڑھوائی جاتی ہے کیا نماز کو سزا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس نماز کا ثواب اس کو ملے گا؟

الجواب: مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے کسرِ شہوت کے لئے روزہ رکھنے کو فرمایا تو اس میں روزہ کا ثواب بھی ہے اور کسرِ شہوت بھی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ يامعشر الشباب من استطاع

منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء. (بخاری شریف:۲/۷۵۸۔ومشکاۃ:۲/۲۶۷)

ظاہر ہے کہ یہ روزہ براہِ راست رضاءِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ زنا سے بچنے کے لئے کسرِ شہوت ہے یہاں بھی نماز پڑھوانا نفس کو سزا دینے اور مدرسہ کے احکام بجالانے کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نذر مانی جب بھی فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز جرمانہ کے طور پر پڑھے گا پھر اس منت سے نکلنا چاہے تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: اس قسم کی منت لازم ہوتی ہے لہٰذا اس کا پورا کرنا لازم ہے یعنی جب بھی ایک رکعت چھوٹ جائے دو رکعت نفل لازم ہوگی اور اگر نہیں پڑھی تو اس کا فدیہ دینا زندگی میں درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول الله ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه. (مشکوۃ شریف: ۲/۲۹۷) فيه دليل على أن من نذر طاعة يلزم الوفاء به.

درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فيه تفصيل فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفى مريضي يوفى وجوبًا إن وجد الشرط. وفي الشامي: (قوله ثم إن المعلق) اعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقًا: أي سواء كان الشرط مما يراد كونه أي يطلب حصوله كإن شفى الله مريضي أو لا كإن كلّمت زيدًا أو دخلت الدار فكذا. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي:۳/۷۳۸ أحكام النذر سعيد)

نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پا جائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال نماز کے ابتدائی وقت میں ہو جائے اور اب تک نماز نہیں پڑھی تھی تو اس نماز کا فدیہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس نماز کا فدیہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اعتبار آخری وقت کا ہے اور آخری وقت میں زندہ نہیں تھا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(والمعتبر فی تغییر الفرض آخر الوقت) وهو قدر ما یسع التحریمة فان کان المکلف فی آخره مسافرًا وجب رکعتان وإلا فأربع لأنه المعتبر فی السببیة عند عدم الأداء قبله. وفی الشامی: قوله وجب رکعتان أی وإن کان فی أوله مقیمًا وقوله: وإلا فأربع أی وإن لم یکن فی آخره مسافراً بأن کان مقیماً فی آخره فالواجب أربع. قال فی النهر: وعلی هذا قالوا: لو صلی الظهر أربعًا ثم سافر أی فی الوقت فصلی العصر رکعتین ثم رجع إلی منزله لحاجة فتبین أنه صلاهما بلاوضوء صلی الظهر رکعتین والعصر أربعًا لأنه کان مسافرًا فی آخر وقت الظهر ومقیمًا فی العصر قوله عند عدم الأداء قبله أی قبل الآخر والحاصل أن السبب هو الجزء الذی یتصل به الأداء أو الجزء الأخیر إن لم یؤد قبله وإن لم یؤد حتی خرج الوقت فالسبب هو کل الوقت. قال فی البحر: وفائدة إضافته إلی الجزء الأخیر اعتبار حال المکلف فیه فلو بلغ صبی أو أسلم کافر أو أفاق مجنون أو طهرت الحائض أو النفساء فی آخره لزمتهم الصلاة. والله اعلم. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱۳۱/۲، باب صلاة المسافر، سعید، وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۲۸، باب صلاة المسافر، قدیمی)

بچہ رات کے وقت بالغ ہو تو قضاء کا حکم:

سوال: اگر نابالغ عشاء کے بعد سو گیا اور فجر کے وقت بیدار ہوا اور منی کے اثرات دیکھے تو عشاء کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں احتیاطاً نمازِ عشاء کی قضاء کرے گا اور یہی مختار قول ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

صبی احتلم بعد صلاة العشاء واستیقظ بعد الفجر لزمه قضاؤها.

وفی الشامی: قوله لزمه قضاؤها لأنها وقعت نافلة، ولما احتلم فی وقتها صارت فرضا علیه، لأن النوم لا یمنع الخطاب فیلزمه قضاؤها فی المختار، ولذا لو استیقظ قبل الفجر لزمه إعادتها إجماعًا کما قدمناه أول کتاب الصلاة عن الخلاصة. وفی الظهیریة: حکی عن محمد بن الحسن رحمه الله تعالیٰ: أنه جاء إلی الإمام أول احتلامه فقال: ما تقول فی غلام احتلم فی اللیل بعد ما صلی العشاء هل یعیدها؟ قال نعم فقام محمد إلی زاویة المسجد وأعادها وهی أول

مسألة تعلمها من الإمام. (شامی مع الدر: ۲/ ۷۶، قضاء الفوائت، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق: ۲/ ۹۰، تتمة باب قضاء الفوائت،الماجدیة۔ وشرح منیة المصلی: ۵۳۴ فصل فی قضاء الفوائت،سہیل)۔ واللہ اعلم۔

دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نانی کا انتقال ہوا گذشتہ تین سالوں سے انھیں دماغ کی کمزوری کی شکایت تھی اور اس حد تک سرایت کر چکی تھی کہ ۵ منٹ پہلے کیا ہوا کام بھی یاد نہیں رہتا تھا اس وجہ سے کافی عرصہ سے انھوں نے نمازیں نہیں پڑھی تھی، اب ان کے انتقال کے بعد فوت شدہ نمازوں کا فدیہ لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: دماغی مریض کے بالکل ہوش وحواس نہ رہیں اور یہ کیفیت مسلسل ایک دن یا اس سے زیادہ دن تک ہو تو نماز کی قضاء نہیں ہے اور نہ فدیہ وغیرہ لازم ہے۔ لیکن صورتِ مسئولہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت نہیں تھی یعنی نماز کے وقت میں صحیح طور پر نماز پڑھ سکتی تھی تو نماز پڑھنا لازم تھا نہ پڑھنے پر قضاء لازم تھی اب چونکہ انتقال ہو چکا ہے لہٰذا فدیہ ادا کیا جائے ہر نماز کا علیحدہ علیحدہ یعنی رات دن کی کل ۵ نمازوں کا وتر کے ساتھ اور فدیہ وہی ہے جو صدقۃ الفطر میں ادا کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن أغمى عليه خمس صلوات أودونها قضى وإن كان أكثرمن ذلك لم يقض وهذا استحسان، والقياس أن لاقضاء عليه إذا استوعب الإغماء وقت صلاة كاملًا وفى فتح القدير: والقياس أن لا وهوقول الشافعى رحمه الله تعالى والمالك رحمه الله تعالى وتوسط أصحابنا فقالوا: إن كان أكثرمن يوم وليلة سقط القضاء وإلاوجب، والزيادة على يوم وليلة من حيث الساعات وهورواية عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى فإذا زاد على الدورة ساعة سقط، وعند محمد رحمه الله تعالى من حيث الأوقات فإذا زاد على ذلك وقت صلاة كامل سقط وإلا لا، وهو الأصح تخريجًا عن ابن عمر رضى الله تعالى عنه قال فى الذى يغمى عليه يومًا وليلةً قال: يقضى وقال عبد الرزاق: أخبرنا الثورى عن ابن أبى ليلى عن نافع أن ابن عمر رضى الله تعالى عنه أغمى عليه شهرًا فلم يقض ما فاته.

(فتح القدير مع الهداية: ۲/ ۹، دارالفكر۔ وكذا فى بدائع الصنائع: ۱/ ۵۶۱، قضاء الفوائت، سعيد۔ وكذا فى المبسوط: ۱/ ۲۱۷ باب صلاة المريض۔ وكذا فى الدرالمختار: ۱/ ۳۵۶، سعيد۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۱۵، باب صلاة المريض۔ كوئٹة)

درمختار میں ہے:

ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. (الدرالمختار ۲/۷۲،باب قضاء الفوائت،سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

فيخرج عنه وليه لصوم كل يوم وصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر نصف صاع من بر أوقيمته وهى أفضل لتنوع حاجات الفقير، وإن لم يوص و تبرع عنه وليه أوأجنبى جاز إن شاء الله تعالىٰ. وفى الطحطاوى: (لتنوع حاجات الفقير) فإنه قد يكون مستغنيًا عن هذه الأعيان ويحتاج إلى الدراهم ليصرفها فى حاجاته. والله اعلم.

(مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى:٤٣٨، قديمى كتب خانه)

جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: سماحة المفتى من فضلك أريد استفتاءً على ما يلى بين لى بالتفصيل من النصوص أثابكم الله.

(۱) لماذا صلى النبى ﷺ فى نعليه وموسى عليه الصلاة والسلام صلى بخلع نعليه والله سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿فبهداهم اقتده﴾؟

(۲) لماذا نصلى بخلع نعالنا و نبينا ﷺ صلى فى نعليه؟

(۳) هل يجوزلنا أن نصلى فى نعالنا؟

(٤) هل صلى النبى ﷺ على البساط بغير نعليه؟

(٥) ما هوأراء الفقهاء فى الصلاة فى النعال؟

(٦) لماذا أمرنا النبى ﷺ بخلاف اليهود فى خلع النعال وهم كانوا يتبعون موسى عليه الصلاة والسلام؟

الجواب: (۱) أن أمره سبحانه وتعالىٰ لرسوله ﷺ بالاقتداء هوخاص عند المفسرين فى التوحيد وأصول الدين والأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة دون الشرائع لأن الشرائع مختلفة.

(۲) لأنه لايمكن لنا التحفظ من وطء الأقذاروالرشاش على النعال ومع هذا،

الصلاة فی النعال خلاف الأدب والعرف فی زماننا ولم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذر أصلاً.

(۳) نعم إذا كانا طاهرين ويتمكن معهما من إتمام السجود بأن يسجد على جميع أصابع رجليه ومع ذلك الأدب خلع النعلين وأما إذا لم يكن طاهرين أو لم يتمكن من إتمام السجود فخلعهما واجب.

(٤) نعم.

(٥) لأنهم قد غيروا الشريعة ولا يتبعون موسى عليه الصلاة والسلام كما حقه كما قال سبحانه وتعالى ﴿وقالت اليهود عزير بن الله﴾ وما جاء موسى عليه الصلاة والسلام بهذا، وقد بين سبحانه وتعالى أنهم ضلوا وأضلوا، وقال أيضًا: ﴿اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضّالين﴾ فلهذا ينبغى لنا أن نجتنب كل الاجتناب.

وفى تفسير القرطبى:

قوله تعالى: ﴿فبهداهم اقتده﴾ قيل: المعنى اصبر كما صبروا وقيل معنى ﴿فبهداهم اقتده﴾ التوحيد والشرائع مختلفة. (تفسير القرطبى: ۷/۳۵)

وفى تفسير روح المعانى:

والمراد بهداهم عند جمع طريقهم فى الإيمان بالله تعالى وتوحيده وأصول الدين دون الشرائع القابلة للنسخ فإنها بعد النسخ لا تبقى هدى وهم أيضاً مختلفون فيها فلا يمكن التأسى بهم جميعا ومعنى أمره ﷺ بالاقتداء بذلك الأخذ به لا من حيث أنه طريق أولئك الفخام بل من حيث أنه طريق العقل والشرع ففى ذلك تعظيم لهم وتنبيه على أن طريقهم هو الحق الموافق لدليل العقل والسمع وحقق القطب الرازى فى حواشيه على الكشاف أنه يتعين أن الاقتداء المأمور به ليس إلا فى الأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة كالحلم والصبر والزهد وكثرة الشكر والتضرع ونحوها. (روح المعانى: ۷/۲۱٦)

وفى سنن أبى داؤد:

وعن عبد الله بن السائب رضی الله تعالى عنه قال رأيت النبى ﷺ يصلى يوم الفتح ووضع نعليه عن يساره، وفى رواية عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضی الله تعالى عنه

قال رأيت رسول الله ﷺ يصلى حافياً متنعلاً.

وفى رواية له عن يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ "خالفوا اليهود فإنهم لايصلون فى نعالهم ولاخفافهم. (سنن أبو داؤد:١/٩٥)

وفى بذل المجهود:

قلت: دل هذا الحديث على أن الصلاة فى النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود وأما فى زماننا فينبغى أن تكون الصلاة مأمورة بهما حافيًا لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلين لايخلعون عن أرجلهم.

(بذل المجهود: ٤/٣٢٠ـ وكذا فى إعلاء السنن: ٥/١٩٠ـ وكذا فى شرح النووى للمسلم: ١/٢٥٤ـ وكذا فى شرح ابن بطال: ٢/٤٩ـ وكذا فى فيض البارى: ٢/٢٦ـ وكذا فى شرح المسلم لقاضى عياض: ٢/٤٨٨)

وفى المرقاة شرح المشكاة:

أن الأدب الذى استقر عليه آخر أمره عليه الصلاة والسلام خلع نعليه أو الأدب فى زماننا عند عدم اليهود والنصارى أو عدم اعتيادهما الخلع ثم سنح لى أن معنى الحديث خالفوا اليهود فى تجويز الصلاة مع النعال والخفاف فإنهم لايصلون أى لايجوزن الصلاة فيهما ولايلزم منه الفعل وإنما فعله عليه الصلاة والسلام تاكيداً للمخالفة وتأييدًا للجواز.

(مرقاة شرح المشكاة:٢/٢٣٧)

وفى الشامى:

(قوله وصلاته فيهما) أى فى النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود تاترخانية: وفى الحديث: "صلوا فى نعالكم ولاتشبهوا باليهود" رواه الطبرانى كما فى الجامع الصغير رامزًا لصحته وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولو كان يمشى بها فى الشوارع لأن النبى ﷺ وصحبه رضی اللہ تعالیٰ عنہم كانوا يمشون بها فى طرق المدينة ثم يصلون بها، قلت: لكن إذا خشى تلويث فرش المسجد بها ينبغى عدمه وإن كانت طاهرة، وأما المسجد النبوى فقد كان مفروشًا بالحصا فى زمنه ﷺ بخلافه فى زماننا ولعل ذلك محمل ما فى عمدة المفتى من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب تأمل. (شامى ١/٦٥٧،سعيد)

وفى مقالات الكوثرى:

وأما الصلاة بالنعل فصحيحة إذا كانت طاهرة لاتمانع وضع باطن رؤوس الأصابع على

الأرض كما هو شأن تمام السجدة على ما ذكره الخطابي وغيره وكان مسجد النبي عليه الصلاة والسلام مفروشًا بالحصباء وحجرات أزواج النبي ﷺ كانت في اتصال المسجد فلم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذر أصلاً لأنه لم يكن يطأ بها شوارع قذرة وكانت المدينة المنورة طاهرة الأزقة من الأرواث والأرجاس انصياعًا من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم بخلاف شوارع اليوم ومراحيض اليوم فإنها لا يمكن فيها التحفظ من وطء الأقذار والرشاش على النعال لكون مراحيضها صلبة ترش حتما على النعال ولاسيما إذا بال الشخص وهو قائم لأنها على طراز أفرنجي لا يتمكن من البول فيها إلا وهو قائم. وقد صح أنه عليه الصلاة والسلام خلع نعله عند الصلاة في فتح مكة فيكون هذا آخر الأمرين كما أنه خلع حينما أعلمه جبريل علیہ الصلاۃ والسلام أن بنعله أذى والترخيص عند التحقق من إظهار النعل هو مقتضى الأدلة عند المحققين ومن يرى استحباب لبسها بشرطه إنما استحب لمخالفة اليهود لكن أهل الكتاب أصبحوا اليوم يدخلون كنائسهم ويصلون بنعالهم فتكون المخالفة لهم في خلع النعال لا في لبسها وقد تطابقت كلمات أهل العلم على أن الصلاة في نعال الشوارع اليوم خلاف الأدب وإن كانت طاهرة بل سوء الأدب كما تجد تفصيل ذلك في منية المفتي للسجستاني رحمہ اللہ تعالیٰ وفتح المتعال للعلامة المقري رحمہ اللہ تعالیٰ وشرح المشكاة لعلي القاري رحمہ اللہ تعالیٰ وغاية المقال للمحدث عبد الحي اللكهنوي رحمہ اللہ تعالیٰ وغيرها. والله اعلم. (مقالات الکوثری: ۱۷٤، دارشمسی)

نماز سے قبل شلوار موڑنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکی ہوئی ہے تو نماز سے پہلے اسکو موڑنا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپڑے کو موڑنا نہیں چاہئے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ موڑنے کی صورت میں کپڑا الٹا ہو جاتا ہے اور یہ ممنوع ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: جو چیز نماز سے باہر مکروہ ہے نماز میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور کراہت کا ازالہ نماز سے قبل کرنا چاہئے لہٰذا اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ فعل خارج الصلاۃ بھی مکروہ ہے لہٰذا پاجامہ اور شلوار ٹخنوں سے اوپر سلوالیا کریں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ما أسفل من الكعبين من الإزار فی النار".

(رواه البخاری:۲/۸۶۱/۵۵۵۹، باب ما أسفل من الكعبين فهو فی النار،فيصل)

نماز میں کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ نماز سے قبل ٹھیک کرلے۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

ويكره السدل وهو أن يرسله من غير أن يضم جانبه وقيل: هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه قال فی فتح القدير: (۱/۳۵۹) يصدق على ماإذا كان المنديل مرسلاً فی كتفيه كما يعتاده كثير فينبغی لمن يعتاده أن يضعه عند الصلاة. (فتاوی اللکھنوی:۱۰۳، بیروت)

نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ کراہت کا ازالہ نماز میں بھی جائز ہے تو خارج الصلاۃ بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ مستحب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

فان سقطت قلنسوة من رأسه وأمكنه أن يرفعها بيد واحدة، الأولىٰ أن لايصلی مكشوف الرأس كذا فی خزانة الروايات. (فتاوی اللکھنوی:۱۰۳، بیروت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے داہنی طرف کردیا یعنی نماز میں کراہت کا ازالہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فتوضأ ثم قام يصلی فقمت عن يساره فأخذنی فجعلنی عن يمينه. والله اعلم. (بخاری شریف: ۱/۹۷)

بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"من شهد الجنازة حتىٰ يصلى عليها فله قيراط ومن شهدحتىٰ تدفن كان له قيراطان"﴾

(رواه البخاری)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"من حمل جوانب السرير الأربع كفرالله عنه أربعين كبيرة"﴾

(المعجم الأوسط)

باب.....﴿۱۹﴾

أحكام الجنائز

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام

قریب المرگ شخص کولٹانے کا طریقہ:

سوال: آدمی جب مرنے لگے تو اس کو کس طرح لٹانا چاہئے؟

الجواب: قریب المرگ شخص کولٹانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کر کے داہنی کروٹ پر کردے، لیکن اگر چت لٹادے اور سر کو تکیہ کے ذریعہ قبلہ رخ کردے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور بوقتِ دشواری جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کرے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن وهو السنة كذا فى الهداية،وهذا إذا لم يشق عليه فإذا شق ترك على حاله كذا فى الزاهدى.

(الفتاوى الهندية:۱/۱۵۷،الفصل الأول فى المحتضر)

درمختار میں ہے:

(يوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه إليها وهو المعتاد فى زماننا ولكن يرفع قليلاً ليتوجه للقبلة وقيل يوضع كما تيسر على الأصح صححه فى المبتغى وإن شق عليه ترك على حاله. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۸۹،سعید کمپنی)

بدائع الصنائع میں ہے:

إذا احتضر الإنسان فالمستحب أن يوجه إلى القبلة على شقه الأيمن كما يوجه فى القبر لأنه قرب موته فيضجع كمايضجع الميت فى اللحد. (بدائع الصنائع:۱/۲۹۹،سعید کمپنی)

مرنے کے بعد غسل کے وقت بھی یہی بہتر ہے کہ قبلہ رخ میت کولٹایا جائے۔ واللہ اعلم۔

مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کینسر میں مبتلاء ہے وہ کسی رشتہ دار کو کچھ مال ہدیہ کرنا چاہتا ہے اور کچھ مال اجنبی شخص کو دینا چاہتا ہے کیا اس کا ہدیہ دینا درست ہوگا اور یہ وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب: مرض الموت میں کسی شخص کا ہدیہ یا وصیت اجنبی کے حق میں صرف ایک ثلث میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ میں نہیں اور وارث کے حق میں ہدیہ یا وصیت نافذ نہ ہوگی، ہاں دوسرے ورثاء کی اجازت سے وارث کے حق میں بھی نافذ ہوگی، اور ثلث سے زائد میں بھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عادنی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وأنا مریض فقال: أوصیت؟ قلت: نعم، قال: بکم؟ قلت: بمالی کله فی سبیل اللّٰہ تبارک وتعالیٰ قال: فما ترکت لولدك قلت: هم أغنیاء بخیر فقال: أوص بالعشر فمازلت أناقصه حتی قال: أوصِ بالثلث والثلث کثیر. رواه الترمذی. وعن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: فی خطبته عام حجة الوداع إن اللّٰہ تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلاوصیة لوارث. رواه أبوداود وابن ماجة والترمذی. (مشکاۃ شریف: ۱/۲۶۵، باب الوصایا، قدیمی کتب خانه)

درمختار میں ہے:

إعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه کل ذلك حکمه کحکم وصیته فیعتبر من الثلث. وفی الشامی: إذا اتصل بهاالقبض قبل موته أما إذا مات ولم یقبض فتبطل الوصیة لأن هبة المریض هبة حقیقة وإن کانت وصیة حکمًا.

(الدرالمختارمع الشامی: ۶/۶۸۰، سعید)۔ واللّٰہ اعلم۔

مرض الموت کی تعریف:

سوال: مرض الموت کس کو کہتے ہیں کیا کینسر کا مریض اس میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مرض میں مریض اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے نہ نکل سکے، اسی طرح اس مرض سے صحت کی امید بہت کم ہو اور موت کا غالب گمان ہو، لہٰذا اس تعریف کے پیشِ نظر کینسر کا مریض جس سے صحت کی امید بہت کم ہے مرض الموت میں کہلائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

المریض مرض الموت من لایخرج إلی حوائج نفسه وهو الأصح کذا فی خزانة المفتی. مرض الموت تکلموا فیه والمختار للفتویٰ أنه إذا کان الغالب منه الموت کان مرض الموت سواء کان صاحب الفراش أم لم یکن کذا فی المضمرات.

(الفتاوی الهندیة: ٤/١٧٦)۔واللّٰہ اعلم۔

مریض کی وصیت کا حکم:

سوال: کسی مریض نے اپنے رشتہ دار کو یہ وصیت کی کہ تم ہر ہفتہ میری قبر پر حاضری دو کیا یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا وصیت واجب نہیں ہے، البتہ ان کی خواہش کی بنا پر زیارت کے لئے جانا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أوصی بأن یصلی علیه فلان أو یحمل بعد موته إلی بلد آخر أو یکفن فی ثوب کذا أو یطین قبره أو یضرب علی قبره قبة أو یقرأ عنده شیئًا معینًا فهی باطلة.

(الدر المختار: ٦/٦٦٦، ٦٩٠، سعید کمپنی)

شامی میں ہے:

أقول: فی الولوالجیة: لو زار قبر صدیق أو قریب له وقرأ عنده شیئًا من القرآن فهو حسن، أما الوصیة بذلك فلا معنی لها.

(شامی: ٦/٦٩٠، قبیل باب الوصیة بالخدمة، سعید کمپنی)۔ واللّٰہ اعلم۔

غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم:

سوال: مرنے کے بعد غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کا جسم چھپا ہوا ہے تو میت کے پاس تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جسم کھلا ہوا ہے تب بھی اصح قول یہ ہے کہ میت میں حدث ہے نجاست وغلاظت نہیں، لہٰذا اس کے قریب تلاوت کرنا درست ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ غسل دینے سے پہلے جہراً تلاوت نہ کی جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

اختلفوا فی نجاسة المیت فقیل نجاسة خبث، وقیل: حدث ویشهد للثانی ماروی‌ناه من تقبیله رضی اللہ تعالیٰ عنہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهومیت قبل الغسل، اذ لو کان نجسًا لما وقع فاه الشریف علی جسده. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ٥٦٤،احکام الجنائز،قدیمی)

درمختار میں ہے:

تکره القراءة عنده حتی تغسل تنزیهًا للقرآن عن نجاسة المیت لتنجسه بالموت قیل نجاسة خبث وقیل حدث وعلیه فینبغی جوازها کقراءة المحدث فإنه إذا جاز للمحدث حدثًا أصغر القراءة فجوازها عندالمیت المحدث بالأولی.

(الدرالمختارمع الشامی:٢/١٩٤،سعید کمپنی)

شامی میں ہے:

قوله ویقرأ القرآن فی بعض النسخ ولایقرأ بلا والصواب إسقاطها.

تنبیه: الحاصل أن الموت إن کان حدثاً فلاکراهة فی قراءة القرآن عنده وإن کان نجسًا کرهت والظاهرأن هذا أیضًا إذا لم یکن المیت مسجی بثوب یستربدنه، لأنه لو صلی فوق نجاسة علی حائل من ثوب أوحصیر لایکره فیما یظهرفکذا إذا قرأ عند نجاسة مستورة وکذا ینبغی تقیید الکراهة بما إذا قرأ جهرًا فتحصل من هذا إن کان الموضع معدًا للنجاسة کالمخرج والمسلخ کرهت القراءة مطلقًا وإلافإن لم یکن هناك نجاسة ولاأحد مکشوف العورة فلاکراهة مطلقاً وإن کان فانه یکره رفع الصوت فقط.

(الشامی:٢/١٩٣،١٩٤، مطلب فی القراءة عندالمیت،سعید)۔واللہ اعلم۔

میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کا حکم:

سوال: جس کمرہ میں میت موجود ہو وہاں حائضہ عورت بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر میت کے سرہانے نہ بیٹھے بلکہ ذرا دور بیٹھے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ حائضہ کے نکالنے میں اختلاف ہے لہٰذا اس میں تشدد اور سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فی النهر: ینبغی إخراج الحائض وفی نورالإیضاح: واختلف فی إخراج الحائض.

(شامی:٢/١٩٣،سعید)

وفی حاشیة نور الإیضاح: قوله واختلفوا: اختلاف المشایخ فی إخراج هؤلاء فی الأولویة وعدمها، لاعلی سبیل الوجوب، ووجه الإخراج امتناع حضور الملائکة محلاً به حائض أونفساء ووجه عدم الإخراج به قد لایمکن الإخراج للشفقة أوللاحتیاج إلیهن.

(حاشیة نورالایضاح للشیخ محمداعزازعلی:ص۱۲۷۔وکذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۵۶۳،باب احکام الجنائز، قدیمی)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولابأس بجلوس الحائض والجنب عنده وقت الموت.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۸۸،باب فی غسل المیت ومایتعلق به)۔واللہ اعلم۔

موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنے کا حکم:

سوال: کیا شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کی موت کے بعد اس کا چہرہ دیکھے؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إلیهاعلی الأصح منیة، وفی الشامی: ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف.

(الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۹۸، سعید۔وکذا فی الهندیة: ۱/۱۶۰، الفصل الثانی فی الغسل۔ والفتاوی الخانیةعلی هامش الهندیة: ۱/۱۸۷، باب فی غسل المیت ومایتعلق به)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلانہیں سکتا اور بلا حائل چھونہیں سکتا جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۴/۲۱۵۔وفتاوی رشیدیہ: ص۲۵۷)

موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم:

سوال: موت کے بعد شوہر بیوی کے چہرے یا ہاتھ کو چھوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کو چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجهامن غسلها ومسها لامن النظرإليهاعلى الأصح، منية.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۸، باب صلاۃ الجنازۃ،سعید)

مبسوط میں ہے:

ولناحديث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن امرأة تموت بين رجال فقال: تيمم الصعيد ولم يفصل بين أن يكون فيهم زوجها أولايكون والمعنى فيه أن النكاح بموتها ارتفع بجميع علائقه فلا يبقى حل المس. واللّٰه اعلم.

(المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۷۱،باب غسل المیت، ادارۃ القرآن۔واحسن الفتاوی:۴/۲۱۵)

پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم:

سوال: پوسٹ مارٹم کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ میت کی توہین میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے ساتھ ہر وہ کام کرنا جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے جائز اور درست نہیں ہے، اور پوسٹ مارٹم میں جسم کی تقطیع ہے اور یہ معاملہ اگر زندہ کے ساتھ کیا جائے تو ضرر رساں ہے لہٰذا میت کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا اس میں جسمِ انسانی کی توہین ہے حتی الامکان اپنی میت کو اس سے بچانا چاہئے، لیکن اگر مجبوراً کرانا پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عصرِ حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

میت کی لاش کا پوسٹ مارٹم اب محض ایک طبعی ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ تفتیشِ جرائم کے لئے قانون وانصاف کے شعبہ میں بھی اس کا سہارہ لینا ناگزیر ہوگیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا عمل جس میں انسانی جسم کی قطع وبرید اور چیر پھاڑ نے کے بغیر کام نہ چلتا ہو اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی ہے۔

(عصرِ حاضر کے فقہی مسائل: ص ۷۴۔و جدید مسائل کا شرعی حل:ص ۲۴۸)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

پوسٹ مارٹم بھی اگر کسی ضرورت کے پیشِ نظر ناگزیر ہوجائے تو جائز ہے مثلاً مقدمہ کی تحقیق کے لئے موت کی وجہ معلوم کرنی ہو، یا کوئی شخص اپنا اندرونی عضو ہبہ کردے اور علماء اس کے جواز کا فتوی دے دیں، اس لیے اس عضو کو نکالنا ہو وغیرہ، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے اس مردہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے جس کے پیٹ کا بچہ ابھی زندہ ہے تاکہ اس طرح اس کو نکالا جاسکے۔

(جدید فقہی مسائل: جلداول: ص ۲۰۳،پوسٹ مارٹم،پروگریسو بکس)

کفایت المفتی میں ہے:

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہوتا ہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر واحترام میت کا التزام ضروری ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جاسکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہوسکتی عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جاسکتی۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی: ۴/۲۰۰، آٹھواں باب، کتاب الجنائز، دارالاشاعت۔ ونظام الفتاوی: ۱/۴۱۲، پوسٹ مارٹم کا حکم، اسلامک فقہ اکیڈمی۔ وامداد الفتاوی: ۱/۵۰۸)

میت کے سامنے کھڑے ہوکر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا تو کسی عورت نے خاندان کی عورتوں سے کہا آپ سب اس میت کو معاف کردیں اس طرح کہ آپ ان کے سامنے کھڑی ہوکر کہو کہ ہم نے معاف کردیا جو ہمارے درمیان ہوا تھا اس لئے کہ میت سنتی ہے اور شوہر اکیلا میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھتا ہے شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس طرح عورتوں کا میت کو خطاب کرنا اور معاف کرنا وغیرہ درست نہیں ہے اس لئے کہ میت سنتی ہے یا نہیں سنتی اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مردے سنتے ہیں بعض کے نزدیک نہیں سنتے جن کے نزدیک سنتے ہیں تو ہر بات ہر وقت نہیں سنتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ سنادے تو سنتے ہیں لہذا یہ عمل درست نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

شوہر میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرسکتا ہے، اور چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے نیز محارم کے ساتھ قبر میں اتر کر دفن کرنے میں مدد بھی کرسکتا ہے، البتہ میت کو غسل دینا اور چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله أو كلمتك) إنما تقيد بالحياة لأن المقصود من الكلام الإفهام والموت ينافيه لأن الميت لايسمع ولايفهم وأورد أنه عليه الصلاة والسلام قال لأهل القليب قليب بدر هل وجدتم ما وعدربكم حقًا؟ فقال عمر: يارسول الله ما تكلم من أجساد لاأرواح لها فقال النبى ﷺ والذى نفسى بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم وأجيب بأنه غير ثابت يعنى من جهة المعنى

وإلافهو في الصحيح وذلك أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ردته بقوله تعالىٰ: ﴿ومأأنت بمسمع من في القبور﴾ و ﴿إنك لاتسمع الموتىٰ﴾ وقوله من جهة المعنى ينظر ماالمراد به فإن ظاهره يقتضى ورود اللفظ عن الشارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأن المعنى لايستقيم وفيه مافيه وأجيب أيضًا بأنه إنما قاله على وجه الموعظة للأحياء لالإفهام الموتىٰ كماروى عن على رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: السلام عليكم دارقوم مؤمنين أما نساؤكم فنكحت وأما أموالكم فقسمت وأمادوركم فقدسكنت فهذا خبركم عندنا فماخبرنا عندكم ويرده أن بعض الأموات رد عليه بقوله: الجلود تمزقت والأحداق قد سئلت إلى قوله وردعنه عليه الصلاة والسلام أن الميت ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا، كمال وفي النهر أحسن ما أجيب به أنه كان معجزة له رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۲/۳۸۲، باب اليمين في الضرب والقتل، كوئته)

درمختار میں ہے:

ويمنع زوجها من غسلها ومسهالا من النظر إليها على الأصح، منية. وفي الشامي: ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف. (الدرالمختارمع الشامي: ۲/۱۹۸، سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں۔

(كفايت المفتى: ٤/٥٠، دارالاشاعت)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: دیکھ سکتا ہے اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے لأنه مس من حائل.

واللہ اعلم. (امدادالفتاوی: ۱/۵۰۳ و كذافي فتاوى رحيميه: ۳/۹۳)

میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کی آنکھوں میں کونٹیک لینس ہے تو اس کو نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب: کونٹیک لینس دوسرے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور نکالنے میں بھی دقت ہے اور یہ ایک زائد چیز بھی معلوم نہیں ہوتی لہٰذا نہیں نکالنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

اگر دانت منہ سے نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیئے جائیں غسل وکفن میں کوئی محذور نہیں، مال کی حرمت سے میت کی حرمت زیادہ ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/۲۴۰)

شامی میں ہے:

وإن كان حرمة الآدمي أعلى من صيانة المال لكنه زال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لوسقط في جوفه بلا تعدلايشق اتفاقًا. والله اعلم. (شامی: ۲/۲۳۸، سعید)

میت دوبارہ زندہ ہوجائے تو جائداد واپس لینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہوگیا تو وہ اپنی جائداد واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہوجائے تو جو جائداد ورثاء کے پاس باقی ہے وہ اس کو ملجائیگی اور جو باقی نہیں ہے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لكن لوعادحيًا بعد الحكم بموت أقرانه قال ط: الظاهر أنه كالميت إذا حيي والمرتد إذا أسلم، فالباقي في يد ورثته له ولايطالب بماذهب.

(شامي: ٤/٢٩٧ كتاب المفقود، سعيد۔ وكذافي الطحطاوي على الدرالمختار: ١/١٧٤، كوئته۔ والبزازية على هامش الهندية: ٦/٢٢٥)

شامی میں دوسری جگہ مذکور ہے:

قال ح: كأنه نظير الميت إذا أحياه الله تعالىٰ فإنه يأخذ مابقي من ماله في أيدي ورثته فيعطى له حكم الأحياء. والله اعلم. (شامي: ١/٣٦١، مطلب لوردت الشمس بعدغروبها، سعيد)

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم:

سوال: اگر کسی کی موت کا فیصلہ کیا گیا اور اس کی بیوی نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس کے واپس آنے کے بعد بیوی اس کو ملے گی یا موجودہ شوہر کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب: بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی اس کو واپس نہیں ملے گی زوجِ ثانی کے پاس رہے گی۔

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو ملے گی اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اصلاً اس کی بیوی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإن عاد زوجها بعد مضى المدة فهو أحق بها وإن تزوجت فلاسبيل له عليها.

(الفتاوى الهندية ۲/ ۳۰۰، كتاب المفقود)

شامی میں ہے:

لكن لو عاد حيًا بعد الحكم بموت أقرانه ثم بعد رقمه رأيت المرحوم أباالسعود نقله عن الشيخ شاهين ونقل أن زوجته له والأولاد للثاني، تأمل. والله اعلم.

(شامي: ٤/ ٢٩٧، كتاب المفقود، سعيد كمپني)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے:

سوال: کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ قادیانی اس کو ناممکن بتلاتے ہیں، اس مسئلہ میں ان کے استدلال کی کیا حقیقت ہے؟ اور صحیح مذہب کیا ہے؟

الجواب: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی صاحب نے حل القرآن میں اچھی تحقیق فرمائی ہے چنانچہ آیتِ کریمہ ﴿ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون﴾ سورة البقرة:الآية: کے تحت فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

اس مقام پر سمجھنا چاہئے کہ موت وحیات دونوں کی دو، دو قسمیں ہیں: ایک اصلی دوسری عارضی، موتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ کا ختم کرنا ہو، اور موتِ عارضی وہ ہے جس سے تکالیفِ شرعیہ کے ختم کرنے کے علاوہ کوئی اور مطلوب ہو، جیسے تنبیہ یا اظہارِ قدرت وغیرہ، اسی طرح حیاتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ ہوں، اور حیاتِ عارضی وہ ہے جس سے علاوہ تکالیفِ شرعیہ کے امرِ آخر مطلوب ہے، جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ موتِ اصلی کے بعد حیاتِ اصلی نہیں ہو سکتی، ہاں حیاتِ عارضی ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزوں سے مردے زندہ ہوتے تھے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کا ثبوت مطلوب تھا، اور عمل کے لئے ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجنا منظور نہ تھا، اسی لئے وہ پھر فوراً مر جاتے تھے اور موتِ عارضی کے بعد حیاتِ اصلی بھی ممکن ہے جیسا کہ آیاتِ زیرِ بحث میں اور دوسری آیات میں مذکور ہے، پس اس تقریر پر تمام آیتیں منطبق ہو گئیں، اور کسی آیت میں اس تحریف کی ضرورت نہ رہی جو قادیانی لوگ اپنی اباطیل کی ترویج کے لئے

کرتے ہیں، اور معلوم ہوگیا کہ ﴿وحرام علی قریة أهلكناها أنهم لايرجعون﴾ کے معنیٰ یہ نہیں ہے کہ جس کو ہم مار چکے ہیں، اسے ہم کبھی زندہ نہ کریں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی میعاد دنیا میں ختم ہوچکی ہے وہ دنیا میں دوبارہ عمل کے لئے واپس نہ ہوں گے۔ (حل القرآن:۱/۴۴)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (حل القرآن:۱/۱۲۳-۱۲۴)

نیز اس موضوع پر علامہ ابن ابی الدنیا نے مستقل رسالہ "من عاش بعدالموت" تحریر فرمایا ہے، جس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے کچھ واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔

ان میں چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج بسنده عن ثابت البنانی، عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عدت شابًا من الأنصار فماكان بأسرع من أن مات،فأغمضناه ومددناعليه الثوب فقال بعضنالأمه: احتسبيه، قالت: وقد مات؟ قلنا: نعم، قالت:أحق ما تقولون؟ قلنا: نعم، فمدت يديهاإلى السماء، وقالت: اللّٰهم إنی آمنت بك وهاجرت إلى رسولك فإذا أنزلت بی شدة شديدة دعوتك، ففرجتها، فاسئلك اللّٰهم لاتحمل على هذه المصيبة اليوم قال:فكشف الثوب عن وجهه فما برحنا أكلنا وأكل معنا. (من عاش بعدالموت: ص ۲)

(۲) وقصة زيدبن خارجة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وهی أنه توفی بين الظهروالعصرثم تكلم بعدالمغرب، و قال: كلمات فی شأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأوصى الناس بالخير. (من عاش بعدالموت:ص:٤)

(۳) عن ربعی بن حراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا إخوة ثلاثة وكان أعبدناوأصومناوأفضلنا الأوسط منا، فغبت غيبة إلى السواد، ثم قدمت على أهلی، فقالوا: أدرك أخاك فإنه فی الموت، فخرجت أسعى إليه فانتهيت وقد قضى وسجي بثوب، فقعدت عندرأسه أبكيه قال: فرفع يده، فكشف الثوب عن وجهه، وقال: السلام عليكم، قلت: أی أخی أحياة بعدالموت؟ قال: نعم، إلى لقيت ربی عزوجل فلقينی بروح وريحان ورب غيرغضبان فعجلوا جهازی، ثم طفئ فكان أسرع من حصاة لوالقيت فی الماء فبلغ ذلك عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فصدقته، وقالت: كنانسمع أن رجلًا من هذه الأمة سيتكلم بعدموته. (من عاش بعد الموت:ص:۹)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: واللہ اعلم۔

(رسالة "من عاش بعدالموت" لابن أبی الدنيا،ص ۲-۵۶،موقع جامع الحديث)

میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک کمپنی میں ملازم ہے اس کمپنی میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) ہے، یعنی جب اس کا یا اس کے اہل وعیال میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو وہ کمپنی اپنی طرف سے تجہیز وتکفین کا خرچہ دیتی ہے تو اس کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) پر جو رقم ملتی ہے وہ حکومت یا کمپنی کی طرف سے عطیہ اور ایک قسم کا تعاون ہے لہذا اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا درست ہے جس طرح پراویڈنٹ فنڈ بونس اور پینشن وغیرہ کی رقم لینا شرعاً درست ہے۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

جو رقم تنخواہ سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے..... بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ (کفایت المفتی:۸/۹۶، کتاب الربوا، دارالاشاعت)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

پینشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی: ۸/۹۷، کتاب الربوا، دارالاشاعت)

فصلِ دوم

میت کو غسل دینے کا بیان

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت قابلِ غسل نہیں مثلاً میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت اگر غسل کے قابل نہیں ہے تو اس پر پانی بہا دینا کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقط تیمّم کرا دیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان الميت متفسخًا يتعذر مسخه كفى صب الماء عليه.

(الفتاوى الهندية:الفصل الثانى فى غسل الميت:١/١٥٨)

البحر الرائق میں ہے:

فأما الخنثى المشكل المراهق إذا ماتت ففيه اختلاف والظاهر أنه ييمم وإذا ماتت المرأة فى السفر بين الرجال ييممها ذو رحم محرم منها وإن لم يكن لف الأجنبى على يديه خرقة ثم ييممها وإن كانت أمة ييممها الأجنبى بغير ثوب وكذا إذا مات رجل بين النساء تيممه ذات رحم محرم منه أو زوجته أو أمته بغير ثوب وغيرهن بثوب. والله اعلم.

(البحر الرائق:٢/١٧٤)

نجاست سے کفن ملوث ہو جائے تو دھونے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیا گیا بعد میں اس کے بدن سے خون بہنے لگا تو کفن بدلنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: غسل دینے کے بعد کفن بھی پہنا دیا گیا پھر کوئی نجاست نکلے اور کفن ملوث ہو جائے تو کفن بدلنا اور دھونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله ولم يعد غسله لأن الغسل عرفناه بالنص وقد حصل مرة وكذا لا تجب إعادة وضوء ه لأن الخارج منه من قبل أو دبر أو غيره هما ليس بحدث لأن الموت حدث كالخارج فلما لم يؤثر الموت في الوضوء وهو موجود لم يؤثر الخارج. (البحر الرائق: ۱۷۳/۲، الماجدية)

فتاوی درمختار میں ہے:

ولا يعاد غسله ولا وضوء ه بالخارج منه لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية إلا أن المسلم يطهر بالغسل كرامة له وقد حصل، بحر وشرح ومجمع. والله اعلم. (الدر المختار مع الشامي: ۱۹۷/۲، سعيد)

مسلمان میت کو غیر مسلم کا غسل دینا:

سوال: میت مسلمان عورت ہے تو غیر مسلم عورت غسل دے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر مسلمان مرد کو غیر مسلم مرد غسل دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مسلمان شخص کی موجودگی میں کسی کافر نے غسل دیا تو مکروہ ہے لیکن اگر کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اور کافر غسل دے تو درست ہے البتہ خلافِ سنت ہوگا، اور بظاہر مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے مگر یہ کہ میت مسلمان مرد ہے اور صرف عورتیں ہیں تو وہ مسلمان عورتیں کسی کافر کو غسل سکھلا دیں پھر وہ کافر مسلمان کو غسل دے۔ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف.

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وليس للكافر غسل قريبه المسلم وفي الشامي: أي إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم بين نساء معهن كافر يعلمنه الغسل ثم يصلين عليه فتغسل الكافر المسلم فيه للضرورة فلا يدل على أنه يمكن من تجهيز قريبه المسلم عند عدمها خلافًا للزيلعي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، أفاده في البحر.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۱/۲، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۳۷۹/۱۔ والبحر الرائق: ۱۹۱/۲۔ والفتاوى الهندية: ۱۵۹/۱)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو لم يكن فيهن امرأته ولكن معهن رجل كافر علمنه غسل الميت ويخلين بينهما موفقة في الدين. (بدائع الصنائع: ۳۰۴/۱، سعيد)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل، غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلّف ہونا شرط نہیں ہے۔ **وأنه يسقط وإن لم يكن الغاسل مكلفًا.** (شامی: ۱/۸۰۵) مگر اس میں دو خرابیاں ہیں:

(۱) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابقِ سنت نہیں ہے۔

(۲) مسلم کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے لہٰذا مسلمانوں کے ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق دیا جانا ضروری ہے چاہے وہ ہسپتال میں ہو یا گھر میں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیہ: ۱/۳۷۳)

میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت بغیر غسل دئے دفن کیا گیا تو دوسرے دن اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دفن کرنے کے بعد فریضہ غسل ساقط ہوگیا لہٰذا مردہ کو زمین سے نہیں نکالا جائے گا۔

ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو دفنوه بعد الصلاة عليه ثم ذكروا أنهم لم يغسلوه فإن لم يهيلوا عليه التراب أخرجوه وغسلوه وصلوا عليه ثانيًا وإن أهالوا عليه التراب لم يخرجوه ويعيدون الصلاة عليه ثانيًا على القبر استحسانًا لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل. (الجوهرة النيرة: ۱/۱۲۹، مكتبه امداديه)

البحر الرائق میں ہے:

فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش صلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد فإنه يخرج ويغسل ولو صلى عليه بلا غسل جهلًا مثلًا ولا يخرج إلا بالنبش تعاد لفساد الأولى. (البحر الرائق: ۲/۱۷۹، ۱۹۵، الماجدية)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

دفن بغير كفن أو قبل غسل أهيل عليه التراب أولا لا ينبش لأن الكفن والغسل مامور والنبش منهى والنهى راجح على الأمر.

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٤/٨٠ـ وكذا في الهندية: ١/١٦٣)

امدادالفتاوی میں ہے:

بے غسل وکفن اگر دفن ہوگیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ واللہ اعلم۔

(امدادالفتاوی: ۱/۴۸۶)

میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ:

سوال: جب مسلمان مرجائے تو غسل دیتے وقت لٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں احناف کے ہاں تین اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ جس طرف لٹانے میں سہولت وآسانی ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویوضع المیت کیف مااتفق علی الأصح قاله شمس الأئمة السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ، وقیل: إلی القبلة فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلاة إیماء. وفی القهستانی عن المحیط وغیره أنه السنة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۶۷،قدیمی کتب خانه)

درمختار میں ہے:

ویوضع کمامات کما تیسر فی الأصح علی سریر مجمر وترًا. وفی الشامی: قوله فی الأصح، وقیل یوضع إلی القبلة طویلاً وقیل: عرضًا کما فی قبره. واللہ اعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۹۵، باب صلاة الجنائز، سعید کمپنی۔ وشرح عنایة: ۱/۷۰)

خنثی مشکل کو غسل دینے کا حکم:

سوال: خنثی مشکل کو غسل کیسے دیا جائے گا؟

الجواب: خنثی مشکل اگر مراہق ہو تو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمّم کرادیا جائے اور اگر مراہق نہ ہو بلکہ چھوٹا بچہ ہو تو پھر مرد وعورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وكذا الخنثى المشكل ييمم في ظاهر الرواية وقيل يجعل في قميص لايمنع وصول الماء إليه ويجوز للرجل والمرأة تغسيل صبي وصبية لم يشتهيا لأنه ليس لأعضائهما حكم العورة.

(مراقي الفلاح ص ۲۱۱، باب احكام الجنائز، مكة المكرمة۔ وكذا في الشامي: ۲/۲۰۱، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والخنثى المشكل المراهق لايغسل رجلاً ولا امرأةً ولايغسلها رجل ولاامرأة ويييمم وراء الثوب. والله اعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۰، الفصل الثاني في الغسل)

فصلِ سوم

نمازِ جنازہ کا بیان

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو مسجد نمازِ پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہو اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، نیز ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر میت مسجد سے باہر ہو تو بھی مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے، ہاں ضرورت ہو تو گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له".

(رواه ابو داؤد: ۲/۹۸، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد، سعید۔ والبیهقی فی سننه الکبری: ٤/٥٢۔ وابن ابی شیبة: ٣/٢٤٢۔ وعبدالرزاق: ٣/٥٢٧/٦٥٧٩)

ہدایہ میں ہے:

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة لقول النبی صلی الله علیه وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجر له" ولأنه بنی لأداء المکتوبات ولأنه یحتمل تلویث المسجد وفیما إذا کان المیت خارج المسجد اختلف المشایخ.

(الهدایة: ۱/۱۸۱، فصل فی الصلاة علی المیت، شرکت علمیة)

فتح القدیر میں ہے:

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة فی الخلاصة: مکروه سواء کان المیت والقوم فی المسجد أو کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد. والله اعلم.

(فتح القدیر: ۲/۱۲۸، دار الفکر۔ وکذا فی الشامی: ۲/۲۲٤، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/۱۸٦، کوئته)

نمازِ جنازہ کا حقدار:

سوال: نمازِ جنازہ کا حقدار کون ہے؟

الجواب: شرعی خلیفہ اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہے اور امام نہ ہو یا اجازت دے تو ولی حقدار ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ: أن الإمام الأعظم وهو الخليفة أولى إن حضر وإن لم يحضر فإمام المصر فإن لم يحضر فالقاضی فإن لم يحضر فصاحب الشرط فإن لم يحضر فإمام الحی فإن لم يحضر فالأقرب من ذوی قرابته وبهذه الرواية أخذ كثير من مشايخنا رحمہم اللہ تعالیٰ. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۳، الفصل الخامس فی الصلاة علی الميت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويقدم الأقرب فالأقرب كترتيبهم فی النكاح ولكن يقدم الأب علی الابن فی قول الكل علی الصحيح لفضله وقال شيخ مشايخی العلامة نورالدين علی المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ: لتقديم الأب وجه حسن وهو أن المقصود الدعاء للميت ودعوته مستجابة روی أبوهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ثلاث دعوات مستجابات دعوة المظلوم ودعوة المسافر ودعوة الوالد لولده". والله اعلم.

رواه الطيالسی فی مسنده برقم: ۲۵۱۷۔ وابن ماجة فی الدعاء برقم ۳۸۶۲۔ (مراقی الفلاح مع الحاشية: ص ۲۱۵، باب احكام الجنائز، مكة المكرمة۔ وكذافی الشامی: ۲/۲۲۰۔ سعيد)

تکثیرِ جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں تعجیل مطلوب ومقصود ہے لہٰذا محض تکثیر جماعت کے لئے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلی عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة فالأفضل أن يعجل

بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحر، وظاهره أن الكراهة تنزيهية. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۱/ ۳۸۰، كوئته۔ والبحرالرائق: ۲/ ۱۹۱، كوئته۔ والشامی: ۲/ ۲۳۲، مطلب فی حمل الميت، سعيد)

خنثی مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: خنثی مشکل کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جائے، یعنی مذکر کی طرح یا مؤنث کی طرح؟

الجواب: خنثی مشکل اگر جوان ہو تو عام طور پر نمازِ جنازہ جس طرح پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائے کیونکہ مرد وعورت کی نمازِ جنازہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر بچہ ہو تو دونوں میں اختیار ہے، اگر مذکر کی دعاء پڑھی تو ضمیر میت کی طرف راجع ہوگی اور اگر مؤنث کی پڑھی تو بتاویل نفس ہو کر نفس کی طرف راجع ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وسننها أربع: الأولى قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكراً كان الميت أو أنثى لأن الصدر موضع القلب، وفيه نور الإيمان والرابعة من السنن الدعاء للميت ولنفسه ولأبويه ولجماعة المسلمين بعدالتكبيرة الثالثة، ولايتعين له أى: الدعاء، شيء سوى كونه بأمور الآخرة ولكن إن دعا بالمأثورعن النبى ﷺ فهو حسن وأبلغ لرجاء قبوله وفى حديث إبراهيم الأشهل عن أبيه كان رسول الله ﷺ إذا صلى على الجنازة قال: "اللّٰهمّ اغفر لحيّنا وميّتنا، وشاهدنا وغائبنا، وصغيرنا وكبيرنا، وذكرنا وأنثانا". رواه الترمذى والنسائى عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وزادفيه: "اللّٰهمّ من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان".

(امدادالفتاح: ص ۶۱۸، سنن الصلاة مطلب سنن الجنازة، بيروت)

مزید ملاحظہ ہو: (مراقی الفلاح: ص ۲۱۴، مكة المكرمة۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم ص ۵۱۹، نمازجنازه كا مفصل طريقه، المجددية)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب:

سوال: نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا خیال رکھنا مستحب ہے تو کیا طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے اگلی صف کو ناقص چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ سے ۳ عدد کا استحباب و اہتمام ثابت ہوتا ہے اگر چہ لوگ کم ہوں تین صفوف بنالی جائے، اور اگر لوگ زیادہ ہیں تو ۵، ۷ وغیرہ طاق عدد میں بنالی جائے، اور اگر ۴ صف بنتی ہو تو چوتھی کو ناقص رکھ کر پانچویں نہ بنائے کیونکہ استحباب وفضیلت تین میں حاصل ہوگئی۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن مرثد بن عبد الله اليزنى قال كا ن مالك بن هبيرة إذا صلى على جنازة فتقالّ الناس عليها جزاهم ثلاثة أجزاء ثم قال: قال رسول الله ﷺ من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب، وفى الباب عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا و أم حبيبة رضی اللہ تعالیٰ عنہا و أبى هريرة ﷺ وميمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبى ﷺ.

(رواه الترمذى: ۱/ ۲۰۰، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له، فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبى ﷺ قال: ما من ميت تصلى عليه أمة من المسلمين يبلغون مأة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه، كذا عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(رواه مسلم: ۱/ ۳۰۸، فيصل)

قال النووى رحمہ اللہ تعالیٰ: ويحتمل أن يكون النبى ﷺ أخبر بقبول شفاعة مأة فأخبر به ثم بقبول شفاعة أربعين ثم ثلا ثة صفوف وإن قل عددهم. (شرح المسلم: ۱/ ۳۰۸، فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبى ﷺ يقول ما من مسلم يموت فيقوم على جنازة أربعون رجلاً لايشركون بالله شيئًا إلا شفعوا فيه.

(رواه ابو داؤد: ۲/ ۴۵۲، باب فضل الصلاة على الجنائز و تشييعها، فيصل)

عون المعبود میں ہے:

والحديث عند أحمد ومسلم أيضًا وتقدم حديث مالك ين هبيرة مرفوعًا بلفظ "مامن ميت يموت فيصلى عليه ثلاثة صفوف من المسلمين" الحديث ثم ذكر كلام النووى.

(عون المعبود: ۸/ ۴۵۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا كان القوم سبعة قاموا ثلثة صفوف يتقدم واحد وثلاثة بعده، واثنان بعدهم وواحد

بعدهما كذا في التاتار خانية. (فتاوى الهندية: ١/١٦٤، الفصل الخامس في الصلاة على الجنائز)

شامی میں ہے:

ولهذا قال في المحيط: يستحب أن يصف ثلاثة صفوف، حتى لو كانوا سبعة يتقدم أحدهم للإمامة ويصف وراءه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. (شامي: ٢/٢١٤، سعيد)

النّتف فی الفتاوی میں ہے:

فأما القوم إذا قاموا على الجنازة ينبغي أن يقوموا ثلاثة صفوف وإن قلوا لأن ذلك أفضل، وقد جاءت الآثار بذلك. (النّتف في الفتاوى: ص ٨٢، مطلب الصلاة على الجنازة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف، ذكره في المحيط لقوله عليه السلام: "من صلى عليه ثلاثة صفوف غفر له". رواه أبو داؤد والترمذي والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم.

(شرح منية المصلي: ٥٨٨، سهيل. وكذا في الفقه الحنفي وأدلته: ١/٩/٣٠٩، دار الفكر)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ جنازہ میں طاق عدد کی صفوں کا لحاظ رکھا جائے یہی شرعاً مستحب ہے اس طاق عدد سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ٨/٥٩٨، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے تو کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور شراب پینے والے کو کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے پس بے نمازی، شرابی، سب کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، ہاں علماء مقتداء وغیرہ شرکت نہ کریں عبرت کے لئے تو مضائقہ نہیں نیز محض شراب پینے کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا درست نہیں، الا یہ کہ شراب کو حلال سمجھے۔

کنز العمال میں ہے:

قال النبي ﷺ صلوا خلف كل بر وفاجر وصلوا على كل بر وفاجر. والله اعلم.

(كنز العمال: ٦/٥٤)

نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں عورتوں کو جنازہ میں نہیں جانا چاہئے، البتہ اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے اور امامت کے وقت عورتوں کے درمیان کھڑی رہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا صلين النساء جماعة على جنازة قامت الإمامة وسطهن كما فى الصلاة المفروضة المعهودة. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ۱/۳۱٤، سعيد)

نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا:

سوال: نمازِ جنازہ میں امام میت کے سینہ کے پاس کھڑا رہے مذہبِ احناف میں اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شعبی، عطاء، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن جریج وغیرہ سب سے عند الصدر مروی ہے تو احناف نے ان روایات کے پیشِ نظر سینہ کے پاس قیام کو اصل وافضل قرار دیا اور سر یا پشت کے برابر کھڑے ہونے کو جواز پر محمول کیا۔

الاستذکار میں ہے:

عن أنس صلی اللہ علیہ وسلم أنه أتى جنازة رجل فقام عند رأس السرير وأتى جنازة امرأة فقام أسفل من ذلك عند الصدر فقال العلاء بن زياد يا أبا حمزة هكذا رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصنع؟ قال: نعم فأقبل عليه العلاء فقال: احفظوا. (رقم الحديث: ۱۱٤٦۸)

وقال الشعبى: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها. (رقم الحديث: ۱۱٤۷۱)

وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعطاء بن إبراهيم: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها ولم يفرقوا بين الرجل والمرأة. (الاستذكار لابن عبد البر: ۸/۲۸۰/۱۱٤۷٤)

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

لما روى عن غالب الخياط قال شهدت أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلى على جنازة فقام عند رأسه فلما رفعت أتى بجنازة امرأة فصلى عليها فقام وسطها وفينا العلاء ابن زياد العدوى فلما رأى اختلاف قيامه على الرجل والمرأة فقال ياأبا حمزة هكذا كان رسول الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ

يقوم من الرجل حيث قمت ومن المرأة حيث قمت؟ قال نعم. رواه أحمد وأبوداود والترمذى وحسنه وابن ماجة وفى لفظ رواه أحمد: قال أبوغالب صليت خلف أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ على جنازة فقام حيال صدره، وذكر الحديث. (رقم الحديث:١٠٨٦)

وفى الصحيحين عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم صلى على امرأة ماتت فى نفاسها فقام وسطها ونقل عنه حرب رأيته قام عند صدر المرأة.....

(شرح الزركشى على مختصر الخرقى:٢/٣٢٩/١٠٨٧)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن الثورى عن مغيرة عن إبراهيم قال:يقوم الإمام عند صدر الرجل و منكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥١)

عبد الرزاق عن معمر عن مغيرة عن إبراهيم قال:يقوم الإمام عند صدر الرجل ومنكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥٢)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال: حدثنى من أصدق عن الحسن أنه قال يقوم الرجل من المرأة إذا صلى عليها عند صدرها. (مصنف عبد الرزاق:٣/٤٦٨/٦٣٥٤،ادارة القرآن)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن قال يقام من المرأة حيال ثديها و من الرجل فوق ذلك. وعن أبى الحسن قال: كان عبد الله إذا صلى على الجنازة قام وسطها ويرفع من صدر المرأة شيئًا. وعن عطاء قال: إذا صلى الرجل على الجنازة قام عند الصدر. وعن إبراهيم قال: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها. والله اعلم.

(المصنف لا بن أبى شيبة: ٣/٣١٣،فى المرأة اين يقام منها فى الصلاة والرجل اين يقام منه،ادارة القرآن)

ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کی کیا تفصیل ہے؟ کیونکہ مختلف ممالک کے مسلمان یہاں رہتے ہیں تو رشتہ دار کی موت پر تماز کے لئے ہمیں کہا جاتا ہے، اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، البتہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے، لہٰذا کسی حنفی کو نمازِ جنازہ پڑھانا درست نہیں بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو

سمجھایا جائے اوران میں سے ہی ایک شخص امامت کرائے ہاں اگر کوئی حنفی مجبوری کی صورت میں دعا کی نیت سے اقتداء کرے تو درست ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

رأی الحنفية والمالكية: عدم جواز الصلاة على الغائب، وصلاة النبی ﷺ على النجاشی لغوية أوخصوصية، وتكون الصلاة حينئذٍ مكروهة. ورأی الشافعية الحنابلة: جواز الصلاة على الميت الغائب عن البلد وإن قربت المسافة ولم يكن فی جهة القبلة لكن المصلی يستقبل القبلة لما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "أن النبی ﷺ صلى على أصحمة النجاشی، فكبر أربعًا" وتتوقف الصلاة على الغائب عند الحنابلة بشهر كالصلاة على القبر لأنه لايعلم بقائه من غير تلاش أكثر من ذلك.

(الفقه الاسلامی وادلته: ۲/ ٥٠٤، الصلاة على الغائب، دار الفكر)

مذہبِ حنفیہ:

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فلا تصح على غائب وصلاة النبی ﷺ على النجاشی لغوية أوخصوصية. وفی الشامی: أو لأنه رفع سريره حتى رأه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء، فتح.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/ ۲۰۹، باب صلاة الجنازة، سعيد۔ وكذافی الفتاوی الهندية: ۱/ ١٦٤)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۴/ ۲۰۰۔ وفتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۷۲)۔

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ولايصلى على غائب أی يكره وأماصلاته عليه الصلاة والسلام وهوبالمدينة على النجاشی لمابلغ موته بالحبشة فذلك من خصوصياته، أوأن صلاته لم تكن على غائب لرفعه له ﷺ حتى رأه فتكون صلاته عليه كصلاة الإمام على ميت رأه ولم يكن يره المأمومون ولاخلاف فی جوازها. (حاشية الدسوقی: ۱/ ٦٦٩، احكام الجنائز، دار الفكر)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

تجوز الصلاه على الميت الغائب لماروى أبوهريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم نعى النجاشى لأصحابه وهوبالمدينة وصلى عليه وصلوا خلفه وإن كان الميت معه فى البلد لم يجز إن صلى عليه حتى يحضر عنده لأنه يمكنه الحضور من غير مشقة.

(شرح المهذب: ٥/ ٢٥٠، دارالفكر)

مذہبِ حنابلہ:

شرح کبیر میں ہے:

(مسئلة: ويصلىٰ على الغائب بالنية فإن كان فى أحدجانبى البلد لم تصح عليه بالنية فى أصح الوجهين) تجوز الصلاة على الغائب فى بلد آخربالنية بعيدًا كان البلد أوقريبًا، فيستقبل القبلة ويصلى عليه كصلا ته على الحاضر. والله اعلم.

(الشرح الكبير: ٢/ ٣٥٤، دارالكتب العلمية)۔

متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اگر متعدد جنازے اکھٹے پڑھادئے جائیں اوران میں مرد وعورت اور بچے شامل ہوں تو ان کو امام کے سامنے کس طرح رکھنا چاہئے؟

الجواب: افضل یہ ہے کہ ہرایک پر علیحدہ نماز پڑھی جائے، لیکن سب پرایک ساتھ بھی جائز ہے، اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک یہ ہے کہ ایک میت امام کے سامنے رکھی جائے، اس کے پاؤں کی طرف دوسری کا سراوراسکے پاؤں کی طرف تیسری کا سر (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جومیت امام کے سامنے ہے اس سے قبلہ کی طرف دوسری اوراس سے قبلہ کی طرف تیسری، سب کا سینہ امام کے سامنے ہو، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پہلی میت کے قبلہ کی طرف دوسری میت اس طرح رکھی جائے کہ پہلی کے کندھوں کے برابر دوسری کا سر ہواسی طرح دوسری کے کندھوں کے برابر تیسری کا سر ہو، تینوں صورتوں میں امام کے قریب مرد کی میت ہو پھر لڑکا پھر عورت۔

(احسن الفتاوی: ٤/ ٢٠٨۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ص ٥٢٣، المجددية)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پہلی صورت: سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر عورت کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر نابالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل کے پاس کھڑا ہو

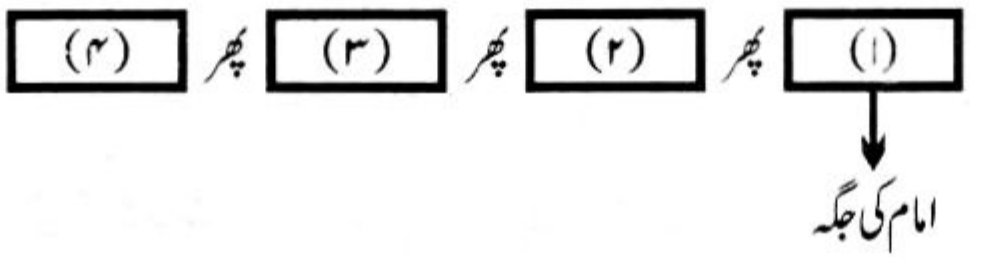
دوسری صورت: سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگر اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اور اس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔

تیسری صورت: یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح)۔

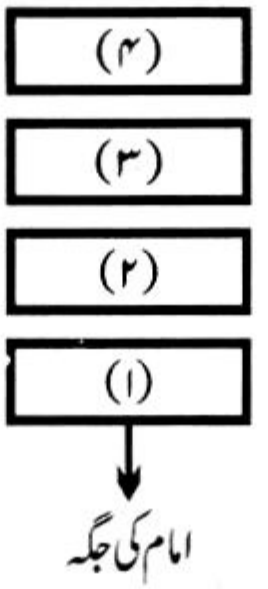
(فتاوی رحیمیہ: ۵ / ۱۰۰، رحیمیہ)

تینوں صورتیں نقشۂ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

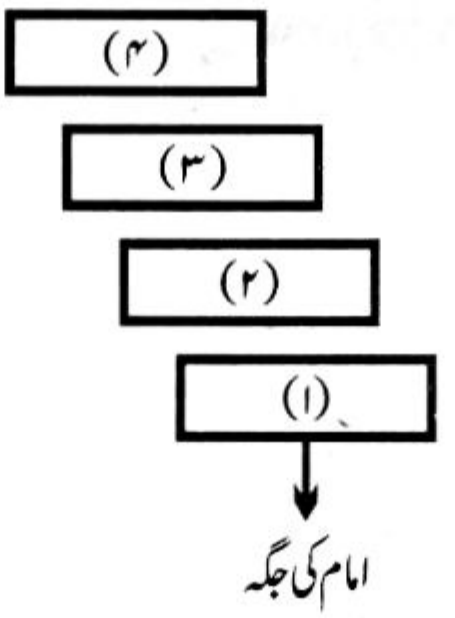
پہلی صورت:



دوسری صورت: یہ افضل ہے۔



تیسری صورت:



ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإذا اجتمعت الجنائز فأفرد الصلاة على كل واحدة أولىٰ من الجمع وتقديم الأفضل أفضل وإن اجتمع جاز، ثم إن شاء جعل الجنائز صفًا واحدًا وقام عند أفضلهم، وإن شاء جعلها صفًا واحدًا مما يلى القبلة واحدًا خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلى الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجًا فحسن لحصول المقصود وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحياة، فيقرب منه الأفضل فالأفضل الرجل مما يليه، فالصبى، فالخنثى فالبالغة فالمراهقة، والصبى الحر يقدم على العبد، والعبد على المرأة. وفى الشامى: قوله وإن جمع جاز أى بأن صلى على الكل صلاة واحدة، قوله صفًا واحدًا أى كما يصطفون فى حال حياتهم عند الصلاة بدائع: أى بأن يكون رأس كل عند رجل الآخر فيكون الصف على عرض القبلة، (قوله وإن شاء جعلها صفًا واحدًا) ذكر فى البدائع التخيير بين هذا والذى قبله، ثم قال هذا جواب ظاهر الرواية. وروى عن أبى حنيفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فى غير رواية الأصول أن الثانى أولىٰ لأن السنة هى قيام الإمام بحذاء الميت، وهو يحصل فى الثانى دون الأول. والله اعلم.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۱۹، سعيد۔ وكذا فى البحر الرائق: ۲/۱۸۸، كوئته۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۶۵۔ وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۵۹۳، قديمى)

ثناء میں ''وجلّ ثناؤک'' پڑھنے کا حکم:

سوال: ثناء میں "وجلّ ثناؤك" پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا نمازِ جنازہ میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قال: اللّٰهمّ كن لى جارًا من شرهم جلّ ثناؤك وعز جارك وتبارك اسمك ولا إله غيرك. (مصنفِ ابن ابى شيبة: ۱۰/۲۰۳، كتاب الدعاء)

الفردوس میں ہے.

ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ إن من أحب الكلام إلى الله عز وجلّ أن يقول العبد: "سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك وجلّ ثناؤك ولا إله غيرك.

(الفردوس بمأثور الخطاب للديلمى: ۱/۲۱۴)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن زاد فی دعاء الاستفتاح بعدقوله وتعالیٰ جدك وجلّ ثناؤك لایمنع من زیادته وإن سکت عنه لایؤمربه لأنه لمریذکرفی الأحادیث المشهورة وقدروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ من قوله فی حدیث ذکره ابن أبی شیبة وابن مردویه فی کتاب الدعاء ورواه الحافظ ابن شجاع فی کتاب الفردوس عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن من أحب الکلام إلی اللّٰه عزوجل.....

(شرح منیة المصلی:ص ۳۰۲،سهیل اکیڈمی)

طحطاوی میں ہے:

قال فی سکب الأنهر: والأولیٰ ترك وجلّ ثناؤك إلا فی صلاة الجنازة.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۵۸٤،فصل الصلاة علی المیت،قدیمی کتب خانه)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اورثناء وہی ہے جواورنمازوں میں پڑھتے ہیں اس میں "وتعالیٰ جدك" کے بعد "وجل ثناؤك" زیادہ کرنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدة الفقه: کتاب الصلاة حصه دوم: ص ۵۱۹،نمازِ جنازه کامفصل طریقه)

نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے درود میں "کماصلیت وسلمت وبارکت ورحمت" کا اضافہ درست ہے یانہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں بھی درودِ ابراہیم جوعام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے وہی افضل اور بہتر ہے، البتہ کچھ اضافہ کردیا جائے تب بھی درست ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کمافی التشهد. وفی الشامی: أی المراد الصلاة الإبراهیمیة التی یأتی بها المصلی فی قعدة التشهد. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۲۱۲،سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله کما فی التشهد بأن یذکر الصلاة والبرکة والرحمة مع زیادة السیادة ندبًا وتکرار إنك حمید مجید وفی القهستانی عن الجلابی: یصلی بمایحضره، واتباع

المسنون أولٰی. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۷۳، کوئٹہ۔ وکذافی فتح القدیر: ۲/۱۲۲، دارالفکر۔ ومجمع الانہر: ۱/۱۸۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۵۶۲، مبوب ومرتب)

نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت:

سوال: نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ بعض لوگ صرف ایک جانب سلام پھیرتے ہیں۔

الجواب: مذہب احناف کے مطابق دونوں جانب پھیرنا چاہئے، احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن إبراهيم الهجری قال: أمنا عبد الله بن أبی أوفٰی علی جنازة ابنته فكبر أربعًا فمكث ساعة حتی ظننا أنه سيكبر خمسًا ثم سلم عن يمينه وعن شماله فلماانصرف قلنا له ماهذا؟ قال: إنی لاأزيدكم علی مارأيت رسول الله ﷺ يصنع أوهكذاصنع رسول الله ﷺ ثم ركب دابته وقال للغلام: أين أنا قال: أمام الجنازة قال: ألم أنهك وكان قد كف يعنی بصره. وفی رواية له عن علقمة والأسود عن عبد الله قال: ثلاث خلال كان رسول الله ﷺ يفعلهن تركهن الناس إحداهن التسليم علی الجنازة مثل التسليم فی الصلاة.

(السنن الکبری للبیہقی: ۴/۴۳، کتاب الجنائز، باب من قال یسلم عن یمینه وعن شماله، بیروت)

اعلاء السنن میں ہے:

عن عبد الله بن أبی أوفی رضی الله تعالیٰ عنه "أنه كبر علی جنازة ابنة له أربع تكبيرات الخ، رواه البيهقی فی السنن الكبری، قال الحاكم أبو عبدالله: هذاحديث صحيح، كذا فی الأذكار للإمام النووی.

(اعلاء السنن: ۸/۲۶۲/۲۲۳۰، کیفیة صلاة الجنازة، ادارة القرآن کراچی۔ ورواه الطبرانی فی الکبیر: ۱۰/۸۲)

دوسری جگہ مذکورہ ہے:

قال المؤلف رحمه الله تعالیٰ: وفی التلخيص: وروی البيهقی عن عبدالله التسليم علی الجنازة كالتسليم فی الصلاة، وسكت عنه الحافظ، فهو حسن أو صحيح، كماذكرناه قبل ودلالته علی الباب ظاهرة. (اعلاء السنن: ۸/۲۶۱، کیفیة صلاة الجنازة، ادارة القرآن کراچی)

وذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد وقال: رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله ثقات

(مجمع الزوائد:۳/۳٤،باب الصلاة على الجنازة،دارالفكر)

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۳، فصل فى بيان كيفية الصلاة على الجنازة، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱٦٤، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاه حصه دوم: ص ۵۲۰، المجددية)۔ **واللہ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول نہیں ہے بلکہ اجتماعی جہری دعا کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

كره أن يقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاة ويدعو للميت ويرفع صوته.

(الفتاوى الهندية:۵/۳۱۹،الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح.....)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فقہاء نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہوکر اجتماعی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاوی میں اس کو منع کیا ہے۔ **لايقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة. والله اعلم.** خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۵، الفصل الخامس العشرون فى الجنائز، رشيديه۔

(فتاوی محمودیہ:۸/۷۱۰،مبوب ومرتب)

جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت:

سوال: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی کوئی فضیلت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے پر چالیس سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من حمل جوانب السرير الأربع كفر اللّٰه عنه أربعين كبيرة. رواه الطبرانی فی الأوسط: (۱۳/۱۶۰/۶۰۸۲)، وفيه علی بن أبی سارة وهو ضعيف۔ (مجمع الزوائد: ۳/۲۶، باب حمل السرير، دارالفكر)

مراقی الفلاح میں ہے:

وينبغی لكل واحد حملها أربعين خطوة يبدأ الحامل بمقدمها الأيمن فيضعه علی يمينه أی علی عاتقه الأيمن ويمينها أی الجنازة ماكان جهة يسار الحامل لأن الميت يلقی علی ظهره ثم يضع مؤخرها الأيمن عليه أی علی عاتقه الأيمن ثم مقدمها الأيسر علی يساره أی علی عاتقه الأيسر ثم يختم الجانب الأيسر يحملها عليه أی علی عاتقه الأيسر فيكون من كل جانب عشر خطوات لقوله ﷺ: من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة.

(مراقی الفلاح: ص ۲۱۹، باب احكام الجنائز، مكة المكرمة)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح النقاية: ۱/۳۲۵۔ والدر المختار مع الشامی: ۲/۲۳۱، سعيد)۔ **واللہ اعلم۔**

فصلِ چہارم

دفن کرنے کا بیان

کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم:

سوال: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کے وارثوں کی تعزیت کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

(۱) ﴿ولاتصل على أحد منهم مات أبدًا ولاتقم على قبره﴾. (سورة التوبة:٨٤)

(۲) ﴿ماكان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾. (سورة التوبة:١١٣)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولاتصل: المراد بالصلاة الدعاء والستغفار للميت فيشتمل صلاة الجنازة أيضًا لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار مات أبدًا ولاتقم على قبره للدفن أوللزيارة.

(تفسیر مظہری: ٤/٢٧٦)

معارف القرآن میں ہے:

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز واکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس کے منائی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایتِ طریقِ مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے۔

(معارف القرآن:۴/ ۴۳۷،سورۂ توبہ:۸۴،بحوالہ بیان القرآن)

فتاوی شامی میں ہے:

وفى النوادر جار يهودى أومجوسى مات ابن له أوقريب ينبغى أن يعزيه،ويقول أخلف الله

عليك خيرًا منه، وأصلحك وكان معناه أصلحك الله بالإسلام يعنى رزقك الإسلام ورزقك ولدًا مسلمًا كفاية. (فتاوى الشامى: ٦/٣٨٨، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع، سعيد۔ والفتاوى الهندية: الباب الرابع عشر فى اهل الذمة۔ وتبيين الحقائق: فصل فى البيع)

امداد المفتین میں ہے:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مرجائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بہتر بدلا عطا فرمائے، لیکن کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ مستحقِ اہانت ہے نہ کہ مستحقِ تعظیم، نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ کافر شفاعت کا اہل نہیں ہے۔

(امدادالمفتین: اول ودوم: ص ٣٦٦، امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، تعزیت کرسکتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ٤/٢٣٣)

الغرض مصلحت کی وجہ سے جاسکتا ہے دعائے مغفرت کے لئے نہیں جاسکتا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاکر باپ کی لاش کو دفن کردو۔

ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقال أبوداود الطيالسى: حدثناشعبة،عن أبى إسحاق سمعت ناجية بن كعب يقول: سمعت عليًا رضى الله تعالى عنه يقول: لما توفى أبى أتيت رسول الله رضى الله تعالى عنه فقلت: إن عمك قد توفى فقال: "اذهب فواره" فقلت: إنه مات مشركًا، فقال: "اذهب فواره ولاتحدثن شيئًا حتى تأتى" ففعلت فأتيته،فأمرنى أن أغتسل. ورواه النسائى،عن محمد بن المثنى، عن غندر، عن شعبة. ورواه أبوداود والنسائى من حديث سفيان، عن أبى إسحاق، عن ناجية، عن على رضى الله تعالى عنه والله اعلم.

(البداية والنهاية:٣/١٣٦، فصل وفاة أبى طالب عم رسول الله س، بيروت)

میت کو صندوق میں بند کرکے دفن کرنے کا حکم:

سوال: میت کو صندوق میں بند کرکے دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت کو صندوق میں بند کرکے دفن کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، اور اس وقت مناسب یہ

ہے کہ نیچے مٹی بچھادی جائے اوراوپر والے حصہ کو بھی مٹی سے لیپ دیا جائے اور دونوں طرف کچی اینٹیں رکھدی جائے تاکہ لحد کی طرح ہوجائے۔اورضرورت کے بغیر میت کوصندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

ولابأس باتخاذ تابوت أی یرخص ذلك عندالحاجة وإلاکره کما قدمناه آنفًا قال فی الحلیة:نقل غیرواحد من الإمام ابن الفضل أنه جوزه فی أراضیهم لرخاوتها وقال: لکن ینبغی أن یفرش فیه التراب وتطین الطبقة العلیا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علی یمین المیت ویساره لیصیربمنزلة اللحد. (الشامی:۲/۲۳۴،مطلب فی دفن المیت،سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله ولابأس باتخاذ التابوت ولومن حدید ویکون من رأس المال إذاکانت الأرض رخوة، أوندیة، ویکره التابوت فی غیرها باجماع العلماء. والله اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۶۰۸، فصل فی حملها ودفنها، قدیمی۔ وکذافی بدائع الصنائع: ۱/۳۱۸، سعید۔ والبحرالرائق: ۲/۱۹۴۔ وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۸۱)

کسی میت کواس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے رشتہ دار کوکسی دوسرے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرتے ہیں یہ صحیح ہے یانہیں؟

الجواب: اگر غالب گمان ہے کہ میت بوسیدہ ہوکر خاک ہوگئی ہوگی تواس وقت دوسری میت کواس میں دفن کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

قال فی الفتح ولایحفرقبرلدفن آخرإلاان بلی الأول فلم یبق له عظم إلاأن لایوجد فتضم عظام الأول ویجعل بینهماحاجزمن تراب وقال الزیلعی: ولوبلی المیت وصار ترابًاجازدفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه قلت: فالأولی إناطة الجوازبالبلا إذ لایمکن أن یعد لکل میت قبرلایدفن فیه غیره وإن صارالأول ترابًا لاسیمافی الأمصار الکبیرة الجامعة. (شامی: ۲/۲۳۳،مطلب فی دفن المیت،سعید۔ وکذافی فتح القدیر:۲/۱۴۱،دارالفکر۔ والبحرالرائق: ۲/۱۹۵۔ وفتاوی الهندیة: ۱/۱۹۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کس قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوالِ علماء یہ لکھا ہے:

فالأولیٰ إناطة الجواز بالبلا إذلایمکن أن یعدلکل میت قبر لایدفن فیه غیره. والله اعلم.

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/۳۸۵، مسائل دفن مدلل مکمل، دارالاشاعت)

شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے:

سوال: شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ اس کے محارم موجود ہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ محارم عورت کو قبر میں اتارے ہاں شوہر اتارنے میں مدد کرے تو درست ہے ورنہ بلا حائل چھونا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إلیهاعلی الأصح منیة. وفی الشامی: قوله لا من النظر إلیها علی الأصح عزاه فی المنح إلی القنیة، نقل عن الخانیة أنه إذا کان للمرأة محرم یمسها بیده وأما الأجنبی فبخرقة علی یده ویغض بصره عن ذراعها وکذا الرجل فی امرأته إلا فی غض البصر، ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز شبهة الاخلاف والله أعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۹۸، باب صلاة الجنازة، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة، وکذا ذوالرحم غیر المحرم أولیٰ من الأجنبی فإن لم یکن فلابأس للأجانب وضعها کذا فی البحر الرائق. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۶، الفصل السادس فی القبر والدفن۔ والبحرالرائق ۲/۱۹۳، کوئٹه)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۴/۲۱۵)

حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے تو بچہ کا حکم:

سوال: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے اور بچہ بھی اندر مرا ہو تو کیا بچہ کو نکال کر الگ سے دفنایا جائے گا یا نہیں؟ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں یہ کام کس طرح سرانجام دیا جائے جب کہ وہاں ڈاکٹر اور ہسپتال نہیں ہے؟

الجواب: اگر بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ ہے اور ماں کا انتقال ہوگیا تو اس بچہ کو نکال سکتے ہیں، اور اس میں دایہ وغیرہ سے مدد لے سکتے ہیں جس طرح ولادت کے وقت مدد کرتی ہے، اور اگر بچہ زندہ نہیں ہے تو اس کو نہیں نکال سکتے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج لو ميتًا وإلا لا كما في كراهة الاختيار (قوله ولو بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية قوله قطع أي بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته (قوله لو ميتًا لا وجه له بعد قوله ولو بالعكس قوله وإلا لأي ولو كان حيًا لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۲۳۸، سعيد)۔ واللہ اعلم۔

سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت:

سوال: قبر میں دفن کرتے وقت مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت حدیث میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى على جنازة ثم أتى قبر الميت فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثًا. (سنن ابن ماجه: ۱۱۲، باب ماجاء في حثو التراب في القبر وقال السيوطي في مصباح الزجاجة هذا اسناد صحيح رجاله ثقات)

نیز ملاحظہ ہو: (المعجم الأوسط للطبراني: ۵/۶۵۔ وسنن الدارقطني: ۳/۴۴۰، باب حي التراب على الميت)۔ **واللہ اعلم۔**

سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر سیلاب کی زد میں آگئی اور میت کے بہہ جانے کا خطرہ ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: پانی کے غلبہ سے میت کے منتقل کرنے میں اختلاف ہے قرینِ قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر گمان غالب کے موافق صاحبِ قبر کا جسد صحیح سالم ہے تو اس کو منتقل کرنے میں حرج نہیں جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کو احد میں منتقل کیا تھا کیوں کہ شہداء کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور اگر ایسا نہ ہو تو منتقل نہ کیا جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إذا غلب الماء على القبر فقيل: يجوز تحويله لما روى أن صالح بن عبيد الله رؤى في المنام وهو يقول حولوني عن قبري فقد آذاني الماء ثلاثًا فنظروا فإذا شقه الذي يلي الماء قد أصابه الماء فأفتى ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتحويله وقال الفقيه أبو جعفر: يجوز ذلك أيضًا ثم رجع ومنع. والله أعلم۔ (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٦١٥، قديمي)

قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے گرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو مستحکم بنانے کے لئے قبر کے اردگرد اینٹیں وغیرہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قبر درمیان میں کچی رہے اور اردگرد گرنے کے اندیشہ سے اینٹیں رکھدی جائے تو درست ہے، ورنہ نفسِ قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبر وأن يقعد وأن يبنى عليه.

(رواه مسلم: ١/٣١٢۔ والترمذي: ١/٢٠٣)

احسن الفتاوی میں ہے:

قبر پر ہر قسم کی بناء بغرضِ زینت حرام ہے اور بغرضِ استحکام مکروہِ تحریمی ہے گناہ میں مکروہِ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے چار دیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ بلکہ اصل مٹی سے زائد مٹی ڈالنا بھی بناء میں داخل ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۱۸۹)

کفایت المفتی میں ہے:

قبر کو چار طرف سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے جسم کے محاذ میں نیچے سے اوپر تک کچی رہے مباح ہے یعنی میت کا جسم چاروں طرف سے مٹی کے اندر رہے پرے پختہ ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی ۴/۵۰، فصل چہارم قبر و دفن، دار الاشاعت)

دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو قبر میں دفن کیا اور اس قبر میں اس کی رقم گر گئی تو کیا قبر کھود کر نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قبر کھود کر نکالنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولو بقی فیه متاع لإنسان فلابأس بالنبش، ظهيرية.

(شامی ۲/۲۳۶، مطلب فی دفن المیت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن وقع فی القبر متاع فعلم بذلك بعد ماأهالوا عليه التراب ينبش كذا فی فتاوی قاضيخان، قالوا ولو كان المال درهمًا كذا فی البحر الرائق. والله اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۷، فصل فی القبر والدفن)

ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے اندر کسی مردے کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں تو اس میں دوسرے مردہ کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: میت کو دفن کرنے کے لئے کسی دوسرے مردے کی قبر کو نہیں کھودا جائے گا، اگر کھدائی کے وقت قبر میں کچھ ہڈیاں ظاہر ہوں تو ان کو ایک طرف کر کے دوسری میت کو دفن کرنے کی گنجائش ہے دوسری علیحدہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلی الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب قال فی الإمداد: ويخالفه مافی التاترخانية: إذا

صار المیت ترابًا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ، لأن الحرمة باقیة، وإن جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکًا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذلك، قلت: لکن فی هذا مشقة عظیمة فالأولیٰ إناطة الجواز بالبلا إذ لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیرہ وإن صار الأول ترابًا لاسیما فی الأمصار الکبیرة الجامعة وإلا لزم أن تعم القبور السهل والوعر علی أن المنع من الحفر إلی أن لایبقی عظم عسر جدًا وإن أمکن ذلك لبعض الناس، لکن الکلام فی جعله حکمًا عامًا لکل أحد فتأمل.

(شامی: ۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید۔ وکذا فی فتح القدیر: ۲/۱۴۱، دارالفکر۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۷۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۵)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۹/۹۷، مبوب ومرتب)

تلقین بعد الدفن کا حکم:

سوال: مذہب احناف کے مطابق تلقین بعد الدفن کا کیا حکم ہے:

الجواب: مذہب احناف میں ظاہر الروایۃ کے مطابق دفن کرنے کے بعد تلقین نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولایلقن بعد تلحیدہ ذکر فی المعراج أنه ظاهر الروایة.

(شامی: ۲/۱۹۱، مطلب فی التلقین بعد الموت، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وأما التلقین بعد الموت فلایلقن عندنا فی ظاهر الروایة کذا فی العینی شرح الهدایة ومعراج الدرایة. واللہ اعلم.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۷، الفصل الاول فی المحتضر۔ وکذا فی فتح القدیر: ۲/۶۸، دارالفکر۔ وکفایة: ۲/۶۸۔ والفتاوی اللکنوی: ص۸۰۵، بیروت)

دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو تحریر کیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے اور شکوک دور ہوجائیں۔

الجواب: میت کو دفن کرنے کے بعد لوگوں کے رخصت ہونے سے پہلے دعا کا ثبوت ابوداود شریف کی روایت میں موجود ہے، اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اجتماعی تھی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل.

(رواه ابو داود: ۲/۱۰۳، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، سعيد)

بذل المجہود میں اس کے عنوان کی تشریح یوں ہے: **"باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف أي الرجوع عن دفنه.** (بذل المجهود: ٤/٢١٦)

فتح الباری میں ہے:

في حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في قبر عبدالله ذي البجادين، الحديث وفيه "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعًا يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه.

(فتح الباری: ١١/١٤٤، باب الدعاء مستقبل القبلة، دار نشر الكتب، لاهور)

درمختار میں ہے:

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثًا، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه. وفي الشامي: وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها.

(الدر المختار مع الشامي: ٢/٢٣٧، مطلب في دفن الميت، سعيد)

کفایت المفتی میں یہ مسئلہ وضاحت سے مذکور ہے:

سوال: في سنن أبي داود كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره..... الخ، مرقومہ بالا حدیث سے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادی فرادی؟

جواب: ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے

تھے، کیوں کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر وتوقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت ومغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم کرتے تھے الخ۔

(کفایت المفتی: ٤/ ٧١، فصل هفتم، دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ ۹/ ۱۴۸، مبوب ومرتب۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۴۰۰، مدلل ومکمل دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم:

سوال: قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کرے یا قبر کی طرف متوجہ ہو؟

الجواب: قبرستان میں اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو استقبالِ قبلہ کرے تاکہ شرک کا وہم نہ رہے اور اگر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرتا ہے تو قبر کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت ويقول السلام عليكم وإذا أراد الدعاء يقول مستقبل القبلة كذا في خزانة الروايات.

(الفتاوى الهندية ٥/ ٣٥٠، الباب السادس عشر في زيارة القبور)

شامی میں ہے:

قال في الفتح والسنة زيارتها قائمًا والدعاء عندها قائمًا كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول السلام عليكم ومن آدابها أن يسلم بلفظ السلام عليكم على الصحيح ثم يدعو قائمًا طويلاً. (شامي: ٢/ ٢٤٢، مطلب في زيارة القبور، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی حضرت نبی اکرم ﷺ نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہے تو آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے۔ **وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبدالله ذي البجادين الحديث فيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبو عوانة في صحيحه.** (فتح الباري شرح بخاري شريف: ١١/ ١٤٤۔ وشرح صحيح مسلم شريف للنووي: كتاب الجنائز فصل في الذهاب الى زيارة القبور: ١/ ٣١٣) **والله اعلم.**

(فتاوی محمودیہ: ٩/ ١٤٧، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوی: ٤/ ٢١٢)

کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: قبر یا کسی شخص کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی بچہ یا کوئی شخص مجمع کے سامنے تلاوت کر رہا ہو تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے اس طرح کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو اور کوئی قبر وغیرہ سامنے نہ ہو تو قرآنِ کریم کے احترام میں بطریقِ اولیٰ جائز ہے، اس میں سامعین کی تعظیم نہیں بلکہ قرآنِ کریم کا احترام مطلوب ہے، ہاں کسی شخص کے سامنے اس طرح کھڑے رہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے جیسے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زیارۃ القبور کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر کے علاوہ خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو ارشاد الساری میں ہے:

ثم توجه بالقلب مع رعاية غاية الأدب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعًا خاضعًا خاشعًا مع الذلة والانكسار والخشية والوقار أى السكينة واضعًا يمينه على شماله أى تأدبًا فى حال إجلاله مستقبلاً لوجه الكريم.

(ارشاد الساری الی مناسك الملاعلی القاری: ص ۵۵۸، فصل ولو توجه إلى الزيارة، بيروت)

شفاء السقام میں ہے:

وقال القاضى عياض فى الشفاء: قال بعضهم: رأيت أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أتى قبر النبى ﷺ فوقف فرفع يديه حتى ظننت أنه افتتح الصلاة فسلم على النبى ﷺ ثم انصرف. (شفاء السقام: ص ۷۳)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سعایہ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

قلت: الحق الحقيق بالقبول هو أنه لا بأس بهذه الهيأة عند زيارة قبر النبى ﷺ بل هو الأولىٰ للمتأدب وأما عند زيارة قبر غيره فهو خلاف الأولىٰ خصوصًا عند زيارة قبر العوام فاحفظه فإنه تنبيه مهم قل من ذكره.

(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ۲/۱۵۹، ۱۶۰، باب صفة الصلاة، سهيل اكيڈمی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''ودر وقتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ووقوفِ درآں جناب باعظمت دستِ راست بردستِ چپ نہند، چنانچہ درحالتِ نماز کنند، کرمانی کہ ازعلمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ است'' (جذب القلوب ص۲۱۷) لہٰذا اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ:۳/۱۲۰، مبوب ومرتب)

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم:

سوال: حکومت نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی اس میں عیسائی کی ایک قبر ہے، باقی زمین بالکل خالی ہے جو بہت بڑی ہے اب اس ایک قبر کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں غیر مسلم کی قبر کو اکھاڑا نہیں جائے گا بلکہ دیوار کے ذریعہ احاطہ کرلیا جائے گا، چنانچہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان کے درمیان دیوار کا احاطہ ہوتا ہے اور اسی کو حائل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ایک قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرتے وقت مٹی سے آڑ بنانے سے عندالضرورۃ دو قبروں کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہٰذا درمیان میں دیوار لگانے سے علیحدگی ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی الواقعات عظام الیهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم کحرمة عظام المسلمین حتی لاتکسر. (البحر الرائق:۲/۱۹۵، کوئٹه)

مراقی الفلاح میں ہے:

ولابأس بدفن أکثرمن واحد فی قبرواحد للضرورة قاله قاضیخان،ویحجزبین کل اثنین بالتراب هکذا أمررسول الله ﷺ فی بعض الغزوات. وفی الطحطاوی قوله:ویحجزبین کل اثنین بالتراب ندبًا إن أمکن کما فی ابن أمیرحاج لیکون فی حکم قبرین کمافی العینی علی البخاری. (حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح:۶۱۲، فصل فی حملهاودفنها،قدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

ویجعل بین کل میتین حاجزًا من التراب لیصیرفی حکم قبرین هکذا أمرالنبی ﷺ فی شهداء أحد. (البحرالرائق:۲/۱۹۴، کوئٹه)

نیز فقہاء نے ''احیاء الموات'' کے تحت فرمایا ہیں کہ حد بندی سے بھی زمین الگ ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

والتحجير للإعلام سمى به لأنهم كانوا يعلمونه بوضع الأحجار أو يعلمونه لحجر غيرهم عن إحياء ه، ثم التحجير قد يكون بغير الحجر بأن غرز حولها أغصانًا يابسة أو نقى الأرض وأحرق ما فيها من الشوك وخضد ما فيها من الحشيش أو الشوك و جعلها حولها وجعل التراب عليها. والله اعلم. (هدايه ٤/٤٧٩)

میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم:

سوال: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھی جاتی ہیں یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالی جاتی ہیں بعض جگہ اس کا دستور ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں آیاتِ قرآنی کی توہین ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالنا از روئے شرع درست نہیں اس میں آیاتِ قرآنیہ کی اہانت ہے۔

ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: قد تعارف فى بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوبًا مكتوبًا فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟

الاستبشار: هو استهانة بالقرآن لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله، كذا فى نصاب الاحتساب فى باب الاحتساب على من يحضر للتعزية فى الأيام المعهودة فى المقابر.

قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التى فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع.

(نفع المفتى والسائل: ص ٤٠٣، ما يتعلق بتعظيم اسم الله الخ، بيروت)

شامی میں ہے:

وقد أفتى ابن صلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفًا من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع لأن القصد ثم التمييز وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها فلا يجوز تعريضًا للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود، لأن

مثل ذلك لايحتج به إلا إذا صح عن النبى ﷺ طلب ذلك وليس كذلك. وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت، فتأمل.

(شامی:۲/۲۴۶،مطلب فیما یکتب علی کفن المیت،سعید)

نیز آیاتِ قرآنیہ والی چادریں میت کے صندوق پر ڈالی جاتی ہیں ان سے بھی اجتناب بہتر ہے اس لئے کہ بے وضوء چھونے کا اندیشہ ہے اور آیاتِ قرآنیہ بلا وضو چھونا ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويحرم به أى بالأكبر وبالأصغر مس مصحف: أى ما فيه آية كدرهم وجدران. وفى الشامية: (قوله أى ما فيه آية) أى المراد مطلق ما كتب فيه قرآن مجازًا، من إطلاق اسم الكل على الجزء، أو من باب الإطلاق والتقييد، قال ح: لكن لايحرم فى غير المصحف إلا بالمكتوب: أى موضع الكتابة كذا فى باب الحيض من البحر. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/۱۳،سعید)

قبر پر پودے لگانے کا حکم:

سوال: قبروں پر پودے اور گھاس لگانے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب: قبروں پر پودے گھاس لگانے کی شرعاً گنجائش ہے البتہ اس کو ضروری نہ سمجھے اور بالیقین تخفیفِ عذاب کا اعتقاد نہ رکھے صرف امید ہونی چاہئے، لیکن موجودہ دور میں قبروں پر پھول ڈالنے کی رسم چلی ہے خصوصاً اولیاء اللہ کی قبروں پر اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے یہ بدعت ہے اس میں بہت سارے مفاسد ہیں جن سے عوام الناس کے اعتقادات خراب ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه قال مر النبى ﷺ بحائط من حيطان المدينة أو مكة فسمع صوت إنسانين يعذبان فى قبورهما، فقال النبى ﷺ يعذبان وما يعذبان فى كبير ثم قال: بل كان أحدهما لايستتر من بوله وكان الآخر يمشى بالنميمة ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين فوضع على كل قبر منهما كسرة، فقيل له يا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله أن

يخفف عنهما ما لم ييبسا. (بخاری شریف:۱/۱۸۴۔ومشکوۃ شریف:۱/۴۳)

مرقات میں ہے:

أما وضعهما على القبر فقيل أنه عليه السلام سأل الشفاعة لهما فاجيب بالتخفيف إلى أن ييبسا وقد ذكر مسلم في آخر الكتاب في حديث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن صاحبي القبرين، أجيبت شفاعتي فيهما، وقيل أنه كان يدعو لهما في تلك المدة وقيل لأنهما يسبحان ما داما رطبتين،قال كثير من المفسرين في قوله تعالىٰ: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده﴾ معناه إن من شيء حي ثم قال وحياة كل شيء بحسبه فحياة الخشب ما لم ييبس وحياة الحجر ما لم يقطع والمحققون على العموم وان التسبيح على حقيقته لأن المراد الدلالة على الصانع..... (مرقاۃ:۱/۳۵۱،ملتان)

شامی میں ہے:

تتمة:يكره أيضًا قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس وعلله في الإمداد:بأنه مادام رطباً يسبح الله تعالىٰ فيونس الميت وتنزل بذكره الرحمة.

أقول: دليله ما ورد في الحديث من وضعه عليه الصلاة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان وتعليله بالتخفيف عنهما ما لم ييبسا أي يخفف عنهما ببركة تسبيحهما. (شامی:۲/۲۴۵،مطلب فی وضع الجرید،سعید۔ واعلاء السنن: ۸/۳۴۴/۲۳۲۳، باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر)

قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ:۹/۱۷۴،مبوب ومرتب۔وفتاوی رحیمیہ:۵/۹۸)۔ واللہ اعلم۔

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:

سوال: قبر پر کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قبر پر کوئی چیز لگانا یا پختہ کرنا سب ممنوع ہے البتہ قبر سے علیحدہ سرہانے پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبور وأن يكتب عليها وأن

يبنى عليها وأن تؤطأ. (رواه الترمذي وقال:هذاحديث حسن صحيح،١/٢٠٣،باب ماجاء في كراهية تجصيص القبوروالكتابة عليها،فيصل)

شامی میں ہے:

قوله لابأس بالكتابة لأن النهى عنها وإن صح فقد وجدالإجماع العملى بها فقد أخرج الحاكم من طرق ثم قال:هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليهافإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهوعمل أخذ به الخلف عن السلف، ويقوى بماأخرجه أبوداود بأسانيد جيد: "أن رسول الله ﷺ حمل حجراً فوضعهاعند رأس عثمان بن مظعون رضي الله تعالى عنه وقال: أتعلم بهاقبرأخي وأدفن إليه من تاب من أهلي" فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها، نعم يظهرأن محل هذا الإجماع العملى على الرخصة فيها ما إذاكانت الحاجة داعية إليه فى الجملة كما أشارإليه فى المحيط بقوله وإن احتيج إلى الكتابة،حتى لايذهب الأثر ولايمتهن فلابأس به فأماالكتابة بغيرعذرفلا، حتى يكره كتابة شيء عليه من القرآن أوالشعرأواطراء مدح له ونحوذلك حلية ملخصًا.

(شامی:٢/٢٣٧،مطلب فی دفن المیت،سعید۔والبحرالرائق:٢/١٩٧،کوئٹہ)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

ويكره إلصاق اللوح بها والكتابة عليهاولايبنى على بيت ولايجصص.

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٤/٨١،نوع آخر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وكره أبويوسف الكتابة أيضًا. والله اعلم.

(شرح منية المصلى:ص٥٩٩،السادس فى الدفن، سهيل اكيڈمى)

فصلِ پنجم

ایصالِ ثواب کا بیان

میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت:

سوال: میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت کسی حدیث یا کتبِ فقہ میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے دعاء استغفار اور ایصالِ ثواب کرنے کا ثبوت بعض روایات میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل.

(ابو داؤد شریف:۲/۱۰۳،باب الاستغفار عندالقبرللمیت فی وقت الانصراف،سعید)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دارقوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون إنا إن شاء الله بكم لاحقون اللّٰهم اغفر لأهل بقيع الغرقد".

(مسلم شریف:۱/۳۱۳،باب ما یقول اذا زارالقبور)

کتاب الروح میں ہے:

أخبرنی الحسن بن الهيثم سمعت أبابكربن الأطروش ابن بنت أبی نصربن التماريقول كان رجل يجيء إلى قبرأمه يوم الجمعة فيقرأ سورة يٰس فجاء فی بعض أيامه فقرأ سورة يٰس ثم قال: اللّٰهم إن كنت قسمت لهذه السورة ثوابا فاجعله فی أهل هذه المقابر فلما كان يوم الجمعة التی تليها جاء ت امرأة فقالت: أنت فلان ابن فلانة فقال: نعم قالت: إن بنتًا لی ماتت فرأيتها فی النوم جالسة على شفيرقبرها

فقلت ما أجلسك ههنا؟ فقالت: إن فلان ابن فلانة جاء إلى قبر أمه فقرأ سورة يٰس وجعل ثوابها لأهل المقابر فأصابنا من روح ذلك أو غفر لنا أو نحو ذلك.

(كتاب الروح: ص ۱۱، المسئلة الأولىٰ وهي تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا، بيروت)

حدیث شریف میں ہے:

عن الحسن عن أبيه علي بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدى عشر مرة ثم وهب أجره للأموات أعطى من الأجر بعدد الأموات.

(من فضائل سورة الأخلاص وما لقارئها: ۱/۱۰۲/۵۴۔ واعلاء السنن: ۸/۳۴۳/۲۳۲۰ زيارة القبور، ادارة القرآن كراچی)

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن فضائل میں ثواب کی نیت سے عمل کرنا درست ہے اسی وجہ سے فقہاء نے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔ (جلد اول میں اس حدیث پر کلام گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

ملاحظہ ہو: (شامی: ۲/۵۹۶، باب الحج عن الغير، مطلب فيمن أخذ في عبادته شيئاً من الدنيا، سعيد۔ فتح القدير: ۳/۱۴۳، دار الفكر۔ مراقي الفلاح: ۲۳۳، مكة المكرمة۔ مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل: ۵/۴۵۲۔ مطالب أولي النهى: ۵/۹)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وحكي عن أبي بكر بن أبي سعيد أنه قال: يستحب عند زيارة القبور قراءة سورة الإخلاص سبع مرات فإنه بلغني من قرأها سبع مرات إن كان ذلك الميت غير مغفور له يغفر له وإن كان مغفوراً له غفر لهذا القاري ووهب ثوابه للميت كذا في الذخيرة في فضل قراءة القرآن. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۰، كتاب الكراهية، باب زيارة القبور)

وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "من دخل المقابر ثم قرأ "فاتحة الكتاب" و "قل هو الله أحد" و "ألهاكم التكاثر" ثم قال: اللّٰهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالىٰ". أخرجه أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني في فوائده.

(شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور: ص ۳۰۳، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، بيروت)

وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات".

أخرجه عبد العزيزصاحب الخلا ل بسنده۔ (شرح الصدوربشرح حال الموتى والقبور:ص ٣٠٤،باب فى قرءة القرآن للميت أوعلى القبر،بيروت)

وعن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقول: "إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره،وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بفاتحة البقرة".

رواه البيهقى فى شعب الإيمان وقال: والصحيح أنه موقوف عليه(٢/٢١٥)وفى الأذكارللنووى: ٧٤وروينا فى سنن البيهقى بإسناد حسن"ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استحب أن يقرأ على القبربعدالدفن أول سورةالبقرة وخاتمتها" وهوموقوف فى حكم المرفوع، فانه غيرمدرك بالرأى. (اعلاء السنن: ٨/٣٤٢،زيارة القبور،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

صرح علماؤنا فى باب الحج عن الغيربأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصومًا أوصدقةً أوغيرهاكذا فى الهداية بل فى زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهمو لاينقص من أجره شيء. هومذهب أهل السنة والجماعة. والله اعلم.

(شامى:٢/٢٤٣،مطلب فى القراءة للميت واهداء ثوابها له،سعيد۔ وكذا فى الفتاوى الهندية:١/٢٥٧، الباب الرابع عشرفى الحج عن الغير۔وكذا فى فتح القدير مع الهداية:٣/١٤٢،باب الحج عن الغير،دار الفكر)

زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: کیا زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے لیکن بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا نہ کریں بلکہ رفعِ درجات کی دعا کریں اس وجہ سے کہ وہ معصوم ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

الأصل فى هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصومًا أو صدقةً أوغيرهاكتلاوة القرآن والأذكار، فتح القدير، عند أهل السنة والجماعة لماروى عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم أنه ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخرعن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ وشهد له بالبلاغ.

(هدايه:١/٢٩٦، كتاب الحج،باب الحج عن الغير،شركة علمية)

شامی میں ہے:

وفی البحر: من صام أوصلی أوتصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز، ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة کذا فی البدائع،ثم قال:ولهذا علم أنه لافرق بین أن یکون المجعول له میتًا أوحیًا قلت: وقول علمائنا له أن یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی ﷺ فإنه أحق بذلك حیث أنقذنا من الضلالة، ففی ذلك نوع شکرو اسداء جمیل له، والکامل قابل لزیادة الکمال.

(شامی:۲/۲۴۳،۲۴۴،مطلب فی القراءۃ للمیت وإهداء ثوابها له،سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

درجات میں ترقی بہر حال ہوتی ہے، اس لئے ایصالِ ثواب میں کیا اشکال ہے معصوم کے لئے استغفار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ۹/۲۳۸، باب إهداء الثواب للمیت)

رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب: رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے بلکہ کرنا چاہئے اور یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے بلکہ یہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق ومحبت کا ایک ذریعہ ہے جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا نفع خود ایصالِ ثواب کرنے والوں کو پہونچتا ہے، اور آپ ﷺ کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

ذکر ابن الحجر فی الفتاوی الفقهیة: أن الحافظ ابن تیمیة زعم منع اهداء ثواب القراءة للنبی ﷺ لأن جنابه الرفیع لایتجرأ علیه إلابما أذن فیه، وهوه الصلاة علیه و سؤال الوسیلة له قال: وبالغ السبکی وغیره فی الرد علیه،فإن مثل ذلك لایحتاج لإذن خاص، ألا تریٰ أن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یعتمرعنه ﷺ عمرًا بعد موته من غیروصیة، وحج ابن الموفق وهو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة، وختم ابن السراج عنه ﷺ أکثرمن عشرة آلاف ختمة، وضحی عنه مثل ذلك. قلت: رأیت نحوذلك بخط مفتی الحنفیة الشهاب أحمد بن الشلبی شیخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطیبة للنویری، ومن جملة ما نقله: أن ابن عقیل من

الحنابلة قال: يستحب إهداؤها له ﷺ .

قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبى ﷺ فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففى ذلك نوع شكر وإسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال، وماستدل به بعض المانعين، من أنه تحصيل الحاصل لأن جميع أعمال أمته فى ميزانه يجاب عنه بأنه لامانع من ذلك، فإن الله تعالى أخبرنا بأنه صلى عليه ثم أمرنا بالصلاة عليه، بأن نقول: اللّٰهم صل على محمد.

(رد المحتار: ۲/ ۲٤٤، مطلب فى إهداء ثواب القراءة للنبى ﷺ، سعيد)

''آپ کے مسائل اوران کا حل'' میں ہے:

امت کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے لئے ایصال ثواب نصوص سے ثابت ہے۔

چنانچہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ ﷺ کے لئے مقام وسیلہ کی درخواست ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه سمع النبى ﷺ يقول: إذاسمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علىّ فإنه من صلى علىّ صلاة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا لى الوسيلة فإنها منزلة فى الجنة لاتنبغى لأحد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سئل لى الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (مسلم شريف: ۱/ ۱٦٦)

عن جابر ابن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ قال من قال حين يسمع النداء: اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمه ات محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمود الذى وعدته، حلت له شفاعتى يوم القيامة. (مسلم شريف: ۱/ ۸٦)

ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ ﷺ کے لئے ترقی درجات کی دعاء ہے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استأذنت النبى رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى العمرة فأذن لى وقال لاتنسنا يا أخىّ من دعائك وفى رواية أشركنا يا أخىّ فى دعائك.

(ابو داؤد شريف: ۱/ ۲۱۰، ترمذى شريف: ۲/ ۱۹۵)

جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کے لئے دعاء مطلوب تھی اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ ﷺ کے لئے دعاء مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کی طرف سے قربانی کی جائے۔

حدثنا محمد بن عبيد المحاربى الكوفى حدثنا شريك عن أبى الحسناء عن الحكم عن حنش عن على رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يضحى بكبشين أحدهما عن النبى ﷺ والآخر عن نفسه فقيل له فقال: أمرنى به يعنى النبى ﷺ فلا أدعه أبدا. هذا حديث غريب لانعرفه إلامن حديث شريك۔ (ترمذی شریف:۱/۱۸۰،باب فی التضحیة بکبین،فیصل۔وابو داؤد شریف:۲/۲۹،باب الاضحیة عن المیت،سعید) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۱۷۷۔۱۷۸،ایصال ثواب)

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے مذکورہ بالا حدیث کی سند پر اشکال کیا ہے ملاحظہ ہو:

وقال المنذرى: حنش هو أبو المعتمر الكنانى الصنعانى وتكلم فيه غير واحد حتى صار مما لاتحتج به،وشريك هو ابن عبد الله القاضى فيه مقال وقد أخرج له مسلم فى المتابعات، قلت: وأبو الحسناء شيخ عبد الله مجهول كما عرفت فالحديث ضعيف. (تحفة الأحوذی:۶/۲۹۰)

اشکال کا جواب ملاحظہ ہو:

(۱) حنش أبو المعتمر الصنعانى الكوفى:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

قال أبو داؤد: هو ثقة، وقال العجلى: هو تابعى ثقة.

(تهذيب التهذيب: ۳/۵۳/۱۶۵۳، بيروت۔ وتهذيب الكمال: ۷/۴۳۳، مؤسسة الرسالة)

معرفۃ الثقات میں مذکور ہے: حنش بن عبد الله ثقة. (معرفة الثقات:۱/۳۲۶)

(۲) شريك:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

وقال يزيد بن الهيثم عن ابن معين: شريك ثقة، وهو أحب إلىّ من أبى الأحوص و جرير وهو يروى عن قوم لم يروعنهم سفيان الثورى، قال ابن معين: ولم يكن شريك عند يحيى يعنى القطان بشىء وهو ثقة ثقة، وقال العجلى: كوفى ثقة، وكان حسن الحديث، وكان أروى الناس عنه إسحاق الأزرق. (تهذيب التهذيب:۴/۳۰۵/۲۸۸۳،بيروت)

(۳) أبو الحسناء:

اعلاء السنن میں ہے:

قال الدولابى فى الكنى: حدثنا العباس بن محمد عن يحيى بن معين قال: أبو الحسنائ روى عنه شريك والحسن بن صالح الكوفى وهذا كما ترى قد عرفه يحيى بن معين

وناهيك بمن قد عرفه ولم يذكره بجرح ولا تعديل فهو ثقة، قال ابن معين: لايسكت عن جرح المجروحين، وقد روى عن أبى الحسناء اثنان من الثقات وليس بمجهول من روى عنه اثنان (كما مر فى المقدمة) واندحض بذلك قول الهيثمى فى مجمع الزوائد: فيه أبو الحسناء ولايعرف روى عنه غير شريك. (اعلاء السنن: ۱۷/۹،۲۶۸ باب التضحية، ادارة القرآن)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لانعرفه إلامن حديث شريك'' اس کے بارے میں علی بن المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد رواه غير شريك. (عارضه الأحوذى: ۶/۲۹۰)

لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے۔

اور اسی حدیث کی مثل مرقاۃ میں ایک صحیح حدیث ہے:

وفى رواية صححها الحاكم أنه (على رضی اللہ تعالیٰ عنہ) كان يضحى بكبشين عن النبى ﷺ وبكبشين عن نفسه وقال ان رسول الله ﷺ أمرنى أن أضحى عنه أبداً فأنا أضحى عنه أبدًا.

(مرقاة شرح المشكاة: ۳/۳۰۹، باب التضحية، الفصل الثانى، امداديه، ملتان)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد ﷺ وآل محمد ﷺ.

(ابن ماجہ شریف: ص ۲۲۵، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، آرام باغ کراچی)

حضور ﷺ کی امت میں یقیناً ایسے حضرات ہیں جو مغفور لہم ہیں جب ان کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے تو معصوم کو کیوں نہیں ہوسکتا؟ واللہ اعلم۔

ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: ایک بستی کے باشندوں میں سے بہت کم لوگ قرآن خواں ہیں، بستی میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو میت کے رشتہ دار کسی حافظ صاحب کو معاوضہ دے کر قرآن شریف برائے ایصالِ ثواب ختم کراتے ہیں، کیا حافظ صاحب کے لئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا حافظ صاحب ایک قرآن شریف پڑھ کر متعدد اموات کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحسن اور اچھا کام ہے، میت کے رشتہ دار کو چاہئے کہ خود جتنا پڑھ سکتے ہیں قرآن یا اذکار وغیرہ پڑھ کر

میت کوایصالِ ثواب کردے، پورا قرآن پڑھنا یا پڑھوانا ضروری نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے: "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتّهالیل" اس میں آپ نے اس مسئلہ پر بالتفصیل کلام فرمایا ہے، عدمِ جواز پر چند احادیث پیش فرمائی مثلاً۔

(۱) قال رسول الله ﷺ اقرئوا القرآن ولاتأكلوبه ولا تجفواعنه ولا تغلّوا فيه ولاتستكثروا به. (رواه اسحاق فی مسنده و عبدالرّزاق فی مصنّفه)

(۲) حديث عبادة بن الصّامت، وذكرفيه تعليم عبادة بعض الصحابة القرآن واهداء رجل منهم إليه قوسا، ولما سئل النبی ﷺ عن ذلك قال: إن أردت أن يطوّقك الله طوقاً من النارفاقبلها. وكذا قصة أبی بن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذلك.

اس رسالہ میں بہت سی فقہی کتب اور فتاوی سے نقل کیا گیا ہے کہ تلاوتِ مجردہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، مثلاً: كتاب الكراهية من الخلاصة، فتاوی قاضی خان، مجمع الانهر. الفتاوی البزازيه.

رسائل ابن عابدین میں ہے:

وقال الشيخ الرّملی علی هامش البحر: المفتیٰ به جوازالأخذ استحساناً علی تلاوة القرآن لاعلی القراءة المجردة كما فی التاتارخانية. (رسائل ابن عابدين:ص ۱۶۸)

محیطِ برہانی میں ہے:

إذا أوصی أن يدفع إلی إنسان كذا من ماله كذا ليقرء القرآن عند قبره فهذه الوصية باطلة وهی بدعة ولم يفعلها أحد من الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم. (المحيط البرهانی:۲۳/۳۹)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

یہ لینا بھی ناجائز دینا بھی ناجائز ہے، قال تاج الشريعة فی شرح الهداية:ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقاری. (فتاوی محمودیہ: ۹/ ۲۱۶، مبوب ومرتب)

کفایت المفتی میں ہے:

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا، اور اس کے معاوضہ میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا جائز نہیں، ہاں اگر بطورِ تبرع کے دے دیا جائے تو مباح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۱۳۵، فصل دوم، دارالاشاعت)

ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کر کے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام پر مختلف قراء کی قراءت نشر کرتے ہیں بعض حضرات کچھ رقم دیتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ان کے مرحوم رشتہ داروں کو پہنچ جائے کیا اس طرح ایصالِ ثواب کرانا صحیح ہے؟ اور اس طرح رقم لینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قاری کچھ رقم لے کر ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ لے تو یہ ناجائز ہے، لیکن قاری کچھ نہ لے بلکہ کچھ رقم ریڈیو اسلام کے وقت کو مخصوص کرنے اور ریڈیو کے دوسرے اخراجات کے لئے ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، نیز جب قرآن کریم کا پڑھنا ثواب ہے سننا بھی باعثِ اجر ہے لہذا اس کا ایصالِ ثواب کرنا بھی درست اور صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرین وان بعضهم لیستتر ببعض من العری وقاری یقرأ علینا إذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام علینا فلما قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکت القاری فسلم ثم قال ماکنتم تصنعون قلنا کنا نستمع إلی کتاب اللہ فقال الحمد للہ الذی جعل من امتی من أمرت أن أصبر نفسی معهم قال فجلس وسطنا لیعدل بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له فقال أبشروا یا معشر صعالیك المهاجرین بالنور التام یوم القیمة تدخلون الجنة قبل أغنیاء الناس بنصف یوم و ذلك خمس مأة سنة. رواه أبو داؤد. واللہ اعلم. (مشکوۃ شریف: ۱/۱۹۱، فضائل القرآن)

فصلِ ششم

تعزیت کا بیان

تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات:

تعزیت کے فضائل:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عزی مصابًا فله مثل أجره.

(رواه ابن ماجة: ۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی۔ والترمذی: ۱/۲۰۵، باب ماجاء فی اجرمن عزی، فیصل۔ والبیهقی فی السنن الکبری: ۲/۳۲۲/۷۳۳۹، باب مایستحب من تعزیة اهل)

ترجمہ: جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔

وعن أبی برزة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عزی ثکلی کسی بردًا فی الجنة.

(رواه الترمذی: ۱/۲۰۶، باب آخرفی فضل التعزیة، فیصل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔

وعن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مؤمن یعزی أخاه بمصیبة إلا کساه الله عزوجل من حلل الکرامة یوم القیامة.

(رواه ابن ماجة بإسناد حسن: ص ۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی)

یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔

وعن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من عزی أخاه المؤمن من مصیبة کساه الله یوم القیمة حلة خضراء یحبر بها یوم القیمة قیل: یا رسول الله ما یحبر؟ قال یغبط.

(تاریخ بغداد: ۷/۳۹۷، بیروت)

وقال الإمام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: التعزیة مشتملة علی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکروهی داخلة أیضا فی قول الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ وهذا من أحسن ما یستدل به فی التعزیة وثبت فی الصحیح أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیه.

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماأخرجك یا فاطمة من بیتك؟ قالت: أتیت أهل هذا المیت فترحمت إلیهم میتهم أو عزیتهم به. (رواه أبو داؤد: ۲/۸۹، باب فی التعزیة، سعید۔ والنسائی)

وعن أبی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام لربه عزوجل ما جزاء من عزی الثکلی قال: أجعله فی ظل یوم لاظل إلاظلی. (رواه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة: ص۱۵۸، دائرة المعارف العثمانیة)

تعزیت کا مسنون طریقہ:

تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جا کر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے، صبر کی تلقین وترغیب دے اور ان کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔

(فتاوی رحیمیه و کفایت المفتی)

تعزیت کی منقول دعائیں:

(۱) إن لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیء عنده لأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب.

(بخاری شریف: ۱/۱۷۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت، قدیمی)

یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اس کی ملکیت ہے، ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

(۲) اللّٰهم اغفرله وارفع درجته فی المهدیین واخلفه فی عقبه فی الغابرین وغفرلنا وله یا رب العالمین وافتح له فی قبره ونورله فیه. (مسلم شریف: ۱/۳۰۱، کتاب الجنائز)

(۳) اللّٰهم اخلفه فی أهله وبارك له فی صفقة یمینه، قالها ثلاث مرات. (مسند أحمد)

(٤) أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفرلمیتك.

(الأذکار للنو رحمہ اللہ تعالیٰ: ص۱۳۶، باب التعزیة، مکتبة القدس)

خداتم کواجرِ عظیم عطا فرمائے اورتمہارے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اورآپ کی میت کی بخشش کرے۔

(۵) إنالله وإنا إليه راجعون ما شاء الله كان وما لايشأ لايكون غفرالله له وأسكنه جنة الفردوس وأفاض عليه شأبيب غفرانه وادعوا الله تعالىٰ أن يفرغ على قلوبكم صبرًا جميلاً وعلى من فقد تم أجرًا جزيلاً بلطفه ورحمته آمين بحرمة سيد المرسلين ﷺ.

(فتاوی رحیمیہ)

تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے:

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذاتِ خود حاضر نہ ہوسکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، وہ خط مبارک یہ ہے:

وكتب النبي ﷺ إلى معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ يعزيه فى ابن له:

"بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليك فانى أحمد إليك الله الذى لا إله إلا هو، أما بعد فأعظم الله لك الأجر وألهمك الصبر ورزقنا وإياك الشكر، ان أنفسنا وأهلينا وأموالنا وأولادنا من مواهب الله عزوجل الهنيّة وعواريّة المستودعة يمتع بها إلى أجل معلوم ويقبض لوقت محدود ثم افترض علينا الشكر إذا أعطى والصبر إذا ابتلى وكان ابنك من مواهب الله الهنيّة وعواريّه المستودعة متّعك به فى غبطة وسرور وقبضه منك بأجر كبير، الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولايحبط جزعك أجرك فتندم، واعلم أن الجزع لايرد شيئاً ولايدفع حزناً وما هو نازل فكان قد والسلام".

(حلية الاولياء: ۱/۲۴۳، دارالفكر، مع المستدرك على الصحيحين: ۳/۳۴۱/۵۱۹۳، دارابن حزم)

یعنی: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے مبارک عطیے عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ

ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اور ان کو واپس لے لے) تو صبر کریں، تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہونچایا، اور (اب) اجرِ عظیم،، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلہ اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودیں، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام۔ (حصن حصین ص ۱۸۰، پانچویں منزل بروز پیر)

تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات:

دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے:

كل نفس ذائقة الموت وكل روح مازرة الفوت

ترجمہ: زندگی کے سانس معدود اور اجل کا وقت مقرر ہے، لہٰذا موت ہونے پر ملامت اور بری بات نہیں کہنی چاہئے۔

لاتقل فيما جرى كيف جرى كل شيء بقضاء وقدر

ترجمہ: جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضاوقدر کے موافق ہوتی ہے۔

ألا يا ساكن القصر المعلى ستدفن عن قريب في التراب

ترجمہ: اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہوجا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

له ملك ينادي كل يوم لِدوا للموت وابنوا للخراب

ترجمہ: فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ۔

قليل عمرنا في دار دنيا ومرجعنا إلى بيت التراب

ترجمہ: ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

اور جب وقتِ مقرر آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

وإذا المنية أنشبت أظفارها ألفيت كل تميمة لا تنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے:

اصبر تكن بك صابرين فإنما صبر الرعية بعد صبر الرأس

خير من العباس أجرك بعده والله خير منك للعباس

ترجمہ: یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں، صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔

منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔ واللہ اعلم۔ (ملخص از فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۴۱۔۳۴۶، تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعہ خط تعزیت کرنا، مسائل شتیٰ)

تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں کسی کے انتقال کے بعد لوگ تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں شرعاً یہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تعزیت میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو میت کے گھر والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین وغیرہ کرنا اور دوسری یہ کہ میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا اور دعاءِ مغفرت کے وقت ہاتھوں کے اٹھانے کا ثبوت روایات میں ملتا ہے لہذا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ تعزیت میں اکثر میت کے اہلِ خانہ کو تسلی اور صبر کی تلقین ہوتی ہے اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے۔ ہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما فرغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حنین بعث أ با عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی جیش إلی أوطاس فلقی درید بن الصمة فقتل درید وهزم أصحابه قال أبو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبعثنی مع أبی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماه أبو عامر فی رکبته، رماه جشمی بسهم فأثبته فی رکبته فانتهیت إلیه قال یا ابن أخی اقرئ النبی صلی اللہ علیہ وسلم السلام وقل له استغفرلی واستخلفنی أبو عامر علی الناس فمکث یسیرًا ثم مات فرجعت فدخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیته علی سریر مرمل وعلیه فراش قد أثر رمال السریر بظهره وجنبیه فأخبرته بخبرنا وخبر أبی عامر وقال

قل له استغفر له فدعا بماء فتوضأ ثم رفع يديه فقال: " اللّٰهم اغفر لعبيد أبى عامر ورأيت بياض ابطيه ثم قال: اللّٰهمّ اجعله يوم القيمة فوق كثير من خلقك ومن الناس.

(رواه البخارى ٢/٦١٩/٤١٥٣، باب غزوة أوطاس، فيصل)

شامی میں ہے:

ولابأس بتعزية أهله وترغيبهم فى الصبر أى تصبيرهم والدعاء لهم به،قال فى القاموس: العزاء الصبر أوحسنه وتعزى:انتسب فالمراد هنا الأول قال فى شرح المنية: ويستحب التعزية للرجال والنساء اللاتى لايفتن لقوله عليه الصلاة والسلام "من عزى أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة" رواه ابن ماجة وقوله عليه الصلاة والسلام" من عزى مصابًا فله مثل أجره" رواه الترمذى وابن ماجة،والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزائك وغفر لميتك. والله اعلم. (شامی: ٢/٢٣٩، سعید کمپنی)

تعزیت اور نمازِ جنازہ دونوں میں فرق:

سوال: کیا تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ ہے یا نمازِ جنازہ تعزیت کے لئے کافی ہے؟

الجواب: تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ چیز ہے نمازِ جنازہ میت کا حق ہے اور تعزیت میت کے اہلِ خانہ کے لئے تسلی اور صبر کی تلقین کا نام ہے، ہاں اگر جنازہ میں میت کے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی اور ان کی تعزیت کی تو دوبارہ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

التعزية لصاحب المصيبة حسن كذا فى الظهيرة وروى الحسن بن زياد إذا عزى أهل الميت مرة فلا ينبغى أن يعزيه مرة أخرى كذا فى المضمرات ووقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام ويكره بعدها إلاأن يكون المعزى أو المعزى إليه غائبًا فلا بأس بها وهى بعد الدفن أولى منها قبله هذا إذا لم ير منهم جزع شديد فإن رؤى ذلك قدمت التعزية.

(الفتاوى الهنديه: ١/١٦٧)

شامی میں ہے:

وفى الإمداد: وقال كثير من متأخرى ائمتنا يكره الاجتماع عند صاحب الميت و يكره له الجلوس فى بيته حتى يأتى إليه، من يعزى، بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا

ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البيت بأمره. والله اعلم.

(شامی: ۲/۲٤۱، مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، سعید)

تعزیتی جلسہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ اگر کسی بڑی شخصیت کا انتقال ہوجائے اور بغیر کسی دن کی تعیین کے ان کے متعلقین کا اجتماع بلالیا جائے اور اس کا مقصد اس شخصیت کے کارناموں کا بیان ہو اور ان کے اعمال واخلاق کا تذکرہ ہوتا کہ ان کے متعلقین ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے طریقہ کو زندہ کریں اور ایک دوسرے کی آراء سے استفادہ کریں، ہاں آسانی کی وجہ سے ایک دن معین کیا جائے لیکن وہ تعیین آسان کے لئے ہوں شریعت کا حکم سمجھ کر نہیں کیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اس اجتماع کا مقصد ان حالات کے مقابلہ کی تیاری ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی وفات سے پیدا ہوجاتے ہیں، نیز اس اجتماع کو لازم اور ضروری یا سنت نہیں سمجھا جاتا چنانچہ نہ کرنے والوں پر کوئی نکیر نہیں ہوتی؟

الجواب: جب اجتماع کسی ایسی شخصیت کے متعلق ہو جس سے بے شمار فوائدِ دین وابستہ ہوں ان کی زندگی کا ہر پہلو قابلِ تشریح اور قابلِ تقلید ہو ان کے اعمال واخلاق کے پھیلانے کی ضرورت ہو ان کے متعلقین ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہوں ان کے مشن کو بڑھانے کی ضرورت ہو تو متعلقین کی آسانی کے لئے ایک دن مقرر ہوسکتا ہے، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد ان گنت فتنوں کو دبانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اجتماع سے خطاب فرمایا تھا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جمع ہوا تھا، نیز بخاری شریف کی روایت سے بھی تائید ہوتی ہے ملاحظہ ہو:

عن زیاد بن علاقة قال: سمعت جریر بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم مات المغیرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قام فحمدالله وأثنی علیه وقال علیکم باتقاء الله وحده لا شریك له والوقار والسکینة حتی یأتیکم أمیر فإنما یأتیکم الآن ثم قال: استغفروا لأمیرکم فإنه کان یحب العفو، الحدیث. والله اعلم.

(رواه البخاری: ۱/۱٤/۵۸، باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة، فیصل)

مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم:

سوال: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا کیا حکم ہے؟ عام کتابوں میں مکروہ لکھتے ہیں اس میں بظاہر حرج ہے۔

الجواب: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنا آداب کے خلاف ہے، البتہ اگر حرج ہو اور جوتے گندگی وآلائش وغیرہ سے صاف ہو نیز چلنے میں تکبر کا اظہار نہ ہو بلکہ قبور کا احترام کرتے ہوئے تواضع وانکساری کے ساتھ چلے تو اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو بذل المجہود میں ہے:

عن بشیر مولی رسول اللہ ﷺ بینما أنا أماشی مع رسول اللہ ﷺ ثم مر بقبور المسلمین فإذا رجل لم أقف علی تسمیته یمشی فی القبور علیه نعلان فقال یا صاحب السبتیتین ویحك ألق سبتیتیك فنظر الرجل فلما عرف رسول اللہ ﷺ خلعهما فرما بهما وأمره بالخلع احترامًا بالنعال بین القبور قلت: لایتم ذلك إلا علی بعض الوجوه المذکورة. (بذل المجهود: ٤/٢١٣)

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بال اترے ہوئے جوتے فیشن ایبل سمجھے جاتے تھے تو حدیث میں اس بات کی تلقین ہے کہ مقبرہ میں تواضع کی ہیئت اختیار کرے تکبر والی چیزوں سے اجتناب کرے اس لئے موجودہ زمانہ میں صاف بغیر بالوں کے جوتے عام استعمال کی چیز ہے لہٰذا مقبرہ میں اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والمشی فی المقابر بنعلین لایکره عندنا کذا فی السراج الوهاج.

(الفتاوی الهندیة: ١/١٦٧، الفصل السادس فی القبر والدفن)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے، مگر جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے، عالمگیری میں ہے: والمشی فی القبور لایکره عندنا. ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیه: ٣/٩٧، کتاب الجنائز)

خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم:

سوال: احناف اور شوافع کے یہاں عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت ہے، ہاں فتنہ، شرک اور بدعت وغیرہ مفاسد کا اندیشہ ہو تو اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احادیث کی روشنی میں:

(۱) أخرج ابن عبد البر فی التمهید عن عبدالله بن أبی ملیکة و کذا الحاکم فی المستدرك عنه "أن عائشة رضی الله تعالی عنها أقبلت ذات یوم من المقابر فقلت لها: یا أم المؤمنین من أین أقبلت؟ قالت من قبر أخی عبد الرحمن بن أبی بکر رضی الله تعالی عنه فقلت لها: "أليس كان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن زیارة القبور؟ قلت: نعم، كان ينهى عن زيارتها. ثم أمر بزيارتها.

(التمهید لابن عبد البر: ۲۳۳/۳، مکتبة المؤید۔ والمستدرك للحاکم: ۱/ ۴۹۵ /۱۳۹۲، وقال الذهبی: صحیح)

وأخرجه ابن عبد البر بطریق آخر عن ابن أبی ملیکة یقول: ركبت عائشة رضی الله تعالی عنها فخرج إلینا غلامها، فقلت: أین ذهبت أم المؤمنین؟ قال: ذهبت إلی قبر أخیها. (التمهید: ۲۳۵/۳)

(۲) وأخرج الترمذی فی الجنائز عن عبدالله بن أبی ملیکة قال: توفی عبد الرحمن بن أبی بکر رضی الله تعالی عنه بالحبشی قال: فحمل إلی مکة فدفن بها، فلما قدمت عائشة رضی الله تعالی عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبی بکر رضی الله تعالی عنه فقالت:

وكنا كندماني جذيمة حقبة ... من الدهر حتی قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني ومالكا ... لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

إلی آخر الحدیث. (ترمذی شریف: ۲۰۳/۱)

(۳) وأخرج مسلم أیضًا فی الجنائز عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: كيف أقول لهم يارسول الله؟ قال: قولی: "السلام علی أهل الدیار من المؤمنین والمسلمین، ویرحم الله المستقدمین منا والمستأخرین، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون. (مسلم شریف: ۳۱۴/۱)

(۴) وأخرج سعد فی الطبقات الکبری قال: أخبرنا موسی بن داؤد سمعت مالك بن أنس رحمه الله تعالی یقول: قسم بیت عائشة رضی الله تعالی عنها باثنین: قسم كان القبر، وقسم كان تكون فيه عائشة رضی الله تعالی عنها، وبینهما حائط، فكانت عائشة رضی الله تعالی عنها ربما دخلت حيث القبر فضلًا، فلما دفن عمر رضی الله تعالی عنه لم تدخل إلا وهی جامعة علیها ثیابها.

(طبقات ابن سعد: ۲۲۴/۲، دار الکتب العلمیة، بیروت، فصل ذکر حفر قبر رسول الله ﷺ)

(۵) وفی الطبقات الکبری أیضًا قال: أنا عبد الله بن نمیر قال: أنا زیاد بن المنذر عن أبی جعفر قال: كانت فاطمة رضی الله تعالی عنها تأتی قبر حمزة رضی الله تعالی عنه ترمه و تصلحه.

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۳/۳، طبقات البدریّین من المهاجرین ذکر الطبقة الاولی حمزة بن عبد المطلب)

(٦) وفی التمهید لابن عبد البرعن جعفربن محمد، قال: كانت فاطمة بنت رسول الله ﷺ تزورقبرحمزة بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ كل جمعة، وعلمته بصخرة.

(التمهيد لإبن عبد البر: ٣/٢٣٤)

(٧) أخرج البخاری بسنده عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرالنبی ﷺ بامرأة تبكی عند قبر فقال: اتقی الله واصبری قالت: إليك عنّی فإنك لم تصب بمصيبتی.....

(رواه البخاری: ١/١٧١)

قال الحافظ فی الفتح بعد ذكرمذاهب العلماء فی هذا الباب:

ويؤيد الجوازحديث الباب،وموضع الدلالة منه أنه لم ينكرعلى المرأة قعودها عند القبر، وتقريره حجة.(فتح الباری:٣/١٤٨)

(٨)أخرج ابن ماجة عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ كان فی جنازة فرأی عمر امرأةً فصاح بها فقال النبی ﷺ دعها ياعمر..... (ابن ماجة:١/١١٤،مجائز)

فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ ہو:

درمختار میں ہے:

لابأس بتعزية أهله و بزيارة القبوروللنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزورها".

طحطاوی میں ہے:

قوله ولو للنساء وقيل تحريم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر.

(طحطاوی علی الدر:١/٣٨٣،کوئٹہ)

شامی میں ہے:

وقال الخيرالرملی: ان كان لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور، وان كان للاعتبارو الترحم من غير بكاء والتّبرك لزيارة قبورالصالحين فلا بأس إذاكن عجائز، ويكره إذاكن شواب كحضور الجماعة فی المساجد. (شامی:١/٢٤٢،سعید)

مبسوط میں ہے:

وعن بريدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: نهيتكم عن ثلاث: عن زيارة القبور،

فزوروها، فقد اذن لمحمد فی زیارة قبر أمه، ولا تقولوا هجرا، وعن لحم الأضاحی فوق ثلاثة أیام، فأمسکوه ما بدالکم وتزوّدوا،فإنما نهیتکم لیتسع به موسرکم علی معسرکم، وعن النبیذ فی الدباء والحنتم والمزفت، فاشربوا فی کل ظرف، فإن الظرف لایحل شیئًا ولایحرمه، ولا تشربوا مسکرًا ومن العلماء من یقول: الإذن للرجال، دون النساء، والنساء یمنعن من الخروج إلی المقابر لما روی أن فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا خرجت فی تعزیة لبعض الأنصار لعلك أتیت المقابر قالت لا، والأصح أن الرخصة ثابتة فی حق الرجال والنساء جمیعًا. فقد روی أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عنها کانت تزور قبر رسول الله ﷺ فی کل وقت وانها لما خرجت حاجة زارت قبر أخیها عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وانشدت عند القبر قول القائل: وکنا کند مانی الخ. (المبسوط: ۱۰/۲٤، الاشربة،ادارة القرآن)

البحر الرائق میں ہے:

ولم یتکلم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ علی زیارة القبور، ولا بأس ببیانه تکمیلاً للفائدة وصرح فی المجتبی بأنها مندوبة، وقیل: تحرم علی النساء والأصح أن الرخصة ثابتة لهما (البحر الرائق: ۲/۱۹۵، کوئته)

مراقی الفلاح میں ہے:

ندب زیارتها من غیر أن یطأ القبور للنساء والرجال،وقیل تحرم علی النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء،لأن السیّدة فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کل جمعة، وکانت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تزور قبر أخیها عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمکة، کذا ذکره البدر العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح البخاری.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٦٢٠،قدیمی)

اشکال اور جواب:

اشکال: اس مسئلہ پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور. (ابو داؤد: ۱/٤٦۱)

وفی روایة: لعن رسول الله ﷺ زوّارات القبور. (ابن ماجة: ۱/۱۱۳)۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: پہلی روایت یعنی "زائرات القبور" پر بہت کلام ہے اور دوسری روایت یعنی "لعن رسول

الله ﷺ زوّارات القبور". صحیح ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ بہت زیادہ جانا ممنوع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یا دیگر مفاسد ہوں مثلاً نوحہ وغیرہ تو جائز نہیں ہے ورنہ نفسِ جواز مذکورہ بالا روایات کے پیشِ نظر ثابت ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام الجنائز میں مذکورہ بالا روایت پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

لايجوزلهن الإكثارمن زيارة القبوروالتردد عليها لأن ذالك قد يفضى بهن إلى مخالفة الشريعة، من مثل الصياح والتبرج واتخاذ القبورمجالس للنزهة وتضييع الوقت فى الكلام الفارغ كما هومشاهد اليوم فى بعض البلاد الإسلامية وهذا هوالمراد إن شاء الله بالحديث المشهور: لعن رسول الله وفى لفظ: لعن الله زوّارات القبور.

وقد روى عن جماعة من الصحابة: أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وعبد الله بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(١) أماحديث أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فهو من طريق عمربن أبى سلمة عن أبيه عنه، أخرجه الترمذى، وابن ماجة، وابن حبان، والبيهقى، والطيالسى، وأحمد، واللفظ الآخر للطيالسى والبيهقى، وقال الترمذى: حديث حسن صحيح وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبى ﷺ فى زيارة القبور، فلمارخص دخل فى رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنماكره زيارة القبورفى النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن.

قلت: ورجال إسناد الحديث ثقات كلهم. غيرأن فى عمربن أبى سلمة كلامًا لعل حديثه لاينزل به عن مرتبة الحسن،لكن حديثه هذا صحيح لما له من الشواهد الآتية:

(٢) وأما حديث حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فهومن طريق عبد الرحمن بن بهمان عن عبد الرحمن بن ثابت عن أبيه به. أخرجه ابن أبى شيبة، وابن ماجة، والحاكم، والبيهقى، وأحمد، وقال البوصيرى فى الزوائد: إسناده صحيح رجاله ثقات، كذا قال: وابن بهمان هذا لم يوثقه غيرابن حبان، والعجلى وهما معروفان بالتساهل فى التوثيق، وقال ابن المدينى فيه: لانعرفه، ولذا قال الحافظ فى التقريب: مقبول يعنى عند المتابعة، ولم أجد له متابعًا، لكن الشاهد الذى قبله وبعده فى حكم المتابعة: فالحديث مقبول.

(٣) وأماحديث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فهومن طريق أبى صالح عنه باللفظ الأول إلا أنه

قال: زائرات القبور وفى رواية زوّارات، أخرجه ابن أبى شيبة، وأصحاب السنن الأربعة،وابن حبان، والحاكم، والبيهقى، والطيالسى، والرواية الأخرى لهما وأحمد، وقال الترمذى: حديث حسن. وأبوصالح هذامولى أم هانى بنت أبى طالب واسمه:باذان ويقال باذام.

قلت: وهوضعيف بل اتهمه بعضهم وقد أوردت حديثه فى "سلسلة الأحاديث الضعيفة" لزيادة تفرد بها فيه، وذكرت بعض أقوال الأئمة فى حاله فيراجع، قد تبين من تخريج الحديث أن المحفوظ فيه إنما هوبلفظ زوّارات لاتفاق حديث أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عليه، وكذا حديث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى رواية الأكثرين على ما فيه من ضعف فهى إن لم تصلح للشهادة فلاتضر، كما لايضرفى الاتفاق المذكورالرواية الأخرى من حديث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما هو ظاهر، وإذاكان الأمر كذلك فهذه اللفظ: "زوّارات" إنما يدل على لعن النساء اللاتى يكثرن الزيادة بخلاف غيرهن فلايشملهن اللعنة، فلا يجوز حينئذ أن يعارض بهذا الحديث ما سبق من الأحاديث الدالة على استحباب الزيارة للنساء، لأنه خاص وتلك عامة، فيعمل كل منهما فى محله، فهذا الجمع أولى من دعوى النسخ وإلى نحوما ذكرنا ذهب جماعة من العلماء، فقال القرطبى: اللعن المذكورفى الحديث إنما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصيغة من المبالغة، ولعل السبب ما يفضى إليه ذلك من تضييع حق الزوج والتبرج، وما ينشأ من الصياح ونحوذلك وقد يقال: إذا أمن جميع ذلك فلا مانع من الإذن لهن، لأن تذكرالموت يحتاج إليه الرجال والنساء.

قال الشوكانى فى نيل الأوطار: وهذا الكلام هوالذى ينبغى اعتماده فى الجمع بين أحاديث الباب المتعارضة فى الظاهر. والله اعلم. (أحكام الجنائز للشيخ الألبانى: ص١٤٨)

فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان

ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے:

سوال: کسی مسلمان کو اگر غیر مسلم دکان وغیرہ میں قتل کردے تو شہید کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ظلماً قتل کیا جانے والا مسلمان شہید ہے یعنی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اسی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو نزل عليه اللصوص ليلاً فى المصر فقتل بسلاح أوغيره أوقتله قطاع الطريق خارج المصر بسلاح أوغيره فهو شهيد لأن القتيل لم يخلف فى هذه المواضع بدلاً هو مال ولو قتل فى المصر نهارًا بسلاح ظلمًا بأن قتل بحديدة أومايشبه الحديدة كالنحاس والصفر وماأشبه ذلك، أومايعمل عمل الحديدة من جرح أوقطع أوطعن بأن قتله بزجاجة أوبليطة قصب أوطعنه برمح لازج له أورماه بنشابة لانصل لها أوأحرقه بالنار وفى الجملة كل قتل يتعلق به وجوب القصاص فالقتيل شهيد. (بدائع الصنائع: ۱/۳۲۱، فصل فى الشهيد، سعيد)

درمختار میں ہے:

وهو كل مسلم طاهر قتل ظلمًا بغير حق بجارحة أى بمايوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل المال بل قصاص حتى لو وجب المال بعارض كالصلح أوقتل الأب ابنه لاتسقط الشهادة. (الدرالمختار: ۲/۲۴۷ ـ والشامى: ۲/۲۵۰، سعيد ـ وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۷، الفصل السابع فى الشهيد ـ وفتاوى محموديه: ۹/۲۹۵، باب احكام الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے:

شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدث اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو۔

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کردیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں..... اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

(بہشتی زیور گیارہواں حصہ: ص۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم:

سوال: سنامی میں جو لوگ شہید ہوئے بعض لوگ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "عصفور من عصافیر الجنة" سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو شہداء نہیں کہنا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ ان کو شہداء کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سنامی میں انتقال کرنے والوں کو شہداء کہنا صحیح اور درست ہے، کیوں کہ غریق بھی شہید کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: الشهداء خمس المطعون والمبطون

الغريق و صاحب الهدم و الشهيد فى سبيل الله.

(رواه الترمذى: ١/٢٠٤،باب كاجاء فى الشهداء من هم،فيصل)

ہاں قطعی فیصلہ بغیر وحی کے نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قطعی فیصلہ کرنے والوں پر تنبیہ فرمائی البتہ ان شاء اللہ کے ساتھ شہید کہنے میں کوئی حرج نہیں لہٰذا اب ان دونوں احادیث کی وجہ سے کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت ملاحظہ ہو:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرنى خارجة بن زيدبن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن أم العلاء امرأة من الأنصار رضی اللہ تعالیٰ عنہا بايعت رسول الله ﷺ أخبرته أنهم اقتسموا المهاجرين قرعة قالت: فطار لناعثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأنزلناه فى أبياتنا فوجع وجعة الذى توفى فيه فلما توفى غسل و كفن فى أثوابه دخل رسول الله ﷺ قالت: فقلت رحمة الله عليك أباالسائب فشهادتى عليك لقد أكرمك الله فقال رسول الله ﷺ ومايدريك أن الله أكرمه فقلت: بأبى أنت يارسول الله فمن يكرمه الله فقال رسول الله ﷺ: أماهو فوالله جاء ه اليقين والله إنى لأرجوله الخير ووالله ماأدرى وأنارسول الله ماذا يفعل بى فقالت: والله لاأزكى بعده أحدًا أبدًا. (رواه البخارى:٢/٣٧/١٠٣٧/٦٧٣٣،باب رؤيا النساء)

"عصفور من عصافير الجنة" والی روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشة أم المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دعى رسول الله ﷺ إلى جنازة صبى من الأنصار فقلت: يارسول الله طوبىٰ لهذا عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه قال: أوغير ذلك ياعائشة إن الله خلق للجنة أهلاً خلقهم لها وهم فى أصلاب آباء هم فخلق للنار أهلاً خلقهم لها وهم فى أصلاب آباء هم. والله اعلم. (رواه مسلم:٢/٣٣٧)

نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہوجائے تو اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے قتل ہونے والا شخص شہید کے حکم میں لہٰذا اس پر شہداء کے احکام جاری ہوں گے یعنی حنفیہ کے ہاں غسل نہیں دیا جائے گا۔

مبسوط میں ہے:

ومن صار مقتولاً من جهة قطاع الطريق لم يغسل أيضًا لأنه قتل دافعًا عن ماله وقد قال ﷺ: "من قتل دون ماله فهو شهيد" فلهذا لا يغسل. (المبسوط: ۲/۵۲، باب الشهيد، ادارة القرآن)

ہدایہ میں ہے:

ومن قتله أهل حرب أو أهل البغى أو قطاع الطريق فبأى شيء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ما كان كلهم قتيل السيف والسلاح.

(الهداية: ۱/۱۸۳، باب الشهيد، شركة علمية۔ ودرر الحكام شرح غرر الاحكام: ۱/۱۶۹، باب الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے:

شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو۔

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کردیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں..... اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔ (بہشتی زیور گیارہواں حصہ: ص ۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

اقسام شہداء:

سوال: شہداء کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کون سی؟

جواب: شہداء کی بہت ساری قسمیں ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ ''ابواب السعادۃ فی اسباب الشہادۃ'' تحریر فرمایا ہے جس میں ۴۵ سے زیادہ اقسام بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''التعلیق الممجد'' میں فرماتے ہیں:

قد ورد فی الأخبار عدد کثیر لمن یجد ثواب الشهادة فمن ذلك: (۱) المقاتل المجاهد وهو أعلی الشهداء (۲) والمطعون (۳) والمبطون (٤) والغریق (٥) وصاحب ذات الجنب (٦) والحریق (۷) والتی تموت بجُمع (۸) والذی یموت بهدم (۹) ومن یقصد الشهادة ویعزم علیه ولایتفق له ذلك کما هو ثابت فی حدیثی الباب (۱۰) وصاحب السُّل أخرجه أحمد من حدیث راشد بن خنیس والطبرانی من حدیث سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱) والغریب أی المسافر بأی مرض مات أخرجه ابن ماجة من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والبیهقی فی الشعب من حدیث أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ والدارقطنی من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والصابونی فی المأتین من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والطبرانی من حدیث عنترة رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۲) وصاحب الحمی أخرجه الدیلمی من حدیث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۳) واللدیغ (۱٤) والشریق (۱٥) والذی یفترسه السبع (۱٦) والخارعن دابته رواهاالطبرانی من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۷) والمتردی أخرجه الطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۸) والمیت علی فراشه فی سبیل اللّٰه من حدیث أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۹) والمقتول دون ماله (۲۰) والمقتول دون دینه (۲۱) والمقتول دون دمه (۲۲) والمقتول دون أهله أخرجه أصحاب السنن من حدیث سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۳) أودون مظلمته أخرجه أحمد من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲٤) والمیت فی السجن وقد حبس ظلمًا رواه ابن مندة من حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲٥) والمیت عشقًا وقد عف وکتم أخرجه الدیلمی من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲٦) والمیت وهو طالب العلم أخرجه البزار من حدیث أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۷) والمرأة فی حملها إلی وضعها إلی فصالها ماتت بین ذلك أخرجه أبو نعیم من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۸) والصابر القائم ببلد وقع به الطاعون أخرجه

أحمد من حديث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۹) والمرابط فی سبيل الله (۳۰) ومن قتل بأمره الإمام الجائر بالمعروف ونهيه عن المنكر (۳۱) ومن صبر من النساء على الغيرة أخرجه البزار والطبرانی من حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۲) ومن قال كل يوم خمسًا وعشرين مرة "اللّٰهم بارك لی فی الموت وفيما بعد الموت" أخرجه الطبرانی من حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۳۳) ومن صلى الضحى وصام ثلاث أيام من الشهر ولم يترك الوتر فی السفر ولا الحضر أخرجه الطبرانی من حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳٤) والمتمسك بالسنة عند فساد الأمة أخرجه الطبرانی من حديث أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۵) والتاجر الأمين الصدوق أخرجه الحاكم من حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳٦) ومن دعا فی مرضه أربعين مرة "لا إله إلا أنت سبحانك إنی كنت من الظالمين" ثم مات أخرجه الحاكم من حديث سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۷) وجالب طعام إلى بلد أخرجه الديلمی من حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۸) والمؤذن المحتسب، أخرجه الطبرانی من حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۹) ومن سعى على امرته أو ما ملكت يمينه يقيم فيهم أمر الله ويطعمهم من الحلال (٤۰) ومن اغتسل بالثلج فأصابه برد (٤۱) ومن صلى على النبی صلی اللہ علیہ وسلم مأة مرة، أخرجه الأول ابن أبی شيبة فی المصنف عن الحسن والثانی الطبرانی فی الأوسط من حديث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (٤۲) من قال حين يصبح ويمسی "اللّٰهم إنی أشهدك انك أنت الله الذی لا إله إلا أنت وحدك لا شريك لك وأن محمدًا عبدك ورسولك أبوء بنعمتك علیّ وأبوء بذنبی فاغفر لی انه لا يغفر الذنوب غيرك" أخرجه الأصبهانی من حديث حذيفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ (٤۳) ومن قال حين يصبح ثلاث مرات أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم ويقرأ ثلاث آيات من سورة الحشر أخرجه الترمذی من حديث معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (٤٤) ومن مات يوم الجمعة أخرجه حميد بن منجويه من حديث رجل من الصحابة (٤۵) ومن طلب الشهادة صادقًا أخرجه مسلم فهذه خمسة وأربعون ورد فيهم أن لهم أجر الشهداء وقد ساق الأخبار الواردة فيها السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالته "أبواب السعادة فی أسباب الشهادة" مع زيادة.

(التعليق الممجد على مؤطا امام محمد مع تحقيق الدكتور تقی الدين ندوی: ۲/۸۹، ۹۰، ۹۱، باب ما يكون من الموت شهادة، دار السنة والسيرة بدمشق۔ وكذا فی مظاهر حق جديد: ۲/۳۸، دار الاشاعت۔ ودليل الفالحين: ٤/۱۵۷، باب بيان جماعة من الشهداء فی ثواب الآخرة ويغسلون۔ والشامی: ۲/۲۵۲، مطلب فی تعداد الشهداء، سعيد)

اضافہ کے ساتھ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) راہِ خدا میں جس کو قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(۲) طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۳) پیٹ کی بیماری میں یعنی دست اور استسقاء میں مرجانے والا شہید ہے۔

(۴) پانی میں بے اختیار ڈوب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۵) نمونیہ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۶) جل کر مرنے والا شہید ہے۔

(۷) کنواری یا حالتِ حمل میں مرجانے والی عورت شہید ہے۔

(۸) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۹) اور جسے شہادت کی پرخلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہو اور اس کا وقت پورا ہوجائے اور شہادت کی تمنا دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوجائے وہ شہید ہے۔

(۱۰) دِق ''ٹی بی'' کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۱) حالتِ سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۲) بخار میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۳) جو زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۴) گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۵) درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا شہید ہے۔

(۱۶) سفر جہاد میں سواری سے گر کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۷) جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مرجائے یعنی کسی حادثہ میں مرجائے جیسے کار کا حادثہ، ہوائی جہاز کا حادثہ وغیرہ وغیرہ وہ شہید ہے۔

(۱۸) دورانِ جہاد اپنی موت مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۹۔۲۳) اپنے مال، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا شہید ہے۔

(۲۴) جس شخص کو حاکمِ وقت ظلم وتشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مرجائے وہ شہید ہے۔

(۲۵) پاکباز اور پرہیزگار عاشق جس نے اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حال میں اس کا انتقال ہوگیا وہ شہید ہے۔

(۲۶) طلبِ علم میں مرنے والا شہید ہے، اور طلب علم میں مرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو، یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو، یا کسی علمی مجالس میں حاضر ہو۔

(۲۷) جو عورت حاملہ ہونے کے بعد سے بچے کی پیدائش تک، یا بچہ کا دودھ چھڑانے تک مرجائے وہ شہید ہے۔

(۲۸) کسی شہر میں طاعون پھیل جائے اس وقت اسی شہر میں صبر کرکے ٹھہر جائے وہ شہید ہے۔

(۲۹) اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے دوران مرجانے والا شہید ہے۔

(۳۰) جو شخص ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہوکر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے تو وہ شہید ہے۔

(۳۱) جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر وضبط سے کام لیا اسے شہید کا ثواب ملے گا۔

(۳۲) جو شخص روزانہ یہ دعا "اللّٰھم بارك لی فی الموت وفیما بعد الموت" پچیس مرتبہ پڑھے گا اور اپنی فطری موت مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳۳) جو شخص اشراق اور چاشت کی نماز کا اہتمام کرے اور مہینہ میں تین روزے رکھے، اور حالتِ سفر وحضر میں وِتر کی نماز نہ چھوڑے اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

(۳۴) جب امت میں اعتقادی اور عملی گمراہی پھیل جائے اس وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا شہید ہے۔

(۳۵) سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(۳۶) جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دعا "لا إلـه إلا أنـت سبـحانك إنی كنت من الظالمين" چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں مرجائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(۳۷) جو شخص مسلمانوں کے لئے غلہ فراہم کرے وہ شہید ہے۔

(۳۸) بلا اجرت صرف رضائے الٰہی کی خاطر اذان دینے والا مؤذن۔

(۳۹) جو شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام باندی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔

(۴۰) برف سے غسل کرنے کی وجہ سے سردی نے مار ڈالا ہو وہ شہید ہے۔

(۴۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براءت یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

(۴۲) جو شخص صبح وشام یہ دعا پڑھے "اللّٰھم إنی أشھدك انك أنت اللّٰه الذی لاإله إلا أنت وحدك لا شریك لك وأن محمدًا عبدك ورسولك أبوء بنعمتك علیّ وأبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرك" وہ شہید ہے۔

(۴۳) جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ "أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں اور وہ شخص اگر اس دن مرجاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے، اور جو شخص شام کو یہ آیتیں پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴۴) جو شخص جمعہ کی شب میں مرجاتا ہے وہ شہید ہے۔

(۴۵) جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے اور مرجائے تو وہ شہید ہے۔

(۴۶) منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۷) جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۸) جو شخص باوضو مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۹) اسی طرح رمضان کے مہینے میں بیت المقدس، مکہ یا مدینہ مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۰) دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۱) جو شخص کسی آفت وبلا میں مبتلا ہو اور اس آفت وبلا پر صبر ورضا کا دامن پکڑے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۵۲) جو شخص صبح وشام "له مقالید السموات والأرض" پڑھے وہ شہید ہے۔

(۵۳) منقول ہے کہ جو شخص نوے برس کی عمر میں مرے وہ شہید ہے۔

(۵۴) یا آسیب زدہ ہوکر مرے۔

(۵۵) یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں۔

(۵۶) یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ شہید ہے۔

(۵۷) اسی طرح عادل حاکم و بادشاہ اور شرعی قاضی، یعنی وہ قاضی جو ہمیشہ حق وانصاف کی روشنی میں فیصلہ کرے وہ شہید ہے۔

(۵۸) جو مسلمان کسی کمزور مسلمان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے وہ بھی شہید ہے۔

(۵۹) گڑھے میں گر کر مر جانے والا شہید ہے۔

(۶۰) جو شخص کشتی میں بیٹھا اور دورانِ سفر قے میں مبتلا ہوا تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

(۶۱) جس شخص نے اپنی زندگی لوگوں کی مہمان داری اور خاطر وتواضع میں گزاری وہ شہید ہے۔

(۶۲) جو شخص میدانِ کارزار میں زخمی ہو کر فوراً نہ مر جائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے وہ بھی شہید ہے۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شہداء کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔

ملاحظہ ہو اوجز المسالک میں ہے:

وهكذا كما رأيت ترتقى الشهداء إلى قريب من ستين. والله اعلم.

(أوجز المسالك الى مؤطامالك: ٥٤٧/٤، باب النهى عن البكاء على الميت، دمشق)

تمت

ماخذ و مراجع

فتاوی دارالعلوم زکریا جلد دوم

قرآنِ کریم تنزیل من رب العلمین

﴿الف﴾

امداد الفتاح شرح نور الإيضاح	علامہ شرنبلالی	بیروت
آپ کے مسائل اوران کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ شہادت ۱۴۲۱	مکتبہ لدھیانوی
اتحاف السادة المتقين فی شرح احياء علوم الدين	سید محمد بن محمد الحسینی الشہیر بمرتضی حسن	دار الفکر
الأبواب و التراجم	حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ	سعید کمپنی
احسن الكلام فی ترك القراءة خلف الإمام	حضرت مولانا سرفراز خان صفدر	
الاختيار لتعليل المختار	عبد اللہ بن محمود الموصلی	بیروت
الاستذكار	ابن عبد البر	
اسنی المطالب	ابو یحیی زکریا الأنصاری	بیروت
آكام المرجان فی غرائب الاخبار و أحكام الجان		آرام باغ کراچی
الأشباه و النظائر	الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ	بیروت
آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	کراچی
إعانة الطالبين	ابوبکر عثمان محمد	التوفیقیة
أحكام القنطرة فی أحكام البسملة	مولانا عبد الحی لکھنوی	ادارة القرآن
اقامة الحجة على أن الإكثار فی التعبد ليس ببدعة	مولانا عبد الحی لکھنوی	ادارة القرآن

الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف	ابن عبد البر	جامع الحدیث
الاعجوبة فی عربیة خطبة العروبة	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	
ابوداود شریف	حافظ سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۲ت ۲۷۵	کتب خانه مرکز علم کراچی
احسن الفتاوی	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب	ایچ ایم سعید کمپنی
احکام القرآن	ابو بکر محمد بن عبد اللّٰه ابن عربی	دار الفکر
اوجز المسالك	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبه امدادیه ملتان
امداد الفتاوی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تهانوی	مکتبه دار العلوم کراچی
الاذکار	ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی و ۶۳۱ت ۶۷۶	دار العربیه بیروت
احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵	دار الفکر
ابن ماجه شریف	ابو عبد اللّٰه محمد بن یزید بن ماجه القزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۹ت ۲۷۳	قدیمی کتب خانه
الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین عبد الرحمن بن أبی بکر السیوطی	دار احیاء العلوم بیروت
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر أحمد عثمانی و مفتی عبدالکریم گمتهلوی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبة دار العلوم کراچی
أحکام الجنائز	محمد ناصر الدین ألبانی	
الآحاد و المثانی	ابن أبی عاصم	جامع الحدیث
أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ابو الشیخ الأصبهانی	جامع الحدیث
اسلامی فق	ولانا مجیب اللّٰه ندوی	لاهور

آثار السنن	علامه محمد علی النیموی ت۱۳۲۲ صدیقیه کتب خانه	
اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی التهانوی رحمه الله تعالیٰ	ادارة القرآن کراچی
الأشباه و النظائر	زین الدین بن ابراهیم ابن نجیم الحنفی ت ۷۰	ادارة القرآن کراچی
امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمه الله تعالیٰ و ۱۳۱٤ت۱۳۹٦	دار الاشاعت
انجاح الحاجة حاشیة ابن ماجه	الشیخ عبد الغنی المحددی الدهلوی ۱۲۹۵	قدیمی کتب خانه
ارشاد الساری الی مناسك الملا علی القاری	حسین بن محمد المکی الحنفی	بیروت
اکمال المعلم بفوائدمسلم	أبو الفضل عیاض بن موسی	دارالوفا
الإصباح حاشیة نور الإیضاح	مولانا اعزاز علی دیوبندی	مجیدیه
امانی الأحبار	مولانا محمد یوسف صاحب رحمه الله تعالیٰ	اداره تالیفات اشرفه
ارواء الغلیل فی تخریج احادیث بناء السبیل	لبانی صاحب	الکمتب الاسلامی

﴿باء﴾

البنایة شرح الهدایة	علامه عینی رحمه الله تعالیٰ	فیصل آباد
بخاری شریف	ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری رحمه الله تعالیٰ و ۱۹٤ت۲۵٦	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
بذل المجهود	محدث خلیل احمد سهارنپوری رحمه الله تعالیٰ ت۱۳٤٦	ندوة العلماء لکهنؤ
البدایة و النهایة	حافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی رحمه الله تعالیٰ ت ۷۷٤	دار المعرفة

بهشتی زیور	حکیم الامت مولانا اشرف علی تهانوی	دار الاشاعت
بهشتی گوهر اصلی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تهانوی	دار الاشاعت
بداية المجتهد	ابو الوليد محمد بن احمد القرطبی	دار نشر الكتب
البيان	ابو الحيسن يحيى بن أبی الخير	دار المنهاج
البجيرمی على الخطيب	شيخ سليمان بن محمد	التوفيقية
البحر الرائق	شيخ زين الدين ابن نجيم مصری	المكتبة الماجدية
بلوغ المرام	حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ	
بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع	علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاسانی ت۵۸۷	سعيد كمپنی
برطانيه واعلى عروض البلاد پر صبح صادق و شفق کی تحقيق	حضرت مولانا يعقوب قاسمی	جمهو سر و برطانيه

تاء

تفسير ماوردی	ابو الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۳٦٤ت ٤٥٠	دار الكتب العلمية
تفسير قرطبی	محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الكتب العلمية
تفسير طبری	ابو جعفر محمد بن جرير الطبری	دار المعرفة بيروت
تهذيب التهذيب	ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۸۵۲	دار الكتب العلمية بيروت
تحفة الأحوذی	بو العلى محمد بن عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ و ۱۲۸۳ت۱۲۵۳	دار الفكر
ترمذی شريف	ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمزی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۹ت۲۷۹	فيصل پبليكيشنز، ديوبند

تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبد اللّٰہ بن عمر البیضاوی	موقع التفاسیر
تعلیق شعیب علی المراسیل	شعیب الأرناؤط	مؤسسة الرسالة
التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد	مولانا فخر الحسن گنگوهی	سعید کمپنی
تدویر الفلك فی حصول الجماعة بالجن والملك	علامه لکهنوی	ادارة القرآن
التاج والإکلیل لمختصر الخلیل	موقع الإسلام	
تعلیق الألبانی علی الترمذیؒ و ابی داؤد وابن ماجه وصحیح ابن خزیمه	محمد ناصر الدین الألبانی	المکتب الاسلامی
تعلیق صحیح ابن حبان	شعیب الأطناؤط	دار السلام
التیسیر شرح جامع الصغیر	زین الدین عبد الرؤوف المنادی	الریاض
التعلیق الحسن	علامه نیموی	صدیقیه کتب خانه
التعلیق الممجد محقق	علامه عبد الحی لکهنوی بتحقیق الدکتور تقی الدین ندوی	دمشق
تهذیب الکمال	حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزّی و ٦٥٤ ت ٧٤٢	مؤسسة الرسالة
تاریخ بغداد	حافظ ابو بکرأحمد بن علی الخطیب البغدادی و ٣٩٣ ت ٤٦٣	الکتب العلمیة
تقریب التهذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی و ٧٧٣ ت ٨٥٢	دار نشر الکتب الاسلامیة
التذکرة فی احوال الموتی وامور الاخرة	ابو عبد اللّٰہ محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری القرطبی	دار الریان للتراث
تحریر التقریب	الدکتور بشار عواد معروف والشیخ شعیب الرنؤوط	موسسة الرسالة بیروت
تاج العروس	سید محمد مرتضی الزبیدی	مطبعه خیریه

تنویر الابصار	علامه شمس الدین محمد بن عبد الله تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ ۹۳۹ت ۱۰۰٤	سعید کمپنی
تلبیس ابلیس	(مترجم) علامه ابن جوزی (مترجم علامه ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی)	کتب خانه مجیدیه
تفسیر مظهری (عربی)	قاضی محمد ثناء الله پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ ت۱۲۲۵	بلو چستان بک ڈپو
التمهید	ابو عمر یوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و۳٦۸ت٤٦۳	مکتبة المؤید
تفسیر عثمانی	شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	مدینه منوّرة
الترغیب و الترهیب	حافظ ذکی الدین عبد العلیم بن عبد القوی المنذری ت٦٥٦	دار احیاء التراث
تفسیر ابن أبی حاطم	ابن أبی حاطم الرازی	
تکملة فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	مکتبة دار العلوم کراچی
تعلیق الشیخ محمد عوامة علی نصب الرایة	شیخ محمد عوامة	المکتبة المکیة
تعلیق الدکتور بشار عواد علی ابن ماجه	الدکتور بشار عواد معروف	دار الجیل بیروت
تعلیم الاسلام	حضرت مفتی محمد کفایت الله صاحب دهلوی	تاج کمپنی لاهور
تنقیح الفتاوی الحامدیّة	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الاشاعة العربیة
تألیفات رشیدیه	حضرت مولانا رشید أحمد گنگوهی رحمہ اللہ تعالیٰ ت۱۳۲۳	اداره اسلامیات لاهور
تذکرة الموضاعات	أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت٥۰۷	میر محمد کتب خانه کراچی

تبيين الحقائق	علامه فخر الدين عثمان بن على الزيلعى	مكتبه امداديه ملتان
تذكرة الرشيد	حضرت مولوى محمد عاشق الهى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى	مكتبه عاشقية
تعليق الألبانى على مشكوٰة	شيخ ألبانى	المكتبة الاسلامى
تعليق البشار عواد على تهذيب الكمال	الدكتور بشار عواد معروف	مؤسسة الرسالة
تعليق الشيخ محمد عوامه على المصنف	الشيخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه	المجلس العلمى
تذكرة الموضوعات	شيخ طاهر الفتنى الهندى	المطبعة اليمنية
تقريرات الرافعى	علامه رافعى	سعيد كمپنى
تفسير ابن كثير	حافظ اسماعيل ابن كثير القرشى الدمشقى ت ٧٧٤	دارالسلام
تسهيل الفلكيات	پروفيسر عبد اللطيف	كراچى

﴿ثاء﴾

الثمر الدانى	صالح عبد السميع الأزهرى	دار الفكر

﴿جيم﴾

جواهر الفقه	حضرت مفتى محمد شفيع صاحب	مكتبه دار العلوم كراچى
جمع الوسائل فى شرح الشمائل	الشيخ ملا على بن سلطان محمد القارى	اداره تاليفات اشرفيه
الجامع الصغير	جلال الدين بن أبى بكر السيوطى ت ٩١١	دار الكتب العلمية بيروت
الجامع الكبير	علامه سيوطى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى	
الجوهر النقى على هامش السنن الكبرى	علاء الدين بن على بن عثمان المارديني ابن التركمان ت ٧٤٥	دار المعرفة

جامع الأحاديث	جلال الدين عبد الرحمن السيوطى ت ٩١١	دار الفكر
الجوهرة النيرة	أبو بكر بن على بن محمد الحدادى ت ٨٠٠	مكتبة امدادية
جديد فقهى مسائل	مولانا خالد سيف الله رحمانى رحمه الله تعالى	كتب خانه نعيميه ديوبند
جزء رفع اليدين	امام بخارى رحمه الله تعالى	

﴿حاء﴾

حاشية الامام السندهى على سنن النسائى	امام سندهى	قديمى كتب خانه
حاشية امداد الفتاح	محقق شيخ عبد الكريم العط	بيروت
حاشية مؤطا امام مالك	مولانا اشفاق الرحمن كاندهلوى	آرام باغ كراچى
حاشية صحيح ابن خزيمة	الدكتور محمد مصطفى الأعظمى	المكتب الاسلامى
حاشية الدسوقى	شمس الدين محمد عرفه الدسوقى	دار الفكر
حاشية تبيين الحقائق	شيخ شبلى	امداديه
حاشيتان على كنز الراغبين حواشى الشيروانى	شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى	دار الفكر
حديث اسماعيل بن جعفر	اسماعيل بن جعفر	موقع الحديث
حاشية قليوبى	شهاب الدين القليوبى و الشيخ عميرة	ابناء السورتى تجارة الكتب
حياة الصحابة	حضرت مولانا محمد يوسف كاندهلوى رحمه الله تعالى	المكتبة التجارية
حياة الصحابة	حضرت مولانا محمد يوسف كاندهلوى رحمه الله تعالى	كتب خانه فيضى
حلية الأولياء	حافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ٤٣٠	دار الفكر

حياة محمود	فقيه الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوهی	مكتبه محموديه
حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح	علامه السيد أحمد طحطاوی	مير محمد كتب خانه كراچی
الحاوی للفتاوی	جلال الدين السيوطی ت۹۱۱	فاروقی كتب خانه
حاشية الجمل	شيخ سليمان الجمل	دار الفكر
حجة اللّٰه البالغة	حضرت شاه ولی اللّٰه صاحب	مكتبه حجاز ديوبند
حاشية لامع الدراری	حضرت شيخ محمد زكريا رحمہ اللہ تعالیٰ	سعيد كمپنی

﴿خاء﴾

خير الفتاوی	مولانا ناخير محمدجالندهری و ديگر مفتيانِ خير المدارس	شركت پرنٹنگ لاهور
خلاصة الفتاوی	شيخ طاهربن عبد الرشيد البخاری	مكتبه رشيديه كوئٹه
خزائن السنن	مولانا سرفراز خان صفدر	
خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى	علامه سمهودی رحمہ اللہ تعالیٰ	
خطبة الجمعة و أحكامها الفقهية		

﴿دال﴾

درّ منثور	عبد الرحمن جلال الدّين السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۸٤۹ت۹۱۱	مركز للبحوث و الدّراسة العربية مكة
الدر المختار	علامه علاء الدين محمد بن على حصكفی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۱۰۲۵ت ۱۰۸۸	ايچ ايم سعيد كمپنی

دلیل الفالحین	محمد بن علان الشافعی المکی	مصر
درر الحکام فی شرح غرر الأحکام	قاضی منلا خسرو حنفی	معارف نظارت جلیلة
درس ترمذی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	

﴿ذال﴾

الذخیرة	شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی	دار القرب الإسلامی

﴿راء﴾

روح المعانی	شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۱۲۷۰	التراث القاهرة
رد المحتار المعروف بالشامی	خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدین الشامی) ت ۱۲۵۲	ایچ ایم سعید کمپنی
روضة الطالبین	الإمام النووی	المکتب الإسلامی
رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز	مفتی جمیل احمد نذیری	لاهور
رسائل ابن عابدین	علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ	سهیل اکیڈمی

﴿زاء﴾

زاد المعاد فی هدی خیر العباد	شمس الدین أبو عبد اللّٰه الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱	مؤسسه الرسالة

﴿سین﴾

سلسلة الاحادیث الضعیفة	شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ تعالیٰ	المکتب الاسلامی

سلسلة الأحاديث الصحيحة	محمد ناصر الدين الألبانى	مكتبة المعارف الرياض
سنن الكبرى للنسائى	أحمد بن شعيب النسائى	
سير اعلام النبلاء	شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى و۷٤۸ت۱۳۷٤	مؤسسة الرسالة
سنن دارمى	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمى السمرقندى و ۱۸۱ت۲۵۵	قديمى كتب خانه
سنن دارقطنى	حافظ على بن أبى بكر الدارقطنى و۳۰٦ت۳۸۵	مكتبة المتنبى القاهرة
السنن الصغير	امام بيهق	دار الفكر
السنن الصغرى للبيهقى	امام بيهقى	
سنن سعيد بن منصور	سعيد بن منصور الخراسانى ت۲۲۷	الدار السلفية الهند
سنن كبرىٰ	حافظ ابو بكر احمد بن الحسين بن على البيهقى	دار المعرفة
سعايه	علامه لكهنوى	سهيل اكيڈمى
السنن و البدعات		

﴿شين﴾

شرح النقاية	حافظ على بن محمد سلطان القارى الحنفى ت۱۰۱٤	سعيد كمپنى
شرح الطيبى	شرف الدين حسين بن محمد بن عبد الله الطيبى ت۷٤۳	ادارة القرآن
شرح الزركشى على مختصر الخرقى		
شرح المسلم	أبو الفضل عياض بن موسى	دار الوفاء

شرح بلوغ المرام	شیخ عطیه سالم	بیروت
شرح الوجیز	ابو القاسم عبد الکریم بن محمد	بیروت
شرح المجلة	محمد خالد الاتاسی	رشیدیه
شرح وقایه	عبد الله بن مسعود بن تاج الشریعة	مطبع مجیدی
شرح عقود رسم	المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی	مکتبه اسعدی
شعب الایمان	الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و ۳۸٤ت٤٥٨	الدار السلفیة الهند
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی رحمه الله تعالیٰ	ایچ ایم سعید کمپنی
شرح المسلم للنووی	ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ٦٣١ت٦٧٢	دار احیاء التراث
شفاء السقام فی زیارة خیر الانام	علامه سبکی	
الشرح الکبیر	شیخ ابن قدامهالمقدسی	بیروت
شرح الصدور	حافظ جلال الدین السیوطی ت ۹۱۱	دار المؤید الریاض
شرح الزرقانی	علامة محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمه الله تعالیٰ	دار احیاء التراث بیروت
شرح مختصر الخلیل	شیخ محمد علیش	دار الفکر

﴿صاد﴾

صحیح و ضعیف سنن نسائی	محمد ناصر الدین الألبانی	
صحیح ابن حبان	محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی	موسسة الرسالة بیروت

﴿طاء﴾

الطبقات الكبرى	محمدابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ	دار صادر بيروت
طحطاوى على الدر المختار	علامه سيد أحمد الطحطاوى	مكتبة العربية كوئٹه

﴿عين﴾

عرف الشذى على هامش سنن الترمذى	علامه المحدث الكبير انور شاه الكشميرى	فيصل ديوبند دهلى
عمدة المفتيين	الإمام النووى	المكتب الإسلامى
العطر العنبرى فى حكم اجابة الأذان المنبرى	مولانا قاضى رحمة الله صاحب راندیرى	
عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا عبد الحى لكهنوى	المجيدى كانفورى
عیدگاہ کی سنیت	حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمى	
عصر حاضر کے فقہی مسائل	مولانا بدر الحسن القاسمى	حيدر آباد
عارضة الأحوذى	الإمام ابن العربى المالكى	دار الكتاب العربى
عمل اليوم و الليلة	أبو عبد الله أحمد بن شعيب النسائى ت۳۰۳	دار الفكر
عجالة الراغب المتمنى فى تخريج ابن السنى	أبو اسامه بن سليم بن عبد الهلالى	دار ابن حزم
عمدة الفقه	حضرت مولانا زوار حسين صاحب	مجددیه
عالمى تاريخ	مولانا عثمان معروف	
عمل اليوم و الليلة	أبو بكر أحمدبن محمدبن اسحاق ابن السنى	دائرة المعارف العثمانية
عمدة الرعايه	مولانا عبد الحيّ لكهنوى	مطبع مجيدى

عون المعبود	محمد شمس الحق العظيم آبادی	دار الكتب العلمية
عناية شرح هداية	أكمل الدّين محمد بن محمود البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۷۸٦	
عمدة القاری فی شرح البخاری	بدر الدين محمد محمود بن احمد العينی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الحديث ملتان

﴿غين﴾

الغرر البهية	شيخ زكريا بن محمد الأنصاری	
غمز عيون البصائر	شيخ احمد بن محمد الحموی	ادارة القرآن
غنيه المتملی فی شرح منية المصلی	شيخ ابراهيم الحلبی ت۹۵٦	سهيل اكيڈيمی لاهور

﴿فاء﴾

فتاوی حقانية	مفتيان كرام دار العلوم حقانية	دار العلوم حقانيه
فتاوی مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحبملتان	لاهور
فتح الباری شرح صحيح البخاری	ابن رجب الحنبلی	دار ابن حوزی
فتاوی واحدی	علامه عبد الواحد سيوستانی	كوئٹه ،پاكستان
الفتاوی السراجية (مجرد)	ابو محمد سراج الدين علی بن عثمان	آرام باغ كراچی
الفتاوی السراجية علی هامش قاضی خان	ابو محمد سراج الدين علی بن عثمان	كوئٹه
الفتاوی الموصلة	شيخ العز بن عبد السلام الشافعی	بيروت
فتاوی خليلية	حضرت مولانا خليل احمد سهارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ	
فتاوی عثمانی	مفتی تقی عثمانی صاحب	كراچی

فتاوی محمودیه	مفتی محمود حسن گنگهوهی رحمہ اللہ تعالیٰ	کتب خانه مظهری کراچی
فتح الباری فی شرح البخاری	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۷۷۳ت ۸۵۲	دار نشر الکتب الاسلامیة
فتاوی دار العلوم دیوبند(کبیر)	حضرت مولنا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	کتب خانه امدادیة دیوبند
فتح الملهم	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبه دار العلوم کراچی
فیض القدیر	حافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المنادی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الفکر
فتاوی هندیه	شیخ نظام الدین و جماعة من علماء الهند الاعلام	بلوچستان بک ڈپو
فتاوی ثنائیه	مولانا ابو الوفاء ثناء اللّٰه امرتسری	اسلامک پبلشنگ هاوس
فتاوی ابن تیمیه	الشیخ احمد بن تیمیه	دار العربیة بیروت
فتاوی رحیمیه	مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبه رحیمیه
تح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن همام ت ۶۸۱	دار الفکر
فیض الباری	حضرت مولانا انور شاه کشمیری ت ۱۳۵۲	مطبعه حجازی القاهرة
فتاوی رشیدیه	حضرت مولانا رشید أحمد گنگوهی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۱۳۲۳	مکتبة رحمانیه لاهور
فتح باب العنایة	ملا علی القاری	

الفروع	أبو عبد الله محمد بن مفلح المقدسی	دار الكتاب العربی
فتاوی قاضی خان	فخر الدين حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت۲۹۵	بلوچستان بك ڈپو
الفقه الاسلامی و أدلته	الدكتور وهبة الزحيليدار الفكر	
فتاوی دار العلوم ديوبند (مع امداد المفتيين)	مولانامفتی عزيز الرحمن صاحب و۱۲۷۵ت ۱۳٤٤	دار الاشاعت
فتاوی تاتارخانية	عالم بن علاء انصاری اندرپنی دهلوی ت۸۷٦	ادارةالقرآن
فتاوی اللكهنوی	أبو الحسنات عبد الحی اللكهنوی و۱۲٦٤ت۱۳۰٤	دار ابن حزم كراچی
فتاوی بزازيه	حافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب البزار الكردی ۸۲۷	بوچستان بك ڈپو
الفقه علی مذاهب الأربعة	شيخ عبد الرحمن الجزائری	دار الفكر
فتاوی فريديه	حضرت مفتی فريد صاحب اكوڑا كهٹك	
الفردوس بمأثور الخطاب	ابو شجاع الديلمی	دار الكتب العلمية

﴿قاف﴾

قواعد فی علوم الحديث	حضرت مولانا ظفر احمد تهانوی	دار السلام
القاموس الوحيد	مولانا وحيدالزمان كيرانوی	حسينيه ديوبند
قيام الليل	ابو النصرمروزی	بيروت
قواعد الفقه	مولانا عميم الاحسان	

﴿كاف﴾

كتاب الدعاء	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و۲٦۰ت۳٦۰	دار الكتب العلمية بيروت

كتاب العلل و معرفة الرجال	الإمام أحمد بن حنبل	
كتاب الحجة	امام ابو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ	
كتاب الجرح و التعديل	أبو محمد عبد الرهمن بن أبى حاتم الرازى ت۳۲۷	دائرة المعارف العثمانية
كتاب الضعفاء المتروكين	أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محدم ابن الجوزى	دار الكتب العلمية
كنز العمّال	علاء الدين على المتقى بن حسام الدين الهندى ت۹۷۵	مؤسسة الرسالة
كفايت المفتي	مفتی اعظم حضرت مولانا محمد كفايت اللّٰه دهلوى رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الاشاعت كراچى
كشف الخفاء	شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲	دار احياء التراث بيروت
كتاب الروح	شمس الدين ابو عبد اللّٰه ابن قيم الجوزيه	دار الفكر
كشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن يونس بن ادريس البهوتى	دار الفكر
كتاب الام	الإمام الشافعى	بيروت

﴿گاف﴾

گیارہ رکعت تراویح مناظرہ	مولانا حبیب الرحمن اعظمی	کراچی

﴿لام﴾

لسان العرب	علامہ ابن منظور رحمہ اللہ تعالیٰ و ۶۳۰ت ۷۱۱	مكتبة دار الباز مكة المكرمة
لغات الحديث	علامہ وحید الزمان	آرام باغ کراچی
لامع الدراری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوهی	سعید کمپنی

لسان الميزان	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت۸۵۲	اداره تاليفات اشرفيه ملتان
لاجديد فی أحكام الصلوة	أبو زيد بكر بن عبد الله	دار العاصمة
اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و االإفتاء	شيخ احمد بن عبد الرزاق ال؟؟	رياض

﴿میم﴾

مشكوٰة شريف	ابو عبد الله محمد بن عبد الله خطيب طبريزی رحمہ اللہ تعالیٰ	قديمی كتب خانه كراچی
مرقاة شرح مشكوٰة	ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ	مكته امداديه ملتان
مسلم شريف	ابو الحسن مسلم بن حجاج القشيری رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۶ ت ۲۶۱	مكتبة الاشرفية ديوبند
مختصر التحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعد المكتوبة	للشيخ محمد قاسم السندی	حلب
مختصر القدوری	ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی	سعيد
مجموعة الرسائل	علامه لكهنوی	
المحيط البرهانی	محمود صدر الشريعة ابن ما؟	الرياض
مختصر المذنی	امام مذنی شافعی	بيروت
منحة الخالق حاشية البحر الرائق	علامه شامی	كوئٹه
منح الجليل شرح مختصر الخليل	شيخ محمد عليش	دار الفكر
ماہانہ ندائے شاہی		
منظومه ابن وهبان	عبد البر بن محمد ابن الشحنة	الوقف المدنی ديوبند
مجموعة فتاوی و رسائل	ابن عثيمين	بيروت

مجمع بحار الأنوا	شیخ محمد طاهر الفتنی الگجراتی	مدینه منوره
المصاحف	امام ابو داؤد	
المبدع شرح (المقنع الفه الحنبلی)		
منتخب نظام الفتاوی المقاییس و المقادیر عند العرب	الشهیدة نسیبة محمد فتحی الحریری	دار المعارف دیوبند
منتهی الارادات مصفی شرح مؤطا		
الموسوعة الفقهیة		وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة الکویت
المدخل	ابو عبد اللّٰہ ابن الحاج	دار الفکر
مغنی المحتاج	محمد بن محمد الخطیب الشربینی	التوفیقیة
معرفة السنن و الآثار	الإمام البیهقی	جامع الحدیث
مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی	موقع الإسلام	
معرفة الثقات تراجم و طبقات،	وقع یسرب	
مظاهر حق جدید	نواب قطب الدین خان دهلوی	دار الإشاعت
مستدرك حاکم	ابو عبد الله محمد بن عبد الله المعروف بالحاکم ت٤٠٥ دار الباز للنشر والتوزیع	مکة المکرمة
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ ت٨٠٧	دار الفکر
مسند امام احمد بن حنبل	اما م احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ و١٦٤ت٢٤١	دار الفکر
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ت ١٣٩٦	ادارة المعارف کراچی
مصنف ابن ابی شیبة	حافظ ابو بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت٢٣٥	ادارة القرآن کراچی

معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبة المعارف
المجموع شرح المهذب	ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت ۶۷۲	دار الفکر
میزان الاعتدال	حافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸	دار الفکر العربی
المعجم الکبیر	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ت ۳۶۰	مکتبه ابن تیمیه
مصباح اللغات	ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی	قدیمی کتب خانه کراچی
مختصر المعانی	علامه سعد التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ	سعید کمپنی
مجموعة الفتاویٰ	مولانا عبد الحی لکهنوی	میر محمد کتب خانه
المحلیٰ	ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی	دار الباز مکة المکرمه
المحمود ماه نا مه		
ملفوظاتِ فقیه الامت	فقیه الامت حضرت مفتی محمود صاحب گنگوهیمیرٹھ	
مسند ابوعوانه	ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی	دار المعرفة
مستخرج ابو عوانة	ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی	دار المعرفة
مسند امام اعظم	ابو حنیفة النعمان بن ثابت الکوفی التابعی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۸۰ ت ۱۵۰	میر کتب خانه
مقالات کوثری	شیخ محمد زاهد الکوثری ت ۱۳۷۱	دار شمسی

الموسوعة الفقهية	أبو الحسين أحمد بن محمدالبغدادى القدورى و ٣٦٢ت٤٢٨	دار السلام
مدارك التنزيل و حقائق التاويل(تفسير النسفى)	أبو البركات عبد اللّٰه بن أحمد بن محمود النسفى ت٨٠١	دار الفكر
موضوعات كبير	على بن سلطان محمد الهروى ملا على القارى ت١٠١٤	مير محمد كتب خانه كراچى
مغنى عن حمل الأسفارعلىٰ هامش احياء العلوم	علامه زين الدين أبو الفضل عبد الرحيم العراقى ت٨٠٦	دار الفكر
المقاصد الحسنة	شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى	دار الكتب العلمية
المدخل	أبو عبد اللّٰه محمد بن محمد المالكى ابن الحاج ت٧٣٧	دار الفكر
مسند أبو داؤد طيالسى	أبو داود سليمان بن داود الفارسى الطيالسى ت٢٠٤	دار المعرفة
المعجم الأوسط	أبو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى ت٣٦٠	مكتبة المعارف
مسند أبو يعلى	شيخ الاسلام أبو يعلى أحمد بن على الموصلى و ٢١٠ ت٣٠٧	مؤسسة علوم القرآن
فضائل سورة الاخلاص و ما لقارئها	أبو محمد الحسن بن محمد الخلال و ٣٥٢ ت٤٣٩	مكتبة لينه القاهرة
مواهب الجليل	أبو عبد اللّٰه محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربى ت٩٥٤	دار الكتب العلمية
مسند بزّار	أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار و ٢١٥ت٢٩٢	مؤسسة علوم القرآن

لمعجم الصغير	ابو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانى و ٢٦٠ت ٣٦٠	المكتب الاسلامى
المبسوط	شمس الائمة ابو بكر محمد احمد السرخسى	دار المعرفة بيروت
مصنف عبد الرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانى و ١٢٦ ت ٢١١	ادارة القرآن كراچى
مؤطا امام مالك	امام مالك بن انس رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى	
المنح المطلوبة فى استحباب رفع اليدين بعد الصلوات المكتوبة		
مراقى الفلاح	شيخ حسن بن عمار بن على الشرنبلالى ت ١٠٦٩	مصطفى البانى الحلبى
المغنى	ابن قدامة الحنبلى	دار الكتب العلمية
مقدمات الامام الكوثر	ى الامام محمد زاهد الكوثرى و ١٢٩٦ت ١٣٧٨	سعيد كمپنى
معارف السنن	علامه بنورى رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى	
مجمع الأبحر شرح ملتقى الأبحر	عبد الله بن شيخ محمد دامادافندى	دار إحياء التراث
مراسيل أبى داؤد	امام ابو داؤد	مؤسسة الرسالة
مسند حميدى	ابوبكر عبد الله بن الزبير الحميدى	سملك ذابهيل الهند
المدونة الكبرى	الإمام مالك رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى	بيروت

﴿نون﴾

نصب الرايه	جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعى الحنفى	المكتبه المكية ١٥٦

نیل الاوطار	شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ	ادارۃ القرآن کراچی
النتف فی الفتاوی	ابو الحسن علی بن الحسین السغدی	بیروت
النشر فیالقراء ات العشر		
النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعدالمکتوبة	حضرت مفتی کفایت اللہ	کراچی
نهایة المحتاج الی شرح المنهاج	شمس الدین محمد بن أبی العباس	دار الفکر
نسائی شریف	ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۱۵ت ۳۰۳	قدیمی کتب خانه
نور الایضاح	علامه حسن بن علی الشرنبلالی محیدیه	

﴿هاء﴾

هدایة	ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۵۱۱ت ۵۹۳	مکتبة شرکة علمیة
هدی الساری مقدمة فتح الباری	حافظ ابن الحجر العسقلانی	دار نشر الکتب الإسلامیة

الحمد للہ تم

نوٹ